انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

جنوری ۱۹۵۶ء

شائع کردہ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بمبئی ۱

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

اغراض و مقاصد

۱۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کے طلباء کی رہبری کرنا۔

۲۔ ریسرچ کا کام کرنے والے حضرات کی ہر ممکن طریقہ پر اعانت کرنا۔

۳۔ تلاش و تحقیق میں بیرونی ریسرچ اسکالرز کا ہاتھ بٹانا

۴۔ ریسرچ کا کام کرنے والے اداروں اور یونی ورسٹیوں سے تعاون کرنا۔

۵۔ ایک جامع کتب خانہ قائم کرنا۔

۶۔ مختلف کتب خانوں کی فہرستیں مرتب کرنا۔

۷۔ نایاب مخطوطات و مطبوعات حاصل کرنا اور انھیں شائع کرنے کا انتظام کرنا۔

۸۔ ادارہ کی طرف سے ایک سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

جو خالص علمی اور ادبی رسالہ ہوگا۔

اس میں اُردو زبان و ادب کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوگی۔

اس رسالہ میں گجرات و دکن سے متعلق اُردو کے ابتدائی کارنامے جو اب تک شائع نہیں ہوئے انھیں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اُردو سے متعلق ریسرچ کا کام اس کے ذریعہ برسرِ عام لایا جائے گا۔

رسالہ کا حجم کم از کم ۹۶ صفحات ہوگا۔

رسالہ ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوگا۔

فہرست مضامین نوائے ادب

جنوری تا اکتوبر ۱۹۵۶ء

جلد ۷ ، شمارہ ۱

جلد ۷ شمارہ ۲

نوائے ادب

ایڈیٹر:- نجیب اشرف ندوی

چندہ سالانہ چار روپے
ششماہی .. دو روپے آٹھ آنے

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

خریداری و ترسیل زر کا پتہ

ہندوستان میں:- رائیٹرس امپوریم لمیٹڈ
پیلس بلڈنگ، سر فیروز شاہ مہتہ روڈ بمبئی ۱

پاکستان میں:- پوسٹ بکس نمبر ۹۴ کراچی ۱

شمارہ ۱

جلد ۷

جنوری ۱۹۵۶ء

فہرست مضامین

شذرات

یوں تو اردو کی ہردلعزیزی اور عام قبولیت کو مٹانے کے لئے مختلف ہتھیار استعمال کئے جاتے ہیں کبھی اس کو غیر ملکی زبان کہا جاتا ہی کبھی اس کے ادب کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہی اور کبھی اسے کسی ایک فرقے کی زبان بتاکر اس کی عمومیت کو صدمہ پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہی، لیکن چونکہ ان بلند بانگ دعووں کی کوئی اصلیت نہیں ہی، اس لئے ان کا کوئی خاص اثر نہیں ہوتا لیکن ایک عام شکائت اردو سے متعلق اس کی صوتیات اور اس کے املا سے متعلق ایسی ہی کہ جس پر اردو دوست اصحاب کو نہائت ٹھنڈے ں اور تعمیری نظر سے غور ہی نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کا متحدہ علاج بھی ڈھونڈھ نکالنا چاہئے۔

اس جماعت کی پہلی شکائت یہ ہی کہ حروف کے جو نام ہیں وہ حروف کی صوتیات سے مختلف ہیں اس لئے جب بچے یا بڑے اس زبان کو سیکھنا چاہتے ہیں تو حرف و صوت کا اختلاف ان کو پریشان اور آخر میں بددل کر دیتا ہی۔ اگرچہ یہ شکائت زیادہ وزنی نہیں پھر بھی یہ بتانا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے حروف ابجد کی جو ابتدائی آواز اور ترتیب تھی وہ بڑی حد تک علمی و عملی تھی چنانچہ پہلے ہم کو اَ۔ بَ۔ جَ۔ دَ وغیرہ پڑھایا جاتا تھا، لیکن بعد میں ترتیب و اصوات کو کسی ایک نظام کے ماتحت بدل دیا گیا لیکن ادھر تقریباً ۲۰ سال سے اب پھر اکثر مدارس میں وہی صوتی اصول استعمال کیا جارہا ہی۔ اور اس طرح سے یہ شکائت بھی بڑی حد تک دور ہو سکتی ہی۔

اس سلسلہ کی دوسری شکائت املا سے متعلق ہی۔ اب چونکہ ہمارے یہاں بد قسمتی سے عربی و فارسی کی تعلیم روز بروز کم ہوتی جارہی ہی اور لوگ صرف اردو پر بھروسہ کرکے سب کچھ سیکھ لینا چاہتے ہیں تو ان کو عربی کے بعض الفاظ کے املا میں شک پیدا ہوتا ہی۔ اس لئے انجمن ترقی اردو نے املا میں یکسانی پیدا کرنے کے لئے۔ خاص اصول و قواعد بنا کر اپنی مطبوعات میں ان پر عمل کرکے دوسروں کے لئے راہ ہدائت قائم کردی تھی۔ لیکن افسوس کے ساتھ لکھنا پڑھتا ہی کہ نہ تو ہمارے انشا پردازوں نے اس کی طرف توجہ کی اور نہ اب خود انجمن ترقی اردو (ہند) اپنی مطبوعات میں اس پر اصرار کرتی ہی، حالانکہ حقیقت یہ ہی کہ

جب تک ہم اس قسم کی چیزوں کو ایک مرتبہ مان کر اس پر عمل نہ شروع کردیں گے یہ انتشار باقی رہے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ انجمن ترقی ہند اسس مسئلہ کو ایک مرتبہ پھر اپنے ہاتھ میں لے اور اردو کی واحد مرکزی ادبی جماعت کی حیثیت سے اس مسئلہ کا حل پیش کرکے اردو والوں کی رہبری کرے۔

اسی سلسلہ میں معمولی طور سے ٹائپ رائٹر، لینوٹائپ اور ٹیلی پرنٹر کے متعلق بھی اوچھے اعتراضات کئے جاتے ہیں لیکن اس قسم کے اعتراضات کرنے والے اس چیز کو بھول جاتے ہیں کہ اردو کے سلسلہ میں حروف والا میں جو پڑے ہیں ان کے بجائے ہر جگہ وہی حروف، وہی رسم الخط اور وہی املا، ایشیا اور افریقہ کے کروڑوں فارسی، عربی عادی اور نہ معلوم کتنی دوسری زبانوں میں، ان تین چیزوں ہی کے لئے نہیں بلکہ فن کار نہ جماعت کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کے اعتراضوں سے متاثر ہونا بزدلی اور مایوسی کی دلیل ہے۔ تقریباً ایک ہزار برس سے یہی رسم الخط سارے ہندوستان میں جاری تھا اور اس کے استعمال میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تو پھر آج یہ آوازیں کیوں سنائی دے رہی ہیں اگر ہم نے اس راز کو سمجھ لیا تو سب کچھ سمجھ لیا۔

ایک علمی اور تحقیقاتی ادارہ کے لئے ایک ایسے کتب خانہ کی جو اس ادارہ کی علمی و عملی سرگرمی کے لئے مرکزی حیثیت رکھتا ہو۔ چنانچہ اسی خیال کے پیش نظر ادارہ کے قیام کے وقت ہی سے ہم نے اس کی کوشش جاری رکھی ہے کہ ہمارا کتب خانہ اردو ادب اور اس کے متعلقات کا جہاں تک تعلق ہو ہماری ضرورتوں کے لئے کافی ہو، اس سلسلہ میں انجمن اسلام نے اپنی قدیم کریمی لائبریری ادارہ کے حوالہ کرکے بڑی مدد کی ہے اور اس وقت کی تمام اہم تصانیف کے علاوہ، عربی، فارسی اور دوسری زبانوں کی مطبوعات کی بڑی تعداد بھی ہمارے ادارہ کے کتب خانہ میں تحقیقاتی کام کرنے والوں کے لئے مفید ثابت ہو رہی ہیں، لیکن ہمارے ادارہ کے مقصد کے پیش نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ جہاں اس میں مطبوعہ کتابوں کی کافی تعداد موجود ہے وہیں اس میں اردو اور دوسری متعلقہ زبانوں کے قلمی نسخوں کی کمی ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ گجرات اور دکن نے اردو کی جو خدمت انجام دی ہے اور وہاں جو تحقیقی ادب پیدا ہوا ہے اس کا عشر عشیر بھی جامۂ طباعت سے آراستہ نہیں ہوا ہے اسی لئے ہم نے اب یہ کوشش شروع کی ہے کہ قلمی نسخے اور قدیم مطبوعات بھی جمع کریں۔

کیا ہم اردو دوست اصحاب سے درخواست کرسکتے ہیں کہ وہ اس سلسلہ میں ہماری مدد کریں تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہم اس کتب خانہ کو اردو سے متعلق تحقیقاتی کام کرنے والوں کیلئے ایک حد تک مکمل کرسکیں۔

اسی سلسلہ میں یہ بتا دینا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ ادارہ نے اپنے کتب خانہ کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کے لئے اس کی رکنیت ہی عام نہیں کر دی ہے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ ایک ریڈنگ روم بھی قائم کر دیا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔

ادھر چند مہینوں سے اردو کی حمایت ہی میں بعض غیر متوقع گوشوں سے بھی آواز سنائی نہیں دے رہی ہے، بلکہ اس کے حامیوں کی آوازیں اعتماد و یقین کے ساتھ بلند تر اور موثر تر ہوتی جا رہی ہیں، اس کا ثبوت وہ عملی تحریکیں ہیں جو ملک کے مختلف گوشوں میں مصروف جد و جہد ہیں، حیدرآباد میں جہاں ایک طرف اردو ہال کی تعمیر کا آغاز ہوا ہے اسی طرح وہیں کے ادارۂ ادبیات اردو نے بھی اپنی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ دیا ہے اتر پردیش میں بھی متعدد کنونشن ہوئے ہیں بہار بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے، اور اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پنجاب، دہلی، راجستھان، مدھیہ بھارت وغیرہ میں اردو ایک مرتبہ پھر سنبھالا لے رہی ہے، ۱۹۵۵ء میں شائع شدہ کتابوں رسالوں اور اخباروں کی تعداد اس کی غماز ہے، لیکن اب جب کہ صحت و زندگی کی طرف قدم اٹھایا جا چکا ہے، ضرورت ہے کہ یہ قدم آگے بڑھتا ہی نہ جائے بلکہ اس میں اعتماد کے ساتھ تیزی بھی پیدا ہوتی جائے۔

یوں تو گذشتہ سال کی ہر سہ ماہی ہمارے لئے ماتم و غم کی سہ ماہی رہی ہے لیکن اس کی آخری سہ ماہی نے تو ہمارے ادبی ایوان کی پرانی رونق کا بالکل ہی خاتمہ کر دیا ہے ان کی تعداد سات تک پہنچتی ہے (یعنی جگر مراد آبادی) جوش دہلوی پنڈت کیفی، اقبال سہیل، محشر بنارسی، ہوش بلگرامی، مجاز لکھنوی، مولانا اسلم جیراجپوری) اور یہ سبھی سیارے ہمیشہ کے لئے ہم سے روپوش ہوگئے اور افسوس ادب و تہذیب اور روایات و تمدن کی وہ شمعیں جو ایک طرف ماضی کا دھندلا سا نقشہ ہمارے سامنے پیش کرتیں تو دوسری طرف حال سے متعلق معتدل اور مستقبل سے متعلق امید افزا منزل دکھلاتی تھیں، اچانک بجھ گئیں اور یہ میکدۂ ادب دیرینہ رندان بادہ خوار کی حیات بخش و ہمت افزا ہاؤ ہو سے خالی ہوگیا ان جنت نصیبوں میں سے حضرت کیفی سے میرے ذاتی مراسم ہی نہیں تھے بلکہ وہ میرے خاندان کے ایک بزرگ رکن بھی بن گئے تھے درمیں اکثر ان کو اپنا مہمان بنانے کا شرف حاصل ہوا ہے حضرت سہیل سے تقریباً ۳۰ سال سے نیاز حاصل رہا ہے اور اسی طرح دوسرے جانے والوں نے بھی ذاتی تعلقات کے اثرات چھوڑے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ان کو اس دنیا میں سکون و طمانیت نصیب کرے اور ہم کو توفیق دے کہ ادب و تہذیب کے جو دیے وہ چھوڑ گئے ہیں ان کو بجھنے نہ دیں۔

عارف باللہ قاضی سید محمود بحری قدس سرہٗ

اور ان کی تصنیفات

(جناب سخاوت مرزا صاحب بی اے، ایل ایل بی عثمانیہ)

(گزشتہ سے پیوستہ)

عربی نادر تشبیہات ؎

یک تو حق کا دگر حبیب نور ۔ نمک پہ ترے تو آج ذی النورین
کیوں نہووے توں آج عالمگیر ۔ لب ہے لقمان تو ہیں ذو القرنین

شاہ مبارک آبرو کا بھی ایک شعر ہے ؎

دو بھواں سے لگے ہیں جس کے نین ۔ وہ کہاتا ہے حاجی الحرمین

تلمیح ؎

منجہ ہتھیلی کوں زلف کے تیرے ۔ رخ ترا کاٹے کوں ڈراتا ہے
(ہتھیلی بیجاپوری مصنف چندر بدن مہیار) (کا ہتھیکو)

ہزار بات کی ایک بات ؎

ہزار بات کی یک بات یو ہے اے بحری ۔ جو "ہے سو ہے" توں اپکوں نہ دیکھ درمیانی

حافظ شیرازی کا شعر ہے ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست ۔ تو خود حجاب خودی حافظ ازمیان برخیز

شاہ میر زائے چوٹی کا ایک فقرہ یہ ہے "ہست کہے تو ہے اور ہے کوں سب کچھ ہے"

شاہ کمال برادر شاہ میر فرماتے ہیں ؎

ہے کو ہے اور نیں کو نیں کہنا ۔ قول حق ہے کلام اصدق ہے

دو دلا، دو راہا، مولانا محمد حسین آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں کہ بقا، اللہ خاں بقا نے دو آبہ کا مضمون سب سے پہلے کہا اُس کے بعد میر تقی میر نے بلکہ میر نے تو اس کوچہ میں ایک مضمون اور نکالا ہے جو سب سے الگ ہے

میر تقی میر ؎

میں راہِ عشق میں تو آگے ہی دو دلا تھا ۔۔۔ پر پیچ پیش آیا قسمت سے یہ دو راہا

مگر بحری نے میر صاحب سے بھی کئی قرن پہلے دو دلی اور دو راہی کو اس طرح باندھا ہے ؎

دیکھ تجھ بن میں بلبلان سارے ۔۔۔ دو دلے، دنگ ہور مذبذب حال

بلکہ دو رنگی کا مضمون بھی تو بحری ہی کا حصہ ہے جو آج سے ڈھائی صدی قبل کہا ہے ؎

منہ دو رنگے سوں رکھے گا دوست کیونکر دوستی ۔۔۔ دیہ کچھ، دل کچھ، نین کچھ، برت کچھ ہور بات کچھ

ولی اورنگ آبادی کا بھی ایک شعر ہے ؎

ولی اس بے وفا کے قول پر کیا اعتبار آوے ۔۔۔ کہ ظالم ہے دو رنگی ہے، ستمگر ہے شرابی ہے

محاورہ، تیرنا، ڈوبنا ؎

خدایا خوب کر سب کا کہ اوخوبی سو میری ہے ۔۔۔ جھگچہ تیری سو اوروں کی جھگچہ ڈوبی سو میری ہے

یوسفی اور یعقوبی ؎

جسے دنیا سو دے اد یوسفی اد مصر کی شاہی ۔۔۔ یو یک کنعان منجے کافی یو یعقوبی سو میری ہے

نیلے پیلے ہونا ؎

بحری کے بچن سننے سوں نیلے ہوئے پیلے ۔۔۔ جے لوگ لہو ے آپنے سینے سوں مڑے ہیں

ٹیڑھا پن ؎

بگلے کے بن نہ چلے کام سمجھ بی سیدے کا ۔۔۔ یو رنگ دیکھ تون تیران میں ہور کمانان میں

حقیقت آدمؑ ؎

ہے سُنا سرسے پاؤں لگ آدم ۔۔۔ خاک کھتے سو خاک پھکتے ہیں

یعنی انسان سرتاپا سونا ہی سونا ہے ۔

نادر تشبیہات

سیدا ستارہ (سو قامت)

مرا دل دوڑتا جد دل قلم ہو ۔۔۔ ترے قد کن جو ہے سیدا ستارا

قد کو درن کھانب سے) اس سر: سے قد کون مجہ سون لڑنے
ان کھانب کے سار گاڑتا نا

تل یعنی خال و زلف سے : بکھنے لٹ کون دسے تل ہے گلے پر
ہکی اور چوہری نے ۔۔۔ کہ چل دیوے کبھی چوری بلے پر

مزغرا ؎ (دھتا ہوا)
تجھ باغ مرے دُکھ بولنے کون
تجکو رکھ ہات تون جلتے نئے پر

مگر جدید محاورہ جلتا ہوا توا ہے۔

گن بھرے دلبر ؎

یو گن بھرے دلبر، یو نظر بازہ، یو مجلس
یو پھول، یو بلبل، یو چمن چھوڑ نجانا

من لگن میں ؎

کرتی ہے او من پٹن میں شاہد
بل من میں ای کی۔ ہے دو راہی

الفاظ کی ایجاد و اختراع، من پٹن، پنڈپٹن، پرت پٹن وغیرہ بھی کی ہے ؎

جاون ہیں اس سنگار پر قرباں
اس سلونے سنگار پر قربان

بحری ؒ نے بقاء اللہ بقا سے بہت پہلے دکن میں شہر دلی کا محاورہ استعمال کیا ہے ؎

بقا ؎
پگڑی ہی سنبھالئے تو خیر
اوستی نہیں یہ دلّی ہے

بحری (من لگن) ؎

وحدت کے دل کے ونّ سارے
یو بیت سنے سو شُد پسارے

بحری (دل کی دلی اور جمنا کا کنارہ) ؎

عشق کا قول دے ہمارے دوست
دل کی دلی کون جیو جمنا گن

حیدر آبادیوں نے بھی دلی کے محاورے کو اپنایا تھا۔ حیدر آباد میں ایک محلہ مغل پورہ ہے جہاں سلطنت قطب شاہیہ کے زمانے میں جوان ایرانی، تورانی، پٹھان، مغل سب ہی تھے کسی دکھنی شاعر نے کیا خوب چوٹ کی ہے ؎

سنبھل کر چل ارے ہندوستانی
مغل پورہ ہے یہ دلی نہیں ہے

آوتا جاوتا، لاوتا، پاوتا۔ اس زمانہ میں دلی کی زبان تھی، آنند رام مخلص شاہجہاں آبادی تلمیذ خان آرزو کہتا ہے ؎

دھوم آونے کی کس کی گلزار میں پڑی ہے
ہاتھ ارگجہ کا پیالہ نرگس لئے کھڑی ہے

بحری کے کلام میں آوتے جاوتے، نگوڑے، نگوڑی، پچھو، جد، تد، کدی، لتاڑنا وغیرہ خالص شمالی ہند کی اردو کے الفاظ ملتے ہیں، چنانچہ بحری فرماتے ہیں ؎

کچھ بی لے جاتا تو ہے پن ہم نگوڑے کیا لے جائیں
آوتے بیاتے توے جاتے اپس سنگات کچھ

نگوڑے خاص عورتوں کی زبان ہے میر یار علی جان لکھنوی کہتے ہیں ؎

یہ بدگمان ہے دل اس نگوڑے نٹ کھٹ کا لگایا میں نے جو سرمہ موے کا دل کھٹکا

بعض فارسی اشعار کے ترجمے بھی بحری کے کلام میں ملتے ہیں ؎

بحری میں بحر و بر ہے ہور بحر و بر میں بحری اس بات کو عزیزاں سیوٹ نہ کیں تو کیا کیں

کسی کا فارسی شعر صوفیا ء میں بہت مشہور ہے ؎

رفتم چو سیر دریا دیدم عجب تماشا کشتی درون دریا، دریا درون کشتی

جس کی توضیح و تشریح شاہ عبدالحق مخدوم ساوی بیجاپوری نے اپنے ایک رسالہ میں خوب کی ہے

دکھنی بناؤ سنگار بمقابلہ لکھنؤ ؎

بالاں میں تیل برمیں گلاں ، بھر گلا صندل

(تنبول کی دھڑی) تنبول کی ادھر پہ دھڑی تھی نظر پڑی

بابائے عاشقاں سعدی کی طرح بحری نے بعض اشعار ہزلیات میں بھی کہے ہیں ، میاں چرکین

تو محض اسی صنف کے لئے مختص ہو گئے تھے ، بحری نے بھی ان سے ایک صدی پہلے بعض شعر کہے ہیں

دو ایک تو عروس عرفان میں کشف و کرامت کی مذمت میں ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ۔

این قطعہ باصطلاح اراذل دکن ترقیم یافتہ ؎

گر کسے تف زند بگرد خلق این کرامت بگہ بود امروز
چو سلامش کند شفا بخشد گردوش در زمالش علت سوز
اے کرامت طلب برؤ بشتاب از مریدان گہ باش چو گوز
تو ز اہل کرامت اے بحری گر گریزی تو ہست ہیچ یوز

رقیب کے یہ کہوں گا جیب کوں حوال او کون خر دیکھو گھستا ہے جون کہ گوز ہنوز

شاعرانہ تعلی ؎

چپ نہ رہ کچھ تو بول اے بحری حسن بہریا کلام جون کر حسن
عشق خنجر کھینچ کر پھرتا ہے باول ہوسو دیکھ بوالہوس کہتے کہ عاشق ہم نہیں اس ہم نہیں

تان سین و فلاطون ؎

یک تان سین گیا جو فلاطون سے استاد
کھنچیا نہ کوئی اب تلک اس ساز کا پلو

آہ، او لب شکر کہاں ہے کو سرو قد سیمبر کہاں ہے کو
روز محشر حسن ہے رات مجھے او مبارک سحر کہاں ہے کو (دیکھو)

محبوب کے مکھڑے پہ عرق کر نہ پچھانو اٹکیا ہے اگن پر او جو سیماب سو یو ہے
اضطراب عشق سے
مد پان کی پیالی سوں مجھے پرکھ لیا ہوں تجہ سور سمجھے کون اضطلاب سو یو ہے
رام کہانی سے
دکھ دل کے درا تاہوں سن اے مخلص جانی آرام کہانی ہے نہ یو رام کہانی
الآں کی کان سے
بحری یو غزل بول اس انگل توں کہ جس کے ہے کان میں الآن کی کان کی کانی

دھڑک دھڑانگ سے
عشق دھو کر دھک دھڑانگ میں ہے یعنی اس مطربان کے بانگ میں ہے
پرت پیرہن سے
شک نکو کس کوئے سوں اے یوسف گر پرت پیرہن تجہ آنگ میں ہے
چیت چور سے
چیت چرانا ترا کچھ اور دسیا گرچہ چیت چور چار دانگ میں ہے

اس چمن میں دکھن کے اے دلدار تجہ سے کوئی نونہال نین سچ ہے (سا)
پرنگالی کلال سے
دھن ترے مد متے نین کے نمن پرنگالی کلال نین سچ ہے
حافظ شیرازی کا رنگ سے اے ہدہد صبا بہ سبا می فرستمت الخ
بحری سے
گر نہ آیا او سورج یو رات کیوں جاگی سو کو یا نہ مرچی کر اٹھا یو بات کیوں جاگی سو کو
میں سلیمان نین جو ہدہد ات میں میرے اچھے یو سدا اس بلقیس تگ ہیہات کیوں جاگی سو کو
بھیجے منگتا ہوں دل کا سوز لکھ قاصد منگا ت پن یو پلاوک مل یوں کیہات کیوں جاگی سو کو

شاہ نصیر کے رنگ کے قافیے مثلاً آب و آتش باد و خاک "فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں"
بھی قدیم دکھنی شعراء میں ملتے ہیں بحری ؎

عرق مکھ پہ ہے تیرے یا چمن میں آگ ہور پانی　　نہ کن دیکھیا سنیا اس بھانت بن میں آگ ہور پانی
جلن چھاتی کی رو رو مت ڈرا مجلس میں دلبر کے　　کہ لیا تا نین ملاکر انجمن میں آگ ہور پانی

(دوہرا)

محاورات

جھلجلانا۔ بحری ؎　داغ تیرے عشق کے منھ جیو پریوں جھلجلین
جوں کہ بوٹی زر کی تہہ شال پر اے شہپری

تھرکنا ؎
جون نظر میری ترے مکھ پر جو ڈھلتا ہے عرق　　یوں نہ کین کوڑیاں تھرکا تال پر اے شہپری

کان سے لگی رہنا ؎
ہن کے کان میں کیوں کون چھپا کر درد منج دل کا　　کہ گوپن کے نمن دو تن لگی ہے کان کی جاگے

سوت کو کپاس کرنا ؎
لٹ کون لٹ پٹ ہور رخ پہ رتیج نکو　　سوت کاتتے کو پھر کپاس فکر

مسافر چین کی طرح دوڑ کر آنا ؎
اشتیاقی زلف کی دھر دوڑتے آیا ہوں میں　　جون مسافر چین کا کرتا ہے منزل طے ہزار

کچوانا۔ (دکھنی) (تنفر)۔ چٹ کھا کر اچھلنا۔
گر جو میں کیچو اکہ کچھ بھڑکا اٹھے تیوں بول اٹھوں　　آگ اسپند تیوں چٹ کھا کر اچھلا نیں ہنوز

خط سوں ترے مدد لیا شاید　　جو دھنوان آگ پر کیا ہے چال
تاڑ کا جھاڑ چڑھنا　ع گھوڑا جتا دوڑ لئے تو نا جھاڑ چڑھے تاڑ کا
ع　اس ہندوانی نار کون ہے شوق اکثر تاڑ کا

بحری کا کلام صنعت ایہام سے بھی مملو ہے۔ اور ولی کے کلام میں بھی اور متاخرین شعرا بعد ولی، عاجز اورنگ آبادی۔ اور ہندوستان میں شاہ آبرو اس کے بہت دلدادہ تھے جس کی اصلاح کا سہرا مرزا مظہر جان جاناں کے سر رہا ہے۔

ہم یہاں بحری کی ایک غزل مرصع نقل کرتے ہیں۔ جو معشوق کا سراپا ہے۔

غزل مرصع :-

	لال تجہ لال ادھر کے لالی کون
لب	لال یوں تو جیب ہوتی لال
	پھوڑ لیتے ہیں آپنا سینا
دندان	دیک سون تجہ دسن کے موتی ڈھال
	سرو تجہ قد سوں سرفراز ہوا
قد	نہ کہ یک سرو ہر نہال نہال
	جو ن حقی کون خیال شترے کا
کمر	یون ہے شترے کون تجہ کمر کا خیال
	دکھ تجہ چال کی کیتک چالی
چال	جنوں کوا ہنس اس کی بسریا چال
ڈیں ڈول بکپ	ڈول ہور اس ڈھلک کون تیری دیکھ
	ڈول کھاتے ہیں مست ہو پھل ڈال
پامالی	لال کیا پوچھتا ہے حال مرا
	حال تجہ پانون سون ہے سب پامال
	بحریا صبر بھتر اس جاگا
	دل کون رکھ دھیر اگر زبان ہے اقال

قحط سالی سگر (نصرت آباد) کے متعلق آپ نے فارسی میں بھی ایک مختصر مثنوی کہی ہے۔ دکھنی زبان میں بھی ۱۹ بیت کی ایک نظم کہی ہے جو کلیات میں درج ہے۔ جو تنگیوں کی مذمت، اور امیر غریب سب کی پریشانی کا نقشہ کھینچا ہے۔

ابتدا:-

بھشان کوبخشے جان اے یار جانی کہ سنیٹر یانین ہے کچہ پوتی میں پانی
تونگر کے چڑے اوسان یوں بھار ۔ جو نا ٹھہر سکے اس کا نقش ثانی

مرثیہ سید وارث سرمست :-

سید وارث سرمستؒ کی موت کا واقعہ فارسی میں بھی نظم کیا ہے اور اردو میں بھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ حضرت صوفی سرمستؒ (اسد الاولیا) قدس سرہٗ کی اولاد میں تھے اور بحریؒ کے مرشد

شاہ باقرؒ کے عزیز تھے، بحریؒ نے اشارہ کیا ہے سید صاحب کو غالباً سماع میں کسی شعر پر وجد آگیا اور اس قدر اثر ہوا کہ جنون کی حد تک پہنچ گیا اور اسی حالت میں سگر کے قلعہ پر سے گر کر جان دی۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اصلا میں تھے سرمست سے تس پہ سرود   جب شق ہوا جسم کی پردا چھوڑے

ڈاکٹر حفیظ کو اس مصرعہ کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی عز ایک پل منے پھٹ مغز ہوا دانا دان، یعنی یہ کہ نادان بھی دانا ہوگیا، نہیں بلکہ دراصل دماغ پاش پاش ہوگیا تھا جس کی وضاحت ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے تبصرہ کلیات بحری میں کردی ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب موصوف کو بھی بعض دکھنی الفاظ کے تلفظ میں مغالطہ ہوا ہے اور حیرت ہے کہ مضحکہ بھی اڑایا ہے، وہ شعر یہ ہے ؎

"سل" ہے منجے جو دانت کی ہور زلف کی تری   اس سین کو سرن ہے ہور اس لام کون سلام

ڈاکٹر ابواللیث فرماتے ہیں کہ کسی شاعر نے اب تک نہیں لکھا تھا کہ عاشق کو عشق میں سِل کی بیماری ہوئی تھی، مگر بحری نے اس کو بھی نہ چھوڑا، دراصل یہ لفظ سِل بالکسر نہیں بالفتح ہے۔ دکھنی میں سلنا بمعنی کھٹکنا آتا ہے، اور سَل سے مراد کھٹک اور خلش ہے بحری نے اس لفظ کو کئی جگہ انھیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ غواصی کا بھی ایک شعر ہے ؎

لگی تھی چٹپٹی پوری نتھی کچھ نیند منج اصلا   کہ روا روم کسر وا ہے ہو ہیرے تن میں سلتے تھے

ایہام گو شعراء میں ایسے شعر تو بہت ملیں گے جیسے لام نستعلیق۔ مرزا غالب کی ابتدائی مشق اور طرز بیدل پر بہت سے اعتراض ہوئے تھے۔

بحری کا ایک مرثیہ مشتاق کبھنی، علی عادل شاہ ثانی المتخلص بہ شاہی۔ اور نصرتی کے قصیدہ کے طرز کا ہے۔ اگرچہ ویسا فصیح و بلیغ اور نصرتی جیسی بلند پروازی نہیں، مگر صفائی بیان اور معنی آفرینی سے خالی نہیں، چند شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

جون نہ گل آپ سوں محشر میں، اچھے گا خنداں   شاہ کے غم سوں جو اگا جن اپس گل سوں گلاب
تن پہ ناتاب نہ کچھ جیو پہ آب اس غم سوں   بلکہ نا آب پہ کچھ تاب نہ کچھ تاب پہ آب
ہر کلی دیہ پہ یوں داغ ہے جون باغ میں گل   ہر جلے دل پہ چھلے یوں ہے کہ جون جل پہ حباب

بحریؒ نے من لگن اور بودس سوفان کے بعض مضامین کو علیحدہ علیحدہ بھی منظوم کیا ہے۔ جس کی کوئی وضاحت مؤلف کلیات بحریؒ نے نہیں کی ہے۔ کلیات کے ص ۲۴۳ پر جو مثنوی (۹۰) بیت کی ہے وہ دراصل بحریؒ کی آپ بیتی اور عشق کا افسانہ ہے جو عمدہ تشبیہات سے مالا مال ہے۔ اسی طرح نظم ۱۸ کلیات بحری حضرت بحریؒ کے مرشد شاہ باقرؒ اور ایک بزرگ شاہ حسین چابک ہے ان کے باہمی مکالمے سے متعلق ہے۔

جس کی مزدوس عرفان سے تصدیق ہوتی ہے ۔

ابتدا :-

مربی سوں مجلس میں یک بے نوا جو تھا معرفت مست میں سب سوں سوا الخ

یہاں بے نوا سے مراد، وہی بزرگ مذکور ہیں اور مربی سے مرشد علیہ الرحمۃ ۔

بحری نے چیستان اور معمہ کے طور پر ایک نظم لکھی ہے ۔جس کا حل مولف کلیات بحری کی سمجھ میں نہیں آیا ہے ،دراصل بحری نے "گگڑی" کا ایک معمہ لکھا ہے ۔جو دکن میں جوار کے کھیتوں میں اکثر ہوتی ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؎

یہ لینا تا نون اس ناچیز پھل کا | کہ منج کون بہوت اس پہل کا ہے جہلکا
کہ جس کا ناون لیتے منج ڈرا وے | کلیجا جس کے ڈرسوں تھر تھراوے

... ...

اگر پوچھے جو اس پھل کا ہے کیا نانوں | نہ مرغابل کچیک لکڑی میں ہے چھانوں
پڑے کا پیش کی جاگے زبر توں | تو پاگا نانون اس کا سر بسر توں
میں اس کا نانون نین لیتا ہوں اے یار | کہ پایا ہوں بہت اس پھل سوں آزار الخ

مؤلف کلیات بحری حیدر آباد میں آٹھ سال سے چکے ہیں چھوٹی چھوٹی گگڑیاں جس کو بڑا کا یل تلنگی میں کہتے ہیں ، دیکھی ہوں گی ۔

مثنوی من لگن :-

ڈاکٹر زور حیدر آبادی اور ڈاکٹر بیلی نے من لگن کو A ROMANCE یعنی عشقیہ افسانہ لکھا ہے جو ان کی نظر سے نہیں گذری ۔یہ مثنوی ایک مختصر جامع اور ٹھوس مسایل تصوف کا آئینہ ہے ۔اور پھر شاعرانہ لطافت و نزاکت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے ۔جو مسایل تصوف اور اخلاق ،آپ کو ،فلسفیانہ انداز میں مثنوی مولانا روم اور گلشن راز محمود شبستری کی فارسی مشہور مثنویوں میں نظر آئیں گے وہ آپ کو اس مختصر مثنوی میں مل سکتے ہیں جس میں بحری کے واردات قلبی موجزن ہیں ۔ رومی کی طرح بحری فرماتے ہیں کہ لڑکپن سے مجھ پر عشق کا اس قدر غلبہ تھا کہ اگر میں شعر نہ کہتا تو دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ۔

بحری کی یہ مثنوی ان کی آخری عمر کی یادگار ہے ۔ اور خود ان کی یہ رائے ہے کہ جیسی چاہئے ویسی مثنوی نہیں لکھی جا سکی ، تاہم احباب کے مجبور کرنے پر کہ خیر اشعار آب دار نہ کہو تو مہمل ہی کہہ دو ، مگر دوستوں نے یہ سمجھ ہی کر کہا ہوگا کہ بھلا بحری جیسا ، زبردست صوفی کوئی مزخرفات تو نہیں کہہ سکتا نیز بعض اصحاب

کو یہ بھی احساس تھا کہ اس بحرِ عرفان کو جو دکھنی و ہندی زبان میں ہے آگے چل کر سمجھے گا کون، اسی لئے اس کو آپ نے فارسی میں منتقل کر دیا۔ اور بہت سی خاص خاص باتیں بھی اس میں آگئیں جن سے بحری کی زندگی، پیران طریقت اور معاصرین پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس وقت بحری بہت ضعیف العمر تھے اور رتپ لرزہ کی وجہ سے اور بھی نحیف و کمزور ہو گئے تھے، چنانچہ اپنی حالت من لگن، سودس عرفان میں تفصیل سے بیان کی ہے اور ایک فارسی شعر میں اس طرح مرقع کھینچا ہے ؎

نماند از جسم و جانم ہیچ لیکن دم بہ رگہا یم چناں می رقصد از سازش کہ بر موشانہ می رقصد

بحری کی مثنوی کی زبان میں بہ نسبت دیوان کے سلاست اور روانی بہت ہے، خصوصاً "گیان" کے بیان میں بڑا زور دکھایا ہے۔ جس کے ۱۰۵ بیت ہیں، مسٹر رام بابو سکسینہ کا خیال ہے کہ من لگن کی زبان عسیر الفہم ہے۔ مگر آج کل رجحان، زیادہ تر ایسی ہی زبان کی طرف ہے۔ بلکہ تقریباً ایک صدی سے اس کی کوشش جاری ہے۔ لکھنؤ میں جہاں دہلی کی آب کوثر سے دُھلی ہوئی زبان استعمال ہوتی تھی وہاں ہندی آمیز زبان میں بھی مشاعرے ہوتے تھے جس کے سرگرم رکن لکھنو لال تائب مرتب گلدستہ بہار ادھر تھے۔ ایک شعر للن پیا کا یہ ہے ؎

سیوا جنھوں نے بارا برس کی وہ کچھ نہیں کبری نگوڑی شیام کی سب کچھ نظر ہیں ہے

بقول مسٹر گریرسن، اردو اور دکھنی ڈائیلکٹ ایک علیحدہ چیز رہی ہے، اب آئندہ چل کر ہندی اردو ڈائیلکٹ عام ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔

بحری کی غزلوں کی زبان تو قدیم گویا نصرتی اور غواصی کی ہے۔ اس لئے کہ بحری کا سارا کلام اسی دور کا ہے۔ جو ۱۰۹۷ھ میں تلف ہو گیا مثنوی من لگن میں تاہم ہندی الفاظ زیادہ ہیں، مگر قدیم اردو کے مقابلہ میں بہت صاف ہے۔ عربی فارسی اقوال، ترجمے، نسبتاً کم ہیں، اور جو استعمال کئے ہیں وہ گھل مل گئے ہیں، اور ثقالت باقی نہیں رہی۔ دوسری خاص چیز یہ ہے کہ ان کے کلام میں رعایت لفظی، اور ایہام بھی بہت ہے۔ ایک تو ایسے الفاظ اور ترکیبیں ہیں، جو خالص عربی یا فارسی ہیں دوسرے یہ کہ فارسی اور ہندی مخلوط، تیسرے خالص ہندی۔ یہ واقعہ ہے کہ جنوبی ہند میں نہ صرف فارسی نصاب ابو نصر فراہی متداول تھا بلکہ اور مصنفین کے بھی نیز شاہ طاہر حموی کرنوی (وفات ۱۱۱۵ھ) نے ایک ایک ایسا بے مثل نصاب الموسوم بہ "خوان یغما" مرتب کیا تھا، جو عربی فارسی، دکھنی، ہندی، سنسکرت، اور بعض مرہٹی، تلنگی الفاظ پر مشتمل تھا، اور خالق باری کو ہندستان میں بڑی مقبولیت حاصل تھی بلکہ اس کی تتبع میں سینکڑوں نصاب مرتب کئے گئے۔ بحری نے جو زبان "من لگن" میں استعمال کی ہے وہ اسی قسم کی زبان ہے۔ جس میں عربی، فارسی دکھنی، ہندی سنسکرت غیر متعلق الفاظ گھل مل گئے ہیں

اور سلاست و روانی بھی برقرار ہے۔ مولف خالق باری، مولانا خسرو کا بھی بقول محمد امین عباسی چریا کوٹی یہی کمال ہے (لآلی عمان مطبوعہ) بلکہ بحری تو اس سے اور آگے بڑھ گئے ہیں۔ دیکھئے خسرو نے شسی سنسکرت لفظ میں تصرف کرکے سس لکھا ہے مثلاً ؎

سس ہے مہ، نیر خورشید　　کالا، اجلا، سیہ سپید

مگر بحری نے اصل لفظ سسی کو قایم رکھا ہے اور کوئی ثقالت نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

نا سور نہ یو سسی ثریا　　یو گیان ہے گیان، گیان بھیّا

سور، اور سسی سنسکرت ہے تو ثریا عربی ہے۔

عربی 'نور' ہے تو 'جوت' سنسکرت ہے ؎

ہریک منے نور گیان کا ہے　　ہر جام میں جوت، یہاں کا ہے

ایک جگہ ہندی محاورہ باہیں پکڑنا بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے ؎

ہے گنج گپت میں لقا سو مایا　　باہاں پکڑ اس کون بھار لایا

عربی، فارسی، ہندی، دکھنی کا میل ملاحظہ ہو ؎

اوس کا تو نہ ڈوبتا ہے ٹاپا　　جو ہور ہے خود نظر سراپا

اس شعر میں تو فصاحت بلاکی ہے ؎

طوفان، تنک ثمن کی بو میں　　سمدوریک آنک کے انجومین

ان گنت اور چن چن ؎

تھے ذات میں جس کے ان گنت گن　　ہریک کون دیا ظہور چن چن

اردوے قدیم کی سب سے قدیم مثنوی پدم راؤ مصنفہ نظامی بہمنی معاصر علاء الدین ثانی بہمنی، میں بھی، گو زبان بہت پرانی ہے۔ مگر الفاظ کی بھی ترتیب یعنی اس میں ہندی۔ سنسکرت عربی فارسی کا میل جول ہے۔ جس کا ایک مخطوطہ کتب خانہ انجمن ترقی اردو پاکستان میں ہے۔ اور نصیر الدین ہاشمی کا مضمون معارف میں چھپا ہے۔ نیز الفاظ سازی میں بھی بحری قاصر نہیں رہے۔

عربی و فارسی:۔

امرکن، خمرکن، ازل الازال، باطل باطل حق سو برحق، علیکی، لاتعین، بلاتعین کعف وکفیل، الآن کما کان، فقیر لاموت، آیت معنوی، مجاز معنوی، یوسفی یعقوبی، مغضوبی، جاروبی، ایوبی، نوحی، ربابی، مدار المہام، مقام محمودا، زلف کافوری، صافی خلافی، صبوحی، سمک وسما، قدسی، نبوی، ریاضی رنگ، ہزار رنگ، ہزار ناری،

ہزار کاتب، ہزار بے راہی، ہزار بات، ہزار انوار، ہزار کنڈل، لاک بیقراری، لک جھلک، لک چال، یک حرف لک حرکات، کروڑ جھلکار، برق وار، ایک بات لک چمن۔

چہار ہور پنج، چہار کے چہار، شہ نہ شطرنج، غار کے یار، (یار غار) "بازی برد" دم مقدم، سلطان نیمروز، بیلدار عقل، آب دار، تاب دار، وحدتی داد، شہ باش فرزین وشتر، اصلی فصلی، مہلات، خاوند فلک، پلاؤ مزعفر، حضور حضور، شرع کے شریفان، حکم کے حریفان، ساز بنوتی، راز ولایتی، خوش قماش، لابد لوح محفوظ مختصر (انسان) غیب کی اچھوتی قاب (جسم انسانی)، سر تے پگ تے ارشاد (سرتاپا ارشاد) دو دلی، دو رنگی، دو راہی، جمالیت نگر،

ہندستان کی تاریخ میں لال کاغذ کی سازش مشہور ہے۔ بحری نے معشوق کی پیشانی اور تلک کو لال کاغذ کے سکہ سے تشبیہ دی ہے۔

ہندی الفاظ اور ترکیبیں:۔

گیان گھر، گھر گیان، سگھڑ سلجھن، الھڑپن، آڑے گن، تیڑے گن، ان گنت گن، گن جن ہری داونی، سجن سجاتی، نظر کا تاگا، دیکھ کا دِوا (چراغ نظر) گت کار، جنتر کار، نعت نگر نظر نگر، نان نکری، نوی ریت، پن پاپ، کھیل کھلاڑ، گھوڑا نہ گھوڑوا، سلونا سنگار، کھل سے بھری کھاٹ، ناز کا پلو، پرداز کا پلو، سر انداز کا پلو، چٹ چٹ۔ کھٹ کھٹ، کوڑی کے نمن، محشر نمن، سڑے نمن، پربت نمن، انوٹی چال، کارن، مہا کارن شاہ کارن (شہ کار) دو دکے بالکے، ترازو کی ڈنڈی، سم بسم، من چٹن، پربت چٹن، پنڈپن رن کھانب

ہندی فارسی:۔

گیان عطاری، مان منصوری، آہ قلم، واہ کتاب ؎

جلکچہ القصہ شہیدان پہ ہوا ہے شدت   کیوں میں جو کہے آہ قلم واہ کتاب

رمز بازی، کھونٹے بدل، من کے بدل، لاک چالا، نان بے نمک،

محاورے:۔

بوتی میں پانی نہیں، چاول چباتا، اوروں تیری میری ڈوبی ؎

خدایا خوب کر سب کا کراد خوبی سو میری ہے   جلکچہ تیری سو اوروں کی جلکچہ ڈوبی سو میری ہے

چادر کی چوری، یار کی چوری، بازی کہری ہونا، تمبول کی دھڑی، کپڑے پھاڑنا، خاک پھانکنا
دھاک بننا، پتھرے پہ ستم پھاڑنا، پانی دار کر پینا، سوت کو کپاس کرنا، چوٹ کھا کر اچھلنا
(عود لوبان) نہال نہال ہونا، بنگ میں رنگ ہونا، رہ رہ کے کھنا، ناون ہار اگاڈ تھالا
کھیل سمجھ کر کھیلنا،

اسم تصغیر:۔ غریب ڑا۔ پیوے پیوکے۔ نیک سے نیکے نیکے
کوئی ایک = کوکیے۔ نیند = نینڈری، بدرا۔ ٹکیک = (ٹک یک)

خاص ہندوستانی الفاظ:۔

پچھو سڑے۔ لتاڑنا۔ لاؤتے۔ جاؤتے، کھاوتے۔ پیوتے، دُکھیا، نگوڑے
نگوڑی۔ اتاولا۔ بھیتر، بھتیرا۔ ع جن ہوا تیرا، بُھتیرا ہے اُسے پچھواڑا ع چھوڑ گھر
جا بسا ئے پچھواڑا

بحری دہلی تو نہیں گئے، مگر بعض ہندوستانیوں کی صحبت رہی، جس کے اشارے عروسِ عرفان میں موجود ہیں جس طرح اورنگ آباد کی زبان، عالمگیری فوجوں کی وجہ سے متاثر ہوئی۔ تو کیا بیجاپور اور مضافات بیجاپور اس سے متاثر نہیں ہوا تھا؟ بحری کی زبان اس سے متاثر معلوم ہوتی ہے۔

مولف کلیات بحری نے کلام بحری کی چند خطی اور لسانی خصوصیات پر بڑی فاضلانہ بحث کی ہے۔ مگر سب سے پہلے سوال یہ ہے کہ کیا مولف کو بحریؒ کے تصنیفات کا کوئی قدیم نسخہ ملا ہے جس کا جواب نفی میں ہے۔ موصوف کے استدلال کی بنیاد مولوی عبدالحق صاحب کے ۱۲۵۰ھ کے مکتوبہ نسخے اور خطیب صاحب کے قلمی نسخوں پر ہے جس پر سنہ کتابت درج نہیں۔ اور نہ ان کی قدامت کا کوئی ثبوت پیش کیا ہے۔ ص۱۱۴ پر لکھا ہے کہ بحریؒ نے سب سے پہلے "کہ" کاف بیانیہ استعمال کیا ہے؟ جو بحری کی خصوصیت ہے۔ "بلکہ لفظ "مت" کا استعمال بھی موجود ہے"۔ مگر اس کے نمونے ولی کے کلام میں بھی موجود ہیں۔ اب اس کی تقدیم کا سہرا کس کے سر ہے؟ بحریؒ ۱۰۹۸ھ تک پچاس ہزار شعر کہہ چکے تھے جب کہ ولی ابھی نوجوان تھا۔ فاضل مولف مذکور نے بحری کے کلام سے بعض پنجابی الفاظ بھی پیش کئے ہیں، ہم تو اس کو کاتب کی غلطی سمجھتے ہیں دکھنی مصدر "آیا" کو آپیا، اور کس کو کل لکھ دیا ہے۔ (باب ۵ صفحہ ۱۲۱ کلیات بحری) ہمارے قدیم نسخوں میں ایسے زیادہ اختلافات نہیں ہیں۔ البتہ خاص بات یہ ہے کہ کیون کو کیئو اور اد، یادہ کا املا۔ اور ایک کا ئیک بالھمزہ، اور چیونٹی کا چینوٹی اور صورت کا سورت کا لکھا ہے

مولوی سید علی اصغر بلگرامی نے مثنوی من لگن کے اشعار کی تعداد ۱۸۳۱ ظاہر کی ہے صاحب موصوف

سنہ صمیمہ رپورٹ آثار قدیمہ بابت سنہ ۱۹۲۲ء

نے اس مثنوی کا ایک خاص نسخہ سجادہ صاحب گوگی کے پاس دیکھا تھا، مولف کلیات بحری ڈاکٹر حفیظ سید نے نسخہ من لگن مطبوعہ مدراس بابت ۱۲۷۲ھ کے جملہ صفحات ۲۲۳ اور سطور فی صفحہ ۱۷، بیان کی ہیں جن کی تعداد ۳۷۹۱ ہو جاتی ہے ۔ اور اس کی تتبع میں مولوی صغیر احمد خاں مولف تنویر ادب[51] نے بھی اس مثنوی کی ابیات ۳۷۰۹ سے زاید لکھی ہیں جو صحیح نہیں ہے، بات یہ ہے کہ ڈاکٹر حفیظ نے سہواً نچی باچھا کے اشعار بھی اس میں شامل کر دئے تھے ۔ دوسرے نسخہ مطبوعہ[52] مدراس ۱۳۵۳ھ میں ان کی تعداد (۱۸۱۸) ہے ۔ اس میں چار بیت متروک ہیں ۔ مولف فہرست ادارۂ ادبیات اردو نے اس کی تعداد تقریباً ۱۸۰۰ بیان کی ہے ۔ سب سے قدیم نسخہ جات[53] من لگن قلمی مکتوبہ ۱۱۲۷ھ و ۱۱۵۱ھ میں ان کی تعداد علی الترتیب ۱۸۲۲ اور ۱۸۴۲ ہے ۔

من لگن، دکن میں نہایت مقبول رہی ہے ۔ اس کے دس اڈیشن کی تفصیل ہم نے سطور بالا میں دی ہے اور قلمی نسخہ جات کی بھی، دیوان ولی کی طرح من لگن کے الفاظ اور رسم الخط میں بیحد اختلافات ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم فہرست مرتب ہو سکتی ہے ۔ ہم نے حتی الامکان متذکرہ صدر قدیم نسخوں کی مدد سے ایک نسخہ مرتب کیا ہے جو زیر طبع ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ بحری کی اصل زبان منظر عام پر آجائے ۔

ہم یہاں مثنوی من لگن ابواب اور ابیات کی تفصیل درج کرتے ہیں :-

۱	عنوان نہیں ہے مگر یہ عارفانہ طرز میں حمد و توحید ہی کا ایک باب ہے ۔	۹۴ بیت
۲	توحید دیگر	۳۹ "
۳	نعت خواجہ کائنات سرور عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم	۲۹ "
۴	در صفت معراج	۴۰ "
۵	عنوان ندارد مگر (در تعریف خلفاء راشدینؓ)	۱۰ "
۶	در منقبت مولانا شیخ محمد باقر قدس سرہٗ	۷۲ "
۷	در مدح بادشاہ دین پناہ سلطان اورنگ غازیؒ	۲۶ "
۸	سبب تصنیف ایں رسالہ	۴۴ "
۹	در شکایت روزگار	۳۵ "
۱۰	در وعظ و نصیحت	۹۵ "

---

[51] تنویر ادب مطبوعہ الہ آباد [52] من لگن مرتبہ سید عبد الغفار حسینی مسکینؔ (مدراسی)
[53] نسخہ جات من لگن قلمی ۱۱۸۱ھ و ۱۱۸۵ھ ۔

۳۰	حکایت (دربیان چندے از اسرار دل و نفس نسخہ الف کلیات بحری)	۱۳	بیت
۳۱	حکایت (دربیان چندے اسرار از دل و نفس) دلیل تمثیل، (نسخہ ب)	۳۳	〃
۳۲	حکایت (حکایت قلندرے کہ از حضرت مربی ملاقی گشتہ نسخہ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ) (یا دربیان صاحب عرفان و ثبوت ولایت کلیات مطبوعہ)	۲۷	〃
۳۳	دربیان اسرار بیخودی و ذکر منصور و انا الحق (و نور مطلق نسخہ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ) یا (دربیان اسرار بیخودی عاشق و ذکر منصور انا الحق (نسخہ ب) کلیات مطبوعہ) دربیان یاد و فراموشی و آواز غیبی و خفی گنج (نسخہ الف نخو) کلیات مطبوعہ (حکایت نسخہ ج۔ کلیات)	۴۸	〃
۳۴	حکایت۔ (حکایت درویش سایل از حضرت مربی در مرتبہ منتہی نسخہ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ)	۶	〃
۳۵	دربیان نبوت و ولایت (دربیان صاحب عرفان و نبوت و ولایت و نظر و صاحب نظران ۔۔ (نسخہ کلیات بحری)	۹۳	〃
۳۶	حکایت ایست (نسخہ مطبوعہ ۱۳۰۴ھ) (یا دربیان مرگ مجازی و حقیقی؟)	۲۷	〃
۳۷	دربیان صاحب عرفان و نبوت و ولایت و نظر و صاحب نظر	۸۷	〃
۳۸	حکایت (شیخ سعدیؒ) (دربیان مرگ مجازی و حقیقی نسخہ ب کلیات)	۷	〃
۳۹	دربیان مرگ عارضی و حقیقی	۳۱	〃
۴۰	حکایت (حکایت سائلے از وقت مرگ نسخہ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ)	۱۱	〃
۴۱	دربیان سرود و کشتگان شمشیر سرود	۱۸	〃
۴۲	حکایت (مجلس سماع نسخہ مطبوعہ ۱۳۰۳ھ)	۲۷	〃
۴۳	دربیان عشق	۱۹	〃
۴۴	حکایت	۱۲۳	〃
۴۵	خاتمہ	۴۷	〃

بحری کی تعلیم اور مسلک:۔

چونکہ "من لگن" کا موضوع تصوف ہے اس لئے یہاں کچھ دکن کے کتب صوفیاء کے متعلق کچھ کہنا نامناسب نہ ہوگا۔ بقول استادی مولانا مناظر احسن گیلانی یہاں ایک خاص کتب خیال کے لوگ ہیں چنانچہ علامہ سید برکات احمد ٹونکی نے دکن کے صوفیاء کی عربی و فارسی کتابیں ڈھونڈ کر

مطبوعہ وقلمی مہیا کیں، اور شاہ صاحب (شاہ کمال حیدر آبادیؒ) سے ارشاد لے کر راجعت فرمائے تونک ہوئے ۔ اس طرح خیر آبادی علماء کا طبقہ صوفیاء دکن کے اس مکتب خیال سے متاثر ہوا ہے۔

وحدت الوجود :۔

تصوف میں بقول خواجہ کمال الدین صدیقیؒ مصنف اساس المعرفت ساکن علاقہ مدراس معاصر شاہ کمال کڑپویؒ تین اہم بنیادی اور مخصوص مسایل ہیں جن کا حل بنہایت مشکل ہے ۔ ایک تو مسئلہ ہمہ اوست یا وحدۃ الوجود ہے جس کے متعلق خصوصاً صوفیاء دکن کا یہ نظریہ ہے کہ جب تک دو ذات ثابت نہ ہوں یعنی ذات رب و ذات عبد، جس پر شرع شریف کا دارومدار ہے، اور کلمۂ طیبہ کی اصل جڑ و بنیاد ہے ۔ مسئلہ وحدت الوجود حل نہیں ہو سکتا ۔ اور یہ بھی ہے کہ جب تک ایک ذات اور ایک وجود ثابت نہ ہو توحید مطلق حاصل نہیں ہو سکتی، شیخ اکبر ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ ذات عبد اور ذات حق ایسے اضداد ہیں جو کسی طرح ایک نہیں ہو سکتے ۔ اور نہ ان کی ماہیت بدل سکتی ہے ۔ ورنہ قلب ماہیت عارض ہوگی اور یہ کفر و زندقہ ہے ۔ مکتب بندہ نواز کے محقق صوفیوں کا یہی مذہب ہے ۔ جن میں معاصرین اور متاخرین بحریؒ، شاہ عبدالحق مخدوم ساویؒ شاہ میا اور شاہ کمال وغیرہ شامل ہیں ۔ بلکہ محققین اسلام کا یہی مسلک ہے جس کی صحیح ترجمانی ان دکھنی صوفیاء نے کی ہے ۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

جز دیک رو نیست پیوستہ بکل ورنہ خود باطل بدے بعث رسل

جامیؒ ؎

مکن با صوفیان خام یاری کہ باشد کارخامان خام کاری

شاہ کمال کڑپویؒ ؎

عینیت ان ذوات کی از سر عقل و نقل و کشف قلب حقیقتیں اور کفر صریح ہے نعم
قول شہادتین اور کلمۂ طیبہ میں ہیں ثبت دو ذات مومنو اس کا قبول ہے اہم

اس کے مدنظر دکن کے صوفیوں کا فارمولا ہے " دو ذات ایک وجود" مثلاً آفتاب و ماہتاب وغیرہ جناب بحریؒ نے اپنی مثنوی کے دو ابتدائی اشعار ہی میں اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے بقول اُوّل ما آخر ہر منتہی جو توحید مطلقہ پر مبنی ہے ۔ اور شاہ کمال کڑپوی نے اپنی تصنیف کمالات کمالیہ میں، مکان حق و مکان حق کی بحث میں بحریؒ کے وہی ابتدا کے دو شعر سنداً لکھے ہیں جو اے روپ ترار تی رتی ہے الخ دوسرے شعر میں، ایک مسئلہ " ہر شئے مظہر اتم " کا فیصلہ کر دیا ہے پہلا کرے ؎

پربت میں ادک نہ کم پتی میں یک رہے راس ہور رتی میں

یعنی حق سبحانہ تعالیٰ، حلول و اتحاد تبعیض و تجزی سے پاک و برتر ہے اور حسب ذیل اشعار میں کان اللہ و لم یکن معہ شیئاً و معیت حق باخلق کی توضیح میں فرماتے ہیں ؎

ہوریوں بی کھے بجائے تجہ کون	جو بیچ جگت کے جاتے تجہ کون
طوفان تنک ، سمن کی بُو میں	سمدور یک آنک کے انجو میں
جز کل میں چھپے نہ عکس اس کا	یو بول نہ صاف بل کہنس کا
نا سب منے توں نہ تجہ منے سب	یک سب کو نہ ان منے ہے منصب
سب تجہ میں اگر کھے تو سچ ہے	جوں جل کے مجھار کچ ہے پچ ہے
توں کون ہے کیا سو تجہ جانے	نا غیر تجے نہ تجہ پچھانے ہے

غرض ان سیدھے سادے دکھنی اشعار میں ابن عربی کا تمام فلسفہ بھرا ہوا ہے۔

جبر و قدر :-

دوسرا اہم مسئلہ عقاید و تصوف بقول مصنف اساس المعرفت، جبر و قدر کا مسئلہ ہے۔ اور نہایت نازک و پیچیدہ ہے۔ جس کی نزاکت کے متعلق امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں "قلقلتنی مسئلۃ الجبر والاختیار اور فرقہ جبریہ و قدریہ اسی قضیہ کا نتیجہ ہے۔ صوفیاء کرام نے حضرت امام جعفر صادقؓ کے قول کو ترجیح دی ہے العبد مختار فی فعلہ ومجبور فی اختیارہ۔ اس خاص چیز کو پیش نظر رکھ کر بحریؒ نے مسئلہ وضع الشيئ فی غیر موضعہ وحقائق الاشیاء ثابتۃ۔ معمولی معمولی مثالوں سے حل فرمایا ہے جو آپ کو، علم عقاید و کلام کی معتبر و قابل استناد کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہی شاید حل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بحریؒ فرماتے ہیں ؎

کے لاک یو جنس جیو کا ہے	ہر جیو پہ پیار پیو کا ہے
لیتا ہے ہر یک سبب سُدا اس کا	دیتا ہے ہر یک کون لابد اس کا
تھے ذات میں جس کے ان گنت گن	ہر یک کون دیا ظہور چُن چن
جس گن کون تھے دیہ جے سزاوار	دیسیچ دے اس کون دیا کیا بہار
منگل جو مجھر کے تن میں اچنا	او کس او کلول کیوں اچپنا
کیوں ہوے کھڑک سون کارد کے کام	سوزن ستی سانگ کے سرانجام

ل جامی ؎

حال ہر ممکنے بکتم عدم	داند و بیند نہ بیش و نہ کم
قسمت کیا ہر شخص کو قسام ازل نے	جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا	غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

بقول بحری اگر ہاتھی کو مچھر بنادیا جاتا، تو اوس میں وہ کس بل وہ شوخی اور وہ چلبلاپن کہاں سے آتا جو کام تلوار سے لیا جا سکتا ہے کیا وہ چھری سے ممکن ہے۔ اور جو کام سوئی سے سرانجام پا سکتا ہے۔ کیا اُس کو برچھے سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو "وضع الشئی فی غیر موضعہ" کا الزام عاید ہوتا ہے مختصر یہ کہ یہی سر ربوبیت ہے۔ باوجود اس کے کمال یہ ہے کہ کسی کو مجال چون وچرا نہیں اور نہ یہ ظلم پر مبنی ہے، ان اللہ لیس بظلام للعبید،

ہر چہ خواہد کند ز منع و عطا   نیست کس را مجال چون و چرا

تیسرا مسئلہ ارتقا ہے جس کو فنا بقا، کہتے ہیں، بحریؒ قدس سرہٗ نے اس مسئلہ کو بھی بڑی خوبی سے حل کیا ہے۔ یوں تو بہت سے شعر ہیں، مگر ایک ہی شعر میں بڑے مزے سے اس کو حل کر دیا ہے اور سعدی شیرازیؒ کا کسی درویش کو جواب کی ترجمانی لطیف انداز میں فرمائی ہے۔

سعدی علیہ الرحمتہ سالہا سال سے گوشہ نشین تھے، ایک درویش آپ کی ملاقات کے لئے تلاش کرتا ہوا نکلا ملاقات ہوئی. نہایت ادب سے سوال کیا اے محرم اسرار آپ یہاں کتنے زمانہ سے مقیم ہیں، فرمایا کہ جب سے تم آئے بس اُسی وقت سے ؎

پوچھیا ادب اُنے کہ اے شاہ   اسرار سوں بیخودی کے آگاہ
تنہا تمیں یاں رہتے ہیں کب تے   بولے تمیں جب سوں آئے تب تے

شاید مسئلہ زمان ومکان، قرب و بعد وصل وفصل کی طرف اشارہ ہے۔

تجدد امثال۔

بحریؒ: پھر پھر کے نہ آئے اوچ چندر   چندر سے ہیں جس کے پاس بندر
ہر آن نوا کرے نہ باسی   آپس پہ لباس یو لباسی
یک بات تے دوسرے میں جاوے   اک اور لباس کر کلاوے
ہر بول میں بلکہ بھیس نیارا   یو بھیس ہے توں پریس نیارا
ہر بھیس او پہے بھانت دیگر   سو کیا کہ کبھو نہیں مکرا

یعنی وہ کشتی ہلال نہیں جو بار بار تکرار کرے، بلکہ اوس کی تجلیات نامتناہی ہیں اور اُس کے بندرگاہ میں نئی نئی کشتیوں یعنی تجلیوں کی کمی نہیں۔

اور ایک مشہور شعر جو شمس تبریزی یا قمر سمرقندی یا مولانا رومؒ کا ہے، اکثر مدعیان اسلام کہتے ہیں کہ مولانا تناسخ کے قایل تھے ؎

ہفتصد و ہفتاد قالب دیدہ ام

بحریؒ نے بڑی خوبی سے تردید کی ہے، کہتے ہیں:-

"بلکہ ازین[۱] بیتہا بوئے اسلام بمشام مسلم حقیقی می آید، ودتا خ اصلا درملت حنفی حرام پس مشخص گردید کہ ناظم این کلام کمال انجام شاہد حقیقت خود را درکسوت تناسخ جلوہ دادہ وجمال کیفیت در آئینہ جنم ہندوان نمودار نمود، تا زست ہر ہیچمدان بدان نرسد و دانش ہر ہیچ مبین بآں نپردازد، مگر از ہزار یکے المقصود ناظم قطعہ مسطورہ گوید کہ آن نور محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ مصدر کل آمدہ و منشا، سبل منم، یعنی نور عرفان خاص بل عرفان احض ے

وجود مطلق من نور اسداست ادا است — اگر تمام زمین وزمن بخود بینم
ستارہ وفلک وبرج ومہر وماہ و ملک — خدا علیم کہ ایں انجمن بخود بینم

این کالبد ہائے رنگا رنگ کہ از آغاز دنیا تا اینجم بر آمدہ وخواہ بر آمد از آن من است ونیز منم کہ در جملگی ابدان کہ قید نہصد و ہفتاد قالب کہ مراد از بیقیدی ست و بسیاری چون یک زلال بہ ظرف متنوعہ متجلیم و ساری، بلکہ این ہمہ ملبوسات ملون من، من جانم وجملہ چون با سایر اعضاء یک بدن الخ"

مولانا رومؒ[۲] نے اس مسئلہ کو ان اشعار میں اس طرح واضح کیا ہے ؎

تو از ان روزے کہ درہست آمدی — آتشی یا خاک یا بادے بدی
صد ہزاران حشر دیدی اے عنود — تا کنون ہر لحظہ از بدو وجود

شمس[۳] تبریزی کی غزل کا ایک شعر ؎

مانند طفل اندر شکم من پرورش دارم بخون — یکبار زاید آدمی من بارہا زائیدہ ام

مسٹر پریشر لال (ایم، اے) نے اپنے مضمون مندرجہ ہندوستان ریویو، میں مسئلہ وحدۃ الوجود، ارتقا اور تناسخ کو مخلوط کر دیا ہے۔ اور ہفتصد وہفتاد قالب کے اعداد کو تھیاسوفسٹ گروہ کے اعداد امتیازی ۷۷۷ کے مساوی قرار دیا ہے۔ جو بالکل غلط ہے۔ وحدۃ الوجود، فنا بقا، اور تناسخ بالکل علیحدہ علیحدہ مسائل ہیں۔ جس کی تردید رسالہ معارف ذیقعدہ ۱۳۴۳ھ میں کی جا چکی ہے۔

حیدر آباد کے ایک مشہور اہل علم اور شاعر مولوی محب حسین اڈیٹر معلم نسواں نے ایک مثنوی اسرار تناسخ، لکھ کر ایک ہیجان پیدا کر دیا تھا، جس کی تردید کی گئی۔ مگر ایک صاحب مولوی محمد علی حسن

---

[۱] عروس عرفان زیر رسالہ مخطوطہ صفحہ ۔ [۲] سوانح مولانا روم از مولانا شبلی نعمانی مطبوعہ۔
[۳] دیوان شمس تبریز مطبوعہ جو دراصل مولانا رومؒ ہی کا بیان کیا جاتا ہے۔

نے "القول المانوس فی ابطال تناسخ[۵۱] کے نام سے ایک رسالہ تناسخ کی تائید میں لکھا تھا۔ آیات سے ثابت کرنے کی عبث کوشش کی ہے۔ غرض بحری نے مسئلہ تجدد امثال کو طلسم اعظم اور لقد کرمنا بنی آدم کی توضیح من لگن اور عروس عرفان میں کتنی طریقہ سے کی ہے۔ من لگن کے چند شعر یہ ہیں ؎

یو جگ ہے جدید آدمی آد[۵۲] — اس گھر کون یو آدمی ہے بنیاد
تھا آدمیں آدمی مکرم — اب کیا تو کھون طلسم اعظم
کوتہ نہ، سفر دراز کیتا — تو آپ سے سرفراز کیتا
آیا ہے یو لامکاں تے میثاق — اس بعد مثال کو کیا چاق
جب واں تے اٹھیا شہادت آیا — بپتا کی کمر میں چلبلایا
اس بعد رحم میں رخت تانیا — ماتا کون رحیم کر پچھانیا
آیا ہے اتھے جو آڑ پردے — ایسیچہ انت پھاڑ پردے
گلگشت کیا ہزار بن کا — پن چاہ چھٹیا نہ اس چمن کا
جانا ہے پھر آپنے چمن کون — اپس کے قدیم انجمن کون
دادا کھے پوترا ہمارا — ہے اس سون پکڑ میرا گھیرا
اصلا نہ یو ماں نہ باپ کا ہے — بلکہ یو اپے نہ آپ کا ہے
غیبی ہے یو غیب کا لطیفہ — جون اور نہ جانور ہے جیفہ الخ

گیان دھیان، یعنی عرفان الٰہی کی توضیح میں بحری نے ۱۰۵ بیت کہے ہیں، جس میں زور کلام کے علاوہ سلاست و روانی و شیرینی بیحد ہے بوجہ خوف طوالت چند شعر درج ذیل ہیں:-

گیان کائنات کی جان ہے ؎

کہتے ہیں عرب اگرچہ عرفان — پن ہند کے لوگ بولتے گیان
اے گیان کے کھان کے رتن ہو — اس گیان رتن کے تئیں جتن ہو

ظاہر و باطن گیان ہی ہے ؎

یو گیان گپت پو گیان پرگھٹ — کیتا ہے یو گیان ہر گھڑے گھٹ

گیان ایک بانسری یا صدائے ققنوس ہے ؎

گر گیان کون نے کہوں روا ہے — ہو چینک سون یک نوا، نوا ہے
درگ، (نیا)

---

[۵۱] ابطال تناسخ مطبوعہ (۲ صفحہ)، [۵۲] آد = قدیم، غیب الغیب۔

گیان یک گیان سوگت، ہزار اظہار ‌ ‌ ‌ یک نے سون ہے لک نوا نو دار

گیان حقیقت محمدی اور ہو عیدا ہے ؎

اول جو بھتر سون آئیا بھار ‌ ‌ ‌ کیتا ہے عبودیت ہر اقرار
فاجبت سون، نور محمدی ہے جانو ‌ ‌ ‌ کیا نور یو گیان کر پچھانو

فاجبت ان اعرف ؎

جے گنج گپت بین بھتا سو مایا ‌ ‌ ‌ باھاں پکڑ اس کون بھار لایا
سجدۂ آیو سول[۵۱] بی گیان، سوکشم[۵۲] گیان ‌ ‌ ‌ آکار بی گیان بل اگم گیان

سجدۂ آدمؑ کی وجہ گیان ہے ؎

آدم کے انگے نہ سر دہرے مرد ‌ ‌ ‌ اس گیان کو ن سب سرن[۵۳] کہے او
آدم ہے حقیقی آج یو گیان ‌ ‌ ‌ سلطان کون دل کے تاج یو گیان

گیان سب پر محیط ہے ؎

یو سات دہرت یو نوگگن گیان ‌ ‌ ‌ پنج بہوت[۵۴] کے پانچ یو رتن گیان
ناسور نہ یو سسی شریا ‌ ‌ ‌ یو گیان ہے گیان، گیان بھیا
چنچل بی ہے گیان چک بی ہو گیان ‌ ‌ ‌ وہ پوتلی وہ پلک بی ہے گیان الخ

عشق:-

عشق کے متعلق مولانا حالی مرحوم نے تہدید کی ہے کہ اس نے سیکڑوں کو خانماں برباد کر ڈالا یعنی بوالہوسی اچھی نہیں ہوتی صوفیاے کرام نے عشق مجازی کو عشق حقیقی کا زینہ سمجھا ہے۔ "المجاز قنطرۃ الحقیقت" مشہور قول ہے، خواجہ سید محمد حسینی گیسو دراز فرماتے ہیں کہ کوئی چیز عشق سے خالی نہیں ؎

پیمبر عشق و دین عشق و خدا عشق ‌ ‌ ‌ ز تحت الارض تا فوق السما عشق

یوں تمام فارسی و عربی کتابیں و مثنوی مولانا روم وغیرہ بھری پڑی ہیں۔ علامہ باقر آگاہ مدراسی نے عشق کے موضوع پر "خمسہ متحیرہ[۵۵]" اردو میں لکھی جس میں پانچ مثنویاں صبح نوبہار عشق، ندرت عشق وغیرہ جس میں ساڑھے چار ہزار بیت ہیں عشق سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں ؎

نجانوں کیا لگایا تونے ماجھا ‌ ‌ ‌ کہ نت جلتی رہی جون آگ راجھا

---

[۵۱] سول = علم اجسام [۵۲] سوکشم = ملکوت [۵۳] سرن = سجدہ [۵۴] عناصر اربعہ
[۵۵] خمسہ متحیرہ اوراق ۲۰ کاہی قلمی کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد۔

ہم سینچاؤ کچھ تو گرم جوشی — خود شان ہو تو ٹک چھوڑ دو خموشی
لگا کر دم سے دم کوئی پدم کا — بجاؤ عشق کا عالم میں ڈنکا

میرتقی میر کی دریائے عشق، شعلۂ شوق اور قدیم اردو میں مقیمی بیجاپوری کی چندر بدن مہیار، گلشن عشق ملا نصرتی اور ہاشمی کی یوسف زلیخا اور لیلیٰ مجنوں، احمد گولکنڈوی وغیرہ مشہور ہیں۔

حیدرآباد کے ایک شاعر وصوفی میر امداد علی علوی تھانویؒ ذایک مخمس ریختی لکھا ہے اور اپنا تخلص "گھیلا" اختیار کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مرشد کی صحبت سے مرید کو عشق کی صرف ایک چنگاری ملتی ہے اور وہ بھی خشخاش برابر، مرید کا کام ہے کہ اس کو پھونک پھونک کر پہاڑ بنا دے۔ نظم کا عنوان ہے "چولھا" زاد المسکین[۱] در سلوک عشق، اور اپنی آپ بیتی بزبان مرشد اس طرح بیان کی ہے ؎

علوی کی ہے یہ آگ ہوا — لی مجھ سے خشخاش سی آگ
کہتے تھے اس کو یوں مرزا — پر اس کو دھکا دھکا
جبل اُحد کر کے چھوڑا
اٹھو رے جی چولھا سلگا

پھر ہے یہ علوی ایسا گھاگ — کھول لئے یہ اپنے بھاگ
لگا کے مجھ سے پکی لاگ — ڈال دی مجھ پر ساری آگ

میرا خاناں دیا جلا
اٹھو رے جی چولھا سلگا الخ

فلسفۂ عشق:۔

عشق وہبی ہوتا ہے، کسب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بغیر عشق مجازی کے عشق حقیقی محال ہے۔
اس سلسلہ میں بحری نے ایک فارسی رباعی بھی عمر خیام کے توڑ پر خوب کہی ہے ؎

ایں درد[۲] بجز عشق مجازی نبود — سرباز بریں نرد کہ بازی نبود
ہر دل کہ ازیں درد بود روگردان — در مشرب عشاق نمازی نبود

یعنی مشرب عشق میں وہ بے نمازی ہے جو عشق سے بہرہ ور نہیں۔

بحری کا یہ شعر صوفیاء دکن میں ضرب المثل ہو گیا ہے انسان لاکھ زاہد اور عابد ہو اگر عشق نہ ہو تو وہ سب بیکار ہے بحری بہت زور سے کہتے ہیں ؎

اذکار ہیں جان تلک ہور اشغال — یک باند پتھر تلاؤ میں ڈال

---

۱ زاد المسکین کتب خانہ مولوی عمر یافعی حیدرآباد ۲ عروس عرفان قلمی (کتب خانہ آصفیہ)

عشق کا نتیجہ بیخودی ہے۔ غالب کہتے ہیں ؎

بیخودی بے سبب نہیں غالب | کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بحری ؎ ہر قوم کون یک جدی عبادت | درویش کون بیخودی عبادت

بغیر عشق کے انانیت فنا نہیں ہو سکتی ؎

بن عشق وہ کون ہے زبردست | جو خاک تیو نہ کرے خودی لیست

گر عشق ہور ہے کوت کروا | کیا شغل کی تجہ پڑی ہے پروا

گر عشق نہیں تو شغل ناچار | جان عشق تھا ن نہ شغل کون بار

عشق کے آگے ذکر و شغل سب بے حقیقت ہیں یہ آسمان ہے اور وہ مستحکم قلعہ ہے۔ یہ مشک ہے وہ کیچڑ ہے۔ یہ آگ ہے وہ گھانس پات ہے۔ یہ بیش قیمت زمرد ہے اور وہ پتھر ہے یہ وضو ہے اور وہ تیمم ہے ؎

یو جون کہ گلن او گوئیا گڑ | یو مشک شباس تیون او چیکڑ

یو جون کہ اگن او گھانس کا گھر | یو پاچ ہے بے بہا او پتھر

عشق مجازی اگرچہ زینہ ہے مگر تو اس میں مت اٹک جا کیونکہ یہ قطرہ ہے اور وہ سمندر ؎

کیوں بند ہور مجاز کے پھند | ست بحر کون بوند پر بھیا بند

آتا ہے سو سچ نہ جھوٹ یو بات | صورت جو مٹی تو معنوی بات

مجازی عین حقیقی ہے ؎

بل یوچ مجاز معنوی ہے | یو باگ نہ باگ کی گوی ہے

مزامیر کے ساتھ راگ و نغمہ یعنی سماع:۔

حقیقت میں یہ ایک روحانی غذا ہے جو بجز اسلام کے ہر مذہب میں جائز ہے مگر خالص روحانی ذوق رکھنے والوں کو چشتیہ طریقہ میں سخت آداب و شرائط کے ساتھ اجازت ہے اس کی وجہ صاف ظاہر ہے عام طور پر حظ نفس کے سوا اس میں دھرا ہی کیا ہے بحری چشتیہ طریقہ کے پیرو اور سماع کے عاشق تھے۔ صوفیاء کرام نے اس کے بڑے آداب ملحوظ رکھے ہیں جو آج کل مفقود ہیں۔ اکابر صوفیاء، مثلاً حضرت قطب الدین کاکیؒ اور نصف صدی قبل مولانا محمد حسین الہ آبادی کا انتہائی ذوق وکیفیت میں جان بحق تسلیم ہو جانا ایک عجیب واقعہ ہے بحری کہتے ہیں کہ جو صوفی راگ اور نغمہ کا صحیح ذوق اور وجدانی کیفیت نہ رکھتا ہو اس کی زندگی ہی کیا، وہ تو ایک مضغہ گوشت ہے۔

۱؎ رہنا، ۲؎ عشق حقیقی کے سمندر نا پیدا کنار کو چھوڑ کر عشق مجازی کو جو ایک قطرہ ہے کیوں قناعت کرلی؟

چنانچہ فرماتے ہیں ؎

جس جیو کے تئیں نہ راگ لاگے　　تس جیو بھلا جو آگ لاگے
مانس نہیں ماس ہاڑ ہے او　　فولاد، پتھر پہاڑ ہے او الخ

سماع کی دوسری قسم نغمۂ سرمدی ہے۔ جو اس نغمۂ مطلق کے دلدادہ ہیں اُن کے پاس سماع ظاہری سے کوئی حقیقت نہیں رکھتا، چنانچہ قادری المشرب صوفی سماع ظاہری نہیں سنتے۔ وجد اور کیفیت پیدا کرنے کے لئے اسلام میں اور بھی جائز طریقے رکھے ہیں، کلام الٰہی اور حمد و نعت خوش الحانی سے پڑھو۔ او۔ وجد کرو، زیادہ سے زیادہ دف بجانے کی اجازت ہے، سعدی ؎

کسا نیکہ یزدان پرستی کنند　　بآواز دولاب مستی کنند

خودی و بیخودی ڈاکٹر اقبال مرحوم کا خاص موضوع ہے۔ مگر صوفیاء کرام کی فنائے خودی پر انھوں نے اعتراض کیا ہے اور اس کو فلاطونیت پر محمول کیا ہے جو درست نہیں جس کا جواب پیرزادہ مظفر احمد فضلی[1] ڈپٹی کلکٹر محکمہ انہار پنجاب نے دیا تھا، اور بڑی کشمکش رہی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیوی اور دینی ترقی کے لئے احساس نہ ہو تو وہ دنیا اور دین میں کیا ترقی کر سکتا ہے اور دوسری قوموں سے مسابقت میں کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی کبھی تعلیم نہیں دی۔ بحری بڑے روشن خیال صوفی تھے چنانچہ بحری نے اس کی سخت مخالفت اور تہدید کی ہے۔ اور اپنے ایک مرید محمد اکبر کے ایک استفسار کے جواب میں اس طرح تہدید و تنبیہہ کی ہے۔

رہبانیت ناجائز ہے اہل و عیال درویشی کے لئے مانع نہیں۔

چلہ زنان آن باشد کہ چل روز از جائے خود بر نمی جہند و از ایں امور بیکار باشند و چلہ مردان اینکہ با زن و فرزند با وجود سربراہ تمام مہمات معاش لمحہ از یاد دوست خالی نباشند اگر رضائے فقیر بآن کان فتوت در کار است تارک ایں ترک شوند و ازین آزاد آزاد، سبب آنکہ دیدہ و دانستہ خود را و ہم دلدادگان خود را برائے یک دو پارہ نان بدو صد کوچہ پریشان ساختن و عمداً در ہمہ نکبت و ناداری انداختن نزد ارباب تجارت چندان معتبر نباشد و انچہ درویشی است خداداد است اولی آنکہ ہرچہ کنند ہمہ این کنند و این مجازی را بخدا بیکار و بیہودہ نشمرند، ہمان حقیقت است کہ در لباس اسم مجازی مخفی شدہ۔ زیادہ چہ نویسد۔

یعنی ایک تو عورتوں کا چلہ ہوتا ہے، مگر مردوں کا چلہ یہ ہے کہ اہل و عیال کے قید و بند میں رہ کر خدا

---

[1] رسالہ جوہر اقبال نمبر ص ۱۱۱ مکتبۂ جامعہ دہلی

سے غافل نہ رہے۔ اور ترک دنیا کر کے متعلقین کو ٹکڑوں کا محتاج نہ کرے۔

امارت و صدارت مبارک ہے۔ زیور دیگر:۔

اگر طبقۂ امارت و مسند صدارت نشستہ یا سوائے این بہر خدمت کہ دل بستۂ مبارک باد، این سگ دنبالۂ درِ درویشان نمی خواہد کہ تعلقات و تملقات دنیا و اہل آنرا بدست آوردن معرفت ترک گوئی، و از امور معاش کہ واسطہ سرانجام خانہ و وسیلہ حصول آب و دانۂ تست، تایب گردی، بلکہ دو چندانش کن و بزیب و زینت خوش و خندان باش کہ ناداری آدمی را چون دیو زدہ دیوانہ کند و خوشہ دلشی دانہ دانہ سازد........

.... فرحت و فراغت ہوشیار باید بود و لسود و زیان خبردار

بدان معنی کہ مردن است و از ینجا چیزے بردن.....الخ (عروس عرفان قلمی زیور ۱۱۹ صفحہ)

استاذی مولانا مناظر احسن گیلانی نے رہبانیت اور اسلام کے ضمن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اعلیٰ کمال روحانیت کے باوجود آپ کا قصر و ایوان، لباس، اولاد وغیرہ پر کافی روشنی ڈالی ہے۔[1]

بیخودی ایک روحانی کمال ہے۔ صوفیا خودی کو خدا سمجھتے ہیں، خودی اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے بقول مر او را سزد کبریا و منی، (سعدیؒ) خودی و بیخودی تبدیل خیال کا نام ہے بقول التصوف تصحیح الخیال۔ جس میں مرتبہ فنا فی الذات آناً فاناً سالک کو حاصل ہوجاتا ہے۔ بیخودی قول ظاہری و باطنی کے ازالہ اور فنا کا نام نہیں۔ بلکہ سالک ہر فعل کو منجانب اللہ سمجھتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اللہ کی حول اور قوت سے کرتا ہے بقول: لا حول ولا قوۃ الا باللہ،

بحریؒ کی خودی کا خلاصہ یہ ہے ؎

اس وقت میں بیخودی سو ہے گا　　یو خود نہیں نور ہے خدا کا
گر مجکو کون تو پوچھتا ہے کچھ پند　　تو لے یو خودی خدا کی سوگند
بس خاص خودی سون آشنا ہے　　تس پاس خودی نہیں خدا ہے

شاہ فی الحال کرنولی (وفات ۱۲۱۳ھ) خودی کا احساس رکھنے والے کو قرۃ العین نبی اور خودی کے باغ کا گل یاسمن جانتے ہیں ؎

دوی کو لے خودی میں رہ ہمیشہ　　رسول اللہ کے اے نور نین ہوت
گزر رہا شرک اخفیٰ و جلی سون　　خودی کے باغ کے اے یاسمن ہوت

[1] رسالہ برہان دسمبر ۱۹۵۲ء

شاہ کمالؒ کہتے ہیں ؎

حقیقت میں ہے ہر مخلوق منصور انالحق اس کا دم ہے گر تو سمجھے

شاہ صدرالدینؒ معاصر بحری من درپن میں فرماتے ہیں ؎

کھول کھون میں تار بتار انا خفی بسری اظہار

اب میں پن کی سن یو بات یو مین پن ہے ذات سنگات

انیت ایک تخم ہے جو درخت کے ہر جزو میں، پیڑ، تنہ و پتے اور پھل سب میں جاری و ساری ہے۔

شاہ امین الدین بیجاپوری کے قول کی اس طرح ترجمانی کرتے ہیں :- زہر کھانے کا نام نہیں بلکہ خودی تو ہر حال میں موجود ہے زندگی میں اور موت کے بعد بھی "آفرین بر فہمانیدن ایشان" ؎

اس یک انا تھے سب انا ہے او نین تو یہ سب انا فنا ہے

اس کی ہے انا اجت تے روشن ہے ان کی انا توجون کہ اڑگن

گر اس کی انا جو تاب پر آئے اڑگن نہ کہ آفتاب اڑ جائے

یعنی اس کی خودی کی روشنی کے آگے تارے تو کیا آفتاب کی کوئی حقیقت نہیں۔

راز انالحق :-

جس طرح آدمؑ کا گیہوں کھانا مصلحت سے خالی نہیں، اسی طرح منصور کا انالحق کہنا بھی ایک راز اور حقیقت انسانی کا انکشاف ہے۔ کہتے ہیں :-

ہر کہ پے منصور نشناخت لذت توحید نیافت خدا داند چہ سر دید کہ برمعرکہ وحدت سر خود داد، و در جہان لطیفہ نہاد بہر دو گروہ حجتے باشد محکم و سندے قوی ....
اے عارف نیک تامل کن اگر منصور بدان نغمہ معلوم مترنم نشدے کمال آدمی ظاہر نگشتے، بلکہ من میدانم منت او بر موحدان ست و احسان او بر محققان۔ الخ

(عروس عرفان زیور ۱۱۸)

بحریؒ روح کے مسئلہ میں محققین اسلام اور صوفیاء کے متبع ہیں اور اس کو لاجہت ولامکان جانتے ہیں بقول شیخ محمود چشتی خلیفہ شاہ برہان بیجاپوری متبع الوجود اور بحر ظلمات سمجھتے ہیں جس کی ایک خاص صفت نظر در قابض خطرات جس کا موکل عزرائیل ہے۔ کمال انسانی یہ ہے کہ وہ خود سر تا پا نظر ہو جائے بے اہل نظر کی ناؤ کبھی ڈوبتی نہیں اس کو ہمیشہ مشاہدہ حق حاصل رہتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اوس کا تو نہ ڈوبتا ہے ناپا جو ہو رہے خود نظر سراپا

اس پنڈ پٹن کون روح راجا بیٹا اسکوں نظر نہ دوسراجا
جس کون نہ کسی طرف سے دیو کے سو بیٹھ نظر کے جم جھرو کے
دیکھے جو ادھر تو سوں بن ہے اس رخ تو او سوکشم چمن ہے

اس سے بھی بلند مرتبہ نور (عارف الوجود) کا ہے جو عالم محویت اور بیخبری ہے ۔

اے دوست نظر نکال تن تے اس شمع کون تن کے انجمن تے
کر سب تے اپر کے کھن کون روشن جان موم نہ آگ کا ہے اُپتن
بن آپ نکوئی یار اسے سے بالا قلعے پہ ٹھار اسے سے
ہے یو چہ نظر سو جیو اے یار جس کون ہے ہزار ناون لک ٹھار
یک وقت میں دید ڈنڈ دلتا یک آن میں بھید الکھنڈ دستار

بقول حضرت چراغ دہلوی قدس سرہٗ ع بکارم و باکارم چوں مہ حجاب اندر غرض عجیب عجیب اسرار و معارف بیان کئے ہیں۔ جس کو کچھ عارفین اور کاملین ہی سمجھ سکتے ہیں،

دل خدا کا عرش ہے:۔ اس کے مرادف اصطلاحات یہ ہیں:۔

برزخ، قلب، مثال، دل، عرش رحمانی، اس کی حقیقت صوفیا ر کے پاس یہ ہے کہ جب روح اور قالب آدم علی نبیا کا امتزاج ہوا تو اس سے ایک حقیقت ظاہر ہوئی اور اسی کو حقیقت وجود حقیقی جو ہر دل کہتے ہیں۔ وسعت قلب کے متعلق ایک دکھنی شاعر کہتا ہے ۔

مرا دل ہے بڑا ایسا کہ جگ میں کین سماتا نین
جگت سب اس میں مایا ہے سو باور کس کو آتا نین

بحریؒ فرماتے ہیں کہ دل حقیقت محمدی کا نام ہے اور شہر جسم پر اس کی حکومت اور تصرف ہے

من کیا تو محل ہے خوش خدا کا من نور ہے پاک مصطفےٰ کا
جگ جام منے یو من ہے جون مد من عین حقیقت محمد
من تن کے ہے محلے کون قاضی راضی ہے گران تو سب ہے راضی

اور عروس عرفان میں دل کو حقیقت انسانی سے تعبیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

انسان از ناخن تا پا و از موتا سر صورت دل است، بل عین دل، درخت مخلوقات را تخم اولین و آخرین ہیں باشد نہ شکم مادر بلکہ میثاق آغاز اوست و نہ مرگ بلکہ محشر انجامش[1]

موجودہ زمانہ میں تنزلات ستہ پر ڈاکٹر ولی الدین حیدر آبادی نے بڑا اچھا مقالہ فلسفیانہ و عارفانہ

[1] عروس عرفان

اندازمیں لکھا ہے، دو سو ڈھائی سو سال قبل بحریؒ کا انداز بیان اس ضمن میں ملاحظہ ہو ؎

عروج و نزول:- مطلع کوں کیتک طفل جانے
مقطع کوں جو ان کر پچھانے

اس جھاڑ کوں جائیں گے جھلک جب تب بیج کوں پائیں گے سو کیا اب
او بیج سو نور احمدی حق وہ بیج میں بیج نور مطلق
کچھ خوب کھون ڈیا گر ولی سُدگیان کے صف میں سرخرو کی
اس جھاڑ کوں پھول پات عالم اس جھاڑ کوں پھل سو کیا تو آدمؑ
یو جھاڑ بی میں یو بیج بی میں اس بیج میں ہے سو بیج بی میں
معلوم نہیں کسے یو مذکور جا پوچھ کہ جانتا ہے منصور الخ

حقیقت جسم ملکوتی (تن میثاقی) عنصری ؎

میلا ہے یو تن دو صاف سمجھو اس تن کوں یو تن غلاف سمجھو
او دیہ قدیم یو نوی ہے او دیہ ضعیف او قولی ہے
یو جلد تن او جون کہ قرآن او مغز یو پوست تیون نگہبان

صوت سرمدی:-

دارا شکوہؒ نے رسالہ حق نما میں لکھا ہے ملا شاہ بدخشیؒ صوت سرمدی کی مشق عین بازار میں جہاں خوب چہل پہل شور و غوغا ہوتا، آزمایش کیا کہتے تھے، درھایت کرتے تھے، اسی نغمہ سرمدی کے متعلق بحریؒ نے بھی اس کی حقیقت در اسرار کا اشارہ اس طرح فرمایا ہے ؎

اے یار یک آوتی ہے آواز پن کان کھاں جو ادسنے سانز
آتا ہے اگر دھن اس جرس کا لیکن نہ دسے کھن اُس جرس کا
ہر دھن کے اپر او دھن دھنی ہے سارے یو فقیر او غنی ہے

بحریؒ تصوف میں وحدت الوجود کے قائل او رشیخ اکبر ابن عربی قدس سرہٗ کے پیرو ہیں۔ عینیت و غیریت حقیقی اصطلاحی اور دو ذات اور ایک وجود کا عقیدہ رکھتے ہیں۔جو محققین صوفیاء دکن کا مسلک اور مکتب خواجہ گیسو دراز ہے۔

وحدت وجود اور کیفیت موجودیت عالم کے متعلق بحریؒ کے اشعار خاص امتیاز رکھتے ہیں کہ باوجود کہ چشمہ ایک ہی ہے گر عبد و رب کی ماہیت الگ الگ ہے، لا تعین و با تعین و وحدت و کثرت

کیا کچھ ہے انت لا تعین جس تے ہوتے یو با تعین

اس یک تے اٹے یو سب فوارے یک سار نہیں ہیں گرچہ سارے
یک آب نے آب دار ہیں یو یک تاب تے تاب دار ہیں یو

موم اور اشکال :۔ (موجود وجودی اور موجود اضافی)

سنیسار یو موم کا گنج سنیسار نہ ہے یو گیان کا ہے شطرنج
اس موم سوں عام کون خبر نین اس روم پہ شام کو گذر نیں
جانی یو روش یو ریت رہ سچ یو پیل پیادہ ، بادشہ سچ
کچھ اور نہیں یہی یہی ہے اتا وہ جو خاص منتہی ہے
بوجھے یو تمام موم ہے موم فرزین یو شتر ترنگ۔ معلوم۔
بن موم یو نفس نادن سب جھوٹ بن نور یو دھوپ چھاوں سب جھوٹ

دکن کے صوفیاء نے بحری کی تتبع میں بعض غزلیں نہایت محققانہ کہی ہیں شاہ کمال کڑاپوی کے بعض شعر یہ ہیں ؎

خلق کو صوفیہ موجود کھیں حق کو وجود ایک ہستی ہے دو موجود بھی کہنا ہے روا
موجود اضافی کو حدوث اور فنا ہے جون موم کے اشکال کو تغیر و تبدل
موجود وجودی ہے مبرا و منزہ جون ماہیت موم ز تقلیب و تحول

شغل منتہی ؎

بولے کہ یہی انا ہور ھنا کر کل کو بنی ، بنا ہور ھنا
اپنا جو ہے یاد ، یاد حق کا پن کان ہے معلم اس سبق کا

صوفیاء دکن میں آخر الذکر بہت مشہور ہے۔

مرتبہ لارب ولا عبد (انتہائی مرتبہ) کی ترجمانی اس طرح فرمائی ہے ؎

جس وقت میں نا نہیں نہ ہے ،ہے کیا وقت اچھے او وقت ہے ہے!

سراج دکنی کا یہ شعر اس ضمن میں بہت مشہور اور مقبول ہے ؎

خبر تحیر عشق میں نہ جنوں رہا نہ پری رہی نہ تو تو رہا نہ تو میں رہا جو رہی سو بیخبری رہی

رشد و ہدایت اور اخلاق حسنہ میں بھی بحری کے اشعار کیمیا کا اثر رکھتے ہیں، بعض یہ ہیں۔

عمر کی قدر کرو ،۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں ،

دارا شکوہؒ کہتے ہیں " مدت قلیلے کہ درمیان دو ابد است"

بحری ؎ یک عمر ہزار ہے غنیمت یک عمر ہے بیشمار قیمت

ایسے کون تون خوار زار جانیا   بے قدر بلا و قہر پچھانیا
تجہ پاس یو موتی اے معظم   دانے سوں جوار کے دلیا

معرفت الٰہی حاصل ہوگئی تو سمجھو کہ دونوں جہان کی دولت مل گئی ؎

یو عمر یو تون یو رپ ہے اپروپ   یک بات کہے تو سب ہے اپروپ

درویشی رنگین کپڑے پہننے کا نام نہیں ؎ (کاؤ، بھگوا لباس)۔

درویش ہو دل کون صاف رکھ صاف   سیمرغ کون ہووے سینہ کُمقاف
درویش، کون کچہ بی حال ہووے   ناکا و سون کچہ کمال ہووے

جھوٹ اور ظلم بدترین گناہ ہے ؎

یک جھوٹ سون دو جہان لرزتا   دہرتی سون مل آسمان لرزتا
انصاف ہے صاف گدگرا ظلم   انصاف کون چھوڑنا بڑا ظلم

عام اخوت انسانی کا ایک فارمولا اور اصول یہ کہ اپنا سمجھو ؎

جو غیر کو آپ کر پچھانے   او کیوں کرے دشمنی دوانے

پھر السحر بالسحر کی تعلیم بھی ہے۔ بقول عرفہ حلوا بن کہ چیٹ کرجائیں بھوکے ؎

سب کھائے جو نرم پائے تجکون   جون کاٹ کون گھن بڑائے تجکون
(کھاگئے)

انسان، روٹی کے لئے ذلیل و خوار نہ ہو ؎

بہو تون کی نظر کئے ہیں نیچے   یو کاک، کباب ہور کُلیچے

ادب تاج الٰہی ہے ؎

ہے یو ادب آدمی اوپر قرض   گر نیں ہے ادب، دابتہ الارض

جو غیر کا سہارا دہونڈتا ہے اس کا نہ خدا ہے نہ رسول ؎

ہے دل میں سدان جو آس جس کی   یو آس ہے آس پاس جس کی
اسکون نہ خدا ہے نا نبی ہے   مردار ملول، مطلبی ہے

سپاہی کی طرح سالک پانچوں ہتیاروں سے ہمیشہ لیس رہے ؎

لشکری را بود این پنج چہ لیل وچہ نہار   سپر و نیزہ و تیر و تبر و خنجر یار

اور کسی حالت میں ان ہتیار کو خود سے جدا نہیں کرتا، بس سمجھ لینا چاہئیے کہ نہ معلوم یہ نفس کب منقطع ہوجاتا ہے اور دشمن موت، کس وقت زمین ہی سے سبزہ کی طرح برآمد ہوتی ہے یا آسمان سے بارش کے قطروں کی صورت میں اس وقت کوئی صورت مفر نہیں، اس لئے شہسوار

معرفت کے لئے یہ پانچ ہتھیار ناگزیر ہیں:۔ حضوری دوست۔ مردم آزاری سے احتراز، راست گفتاری، نیک نیتی، رد و قبول خلق سے استغنا، ان کو ہمیشہ لازم کرے، چونکہ جو شخص جس حالت میں مرے گا اُسی حالت میں قیامت میں اٹھے گا، بوالہوسی اچھی نہیں ہوتی اور نہ موت کے وقت کار آمد۔ لوگ حالت نزع میں مرنے والے کو کلمہ پڑھاتے ہیں۔ اس سے خاتمہ بخیر تو ہو ہی جاتا ہے مگر یہ نہیں سمجھتے کہ اس طرح یاد دلانے سے کیا نفع؟ اور کیا کام آسکتا ہے۔ البتہ جو شغل اور یاد افیون کی طرح جذب اور طبیعت ثانیہ ہو جائے وہی انمول ہوتی ہے۔

عروس عرفان سے پتہ چلتا ہے کہ من لگن کے بعض ابواب مثلاً دربیان سہ گوہر تابدار اور تنزل ذات دانش و بنیش و صاحب بنیش و وصل، حکیم ناصر خسرو کے حسب ذیل اشعار کی تشریح ہے جس کی ترجمانی عروس عرفان میں بھی خوب کی گئی ہے ؎

بالائے نہ سپہر دو گوہر مدور اند   کز نور شان دو عالم و آدم منور اند

ہستند و نیستند نہانند و آشکار   چوں ذات ذو الجلال نہ جسم و جواہر اند

خاص طور پر حیدر آباد سے ایک شخص نے آکر اس بیت کے معنی پوچھے ؎

خدا لک است و محمد ہزار و آدم یک   بیا بمذہب صوفی اگر نداری شک

اس کو بحریؒ نے کئی طرح سمجھایا، جن میں ایک یہ تھا کہ بلحاظ اعتقاد خدا لاکھوں ہیں اور ہادی و مصلح قوم ہزاروں مگر صوفی کا مذہب انسانیت ہے۔ سب انسان آپس میں ایک ہیں گویا یہاں کالے گورے کا کوئی سوال نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس شعر کا چرچا برسوں رہا، جس کی تشریح و توضیح حیدر آباد کے ایک مشہور معروف صوفی سید شاہ موسیٰ قادری ۱۱۲۰ھ/۱۲۱۵ھ نے ایک سائل شمشیر ونت بہادر گوسائین کے استفسار پر خوب کی تھی۔

لفظ "سید" کا لطیفہ:۔

تیسرا ایک مشہور شعر جو صوفیاء دکن میں متداول ہے وہ یہ ہے ؎

درویش شدی شیخ شدی دانشمندی   ایں جملہ شدی لیک مسلمان نشدی

کہتے ہیں کہ یہ مسلمانی کیا بلا ہے کون سمجھتا ہے۔ گدڑی پہن کر فقیر ہو جاتا آسان ہے۔ علم و فضل سے عقلمند اور فقیہ بے بدل ہو سکتا ہے مگر مسلمان نہیں ہو سکتا، مسلمانی نغز ولایت ہے، ایک شخص سادات بارہہ کی بستی میں آیا اور پوچھا کہ یہاں کوئی مسلمان بھی رہتا ہے تو کسی نے کہا کہ یہاں سب سید ہی سید بستے ہیں مسلمان کوئی نہیں، گو کہ یہ بات سادہ لوحی پر مبنی ہے مگر

حقیقت میں بڑی چھوٹی کی بات کہی ہے۔ بحری کے الفاظ یہ ہیں "مسلمانی خصوص از عطیات حضرت ایزدی ست بل امانت او و ہم از دیدۂ مردم محجوب ... معلوم می شود کہ مسلمانی چیز نیست از علم علیحدہ و ماورائے تکلفات الخ۔

اچپت رایا، نایب داروغہ قلعہ سگر دیوان حافظ خوب پڑھتا اور سمجھتا تھا، اگر علم بناء مسلمانی ہوتا تو اس کو مسلمان کہنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے لیکن مسلمانی تو کچھ اور ہی ہے نیز دوسرے معنوں میں مسلمانی، عشق و سوز، عرفان، راستی اور نیک نیتی کا نام ہے

ماخذ

(۱) انوار جلالی مولفۂ شاہ محمد حسینی سجادہ گوگی مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۲۶ھ
(۲) اردوئے قدیم۔ مولفہ حکیم شمس اللہ قادری مطبوعہ نول کشور
(۳) انتباہ الطالبین مصنفہ سید محمد شاہ میر رائے چوٹی، مطبوعہ حیدر آباد ۱۳۱۸ھ
(۴) اساس المعرفت، مصنفہ شاہ کمال الدین صدیقی مطبوعہ حیدر آباد
(۵) آبحیات، مولفہ محمد حسین آزاد مطبوعہ
(۶) انتخاب چمنستان سخن، مولفہ عطارد رقم خاں (قلمی کتب خانہ آصفیہ)
(۷) اعجاز عشق مصنفہ عبد الرحمٰن شاطر مدراسی، مطبوعہ
(۸) اردو شہ پارے مولفہ ڈاکٹر غلام محی الدین زور حیدر آبادی، مطبوعہ
(۹) اسناد معاش خاندانی مملوکہ مولانا مسعود بحری سجادہ
(۱۰) آئینہ ادب (اردو میں تصوف) مولفہ اعجاز حسین ایم، اے مطبوعہ
(۱۱) ابطال تاریخ مولوی علی حسن مطبوعہ
(۱۲) بساتین السلاطین مولفہ محمد ابراہیم زبیری، قلمی
(۱۳) بیاض قلمی مولوی محمد عبد اللہ نیرنگ اننت پوری
(۱۴) تذکرۂ شعراء دکن از عبد الجبار خاں ملکاپوری مطبوعہ
(۱۵) تذکرۂ شعراء میر حسن، مطبوعہ علی گڑھ
(۱۶) تذکرۂ گلشن ہند مولفۂ علی لطف مطبوعہ
(۱۷) تذکرۂ گلزار اعظم مطبوعہ مدراس
(۱۸) تذکرۂ گل رعنا، مولفۂ حکیم عبد الحی مطبوعہ
(۱۹) تذکرۂ روضۂ اولیا، بیجاپور، قلمی کتب خانہ آصفیہ

(۲۰) تاریخ محمدیہ مولفہ جہاں نما علی شاہ مطبوعہ حیدرآباد
(۲۱) تاریخ ادب اردو مولفہ رام بابو سکسینہ (ترجمہ) مطبوعہ
(۲۲) تنویر ادب مولفہ مولوی صغیر احمد خاں ایم اے مطبوعہ الہ آباد
(۲۳) تنبیہہ الجاہلین مولفہ حضرت غلام محی الدین ویلوری مطبوعہ
(۲۴) جان سخن شرح سفر در وطن مولفہ آصف یار الملک وزیر مطبوعہ
(۲۵) حیات المسکین مولفہ غیبی شاہ نظامی مطبوعہ
(۲۶) حدیقۃ المرام عربی۔ مولفہ مہدی واصف قلمی
(۲۷) دکن میں اردو، مولفہ مولوی نصیر الدین ہاشمی مطبوعہ (طبع سوم)
(۲۸) دیوان غواصی، قلمی کتب خانہ آصفیہ۔
(۲۹) رسالہ علی گڈھ میگزین۔ دسمبر ۱۹۲۹ء
(۳۰) " دبدبۂ آصفی حیدرآباد ربیع الاول ۱۳۲۴ھ
(۳۱) " ذخیرہ، حیدرآباد مئی ۱۹۱۶ء ۔ رسالہ مجلۂ عثمانیہ حیدرآباد
(۳۲) " دستور آصفی (دسگر) بابتہ ۱۳۳۷ ف
(۳۳) " معارف۔ بابتہ ۲۹ء
(۳۴) " نگار مارچ ۱۹۲۷ء
(۳۵) " النور حیدرآباد
(۳۶) " نوائے ادب بمبئی اکتوبر ۵۰ء
(۳۷) " اورنٹیل کالج میگزین لاہور
(۳۸) " جوہر اقبال نمبر
(۳۹) " رپورٹ آثار قدیمہ مرتبہ سید علی اصغر بلگرامی بابتہ ۱۹۲۳ء
(۴۰) زاد المسکین مصنفہ علوی کتب خانہ عمر یافعی
(۴۱) سوانح مولانا روم مولفہ شبلی نعمانی مطبوعہ
(۴۲) شجرۂ خاندانی خلافت بحری قدس سرہٗ
(۴۳) شرح من لگن، از محرم نیلوری (قلمی کتب خانہ آصفیہ)
(۴۴) عروس عرفان قلمی کتب خانہ آصفیہ ۲۵۹، ۲۰۴
(۴۵) فہرست اردو مخطوطات جامعہ عثمانیہ مرتبہ مولوی عبدالقادر سروری مطبوعہ

(۴۶) فہرست اردو مخطوطات، ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد۔ جلد ۱ و ۲
(۴۷) فرامین سلاطین دکن مولفۂ بشیر الدین احمد دہلوی مطبوعہ
(۴۸) کلیات بحری مولفہ ڈاکٹر حفیظ سید ایم،اے مطبوعہ نولکشور ۱۹۳۹ء
(۴۹) کتاب الاعراس مطبوعہ و قلمی نسخہ جات کتب خانہ آصفیہ
(۵۰) کلمات کمالیہ مصنفہ شاہ کمال کڑپوی (قلمی آصفیہ)
(۵۱) کلیات مخزن العرفان " " " مطبوعہ بنگلور
(۵۲) کلیات ولی مطبوعہ کراچی طبع سوم ۱۹۵۴ء
(۵۳) مثنوی من لگن مرتبہ سید عبد الغفار حسینی سکین مطبوعہ مدراس ۱۹۵۳ء
(۵۴) " " " " ۱۲۷۲ھ مطبوعہ مدراس
(۵۵) ملفوظات مخدوم ساوی قلمی کتب خانہ آصفیہ (مرتبہ ابوالحسن قربی ویلوریؒ)
(۵۶) معرفۃ السلوک مصنفہ شیخ محمود چشتی قلمی (آصفیہ)

انگریزی

(۱) اپی گرافانڈو مسلیکا مرتبہ غلام یزدانی ۱۹۱۵-۱۹۱۴ء و ۱۹۳۲ء
(۲) ہسٹری آف اردو لٹریچر مولفہ ڈاکٹر گراہام بیلی مطبوعہ لندن
(۳) پنڈر شوراپور، مولفہ فرامرز جنگ۔ مطبوعہ
(۴) فہرست کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مرتبہ ایوانو ۱۹۲۴ء
(۵) " " انڈیا آفس مرتبہ ہرمن ایتھے ۱۹۰۳ء
(۶) فہرست کتب خانہ جامعہ بمبئی مرتبہ پروفیسر عبد القادر سرفراز
(۷) روئداد آل انڈیا ہسٹری کانگریس منعقدہ حیدرآباد مقالہ محمد یوسف مددگار آثار قدیمہ

دکھنی حکمران اور دیسی بولیوں کی سرپرستی

(جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب)

(جناب ہاشمی صاحب نے ہمارے ادارہ کی درخواست پر بمبئی کی
ایک علمی مجلس کے سامنے تین مقالے پڑھے تھے ان میں سے دو نوائے ادب میں
شائع ہو چکے ہیں اب یہ تیسرا مقالہ پیش کیا جا رہا ہے)

یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ سلاطین بہمنی نے دکن کے لئے ایک مشترک زبان کی حیثیت سے دکھنی کو فروغ دینا پسند کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی حکمرانی کے زمانہ میں شمال سے آئی ہوئی زبان نے دکن میں نئے برگ و بار پیدا کئے اور پھر اس نئی زبان نے ترقی کے جو زینے طے کئے وہ اس زمانہ کے پرشان و شکوہ تمدن کے گواہ ہیں۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ دکھنی زبان کی پرداخت میں راعی اور رعیت دونوں نے حصہ لیا تھا۔ دکھنی زبان کے ابتدائی نمونے تقریباً ۸۲۵ھ سے ہمدست ہوتے ہیں جس میں نظم اور نثر دونوں شامل ہیں۔ گو ان میں مذہب یا تصوف کا حصہ زیادہ ہے۔ مگر نظامی وہ خوش نصیب شاعر ہے جس کی عشقیہ مثنوی "کدم راو پدم" کو اس صنف کی مثنویوں میں اب تک اولیت کا درجہ حاصل ہے، یہ مثنوی ۸۶۳ھ کے لگ بھگ میں لکھی گئی ہے۔

یہ مثنوی یہ بتانے کے لئے کافی ہے کہ اس وقت دکن کی ادبی زبان میں خالص دیسی اور عربی و فارسی الفاظ کا تناسب کیا تھا۔

نظامی احمد شاہ ثانی بہمنی کے عہد کا شاعر تھا۔ نظامی کے بعد ایک صدی تک کسی دوسرے دکھنی شاعر کا نام اب تک نہیں ملا ہے۔ مگر اس ایک صدی کے بعد کا جو کلام دستیاب ہوا ہے وہ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ شعراء نے اس سے پہلے ترقی کے ادبی مراحل طے کر لئے تھے۔

بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کے بانی یوسف عادل شاہ نے فارسی کے ایک بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے بھی اپنا نام یادگار چھوڑا ہے۔ اس کے بیٹے اسمٰعیل کو بھی فارسی شعر گوئی میں امتیاز حاصل

تھا۔ وفائی اس کا تخلص تھا۔ علی عادل شاہ اول کا نام علم و ہنر کی سرپرستی کے لحاظ سے یادگار ہے، اس کو مطالعہ کا اس قدر شوق تھا کہ سفر میں بھی کتابوں سے بھرے ہوئے چار سو صندوق اس کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ علی عادل شاہ کا جانشین ابراہیم ثانی ہے اس کا دورِ حکومت تو ترقیٔ علم و فن کے لحاظ سے اپنی آپ نظیر ہے۔ اس نے علم و ہنر کی جس طرح سرپرستی کی اس کی وجہ سے بیجاپور علم و فضل کا بڑا مرکز بن گیا۔

ابراہیم شاعر بھی تھا اور ماہر موسیقی بھی۔ اس کے زمانہ میں شاعری اور موسیقی کو بڑی ترقی ہوئی۔ ابراہیم، اس کا تخلص تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس امر کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ شاہی دفتر کی زبان جو علی عادل شاہ کے زمانہ میں فارسی کردی گئی تھی پھر سے دکھنی ہو گئی۔ دکھنی شعرا کا عروج ہوا۔ اس امر کی بھی تصدیق ہوتی ہے کہ ابراہیم فارسی کے ساتھ دکھنی کا بھی شاعر تھا۔ اس کی شاعری کی یادگار کتاب "نورس" موجود ہے۔ حیدرآباد میں اس کے کئی نسخے موجود ہیں جن پر ہم نے تفصیل سے اپنے ایک مضمون میں روشنی ڈالی ہے[1]۔ "نورس" کا مجموعہ ہے۔

نمونہ کلام یہ ہے:۔

محل محل صد سواری اس نمونے بہشت ایاری
انند ہوتا ہے سدا بہاری ارتی لیائے ابز بھر ناری
کدم سکتوری جوا چندر لای بادل کان سی ہر رنگ دس پرساری
شامی عمر بتیا پھر آئی شربت گھول امرت پلائی
بادل دمامے بجلیاں بجاوے باجی خالو آشتابی آئے پاوے
سہل نورس کلیاں پدھاوے ابراہیم گرکنی گاوے

کتاب نورس کے اس نمونہ سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ فارسی کے مقابلہ میں دیسی زبانوں کے کتنے زیادہ الفاظ دکھنی میں شامل تھے۔

ابراہیم کے بعد محمد عادل شاہ کے زمانہ میں دکھنی شعر و سخن کو جو ترقی ہوئی، اس کا اندازہ اس کے عہد کے کئی نامور شعراء کے کارناموں سے جو آج تک باقی ہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان میں مقیمی، شوقی، صنعتی، ملک خوشنود اور رستمی پیش پیش ہیں۔ چندر بدن مہیار، میزبانی نامہ، نجات نامہ، گلدستہ،

---

[1] حال ہی میں لکھنؤ یونی ورسٹی کے ڈاکٹر نذیر احمد نے کتاب "نورس" کو ایک مقدمہ، ترجمہ، اور فرہنگ کے ساتھ بڑی محنت سے اڈٹ کرکے شائع کیا ہے (ادارہ)

ہشت بہشت، خاور نامہ دکھنی زبان کے وہ انمول نگینے ہیں جن کی چمک دمک آج تک باقی ہے خاور نامہ کے چوبیس ۲۴ ہزار اشعار نے جہاں اس کے مصنف رستمی کا نام زندۂ جاوید کر دیا ہے وہیں اس کی سرپرست ملکہ خدیجہ سلطانہ شہر بانو کی فیاضی کو بھی غیر فانی بنا دیا ہے۔

محمد عادل شاہ کا جانشین علی عادل شاہ ثانی بیجاپور کا آٹھواں حکمراں تھا، ۱۰۶۷ھ ہجری سے ۱۰۸۳ھ ہجری تک اورنگ حکومت پر جلوہ گر رہا اور سولہ سال کی حکومت کے بعد ۳۵ سال کی عمر میں عین عالم جوانی میں اس نے انتقال کیا۔ خوش قسمتی سے سلطان کو اس کے زمانۂ شہزادگی میں نگرانی اور تربیت کے لئے خدیجہ سلطانہ شہر بانو جیسی خاتون کی توجہ حاصل ہوگئی تھی۔

انیس سال کے عین زمانہ شباب میں علی عادل شاہ نے جب حکمرانی کی باگ ہاتھ میں لی تو اس نے اپنی سلطنت نہ صرف بیرونی مخالفوں میں گھری پائی بلکہ خود ارکانِ حکومت اور امرائے ملک میں بغض و عناد کی تباہ کن آگ شعلہ زن دیکھی۔ عادل شاہی حکومت دشمنوں کے نرغے میں تھی۔ سلطان کی عمر کا بہترین زمانہ میدان جنگ میں بسر ہوا۔ تیغ و تفنگ اور تیر و نیزہ کے ہزاروں کھیل تماشے دیکھے۔ کبھی مغلوں سے معرکہ کبھی مرہٹوں سے آویزش اور کبھی صلابت خاں سے پیکار۔ یہ سلطان علی ہی تھا جس نے اپنی فراست اور دانش مندی کے بل بوتے پر ان مشکلات پر غالب آنے کی لگاتار کوشش کی اور کامیاب ہوا۔

دوسری طرف اس امر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ اس زمانہ میں عادل شاہی حکومت اپنے پورے عروج پر پہنچ چکی تھی اور اس کا عہد بڑی حد تک زوال و خاتمہ کا پیش خیمہ تھا۔ بیجاپوری عام معاشرت میں سادگی۔ بلند مشربی اور عالی دماغی کا وجود نابود ہونے لگا تھا۔ تمدن اور رسمی شائستگی میں پیچیدگی اور تکلف بیجا نے اپنی جگہ پیدا کرلی تھی۔ عالی شان عمارتوں، فردوس منظر باغوں اور رشکِ ارم خیابانوں کی آراستگی اور چمن بندی میں سونا پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔ زاہد فریب رانیوں اور گل رخسار حرموں سے عیش و طرب کے وہ وہ سامان پیدا کئے جاتے تھے جن سے انسانی زندگی اپنے اس جوش اور انہماک کو بالکلیہ فراموش کر چکتی ہے جو قوموں اور حکمرانیوں کی روح ہے۔

سلطان علی نے آنکھ کھولی تو اسی فضا میں اور ہوش سنبھالا تو اسی ماحول میں اور زندگی ختم کی تو انہیں حالات میں۔ لیکن اس کے باوجود اس نے حالات پر قابو پانے کی جو پیہم کوشش کی وہ حیرت انگیز ہے۔

ذاتی حیثیت سے بادشاہ نے علم و فن کی خاص قدر افزائی کی اور کیوں نہ کرتا جب کہ خود بھی صاحب علم اور صاحب ذوق تھا۔ نامور اصحاب علم و فضل اس کے پاس بھی جمع تھے۔ قاضی نوراللہ علامہ فتح اللہ شیرانی۔ ملا احمد نائطی۔ شاہ ابو المعالی وغیرہ جیسے اصحاب بے فکری سے علم کی خدمت گزاری میں سرگرم تھے۔ شاعری کا تو اب گھر گھر چرچا تھا۔ شعر کہنا گویا اس وقت فیشن میں داخل تھا۔ سخن فہمی،

سخن سنجی، سخن دانی کے بغیر کوئی شخص سماج میں نہ تو نام ونمود پیدا کرسکتا تھا اور نہ کوئی اثر و رسوخ حاصل کرسکتا۔ فارسی شاعری کے علاوہ دکھنی شاعری نے بھی اس وقت خوب بال و پر نکالے تھے۔ نصرتی، ہاشمی، مرزا، حسین، شوقی وغیرہ جیسے ارباب فکر وتخیل صدیوں میں جاکر کہیں پیدا ہوتے ہیں۔

اس فضاء میں اگر بادشاہ خود بھی شعر نہ کہتا تو بہت تعجب کی بات ہوتی۔ بہ حیثیت سماج کے صدر کے اس کو شعر گوئی کا ملکہ پیدا کرنا ضروری تھا۔ سلطان علی کو طبعاً خوش مزاجی، رنگین طبعی اور بذلہ سنجی سے حصہ وافر نصیب ہوا تھا۔ مصوری اور موسیقی میں بھی مہارت تامہ حاصل تھی۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی شاعرانہ استعداد خود بخود برسرکار آگئی۔ سلطان کے کلام کو مرتب کرنے کا کام شاہ ابوالمعالی جیسے صاحب ذوق کے ذمہ تھا سلطان نے اپنا تخلص شاہی قرار دیا تھا۔ اس کے کلیات کا ایک نسخہ ریکارڈ آفس حیدرآباد کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

شاہی کے کلیات میں مثنوی، غزل، قصیدہ، ریختی، مخمس وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ ہم مختصر طور پر ان کی صراحت کرتے ہیں۔

شاہی کے چھ قصیدے اس کے کلیات میں شامل ہیں ان کا موضوع حمد، نعت، منقبت کے علاوہ محل اور باغ کی تعریف ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل　　عقل معلم ایں قصہ سکھایا کہن
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے　　عقل کا جا سون ہو لکھ پہ اچھے یو کرن
عقل کا موتی مگر مغز کے طبلے بھتر　　خوب دساوے جھلک در جگ دیدن

... ...

خاک کی پتلی بنا روح کے تن میں بھرا　　چال چلا کر اول آپ سکھایا کمن
آب و آتش ہوا خاک دہوائے کلا　　چار عناصر لگا دہ سنواریا ہمن

ایک دوسرے قصیدے میں جو منقبت حضرت علیؓ میں ہے بجائے ساقی کے کلال کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ اب بھی سیندھی تاڑنے والے کو دکن میں کلال کہا جاتا ہے، ملاحظہ ہو ؎

ارے کلال مجکوں پیالا پلا تیا کا　　تا مست ہو کے دیکھو گلزار علیؓ پیا کا
شاہ نجف ولی ہے تس نام سوں علیؓ ہے　　وہ راز دان احمدؐ سلطان اولیا کا

علی داد محل کی تعریف کا جو قصیدہ ہے وہ واقعہ نگاری کا اچھا نمونہ ہے۔ یہ لامیہ قصیدہ ہے اس عہد کے نصرتی سے لے کر ہمارے عہد کے امیر و محسن کاکوروی تک نے اسی ردیف و بحر میں

اپنی عقیدت و کمال کے اظہار کی کوشش کی ہے۔ سلطان نے علی داد محل کی تعمیر ۱۰۲۹ھ میں کی تھی اس محل کا باغ بھی مشہور تھا، اس قصیدے میں تشبیہوں اور استعاروں کی ندرت و شوکت قابل تعریف ہے۔ یہ قصیدہ ۶۵ اشعار پر مشتمل ہے۔

شاہی کی ایک طویل مثنوی "بدیع الجمال" ہماری نظر سے گزری ہے۔ اس کلیات میں ایک مثنوی ۲۷ شعر کی خیبر نامہ کے عنوان سے ہے اور دو چھوٹی مثنویاں ہیں۔ خیبر نامہ واقعہ نگاری کا ایک اچھا نمونہ ہے۔ اس میں جنگ خیبر کے حالات لکھے گئے ہیں۔ حضرت علی اور مرحب کی لڑائی کا واقعہ لکھا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

اول حق کی توحید سوں کر سخن　　　پچھن خوش ادا سوں بیاں کر بچن
تجھے ہے سزاوار حمد و ثنا　　　ترے حکم سوں ہے ہنا ہور بڑا

....　　　.... ....

اتا ایک قصہ سنو جنگ کا　　　کہ وہ جنگ تھا دین کے ننگ کا
اتھا ایک خیبر کا قلعہ بکل　　　بڑے بہر کلاں پر اکل تھے اٹل

....　　　....... ... ...

سلح ظاہری باطنی سوں سوار　　　عنایت کئے شاہ کوں ذوالفقار
روانا ہوئے جنگ کے لئے نامدار　　　وہ شاہ ولایت ادھک کامگار

... .　　　. . ...

جو مرحب نے دیکھا برادر کتین　　　کہیا وہ گیا تو لڑوں گا چ میں
زرہ باندھ دوھری بندھا دو فرنگ　　　رکھیا دل میں جب شہ سوں کرنے پلنگ (؟)
لیا ہات بھلا جو تھا تین من　　　شتابی سوں آکر کھڑا بیچ رن

....　　　........ ... .

فتح کر قلعے کون شہنشاہ سور　　　پھرے لیک لشکر پیمبر حضور

تیرا یاد دن رات شاہی کا کاج
تیرے فیض سوں ہے لسے تخت و تاج

سعدی اور حافظ کی عام مقبولیت اور غزل نگاری نے جو رنگ اختیار کیا۔ ظہوری اور نسیم جیسے شاعروں کی زمزمہ خوانی کی آواز باز گشت جہاں ہم کو سلطان محمد قلی خواصی، رستمی، نصرتی فہمی حسین وغیرہ کے زمزمہ سنجیوں میں ملتی ہے وہیں شاہی کلیات بھی ایسے نغموں سے خالی نہیں ہے۔

شاہی کے محل سراؤں، کوشکوں، قصروں اور ایوانوں میں خوبی اور رعنائی کے مجسم پیکروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ رخساروں کی گل گونی اور کرشمہ و ادا کی سحر آفرینی سے آنکھوں پر لطف اندوز ہونے کا پورا سامان مہیا تھا۔ اس لحاظ سے شاہی کی غزلیات میں بڑی حد تک حقیقت کی بھی جھلک نظر آجاتی ہے ساتھ ہی رنگین خیالی اور عاشقانہ مضمون آفرینی میں شاہی بہت کامیابی سے اپنے تخیل کو کام میں لاتا ہے۔ موجودہ عہد کی زبان کی صفائی کے سوا اور کوئی بات ایسی نہیں جو زمانہ مابعد کی غزلوں اور شاہی کی غزلوں میں امتیاز پیدا کرسکے۔ وہی شاہد و ساقی، وہی جام و ساغر، وہی معشوق کی تعریف اور اس کے حسن اور خوبصورتی ناز و کرشمہ کا ذکر ہے جو زمانہ مابعد کے شعراء کا خاصہ رہا ہے، چند شعر ملاحظہ ہوں۔

جس دن تے تمن سات لگیا من ہمارا اس دن تے پرت کا ہوا مج تن میں پکارا

ابرو کمانا کھچ کو مارے پلک کے تیر سون زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان مج ہاتھ کا

بولے جہان کے پار کیے ہمنا نہ آوے بولن تمنا سہاتا بولنا اے شاہ بحر و بر کہو

مرجان میں صافی نہیں یاقوت میں صافی اچھے جس ذات میں صافی اچھے اس ذات کو بہتر کہو

کہ ین کی سری کنے منگتے ہیں موتی آبرو یا روپ کی تو کان ہے، یا حسن کی سمدور ہے

کہ گاس پر رنگ کا نشان دستا ہے کہ اس ہاتھ کا روشن شفق میں جگمگے جیون چاند پہلی رات کا

شاہی نے ریختہ اور ریختی دونوں قسم کا کلام یادگار چھوڑا ہے، اس زمانہ میں ریختہ اس غزل کو کہتے تھے جو فارسی جملوں اور مصرعوں سے مخلوط ہوتی تھی، کہتا ہے ؎

دیدم نظر بر روپ جو اس شوخ چکرستانہ را گفتم بیامندر منے روشن کین کاشانہ را
نامان کر اس بول کوں انچل جھٹک دے جب چلی آخشم سوں بولی مجھے یامن مگو افسانہ را
تس کے فراقوں یوں دسے گلزار سب انگار ہو یو دل معلم ہو میرا دیوے سبق پروانہ را
بوز دں مقفا بولے ہر یک کون کان طاقت اچھے
چرچ کہا شاہی غزل سنتے بدل فرزانہ را

ریختی کا موجد ہاشمی بیجاپوری سمجھا جاتا ہے جو علی عادل شاہ شاہی کے عہد میں موجود تھا۔ شاہی کے کلیات میں ریختی بھی ہے چند شعر یہ ہیں ؎

پیو سات اپچ رہنا لذت اسے کہتے ہیں　　آپ اپچ پہر رجھانا صنعت اسے کہتے ہیں
مج نین کے نگر میں لالن وطن کئے جب　　تب انجمن کے لوگان خلوت اسے کہتے ہیں
گل ہو گلاب میانے نہیں کچ فرق ازل تے　　یو پیون سون مل رہی ہوں الفت اسے کہتے ہیں

اب ہم ایک مخمس سناتے ہیں۔ یہ نظم شاعر کے پرواز خیال اور زور بیان کی ایک اچھی مثال ہے۔

کوئی جاو کہو مج ساجن سات　　میں تیہ بندی تون کیتا گھات
دل مرا اپے سات کیا
مج برہے میں دن رات کیا
سب بسرا سکھ ہے ہیہات کیا
کئے مج سون ایسی دھات کیا
کوئی جاو کہو مج ساجن سات　　میں تیہ بندی تون کیتا گھات
پیو مورت دیکھوں سپنے میں
جب جاگو تب رہوں سپنے میں
لا دیپک برہا اپنے میں
تن جائے جھک جھک جینے میں
آرام اچھے مج کھپنے میں
کوئی جاو کہو مج ساجن سات ۔ میں تیہ بندی تون کیتا گھات
مج نینوں نیند آتی نین
یو رین کیتن سو جاتی نین
پیو باج مج کوئی ساتی نین
اس بات بن کچ بھاتی نین
بن افسوس تے کچ کہاتی نین

شاہی کے کلیات میں راگنیاں بھی ہیں، رباعی بھی ہے، مثمن بھی ہے۔ فارسی تارکیں بھی ہیں۔

ان سب کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اس کلام کو بہ یک نظر دیکھا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ اس عہد میں بھی فارسی اور عربی الفاظ کے مقابلہ میں ہندی کے الفاظ زیادہ استعمال کئے جاتے تھے بعض مرہٹی الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ اور یہی اس زمانہ کی عام زبان تھی۔

اب ہم بیجاپور کے پرشان و شوکت مرکز سے آگے بڑھتے اور گولکنڈہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ گولکنڈہ بھی شان و شوکت عظمت اور قوت میں بیجاپور کا مدمقابل تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی اطمینان اور امن وامان میں بیجاپور اس پر رشک کرسکتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ بیجاپور بہ لحاظ موقع و محل مغلیہ شہنشاہی پالیسی کا پہلے ہدف بن گیا اور پھر ہمسایہ دشمن شیواجی کی وجہ سے ہروقت جنگ وجدل سے کام رہا۔ گولکنڈہ تلنگانہ میں واقع تھا۔ یہاں اس قسم کا خطرہ ہر زمانہ میں کم رہا ہے۔ آس پاس کے راجہ مرہٹوں کی طرح قطب شاہی حکومت کو دق کرنے کے لئے موجود نہیں تھے بلکہ وہ اپنی خانگی نزاعوں میں گھرے ہوئے تھے۔

قطب شاہی سلطنت کا بانی بھی ان خوش قسمت روزگار آزما غیر ملکیوں میں تھا جو اپنی قابلیت کے بل بوتے پر اعلیٰ ترین دنیاوی مدارج کو دیکھتے دیکھتے طے کرلیتے ہیں۔

قطب شاہی سلاطین نے بھی اپنے معاصر حکمرانوں کی طرح جہاں پروری کے ساتھ ساتھ علم وفن کی سرپرستی کی بھی ایسی روایات قائم کی ہیں جو ہر حکومت و سلطنت کے لئے مایۂ ناز ہوسکتی ہیں۔ قطب شاہی حکمران بھی زیورِ علم سے آراستہ تھے۔ ادب و شعر کی اقلیم بھی ان کے زیر نگیں تھی۔

اگرچہ قطب الملک کی پوری عمر اپنی حکومت کے استحکام میں گذری۔ پھر بھی "آتش خانہ" میں شعراء اور ادیبوں کے جھگڑے اس کے دورِ حکمرانی کی یاد تازہ رکھیں گے۔

قطب الملک کے دوسرے بیٹے ابراہیم کا نام آج چارسو سال کے بعد بھی زندہ ہے۔ اس نے رفاہِ عام کے کاموں کی وسعت کے ساتھ ہی ساتھ اربابِ علم کی جو سرپرستی کی ہے وہ تاریخ کے صفحات سے کسی طرح محو نہیں ہوسکتی۔

فارسی کے ساتھ دکھنی ادب نے اس کے زمانہ میں خوب برگ و بار پیدا کئے۔ فیروز، محمود، احمد، وجہی دکھنی شاعری کے آسمان کے چند درخشاں ستارے ہیں۔

سلطان ابراہیم قطب شاہ نے تلنگی زبان کی بھی سرپرستی کی ہے۔ اس کے زمانہ میں تلنگی ادب کو بڑی ترقی ہوئی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قطب شاہوں نے تلنگانہ کو اپنا وطن سمجھ کر اس کی مخلصانہ خدمت اپنے لئے ضروری قرار دی تھی وہ خود تلنگی زبان جانتے تھے اس میں شعر کہا کرتے اور تلنگی شاعروں اور ادیبوں کو صلہ دے کر ان کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ تلنگی ادب کا سنہرا دور درحقیقت قطب شاہوں کا زمانہ ہے۔ قطب شاہوں کے بعد تلنگی زبان کی سرپرستی کسی حکومت اور راجہ نے

نہیں کی ہے ۔ شاہانہ سرپرستی سے ہی زبان پروان چڑھتی ہے ۔ ابراہیم قطب شاہ وہ پہلا شخص ہے جس نے تلنگی کی سرپرستی کی تھی ۔ وہ تلنگی کا بہت اچھا ماہر تھا ۔ اور اس کا کلام استادانہ سمجھا جاتا تھا ۔ اس کے دربار میں فارسی اور دکھنی کی طرح تلنگی زبان کے کئی شاعر تھے ۔ ان میں ایک گنگا دھر نامی شاعر تھا ۔ وہ تلنگی ادبیات کا بڑا قائد سمجھا جاتا ہے ۔ اس نے سلطان ابراہیم کی سرپرستی میں تلنگی ادب کی مشہور کتاب "تپتی سمورن پاکھیانم" تصنیف کی ہے ۔ اس کے دربار کا دوسرا مشہور شاعر ملاریڈی تھا جو تلنگی کے ساتھ سنسکرت سے بھی واقف تھا ۔ اس کے علاوہ کئی اور دوسرے شاعر بھی تھے ۔ ان میں ودینا ممتاز تھا ۔

سلطان کے درباری امرا بھی تلنگی ادب کے سرپرست رہے ہیں ۔ چنانچہ محمد امین خاں کا نام مشہور ہے ۔ وہ شاعروں کی حوصلہ افزائی کرنے میں ہمیشہ پیش قدمی کرتا تھا ۔ تلنگی کے مشہور شاعر "پنا گنڈی تگنا آریہ" کی اس نے سرپرستی کی تھی ۔ اس شاعر نے جو پنچزو کا رہنے والا تھا ایک کتاب "دبے باتی چرترا" لکھی تھی ۔ اس میں اس زمانہ کے رسم و رواج ، سماجی زندگی ، تمدن و تہذیب اور ثقافت پر بڑی اچھی روشنی پڑتی ہے ۔

ابراہیم کے بیٹے محمد قلی قطب شاہ کے زمانہ میں گولکنڈہ فارغ البال تھا ۔ امن و امان جو قائم ہو چکا تھا اور اس کی بدولت ترقی و سربلندی کے زینے اس کامیابی سے طے ہوئے کہ دنیا میں گولکنڈہ کا نام روشن تر ہو گیا ۔ حیدرآباد کا شہر اس کی نزاکت طبع کی یادگار ہے ۔ چار مینار کی نادر روزگار عمارت اس فن کی بلندی کی گواہِ عادل ہے ۔ اس کے ساتھ علمی رونق اور چہل پہل کی بھی ایک دوسری بستی آباد ہو گئی ۔

دکھنی زبان نے تو اب پھل پھول کر ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لی ، گولکنڈہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کے سلاطین سب کے سب اعلیٰ تعلیم یافتہ اور علم دوست تھے ۔ انھوں نے دکھنی زبان کو اپنا اوڑھنا اور بچھونا بنایا ۔ اس میں خود شاعری کی اور لوچ کا ایک تازہ ثبوت فراہم کر دیا ۔ اس مثنوی میں خود سلطان کی محبت و الفت کے سچے واقعہ کو جس چابک دستی اور استادی سے زندگی دی گئی ہے وہ دکھنی ادب کی سحر نگاری کا ایک درخشاں کارنامہ ہے ۔ ملا خیال ، غواصی ، احمد ، سلطان وغیرہ جیسے باکمال ارباب نے آگے چل کر شہرت و نام آوری کا جو آوازہ بلند کیا وہ در اصل ثمرہ تھا اس قصہ کا جو محمد قلی کے زمانہ میں پیدا ہو چکی تھی ۔

فارسی میں نظم لکھنا تو خیر اس زمانہ کی اعلیٰ سوسائٹی کا تمغہ امتیاز ہی تھا ۔ بادشاہ نے تلنگی میں بھی اتنی دست گاہ حاصل کر لی تھی کہ شعر کہنا آسان ہو گیا تھا ۔ تاریخوں سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ ابن سکے

زمانہ میں بھی تلنگی ادب کو بڑا عروج ہوا۔ اس کو اپنے وطن تلنگانہ سے بڑی محبت تھی۔ اس نے تلنگی زبان کی خاطر خواہ قدر افزائی کی۔ اس کے زمانہ میں تلنگی زبان اور ادب کی بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ محمد قلی فارسی اور دکھنی کے ساتھ ساتھ تلنگی زبان کا بھی شاعر تھا۔ تاریخوں سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس نے تلنگی زبان کا بھی ایک دیوان مرتب کرایا تھا۔ اگرچہ اب تک یہ دیوان دستیاب نہیں ہوا ہے۔ مگر اسی دکھنی شاعری میں اکثر تلنگی کے الفاظ ملتے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کو تلنگی سے کس درجہ شغف تھا۔ اس کی تلنگی محبت کا ثبوت اس سے بھی مل سکتا ہے کہ اس نے مقامی عیدوں، تہواروں اور معاشرتی دلچسپیوں کا تذکرہ اپنی دکھنی شاعری میں کیا ہے۔ بسنت کی عید۔ موسم بارش کے آغاز یعنی مرگ کے متعلق کئی نظمیں لکھی ہیں۔ اس نے تلنگی معشوقہ کا سراپا بھی دلچسپ طرز میں لکھا ہے۔ "پھوکڑی پیو" تلنگی کھیل پر نظم لکھی ہے۔ سلطان محمد قلی کے بعد بھی سلطان محمد اور عبد اللہ نے تلنگی ادب کی سرپرستی میں حصہ لیا۔ سلطان محمد قلی کے زمانہ میں دکھنی ادب کو وہ عروج حاصل ہوا کہ خود بادشاہ کو بھی اس زبان میں شعر کہنا پسند خاطر ہوا۔ اور کبھی قطب شاہ اور کبھی معانی تخلص کے ساتھ اس نے شاعری کی ہے۔

قطب شاہ کی دکھنی شاعری کو کئی خصوصیات حاصل تھیں۔ اول تو یہ کہ وہ اکتسابی شاعر نہیں تھا۔ بلکہ قدرت نے اس کو شاعری کا عجیب وغریب ملکہ عطا کیا تھا۔ بہ قول سلطان محمد قطب شاہ اس نے پچاس ہزار دکھنی شعر موزوں کئے تھے۔ دوسری خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شاعری پر دوسرے شعراء کی طرح فخر اور ناز نہیں کرتا۔ اپنی تعریف میں کوئی شعر نہیں کہتا۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ کوئی صنف سخن ایسی نہیں ہے جس میں محمد قلی نے اپنا کمال نہ دکھایا ہو اور نہ کوئی موضوع ایسا ہے جس پر اس نے طبع آزمائی نہ کی ہو قصیدے، مثنویاں، مرثیے، رباعیاں، غزلیں اور قطعے غرضکہ ہر صنف کا وافر ذخیرہ اس کے کلیات میں موجود ہے۔ اس طرح عاشقانہ مضامین، عارفانہ نکات، واقعہ نگاری، رنگین بیانی کے بہتر سے بہتر نمونے اس کے یہاں ملتے ہیں۔ شاہی لوازم، درباری شان وشکوہ، محلات کی رنگینیاں، باغوں کی سرسبزی اور شادابی، غریبوں کی زندگی، عوام کے جذبات، عیدوں، تہواروں، کھیل کود تماشوں، بازاروں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے رسم ورواج غرضکہ نیچرل شاعری کے بے شمار بیش بہا نمونے اس کے کلام میں ملتے ہیں۔ مناظر قدرت کی نیرنگیوں، بزم کی رنگینیوں، جشنوں کی طرب انگیزیوں کا وافر ذخیرہ اس کے کلام میں موجود ہے۔ پھر اس کی زبان کی شیرینی اور حلاوت قابل داد ہے۔ اس میں نہ عربی و فارسی کا عنصر زیادہ ہے اور نہ سنسکرت کا۔ اس کا اسلوب نہایت سادہ، سلیس اور رنگین ہے۔ اس کے کلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد حاضر میں جس مشترک زبان کی کوشش کی جا رہی ہے اس کو صدیوں پہلے محمد قلی قطب شاہ لکھ گیا ہے۔ اب مختصر طور پر ہم سلطان

محمد قلی کے کلام کا نمونہ پیش کرتے ہیں اولاً غزل ملاحظہ ہو۔

مے لعلی تھے کمہ زردی ہمارا دور کر ساقی　　مجالس زہرہ رقاصی سوں توں پر نور کر ساقی

نہ کھا غم توں زمانے کا ترا کام خدا سوں　　ہر اک پستی مے تجکوں بلند نام دوے گا

خواجہ حافظ کے اکثر شعروں کا قطب شاہ نے ترجمہ کیا ہے مثلاً

یوسف گم سو پھرا کا اب بکنعان غم نہ کھا　　گھر ترا امید کا ہوگا گلستان غم نہ کھا

میں نہ جانوں کعبہ و بت خانہ و مے خانہ کون تو

دیکھتا ہوں ہر کہاں دستا ہے تج کمہ حسن

پیا باج پیالہ پیا جاے نا　　پیا باج یک تل جیا جائے نا

نہیں عشق جس کون وہ بڑا کوڑ ہے　　کدھیں اس تھے مل بیسیا جائے نا

قطب شہ نہ دے مج دوانے کو پند　　دوانے کو کچ پند دیا جائے نا

موسم بارش کے متعلق کئی نظمیں ہیں۔ دکن میں چونکہ موسم بہار نہیں ہوتا اس لئے موسم بارش ہی گویا بہار کا زمانہ ہوتا ہے۔ ندی نالے چلنے لگتے ہیں ہر طرف سبزہ کا زمردی فرش ہو جاتا ہے۔ جنگل ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔ قطب شاہ نے جو نظمیں موسم بارش پر لکھی ہیں وہ نہ صرف نیچرل لحاظ سے دلچسپ ہیں بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں موسم بارش کی آمد پر کس طرح خوشیاں منائی جاتی تھیں۔ اور رسم و رواج اور تمدن کے امور بھی واضح ہوتے ہیں جن سے تاریخ کے صفحات خالی ہیں۔

اب ہم سلطان محمد قلی کا تذکرہ ختم کر کے اس کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ پرہیزگاری اور پاکیزہ زندگی کی جو حیرت انگیز مثال اس نے پیش کی ہے وہ گویا ایک معجوبہ ہے مکہ مسجد جیسی بلند پایہ عمارت تمدنی ارتقا کی ایک اعلیٰ مثال ہے اس بادشاہ کا عہد قطب شاہی دور حکومت کا نقطۂ عروج ہے۔ سلطان محمد خود مصنف تھا نو کتابیں اس نے فارسی میں لکھی ہیں۔ یہ شاعر بھی تھا فارسی اور دکنی میں اس نے طبع آزمائی کی ہے۔ ظل اللہ اس کا تخلص تھا۔ اس کے دربار کے دکنی گو شعرا میں غواصی، ودانی، ابن نشاطی، جنیدی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے دکنی ادب کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ افسوس ہے کہ

اس کا کلیات اب تک دستیاب نہیں ہوا ہے۔

اب ہم عبد اللہ قطب شاہ کے زمانہ میں پہونچ جاتے ہیں۔ یہ زمانہ گولکنڈہ کے امن امان کا آخری زمانہ تھا، علم و فن کی سرپرستی میں اس نے بھی اپنے اسلاف کا نمونہ پیش کیا۔

سلطان عبد اللہ کے عہد میں ادبی حلقوں میں شعر و سخن کا چرچا بہت بڑھ گیا تھا اس کی ایک مثال یہ ہے کہ رات رات بھر خود سلطان کی موجودگی میں مشاعرہ ہوتا تھا۔ سہ شنبہ کے دن (جو عام تعطیل کا دن قرار دیا گیا تھا) بادشاہ کا شغل صرف یہ ہوتا کہ شعر و سخن سے لطف اندوز ہوا کرے۔ اور قدما کے کلام پر نقد و تبصرہ کیا جاتے۔

سلطان عبد اللہ کے زمانہ میں دکھنی ادب کی بڑی سرپرستی ہوئی اور دکھنی ادب کا بول بھی بالاسے بالاتر ہو گیا۔ سب رس۔ سیف الملوک و بدیع الجمال، طوطی نامہ۔ چندا و لورک، ماہ پیکر پھول بن۔ بہرام و گل اندام کو لکھنے والے دماغوں نے تخیل کی پرواز زبان کی سلاست اور اسلوب کی روانی کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا ہے۔ قصیدہ نگاری کے ساتھ مرثیہ نگاری نے بھی اب بہت اہمیت حاصل کرلی۔ ماہ محرم میں عزاداری کی مجلسوں میں دکھنی مرثیوں نوحوں اور سلاموں کا رواج عام ہوگیا۔

اس فضا میں خود بادشاہ کو بھی شوق سخن پیدا ہونا ناگزیر تھا۔ اور پھر شعر گوئی اس کے باپ دادا کی سنت بھی تھی۔ فارسی کے ساتھ دکھنی زبان میں بھی اس نے شعر کہے ہیں اس کا ایک مختصر دیوان نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سلطان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں وہی مضامین ہیں جو اس کے نانا سلطان محمد قلی کے یہاں ملتے ہیں۔ وہی تغزل بھی اور وہی تصوف بھی۔ واقعہ نگاری کا نمونہ بھی ملتا ہے۔ البتہ زبان میں صفائی اور شستگی زیادہ آگئی ہے، لیکن سلطان محمد قلی کی طرح وہ پرگو شاعر بھی نہیں تھا۔ اس لئے مختصر دیوان اس کی یادگار ہے۔ یہاں ہم مختصر نمونہ پیش کرتے ہیں

مولود نبی صلعم

تکہ فیض سوں پھر آیا دن دین محمد کا — آفاق صفا پایا دن دین محمدؐ کا
نوعید ہیں ساجے نصرت کے نکیں باجے — ہے جگ کے نبی راجے دن دین محمدؐ کا
گلشن میں شریعت کے پھل پھیلا طریقت کے — پر ل سوں حقیقت کے دن دین محمدؐ کا
روشن ہوئے آسماناں چمکاتے رتن کھاناں — خط لیوائے سلماناں دن دین محمدؐ کا

جو بارہ اماماں ہیں لکھ ان پہ سلاماں ہیں
ہم ان کے غلاماں ہیں دن دین محمدؐ کا

اب غزلیات کا نمونہ ملاحظہ ہو ؎

دل حق کی طرف ہو کہ حق آرام دوے گا   سعادت کی ترے ہات سرانجام دوے گا
اگر تیری نظر کام اپر ہے تو سدا صدق   آسوں لاکر اسے یاد کردے آرام دوے گا
نبی صدقے نے توں نام اے عبداللہ علیؑ کا   کہ مج فتح و ظفر تج کو زری نام دوے گا

یا پھول ہیں تیاں میں یا رات میں ہیں جگنے   یا جو بران کے دریان کون آئین ابالا
یا مکھ کمل کھیلیا ہے یا چاند ہے پنم کا   یا نور کا ٹھیا ہے دستا عجب جمالا
یا قد سروپ ہے دو یا زلف کا الف ہے   یا روپ ہے بشر کا پچیا ہے پھول ڈالا

عشق میں جانا کے ثابت اچھ توں اے جان غم نہ کھا
عہد و پیا رکھ درست اپنا یہاں ہاں غم نہ کھا
یو دنیا دو دن کی ہے مہمان اسے کچ بھر نہیں
دل نہ باندہ اس سات توں خوش حال رہ ہاں غم نہ کھا

آج تو ہے بخت جوانی سعادت کی رات   چاند سوں میری ملا غم تھی منج دے نجات
روپ میرے لال کا آئے نہ تحریر میں   چاند عطارد اگر ہو دیں قلم ہور دوات
کام مرداں نکو جان تو اے خام عبث   کہ جکوتی مرد ہیں کہتے نہیں وہ کام عبث

آخر میں قطب شاہی تاجدار ابوالحسن تاناشاہ کے زمانہ میں قطب شاہی حکومت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور ہر طرف شورش و بے اطمینانی پیدا ہوگئی۔ بالآخر اس سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر شعر و سخن کا چرچا سرد نہ ہوا۔ لطیف کا ظفرنامہ، غلام علی کی پدماوت، سیوک کا جنگ نامہ، اس زمانہ کی پیداوار ہیں۔ سلطان نے بھی شعر کہے ہیں مگر اب تک کوئی مرتب مجموعہ دستیاب نہیں ہوا ہے۔

آپ پر یہ امر واضح ہوا ہو گا کہ دکھنی ادب کی ترقی اور ارتقا میں اگر ایک طرف معمولی شہریوں نے اپنی کوشش کا حق ادا کیا ہے تو دوسری طرف خود شاہانِ وقت نے بھی برابر سعی کی ہے۔ ان کی کوشش اور سرپرستی نے ہی اس کو دکن میں پروان چڑھایا۔ اور بالآخر سرزمین دکن میں اس کی پہلی جامعہ کھولی گئی تھی۔ اور دیسی زبان میں تعلیم کا تجربہ جس طرح کامیاب ہوا وہ پوشیدہ نہیں ہے۔ غرضیکہ یہی ہماری وہ مشترک زبان ہے جس کی خدمت بلا لحاظ مذہب و ملت ہم صدیوں سے کرتے آئے ہیں۔

وفیات

بیخود دہلوی

سید وحیدالدین احمد بیخود دہلی کے ایک بہت پرانے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد ان کے دادا بھرت پور چلے گئے تھے۔ ان کے والد سید شمس الدین احمد سالم بھرت پور کے کوتوال تھے۔ سالم صاحب ملازمت کی خاطر کے بعد دلی چلے آئے تھے۔ یہیں بیخود کی نشو و نما ہوئی۔

بیخود نے دستورِ زمانہ کے مطابق گھر پر اردو فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ انہیں اپنے زمانے کے اکثر علما فضلا کی صحبت حاصل ہوئی۔ وہ غالب کے یہاں بھی اپنے والد کے ساتھ جایا کرتے تھے لیکن بہت کمسنی میں۔ چنانچہ غالب انہیں "بابا بچہ" کہہ کر پکارتے تھے۔

بیخود زبان و فن دونوں کے ماہر تھے۔ وہ خوش گو شاعر تھے اور اپنے استاد داغ کے رنگ کے پیرو۔ ان کی زبان دلی کی ٹکسالی زبان تھی۔ ان کا "فرمایا ہوا مستند ہوتا تھا۔"

بیخود کے کلام کے دو مجموعے درشہوار بیخود اور گفتار بیخود شائع ہو چکے ہیں۔ غیر مطبوعہ کلام بھی کافی ہے۔ انہوں نے دیوان غالب کی شرح بھی لکھی تھی جو اب بہت کمیاب ہے۔ ایک ناول ننگ و ناموس کے نام سے لکھا تھا۔ لیکن پہلے اڈیشن کے ختم ہو جانے کے بعد پھر انہوں نے اسے شائع کرنا پسند نہ کیا۔ زندگی کی قدریں کس طرح بدلتی رہتی ہیں۔ آج ایک اچھے ناول ادیب ہو کر شہرت پاتا ہے لیکن ساٹھ سال پہلے ایک اہل زبان شاعر ایک ناول کو اپنے نام سے منسوب کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔

بیخود نے طبیعت بڑی باغ و بہار پائی تھی لیکن کبھی کبھی اس میں غصے کی بادِ سموم کے جھونکے بھی آجاتے تھے۔ وہ صرف شعر و شاعری اور زبان کے استاد نہ تھے بلکہ پیراکی، پہلوانی اور بنوٹ کے بھی ماہر تھے۔ شہسواری میں طاق تھے۔ کبوتر بازی اور کنکوے اڑانے میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ بقول شاہد احمد دہلوی "ایک زمانہ میں جن بھوت اتارنے میں بھی شہرت رکھتے تھے۔"

مرحوم کی زندگی کے تقریباً چالیس سال انگریزوں کو اردو پڑھانے میں گذرے حالانکہ وہ انگریزی سے قطعی ناآشنا تھے۔ ان کے انگریز شاگردوں میں لارڈ ہارڈنگ اور لارڈ ریڈنگ ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ وہی لارڈ ریڈنگ ہیں جنہوں نے آگے چل کر ہندوستان کی سیاست میں نمایاں حصہ لیا۔

بیخود مرحوم صوم و صلوٰۃ کے بہت پابند تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے انہوں نے مشاعروں میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ کبھی کبھار کسی خاص مشاعرے میں شریک ہو جاتے۔ ان کی وفات سے چند مہینے پہلے دلی کے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن نے ایک مشاعرہ کا اہتمام کیا تھا۔ اس مشاعرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ کوئی شاعر ساٹھ برس سے کم عمر کا نہ تھا۔ مرحوم نے اس میں شرکت کی تھی۔ یہی ان کی آخری غزل تھی جو ان کی زبان سے سنی گئی۔

بیخود کی موت صرف ایک شاعر کی موت نہیں ایک باہنر انسان کی موت تھی۔ ایک استاد فن کی نہیں بلکہ ان کی وفات سے بزم دلی کا آخری چراغ بھی بجھ گیا۔

پنڈت کیفی

پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی نے تقریباً ۹۰ برس کی طویل عمر میں وفات پائی لیکن اس کے باوجود کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی موت نا وقت تھی۔ شاید اس لئے کہ ان کی موت سے ایک تہذیبی دور کا خاتمہ ہوتا ہے۔ وہ اس تہذیب کی پیداوار تھے جو ہندوستان میں اردو کی بدولت وجود میں آئی۔

پنڈت کیفی نے اس زمانہ میں ہوش کی آنکھیں کھولیں جب اردو دنیا محمد حسین آزاد ، سرسید اور ان کے رفقاء کار کی شہرت سے گونج رہی تھی۔ انھوں نے ان بزرگوں کی صحبت سے فیض اٹھایا۔ وہ میر مجروح آزاد اور حالی کی صحبت سے خصوصیت کے ساتھ فیضیاب ہوئے شبلی سے بھی ان کے نیازمندانہ تعلقات تھے۔

پنڈت کیفی کی ساری زندگی اردو زبان و ادب کی خدمت میں گذری۔ انھوں نے تقریباً ستر سال اردو کی خدمت کی۔ ان کی تصانیف کی تعداد دو درجن کے قریب پہنچتی ہے۔ ان کی تصانیف میں تنوع بھی بہت ہے۔ انھوں نے لسانیات پر تحقیقی مقالے ترتیب دیے۔ ادبی موضوعات پر تنقیدی مضامین لکھے نظمیں کہیں، افسانے اور ڈرامے تحریر کئے لیکن ان کا اصلی موضوع لسانیات تھا۔ منشورات، خمسۂ کیفی، کیفیہ، مثنوی جگ بیتی، واردات، اور انشا کی دریائے لطافت کا اردو ترجمہ وہ تصانیف ہیں جن پر اردو ادب ناز کرسکتا ہے۔ کیفی نے فارسی میں بھی اشعار کہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو فارسی کا شاعر شمار نہیں کرتے تھے۔

جہاں تک اردو کی حفاظت و ترقی کا تعلق ہے پنڈت جی کی زندگی کشمکش اور جد و جہد کی ایک مسلسل داستان ہے۔ اگرچہ آزادی کے بعد سے اردو کو مٹانے کے جو منصوبے ہو رہے ہیں اور اس کے خلاف تعصب اور تنگ نظری کے آئے دن جو مظاہرے کئے جا رہے ہیں ان سے پنڈت جی کو بہت صدمہ پہنچتا تھا مگر انھوں نے ہمت نہ ہاری! ور پیرانہ سالی اور طاقت نے جواب دے دیا تھا، ضعف کے باوجود آخر دم تک وہ اردو کی حمایت میں لگے رہے۔ ہاتھوں میں رعشہ آگیا تھا، بصارت بہت کم ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود ان کے لکھنے پڑھنے کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ اس عمر میں جب آدمی گھر سے باہر نکلنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا پنڈت جی اردو کی خاطر طویل سے طویل سفر سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ لگاؤ کے ساتھ یہ لگن اردو کے کم پرستاروں میں ملے گی۔

پنڈت جی ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایک تہذیب مٹ چکی تھی اور دوسری اس کی جگہ لے رہی تھی زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ادب میں بھی انقلاب آ رہا تھا۔ طرز کہن مٹ رہا تھا اور آئین نو اس کی جگہ لے رہا تھا پنڈت جی نے آئین نو کو قبول کر لیا مگر طرز کہن کے بھی دلدادہ رہے۔ وہ قدیم و جدید دونوں کی قدر کرتے تھے اور دونوں کے ناقد تھے۔ وہ ادب کو خانوں میں بانٹنا پسند نہیں کرتے تھے اور نہ ادب کو خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ وہ زمانہ کی نبض کو خوب پہچانتے تھے۔ انھوں نے زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ آل احمد سرور نے بالکل صحیح کہا ہے کہ "اردو کا یہ عاشق عادت اور صاحب نظر تھا" سرور صاحب کا بیان ہے کہ "چند سال ہوئے انجمن ترقی اردو ہند کی مجلس عاملہ اپنا اشاعتی پروگرام تیار کر رہی تھی۔ کچھ لوگوں نے ..... یہ تجویز پیش کی کہ کلاسیکل کتابوں کے اچھے اڈیشن تیار کرائے جائیں۔ پنڈت کیفی او نچا سنتے تھے۔

پوچھا کیا ہوا ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ یہ تجویز ہے۔ بہت خفا ہوئے۔ کہنے لگے "آپ لوگ زمانے کے تقاضوں کو پہچانئے۔ یہ سائنس کا دور ہے، ساجی علوم کا دور ہے۔ آپ ان مضامین پر عام فہم انداز میں کتابیں لکھوائیے تاکہ اردو داں طبقہ نئی زندگی کے تقاضوں کو سمجھ سکے اور اس کا ذہن و شعور پختہ ہو۔ اب دقیانوسی باتوں کا وقت نہیں رہا" سب لوگ بہت متاثر ہوئے۔"

پنڈت جی تحقیق کے بڑے دلدادہ تھے۔ مگر واقعات کی کھتونی کے قائل نہ تھے۔ انھیں اردو زبان کے رموز پر گہرا عبور حاصل تھا اور ان کی معلومات بہت وسیع تھیں۔ لیکن ان کے طرزِ تحریر میں شگفتگی نہیں پائی جاتی وہ فنِ شعر کے نکات کے ماہر تھے مگر ان کے کلام میں ندرتِ بیان اور شعریت کم ہے۔

پنڈت جی چونکہ اردو کی پیداوار تھے اور اردو ہندو مسلم اتحاد کا نتیجہ ہے اس لئے وہ ان دونوں قوموں کی آپس کی کشمکش کو بہت شدت سے محسوس کرتے۔ انھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعے ہمیشہ اس کشمکش کو دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ دونوں قوموں کی بدقسمتی ہوگی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

پنڈت جی بڑے شگفتہ مزاج اور زندہ دل انسان تھے۔ باتیں بڑے تپاک اور پروقار لہجہ میں کہتے حق بات بڑی بے باکی مگر بڑی متانت سے کہتے۔ ضبط و تحمل بھی ان میں بہت تھا۔ مگر الفاظ یا محاورہ کا غلط استعمال ان سے برداشت نہ ہو سکتا۔ اس غلطی پر وہ منہ سے بڑے آدمی کو ٹوک دیتے۔ پنڈت جی بڑے رواداراانسان تھے کبھی کسی کے جذبات کو ٹھیس نہ لگنے دیتے۔

ملازمت کی بندشوں سے آزاد ہونے کے بعد پنڈت جی کی بقیہ عمر کا معتدبہ حصہ انجمن ترقی اردو کی خدمت میں گذرا۔ مولوی عبدالحق کے ساتھ مل کر انھوں نے بہت کام کیا۔ تقسیم ہند کے بعد جب انجمن کی نئی تنظیم ہوئی تو پنڈت جی اس کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ انتہائی ضعف اور گوناگوں عوارض کے باوجود وہ انجمن کے جلسوں میں شرکت کرتے اور مفید مشورے دیتے۔

پنڈت جی کی طویل اور اہم ادبی و لسانی خدمات کا اعتراف کرنے کی غرض سے جنوری ۱۹۵۱ء میں دہلی میں ایک جشن منایا گیا۔ اس موقع پر پنڈت جی کی خدمت میں چار ہزار روپے کی ایک تھیلی پیش کی گئی۔ انھوں نے اس تھیلی کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ اور پھر چند سربرآوردہ ہستیوں کے حوالے کر دیا کہ اسے کسی کارِ علمی مصرف میں لایا جائے۔

فروری ۱۹۵۳ء میں بمبئی میں بھی یوم کیفی منایا گیا۔ بمبئی کے علم دوست احباب کی درخواست پر پنڈت جی خود بمبئی تشریف لائے۔ ضعف کا یہ حال تھا کہ چند قدم چلنا دشوار تھا۔ لیکن انھوں نے اردو کے پرستاروں کی دلشکنی گوارا نہ کی۔ جلسہ میں بڑی ہمت افزا تقریر کی۔ مایوسی و افسردگی کی جھلک بھی نہ تھی۔

بمبئی کے مشہور مدرسہ انجمن اسلام ہائی اسکول کے طلبہ ایسے مواقع سے ضرور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پنڈت جی نے ان کی درخواست بڑی خندہ پیشانی سے منظور کی اور ان کے مدرسہ میں آکر تقریباً بیس منٹ تقریر کی۔ طلبہ کے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ میری زندگی پر تین شخصیتوں کا گہرا اثر پڑا ہے۔ محمد حسین آزاد، حالی اور ماسٹر پیارے لال۔

پنڈت جی کی یادگار قائم کرنے کی تجویزیں پیش ہوتی رہی ہیں۔ کیفی اکادمی، کیفی لائبریری وغیرہ سب اپنی جگہ پر اہمیت رکھتی ہیں۔ لیکن ان کی بہترین یادگار اردو کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا ہوگا۔

اقبال احمد سہیل

اقبال احمد سہیل، شبلی کے ممتاز شاگردوں میں تھے۔ عربی، فارسی اور اردو کی تکمیل اور ابتدائی انگریزی تعلیم کے بعد انھوں نے علی گڑھ کالج میں داخلہ لیا اور وہاں سے ایم، اے اور ایل، ایل، بی کی ڈگری لے کر نکلے۔ علی گڑھ میں ان کی زندگی بڑی ہنگامہ خیز و ہنگامہ پرور تھی۔

اقبال کی اصلی جولانگاہ یونی ورسٹی تھی اور بہترین مشغلہ تدریس اور تصنیف و تالیف۔ لیکن شاید حالات سے مجبور ہو کر انھوں نے وکالت کو اپنا پیشہ بنایا۔ انھوں نے تقریباً تیس برس اعظم گڑھ میں وکالت کی۔ کسی زمانہ میں وہ چوٹی کے وکیلوں میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن پچھلے چند برسوں سے کچھ تو سن و سال کے تقاضے سے اور کچھ طبیعت کی بے نیازی کے باعث ان کی وکالت ماند پڑ گئی تھی۔

اقبال سہیل کی ذات، ذہانت و فطانت کے لحاظ سے قابل رشک تھی۔ ان کا مطالعہ نہایت وسیع، نظر بڑی گہری اور حافظہ بہت قوی تھا۔ ان کے ہمعصروں کا بیان ہے کہ وہ اس زمانہ میں متعلم سے زیادہ معلم تھے۔ یونین کے جلسوں میں ان کی تقریریں بڑی کشش کا باعث ہوتی تھیں۔ یہ اردو ادب کی بدقسمتی ہے کہ سہیل نے ایک غیر ادبی مشغلہ کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی۔

طالب علمی کے زمانہ میں ان کے مطالعہ اور تحصیل علم کے شوق کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اپنے گاؤں بڑہریا ضلع اعظم گڑھ میں رات کے وقت کسی عربی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ایک جگہ انھیں کوئی مشکل پیش آئی۔ تقریباً آدھی رات کا وقت تھا لیکن وہ اسی وقت اٹھے اور مولانا حمید الدین مرحوم کی خدمت میں (پھریہا) پہنچ کر اپنی مشکل حل کی۔ بڑہریا اور پھریہا میں تقریباً ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ ہے اور راستہ ایسا مخدوش کہ دیہات کے لوگ بھی رات کے وقت اس پر چلتے ہوئے گھبراتے ہیں۔

مرحوم کی طبیعت میں بے انتہا بے نیازی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے کلام کا اکثر و بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ ان کی بے شمار غزلیں اور نظمیں دوسروں نے اپنے نام سے مشاعروں میں پڑھیں اور رسالوں میں چھپوائیں۔ محمد حسن کالج جونپور کے پرنسپل نیاز احمد صاحب صدیقی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے مرحوم کا کچھ کلام حاصل کر کے اپنے کالج میگزین کے ایک خاص سہیل نمبر میں شائع کر دیا اور اس طرح وہ دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ گیا۔ نثر میں بھی سہیل کے چند مضامین ہیں جو مختلف رسالوں کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں۔ اگر انھیں جمع کر کے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو یہ ایک مفید ادبی خدمت ہوگی۔ ان کے کلام کو بھی کتابی صورت میں شائع کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ادبی دنیا تابش سہیل سے منور ہو سکے۔ یہ کام مرحوم کے ساتھی اور دوست مرزا احسان احمد کے کرنے کا ہے اور امید ہے کہ وہ اس طرف ضرور توجہ کریں گے۔ جگر مرادآبادی اور اصغر گونڈوی کو ادبی دنیا سے روشناس کرانے کا فخر مرزا صاحب ہی کو حاصل ہے۔

مرحوم اردو، فارسی دونوں کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ فارسی میں زیادہ کہتے تھے اور اردو میں کم۔ ان کی طبیعت کا اصلی رنگ ان کی ادبیت و علمیت کا درجہ فارسی قصائد سے ظاہر ہوتا ہے۔ بقول ایک نقاد ان کے فارسی قصائد عرفی کے قصیدوں سے کم پایہ نہیں۔ ان کی اردو غزلیں ہماری شاعری میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ غزلوں میں حسرت موہانی

کہ طرح انھوں نے تاریخ اور سیاست کی آمیزش کی ہے اور حسرت ہی کی طرح لطف تغزل کو کم نہیں ہونے دیا ہے۔

اقبال سہیل نے سیاست میں بھی حصہ لیا۔ کئی سال تک اپنے صوبہ کی اسمبلی کے ممبر رہے۔

مرحوم کو اپنے استاذ شبلی سے بڑی عقیدت تھی۔ شبلی کالج (اعظم گڑھ) میں ہر سال یوم شبلی منایا جاتا ہے۔ سہیل اس میں شریک ہی نہیں بلکہ تقریر بھی کرتے اور تقریر کے دوران میں اکثر آبدیدہ ہو جاتے۔ کبھی کبھی ضبط کا دامن بھی ان سے چھوٹ جاتا۔ مرحوم کو اپنے خواجہ تاش سید سلیمان ندوی سے بھی بہت محبت تھی۔

مرحوم بڑے کنبہ پرور تھے۔ ان کے خاندان کے اکثر مستحق افراد ان کے ابر کرم سے مستفید ہوتے رہتے تھے۔ غرض اقبال سہیل علمی، ادبی، مذہبی اور سب سے بڑھ کر انسانی خصوصیات کی ایک دلچسپ تصویر تھے۔

ہوش بلگرامی

بلگرام ضلع ہردوئی (اتر پردیش) کا ایک بڑا مردم خیز قصبہ ہے۔ سید نظر حسن ہوش کا وطن بھی یہی قصبہ تھا۔

ہوش نے ابتدائی تعلیم اپنے مکان پر اپنے والد سے پائی اور رسم زمانہ کے مطابق عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں جب مکتب خانہ سے فارغ ہوگئے تو ہائی اسکول میں قدم رکھا۔ طبعی طور پر انھیں ادبیات سے دلچسپی تھی۔ ریاضی سے ان کی طبیعت کبھی مانوس نہ ہوئی یہی وجہ ہے کہ وہ مدرسہ کی چہار دیواری سے آگے قدم نہ بڑھا سکے۔ تقریباً بیس برس کی عمر تھی کہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی نے حیدر آباد سے پنشن لے کر ہردوئی میں اقامت اختیار کی۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بڑے جوہر شناس تھے۔ انھوں نے ہوش کی صلاحیت کو پرکھ لیا اور اپنے علمی مددگار کی حیثیت سے اپنے پاس رکھا۔ یہیں سے ہوش کی صحیح تربیت کا آغاز ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہوگیا تو ہوش حیدر آباد (دکن) پہنچے۔ وہاں نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی کے فیض تربیت نے انھیں ہوش مجسم بنا دیا۔ علامہ نظم طباطبائی اور سر امین جنگ کی صحبتوں سے بھی انھیں بہت فیض پہنچا۔

حیدر آباد سے ہوش نے ایک ادبی رسالہ ذخیرہ جاری کیا جو ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۲ء تک بڑی کامیابی سے جاری رہا۔ یہ رسالہ اپنے زمانہ کے بہترین مؤقر رسالوں میں شمار ہوتا تھا۔ مہدی مرحوم جیسے انشا پرداز اس کے مضمون نگاروں اور مداحوں میں تھے۔ یہ رسالہ کس طرح بند ہوا اس کی داستان خود ہوش کی زبان سے سنئے "رشک و حسد مشرقی قوموں کی فطرت ہے۔ بارگاہ آصفی میں ذخیرہ کی مقبولیت درباری آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ آخر میرے ہی ایک ہم وطن کی حکیمانہ تشخیص سے ذخیرہ اپنی عمر طبعی سے پہلے فنا ہوگیا اور میں بھی اس دور اجلاس سے دلگیر ہو کر دل لگتے ہوئے رخصت۔"

دکن سے رخصت ہو کر ہوش دار السلطنت کافی عرصہ تک دہلی رہے۔ آخر دکن کی مٹی نے پھر کشش کی اور ہوش دوبارہ حیدر آباد پہنچے اور آخر دم تک وہیں مختلف معزز عہدوں پر فائز رہے۔

ہوش نثر نگار بھی تھے اور شاعر بھی۔ ان کے مضامین کا ایک مجموعہ عروس ادب کے نام سے ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا

اس مجموعہ میں اخلاقی، ادبی، تاریخی اور سیاسی مضامین ہیں۔ ہوش کا انداز بیان بہت دلکش اور شگفتہ ہے۔ ان کی عبارت میں شوخی و رنگینی ہو لیکن عامیانہ پن نہیں۔ اگر ان کے سارے مضامین کو یکجا کرکے شائع کیا جائے تو یہ ایک مفید ادبی خدمت ہوگی۔

شاعری میں ان کی مثنوی سحر البیان کے رنگ میں اور ایک مختصر مجموعہ سرود غم ان کی یادگار ہیں، حال ہی میں، انھوں نے حیدر آباد کے سیاسی انقلاب کے آخری دنوں کا حال مشاہدات کے نام سے شائع کیا تھا۔

ہوش، علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں "مرد باوضع اور خلیق" تھے۔ طبیعت میں رواداری بہت تھی۔ افسوس کہ اب ایسی لطافت دوست اور دلکش شخصیتیں دیکھنے میں نہ آئیں گی۔

مجاز

مجاز کی موت ہند و پاک کا ایک المناک سانحہ ہے۔ وہ ایک شعلہ تھا جو بہت جلد خاکستر بن گیا۔

اسرار الحق مجاز کا آبائی وطن ردولی ضلع بارہ بنکی تھا۔ لیکن چونکہ انھوں نے اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی اس لئے لکھنوی مشہور ہوئے۔ مجاز کی ابتدائی تعلیم لکھنؤ میں ہوئی۔ اعلا تعلیم کے لئے وہ کچھ دنوں آگرہ میں رہے لیکن جب وہاں ان کی سیری نہ ہوئی تو علم و ادب کے مرکز (مسلم یونیورسٹی) میں پہنچے۔ جہاں انھیں ہمدرد اساتذہ ملے، اچھے رہبر ملے اور نہایت وسیع فضا ملی۔ یہیں ان کی شاعری نے پر و بال نکالے (ان کی دو نہایت مشہور اور اہم نظمیں 'آوارہ' اور 'رات اور ریل' یہیں وجود میں آئیں)

علی گڑھ سے بی، اے کر لینے کے بعد وہ آل انڈیا ریڈیو کے ماہانہ رسالہ آواز کے اڈیٹر مقرر ہوئے۔ انھوں نے دو برس اس رسالہ کو مرتب کیا اور پھر اپنی بے نیازی کی وجہ سے اس سے الگ ہو گئے۔ دو ایک اور ملازمتیں ملیں لیکن ان کی نازک طبیعت اس بارگراں کو برداشت نہ کرسکی اس خلا اور بے کاری نے زندگی کو تلخ سے تلخ تر کردیا تھا۔ انھوں نے اس تلخی کو غرق مے ناب کرنے کی کوشش کی لیکن خود ان کی ہستی اس میں غرق ہوگئی۔

مجاز نے بڑی شگفتہ طبیعت پائی تھی، بزم احباب میں وہ ہمیشہ جان محفل ہوتے۔ ان کی طبیعت میں استغنا اور بے نیازی بھی بہت تھی۔ ان کی زندگی کا آخری دور بڑی بے بسی کا دور تھا لیکن ان کی زبان پر نہ کبھی گلہ آشنا آیا اور نہ شکوۂ دوراں۔

مجاز ترقی پسند شعرا میں ایک نہایت ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ان کی شاعری ہر رنگ میں شاعری رہی، پروپیگنڈہ کبھی نہ بنی۔ انھوں نے پرانے جام میں نئی شراب پیش کی۔ ان کی شراب بڑی رنگین، بڑی باکیف اور بڑی خیال انگیز تھی۔ ان کی شاعری جذبات، ترنم اور سوز و گداز کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ ان کی بات میں خلوص تھا اور نغمہ میں دلآویزی۔ ان کے کلام کا پہلا مجموعہ آہنگ کے نام سے چھپا، پھر شب تاب کے نام سے شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ ساز نو کے نام سے ادبی دنیا میں روشناس ہوا۔ (ع، ر، ق)

مولانا حافظ اسلم جیراج پوری

اس سہ ماہی کے اندر اعظم گڈھ کو اپنی دو ممتاز ہستیوں کا ماتم کرنا پڑا ہے۔ اور اب اس علم و فضل کی بلند پایہ مقدس

ہستیاں شاید آنکھیں پھر کبھی نہ دیکھ سکیں گی، مولانا کا وطن جیراجپور ہے، جو علم و ادب میں اپنے ہمسایہ گاؤں بندول کا رقیب رہا ہے اور یہاں بہت سی علمی و مذہبی تصانیف کا ذخیرہ اب چھپ چکا ہے۔

مولانا ایک عالم باعمل ہی نہیں تھے بلکہ علمی حیثیت سے تحقیق و تصنیف میں بھی ان کا درجہ خاصہ بلند ہے، جہاں ایک طرف انھوں نے حیات حافظ، حیات جامی وغیرہ لکھ کر اپنے تنقیدی و ادبی ذوق کا ثبوت دیا ہے، وہیں تاریخ الامت کے سلسلے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلامی تاریخ پر ان کی نظر کتنی وسیع و عمیق تھی اور کس طرح اردو زبان میں اسلام سے متعلق اس قسم کی جامع کتاب کی ضرورت کو پورا کیا ہے، یہ کتاب علمی و تعلیمی دونوں حیثیت سے مفید اور بہت زیادہ مقبول ہے، مسئلہ وراثت پر بھی ان کی تصنیف خاص اہمیت کی حامل ہے، اس کے علاوہ ان کے تحقیقی مضامین، اصحاب علم و فضل کے لئے بھی دعوت فکر و نظر کا سامان مہیا کرتے تھے۔

نثر کے ساتھ ہی ساتھ وہ نظم پر بھی پوری قدرت رکھتے اور قومی و ملی شاعری میں وہ شعلۂ پنہاں تھے جس نے عرصہ تک ہماری مجلسوں کو گرم رکھا۔ یہ حرارت و گرمی در اصل نتیجہ تھی اس پرسوز قلب جو مولانا کے درد مند دل میں دھڑکتا رہتا تھا، اور جس نے ملت و ملک کے لوگوں کو ہر قسم کی قربانی پر آمادہ کر دیا تھا۔

وہ مسلم یونیورسٹی کے ممتاز استاد تھے لیکن جب آج سے ۴۳ سال پہلے جامعہ ملیہ کی بنیاد ڈالی گئی تو وہ ان سابقون الاولون میں تھے جنہوں نے اپنے دنیاوی روشن مستقبل کو تاریک کر کے ترک تعاون کا ساتھ دیا، مولانا کا درجہ بہت بڑا تھا، اور پھر جس وفاداری کے ساتھ انھوں نے آخری سانس تک جامعہ کی ترقی و توسیع میں حصہ لیا، اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

اس کے ساتھ ہی مولانا مجسم محبت اور ہمہ تن شفقت تھے۔

اب ایسی ایک ہستیاں مشکل ہی سے پیدا ہوں گی۔ وفات کے وقت مولانا کی عمر تقریباً ستر سال کی تھی۔

تبصرے

(تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے)

مقام بشریت

مصنفہ مولانا محمد مہر محمد خاں صاحب شہاب، مالیرکوٹلوی، سائز ۵ × ۸، صفحات ۱۲۸۔
ملنے کا پتہ ۹ بی ہیرجی گووندجی بلاکس ناگپاڑہ بمبئی ۸

مذہبیات ادبیات اور اخلاقیات سے دلچسپی رکھنے والے اردو خواں اصحاب کے لئے مولانا شہاب کا نام نیا نہیں ہے۔ مولانا کی زندگی کا مقصد وحید تلاش حق اور اس کی حمایت ہے۔ اس کے ساتھ ان کے بلند کردار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس چیز کو صحیح سمجھتے ہیں اس کے اظہار میں عواقب و نتائج کی پرواہ نہیں کرتے، زیر تبصرہ رسالہ مولانا کے اس غور و فکر کا نتیجہ ہے جو انھوں نے مولانا اجمل خاں صاحب ایم، اے کے ایک مضمون کے سلسلہ میں اخذ کیا ہے جو لوگ عصمت انبیا یا اس قسم کے دقیق مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لئے یہ رسالہ یقیناً غور و فکر کا موقع پیدا کر دے گا۔

آسٹریلیا کی جھلک

از مسز یسین علی خاں صاحب۔ پتہ۔ کتاب خانۂ انجمن ترقی اردو، عابد روڈ حیدرآباد دکن
قیمت ۸/

یوں تو اردو میں سفرناموں کی تعداد معتد بہ ہے لیکن ان میں ایسے سفرناموں کی تعداد جو ہماری خواتین کے مطالعہ و سیر کے بعد ان کے رشحات قلم کا نتیجہ ہوں، بہت کم ہے اور پھر ایسا تو کوئی سفرنامہ جو خارجی مطالعہ اور معروضی اثرات کی جگہ داخلی جذبات و کیفیات کے ساتھ موضوعی ردعمل کا غماز ہو اور جس میں دماغ کی جگہ دل کی اور جسم کی جگہ روح کی زندگی بخش شمیم انگیزی سے مشام جان کو معطر کرنے کی صلاحیت ہو شاید ہی اردو کے اس صنف ادب کے دامن میں ہو۔ اس لئے مسز یسین کا سفرنامہ اس سلسلہ میں خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں ایک طرف وہ عام سیاحوں کے تاثرات کی تصویرکشی کرتا ہے وہیں وہ لکھنے والے کے عقاید، وسعت تخیل اور قلبی انفعال کا بھی نقاش ہے۔ اس سفرنامہ کی ایک بڑی خصوصیت وہ اعتماد ہے جو ایک مشرقی رفیقۂ حیات کو اس خلوص و محبت کی بدولت۔۔ سے اپنے جیون ساتھی سے ہوتا ہے، اور جگہ جگہ اس کی تیز جھلکیاں دونوں کے اٹوٹ پریم اور ناقابل نقصان محبت کے اعلانیہ اظہار پر مسرت بخش حیرت اور حیرت زا مسرت سے دماغ کو سامان لذت و سرور مہیا کرتی ہیں اس سلسلہ میں ہم کو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ ہماری دین سے دوری کا ایک افسوسناک انجام یہ ہے کہ ہم اگر اپنے اکل و شرب میں اسلامی عقاید کی ایسی پابندی جس کے ہم عمر بھر عادی رہے ہیں یا پڑھتے ہیں مذہبی فرائض حسب معمول ادا کرتے رہتے ہیں تو اس کو بھی اپنے سفرناموں میں لکھ ڈالتے ہیں اور پڑھنے والوں کی دنیا ہی نہیں بلکہ ہمارے بعض مفکرین و مصلحین بھی اس کو ایک غیر معمولی بات سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ اس قسم کی ہر چیز پر مسلمانوں کی زندگی کا جز ہے، اور ممکن ہے کہ پڑھنے والے پر یہ اثر پڑے کہ مسافر اپنے تقدس و مذہبیت سے مرعوب کرنا چاہتا ہے۔

(ن۔ا۔ن)

مشاہیر اسلام | مرتبہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن پی۔ ایچ۔ ڈی ڈی لٹ، تقطیع ۱۰×۲۰، صفحات ۳۵۴، کاغذ طباعت وکتابت عمدہ، قیمت غیر مجلد ۲ر

ملنے کا پتہ:۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن استاذ تاریخ اسلام فواد اول یونیورسٹی (قاہرہ) سے سابق وزیر تعلیم پاکستان مسٹر فضل الرحمٰن نے فرمائش کی کہ وہ مشاہیر اسلام پر ایک ایسی کتاب لکھیں جو اسکولوں اور کالجوں کے طلبا کے لئے مفید ہو ڈاکٹر حسن نے مسٹر فضل الرحمٰن کی درخواست کو قبول کر لیا اور عربی میں "اعلام الاسلام" کے نام سے کتاب لکھی۔ زیر تبصرہ کتاب اسی کا ترجمہ ہے جسے پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے اردو کا جامہ پہنایا۔ کتاب میں ۲۹ اصحاب رسولؐ اور اکابرین اسلام کے حالات زندگی ان کی اسلامی خدمات، اور ان کے شاندار تہذیبی، تمدنی اور علمی کارنامے بیان کئے ہیں، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے نوجوانوں میں اپنے مذہب اور مشاہیر سے جو بیگانگی اور ناواقفیت بڑھتی جاتی ہے وہ مایوس کن ہے اگر وہ اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی ہدایات پر غور کریں گے تو ان کی زندگی میں امنگ اور ولولہ پیدا ہوگا۔ کتاب کالج کے نوجوانوں کے معیار کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھی گئی ہے۔ بہت زیادہ تفصیلات سے پرہیز کیا گیا ہے۔

تبلیغی دورے | مرتبہ قاری ودود الحق ندوی، سائز خورد صفحات ۲۲۰ قیمت عہ پتہ:۔ نیجر۔ ادارہ تبلیغ الاسلام ۱۳۵ زکریا مسجد اسٹریٹ پیلا مالا بمبئی ۹

مولوی ودود الحق ندوی نے اپنے مشرقی افریقہ کے سفر کے حالات روزنامچہ کے انداز پر لکھے ہیں۔ اس روزنامچہ میں مشرقی افریقہ کے مسلمانوں کی اقتصادی تعلیمی اور خاص طور سے مذہبی زندگی اور مذہب سے شغف و لگاؤ کا حال مفصل طور سے لکھا ہے کتاب کے مطالعہ سے وہاں کے مسلمانوں کی اسلام سے دلچسپی اور تعلق کی پوری طرح عکاسی ہوتی ہے۔ مشرقی افریقہ کے مسلمانوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے کتاب دلچسپ اور مفید ہے۔

مستقبل کی تعمیر | کمیونٹی پروجیکٹس، ایڈمنسٹریشن (پلاننگ کمیشن) گورنمنٹ آف انڈیا۔ تقطیع ۵×۸ صفحات ۴۸، قیمت چار آنے

حکومت ہند کے شعبہ مطبوعات کی طرف سے وقتاً فوقتاً مختلف کتابچے شائع ہوتے رہتے ہیں اسی سلسلہ کی یہ بھی ایک کڑی ہے۔ اس رسالہ میں حکومت کے پنج سالہ پروگرام کا خاکہ اور تفصیلات، مع تصاویر اور ایک نقشہ کے پیش کی گئی ہیں۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت ملک کی تعمیر و ترقی میں کہاں کہاں اور کس طرح اپنے پنجسالہ منصوبے کو عملی جامہ پہنا رہی ہے۔ مختلف سوالات کے جوابات مختصر لیکن وضاحت سے اس رسالہ میں مل سکتے ہیں۔

کاغذ کتابت وطباعت اعلیٰ۔

(۱) **قیامت صغریٰ**۔ از محبوب خان طرزی۔ سائز ۵ × ۷ ، صفحات ۲۹۸ قیمت تین روپے
(۲) **زینب ساحرہ**۔ از وحشی محمود آبادی۔ سائز ۴½ × ۷ ، صفحات ۲۳۵ قیمت تین روپے
(۳) **رخسار سحر**۔ از انصر کریم قدوائی۔ سائز ۵ × ۷ ، صفحات ۱۱۱ قیمت ڈیڑھ روپے
ناشر ادارہ فروغ اردو۔ امین آباد پارک۔ لکھنؤ۔

(۱) محبوب طرزی ایک کہنہ مشق اور اپنے انداز خاص کے لکھنے والے ناول نگار ہیں۔ وہ زیادہ تر اپنے ناولوں میں، سائنس، نجوم، فلکیات جیسے مسائل کو ناول کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور افسانوی رنگ میں ناول میں دلچسپی پیدا کرتے ہوئے کہانی کو آگے بڑھاتے ہیں۔ قیامت صغریٰ میں بھی نجوم و فلکیات اور آسمانی دنیا کے عجائبات پیش کئے ہیں اس لئے کتاب دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔

(۲) یوسف بن تاشفین گیارھویں صدی عیسوی کا ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ ناول میں متعدد اسلامی اور انگریزی تاریخی کتابوں کے حوالوں سے تاریخی واقعات کو پیش کرتے ہوئے یوسف بن تاشفین اور قبیلہ بربر کی جنگوں کا حال لکھا ہے۔ زینب کا کردار بہت خوب ہے، اس کی ذہانت، دوراندیشی اور اصابت رائے کی وجہ ہی سے چھوٹی سی حکومت ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی۔ کتاب دلچسپ مفید اور قابل مطالعہ ہے۔

(۳) انصر کریم قدوائی نوجوان لکھنے والوں میں ہیں رخسار سحر میں ایک ایسے نوجوان کا کردار پیش کیا ہے جو قدیم و جدید تہذیبوں کا سنگم ہے۔ کالج کے ماحول میں اس پر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً، اسلام، سوشلزم، کمیونزم، لیکن عملی زندگی میں اس کے تصورات کا قلعہ ٹوٹ جاتا ہے، اور اس کی "انا" کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ اور وہ مایوس ہو جاتا ہے لیکن حالات کچھ ایسا پلٹا کھاتے ہیں کہ اُس کی خودی جاگ اٹھتی ہے اور وہ ایک باعمل انسان بننے کا عزم کر لیتا ہے۔ ("ف")

زمینوں کا بادشاہ۔ حکیم بانا مصنف۔ علی عباس حسینی
ناشر۔ ادارۂ فروغ اردو، لکھنؤ، قیمت تین روپے

حکیم بانا بقول مصنف کوئی باقاعدہ ناول نہیں ہے۔ یہ ایک مضحک کردار کی بیان کردہ داستان ہے۔ یو، پی کے دیہاتوں میں جب زمیندار طبقہ برسر اقتدار تھا تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں حلقوں میں مختلف قسم کے "انسان نما جانور" نظر آتے تھے۔ حکیم بانا بھی اسی ماحول کی پیداوار تھے جو علم و فضل کے باوجود جھوٹے، لافی اور زٹیا تھے۔ جاگیردارانہ سوسائٹی میں بظاہر ان کی بڑی قدر و منزلت ہوا کرتی تھی لیکن پس پشت ان کی تذلیل و تضحیک میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جاتی تھی۔

حکیم بانا کا کردار جو تفنن طبع کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس وقت کی جاگیردارانہ سماج کی ثقافتی ذہنیت کی صحیح معنوں میں عکاسی کرتا ہے۔ اس میں ایک طرف حقیقت سے فرار نظر آتا ہے تو دوسری طرف خوابوں کی تعبیروں کی جستجو ہوتی ہے ایک طرف گذشتہ عظمت کی جھلک دکھائی دیتی ہے تو دوسری طرف زوال پذیر ہونے کے آثار و قرائن نظر آتے ہیں۔

مختصر یہ کہ علی عباس حسینی کا یہ مضحک کردار بحیثیت مجموعی اردو ادب کے مزاحیہ کرداروں میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور اس

رسائل

البلاغ سعود نمبر | ناشر۔ انجمن خدام النبی۔ صابو صدیق مسافر خانہ۔ کرناک روڈ، بمبئی ۳
صفحات ۱۴۴۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے۔

یوں تو انجمن خدام النبی حجاج کی راحت و آسائش کے سلسلہ میں عرصہ سے کام کر رہی تھی لیکن اب اس نے مسلمانوں کی زندگی کی تعمیر کے سلسلہ میں نہایت اہم کام اور جوش سے کوششیں شروع کردی ہیں۔ انھیں میں سے البلاغ کا اجرا ہے جو اسلامی علوم و فنون، اور مذہب و معاشرت سے متعلق مضامین شائع کرتا رہتا ہے۔ اس سے پہلے کل ہند دینی تعلیمی کنونشن کے موقع پر اس کی طرف سے ایک پر از معلومات، ور ضخیم خاص نمبر شائع ہو چکا ہے۔ جو ہندوستان میں دینی مدارس سے متعلق معلومات کا ذخیرہ ہے۔

زیر نظر خاص نمبر جلالۃ الملک سعود اول کے ہندوستان تشریف لانے کے سلسلہ میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے ابتدائی ۴۰ صفحات میں شاہ کی شان میں سولہ قصائد و مضامین ہیں بقیہ رسالہ میں جلالۃ الملک سعود اول کے اصلاحی کارناموں کا ذکر ہے۔ حجاز و نجد سے متعلق تاریخی جغرافیائی مضامین ہیں، خاندان آل سعود کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے متعدد تصاویر اور نقشوں کی وجہ سے رسالہ کا حسن اور بھی بڑھ گیا ہے۔

طباعت و کتابت عمدہ، ٹائٹل پیج دیدہ زیب اور خوبصورت۔

کاروان ادب | اڈیٹر۔ پروفیسر نظام الدین گوریکر۔ صفحات ۶۴
ناشر۔ بزم اردو سینٹ زیویرس کالج، بمبئی۔

سینٹ زیویرس کالج بمبئی کا ایک قدیم اور مشہور و معروف کالج ہے۔ سالنامہ کاروان ادب اسی کالج کی بزم اردو کی طرف سے ہر سال شائع ہوتا ہے۔

پروفیسر نظام الدین گوریکر اسی کالج میں شعبہ فارسی و اردو کے صدر ہیں انھیں کی سعی و کوشش سے کالج میں اردو سے متعلق ہر سال مختلف کالجوں کے طلبا کا تقریر، تحریر، اور ڈرامہ وغیرہ کے مقابلے ہوتے ہیں۔ اور ان کی ہمت افزائی کے لئے ٹرافی، کپ، تحفے، وغیرہ دئے جاتے ہیں، چنانچہ یہ رسالہ بھی کالج کے طالب علموں کی تحریری استعداد بڑھانے اور ان میں ذوق تحقیق و انشا پیدا کرنے کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

اس نمبر میں طالب علموں نے محنت و کاوش سے مضامین لکھے ہیں۔ اور رسالہ کو ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ کیا ہے۔

فیض الاسلام سیرت نمبر | مدیر و نگران۔ غلام قادر، غبار۔ صفحات ۱۴۴
ناشر، انجمن فیض الاسلام، راولپنڈی۔ قیمت ایک روپیہ

انجمن فیض الاسلام راولپنڈی کے زیر اہتمام ایک یتیم خانہ اور ایک اسکول بڑی باقاعدگی سے چل رہا ہے اسی کے ساتھ ساتھ ماہنامہ فیض الاسلام ہر ماہ پابندی سے شائع ہوتا ہے، مذہب، تاریخ، سوانح، اور دوسرے موضوع پر مفید مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اس مرتبہ انجمن نے فیض الاسلام کا سیرت نمبر شائع کیا ہے۔ سیرت پاک کے مختلف گوشوں پر متعدد اہل قلم نے روشنی ڈالی ہے۔ عقیدت و محبت کے ساتھ ساتھ حقائق و واقعات تاریخ کی روشنی میں پیش کئے گئے ہیں

فاران سیرت نمبر | مدیر۔ ماہرالقادری، صفحات ۳۱۶
ملنے کا پتہ۔ دفتر فاران کیمبل اسٹریٹ، کراچی ۱

جناب ماہرالقادری صاحب چھ سال سے ماہنامہ فاران بڑی کامیابی سے مرتب کر رہے ہیں، اس مدت میں یہ پہلا خاص شمارہ ہے اور خوشی ہے کہ رسول پاک کی سیرت سے متعلق اس ضخیم نمبر میں مفید اور متنوع مضامین اور نعتوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔
رسول پاک کی سیرت سے متعلق اس نمبر میں ہند و پاک کے چوٹی کے اہل قلم ہی کے مضامین نہیں ہیں بلکہ انڈونیشیا کے ڈاکٹر فواد فخرالدین اور پیرس سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مضامین بھی شامل ہیں۔ فاران نے اپنے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے سیرت نمبر کے شایان شان مضامین اور نعتوں کا انتخاب کیا ہے۔ "ف"

کتب موصولہ برائے تبصرہ

۱	اسلام تلوار سے نہیں پھیلا	مولانا عبدالرحمٰن جونپوری	کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی
۲	کتاب ورس	ڈاکٹر نذیر احمد لکھنؤ یونیورسٹی	دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ
۳	کہانی اور اس کا فن	مغنی تبسم ایم اے عثمانیہ حیدرآباد دکن	شعور پبلی کیشنز عثمان پورہ حیدرآباد
۴	تلگو ادب کی تاریخ پر ایک نظر	〃	〃
۵	تاریخ ادبیات عربی	سید ابوالفضل ایم اے حیدرآباد دکن	سب رس کتاب گھر حیدرآباد دکن
۶	سید سالار مسعود غازی	وحشی محمود آبادی	ادارۂ فروغ اردو لکھنؤ
۷	سفر	مائل ملیح آبادی	〃
۸	چہرے اور پرچھائیاں	ڈاکٹر محمد حسن	〃
۹	نئے اور پرانے چراغ	آل احمد سرور	〃
۱۰	قدر و نظر	اختر اورینوی	〃
۱۱	گنگا مسر	ڈاکٹر حفیظ سید پی ایچ ڈی ڈی لٹ	ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن

رسالہ

(۱) سالنامہ شاہراہ ۱۹۵۶ء دفتر شاہراہ دہلی

ضمیمۂ

مقالہ نُما

مرتبین

حالی جعفری　　فضل اللہ فاروقی　　عصمت جاوید　　سید جمیل الدین

ضروری نوٹ:- مقالہ نُما میں شامل شدہ مضامین کی نقل حسب طلب (خطِ شکست میں) دو آنے فی صفحہ کی اُجرت پر مہیا کی جا سکتی ہے۔ تاہم کسی مضمون کی نقل ایک روپیہ سے کم اجرت پر فراہم نہیں کی جائے گی۔

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱۔ ابوالحسن علی ندوی:

مترجم محمد رابع ندوی

ہندوستان میں مسلمان

(الفرقان لکھنؤ ۵۵ جولائی ۴۳-۴۶)

ایک ریڈیائی تقریر جس میں عرب ممالک کی اس غلط فہمی کو دور کیا ہے کہ مسلمان ہندوستان میں ایک بڑی تعداد میں ہوتے ہوئے غیر ہندوستانی مسلمانوں سے کم علوم و فنون کی خدمت کی ہی ساتھ ہی علماء، صلحاء، سلاطین و وزراء کے مختصر کارنامے پیش کئے ہیں۔

۲۔ امین احسن اصلاحی:

مسئلہ تملیک اور زکوٰۃ سے متعلق بعض دوسرے مسائل

(ترجمان القرآن لاہور ۵۵، اگست ستمبر ۳۵-۵۰، ۴۴-۶۲)

ترجمان القرآن بابت محرم ۱۳۷۴ھ میں عثمان محمد ربانی صاحب کا ایک مضمون بعنوان "حضرات علماء کرام کی خدمت میں چند سوالات" شائع ہوا تھا اس میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے تملیک کو رکن یا شرط قرار دینے کی وجہ سے کئی سوالات پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے جواب میں ظفر احمد تھانوی صاحب کے دو مکتوب ترجمان القرآن جمادی الاولیٰ ۱۳۷۴ھ میں شائع ہوئے۔ مضمون نگار کو مولانا کے بعض پیش کردہ نتائج سے اختلاف ہے۔ ابتدا میں مولانا کے خیالات سے اقتباس دے کر پھر جوابات دئے ہیں۔

دوسری قسط جس میں تفصیل کے ساتھ مسئلہ تملیک اور زکوٰۃ پر بحث کی ہے۔

۳۔ انصر سید جلال الدین:

شریعت میں سنت کا مقام

(فاران کراچی ۵۵ ستمبر ۹-۱۴)

منکرین حدیث کے انکار حدیث سے متعلق دلائل و براہین کو قرآن و سنت علماء و سلف صالحین کی تصانیف و کتب سے غلط ثابت کرتے ہوئے مفصل طور سے احادیث کی ضرورت و اہمیت کو ثابت کیا ہے۔

۴۔ جعفر شاہ ندوی:

ایک حدیث

(ثقافت، لاہور، ۵۵ جولائی ۵۱-۵۵)

خیر الناس من ینفع الناس

(بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے)

کی تشریح۔

۵۔ جعفر شاہ ندوی:

اخلاق و معاش کا باہمی ربط

(ثقافت، لاہور، ۵۵ جولائی، ۲۵-۳۲)

اسلام کا معاشی نظام اخلاقی نظام سے وابستہ ہے چنانچہ اسلام نے جبر، ظلم، فریب، چوری، رشوت، سود، جوا، حرام اشیاء کی تجارت، لوٹ مار، احتکار وغیرہ کے راستے بند کر دئے اور یہ بھی بتایا کہ جو کچھ جائز طور پر کمایا جائے اسے اپنی ذات، بیوی، اولاد، والدین، قربت دار، خادم، پڑوسی، یتامیٰ، مساکین، مسافر، قیدی، قرضدار پر اور کار خیر میں صرف کیا جائے۔

۶۔ جعفر شاہ ندوی:

فرمان رسولؐ

نفع رسانی اور مفاد عامہ سے متعلق احادیث، ترجمہ اور تشریح

(فیض الاسلام راولپنڈی، ۵۵، اگست ۹-۲۲، ستمبر ۱۵-۱۸)

آپس میں صلح و آشتی، اتحاد و اتفاق کے بارے میں بعض احادیث مع متن، و ترجمہ اور تشریح۔

۷۔ جعفر شاہ ندوی:

مذہب اور ترنم

(ثقافت لاہور، ۵۵ ستمبر ۵۶-۶۲)

ابتدا میں زبور کے لغوی معنی، اور زبور میں جو احکامات دئے گئے ہیں وہ منظوم صورت میں ہیں پھر زبور کے ابواب

کی تفسیر اس سبب کے سب ترجمہ کر کے دکھایا جاتا ہے
تعلق ہے آخر میں ثابت کیا ہے کہ قرآن کے نزول سے قبل عرب کے
ہاں حکم دیا گیا ہے کہ موسیقی ایک قسم ہے اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے چند ایسے واقعات پیش کیے ہیں جن میں آپ نے
گانا سنا، مضمون نگار نے ثابت کیا ہے کہ اگر موسیقی بری اور حرام
ہوتی تو قرآن صاف الفاظ میں اس کی وضاحت کر دیتا کہ
نیز کسی مستند احادیث، صحابہ کرام، تابعین اور صوفیا
کو دیکھتے ہیں تو غالب اکثریت اس کے جواز کی قائل ہے
البتہ نیت اور استعمال اسی چیز کو حرام اور حلال کر دیتا
ہے نیت درست ہو تو موسیقی حلال ہے ورنہ حرام۔

۸۔ حبیب الرحمٰن لدھیانوی:

حضرت زینب کے نکاح کا پس منظر
اسلام میں نسلی غرور کا خاتمہ

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ جولائی ۳۰۔۱۰)

حضرت زینب کی زید بن حارثہ کے ساتھ شادی
اور زید کے طلاق دینے کے بعد آنحضرت کا حضرت زینب
سے نکاح کرنا بھی دینی مصالح پر مبنی تھا جس کی تشریح مضمون
میں کی گئی ہے۔

۹۔ حنیف ندوی:

ایک آیت

(ثقافت، لاہور، ۵۵ جولائی ۴۰۔۵۰ نمبر ۱)

عنوان مندرجہ بالا کے تحت سورہ بقرہ کی دو آیتوں
(۱) [۲۷۱۔۲۷۴] إِذْ تَبَرَّأَ تا مِنَ النَّارِ (۱۶۷) کی تفسیر ہے۔
(۲) وانفقوا فی سبیل اللہ ۔ تا تشریح ۔ دینے کا
جہاد میں سبب کی وضاحت کی گئی ہے۔

۱۰۔ خلیفہ عبدالحکیم:
مترجم۔ محمد قطب الدین۔

پیغمبر اسلام اور حریت انسانی

(ثقافت، لاہور، ۵۵ جولائی ۷۔۲۴)

اسلام نے حریت انسانی کا علم بلند کیا، باطل قوتوں
کے آگے سر سجدہ ہونے سے روکا، پروہتوں کے چنگل سے نجات
دلائی، مفلسوں کے لئے آزادی کی راہ ہموار کی، معاشی آزادی
کے راستے بتائے، عورتوں کو معزز درجہ دیا اور اس لحاظ سے پیغمبر
میں گرفتار انسانوں کو حریت فکر سے روشناس کیا۔ پیغمبر اسلام
(صلی اللہ علیہ وسلم) تاریخ انسانیت میں عظیم المرتبت بخشندۂ
حریت ہیں۔

۱۱۔ رئیس احمد جعفری:

قرآن اور اس کی عظمت

(ثقافت لاہور، ۵۵ جولائی ۴۴۔۴۶)

قرآن کریم کی چند آیتیں نقل کی ہیں جو قرآن کریم کی
عظمت پر دلالت کرتی ہیں پھر روایات و اقوال نقل کیے ہیں
جن سے تلاوت قرآن کی فضیلت پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۲۔ ضیاء الدین اعظمی:

وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا کی صحیح تاویل

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ جولائی ۷۔۴۲)

کلام مجید کی جن آیات کی تاویل میں مفسرین کا شدید
اختلاف ہے ان میں سے مذکورۂ بالا آیت بھی ہے۔ اس آیت
سے متعلق اہل تفسیر کے اقوال کا جائزہ لینے کے بعد اس کی
صحیح تاویل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۳۔ ظفیر الدین مفتاحی:

حکمراں طبقہ اسلام کی نظر میں

(برہان، دہلی، ۵۵ جولائی ۲۱۔۳۲)

قرآن کریم کی ایک آیت متعدد احادیث نبوی،
اقوالِ صحابہ کی روشنی میں بتایا ہے کہ اسلام نے عدل و انصاف
کی کس قدر تاکید کی ہے۔ (باقی)

۱۴۔ عبدالرشید جسکس:

تعدد ازواج اور قرآن

(ثقافت۔ لاہور ۵۵، ستمبر ۱۱۔۱۳)

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صاحب نے ثقافت
(جون ۵۵ء) میں اسلام کے ازدواجی قوانین پر

ایک مضمون لکھا تھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری عدالتیں اور مجلس قانون ساز ایسی عورت کی مدد نہیں کر سکتی جس کا شوہر بلا کسی معقول وجہ کے پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کر لے۔ مضمون نگار نے خلیفہ صاحب کے خیالات سے اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے کے ثبوت میں متعدد دلائل پیش کئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ عدالتیں اپنے اختیار سے اسلامی احکام تعدد ازدواج کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ایسے حالات کا سدِ باب کر سکتی ہیں۔

۱۵۔ عبد الغفار حسن:

سنت
قرآن حکیم کی روشنی میں

(ترجمان القرآن لاہور ۵۵ء اگست ۱۵-۴۰)

منکرین احادیث و سنت کا جواب قرآن حکیم کی روشنی میں دیا گیا ہے۔

۱۶۔ عبد القادر عودہ شہید:
مترجم۔ ملک غلام علی۔

اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(ترجمان القرآن، لاہور ۵۵ء جون ۳۱-۴۲)

یہ بیان کرنے کے بعد کہ قوانینِ شریعت روئے زمین کے تمام قوانین سے افضل اور اشرف ہیں، قانون کا کوئی بہتر سے بہتر نظریہ آج تک منکشف نہیں ہوا جو شریعت میں اپنی مکمل اور عمدہ ترین شکل میں موجود نہ ہو، علمائے قانون نے قانون کا کوئی جدید سے جدید تصور اور تخیل ایسا نہیں پیش کیا جو شریعت میں اپنی پوری تفصیل کے ساتھ موجود نہ ہو، لکھا ہے کہ شریعت سے آزاد ہو کر جو قانون سازی بھی کی جائے وہ باطل اور بے اصل ہے۔ پھر غیر شرعی قوانین کے ابطال کے حق میں دلائل پیش کئے ہیں، (باقی)

۱۷۔ عتیق الرحمٰن:

مسئلہ تعدد ازدواج اور اس دور کے متجددین

(الفرقان لکھنؤ ۵۵ء جولائی ۲۶-۳۴، اگست ۱۳-۳۰)

مصر و پاکستان میں تعدد ازدواج پر کافی بحث چھڑی ہوئی ہے مختلف لوگ مختلف طرح سے اپنی اپنی رائیں پیش کر رہے ہیں۔ مضمون نگار نے خالص اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔ مضمون کا تھا ہے۔

(۲)

تعدد ازدواج کے مسئلے میں اسلامی نقطۂ نظر کی حمایت کی ہے اور اعتراض کرنے والوں کی بعض دلیلوں کو مغربی تہذیب سے مرعوبیت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

۱۸۔ عتیق الرحمٰن:

زہد کس لئے؟

(الفرقان، لکھنؤ ۵۵ء، اگست ۱۵-۳۳)

زہد کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور کہا ہے کہ تقرب الٰہی کی کچھ رفعتیں وہ ہیں جنہیں زہد کے بغیر چھوا نہیں جا سکتا۔

۱۹۔ عتیق الرحمٰن:

نگاہِ اولیں
قافلہ خودکشی کی راہ پر

(الفرقان لکھنؤ ۵۵ء جولائی ۲-۱۹)

دعوت سہ روزہ دہلی کے عید نمبر میں "تقویٰ کیا ہے" کے عنوان سے ایک مضمون نکلا جس میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف زہد پر کڑی تنقید کی تھی اور لکھا تھا کہ "پس یہ جھوٹا تقویٰ ہرگز اس قابل نہیں کہ ذی عقل انسان اس سے فریب کھائے۔ ...... مضمون نگار نے زہد و تقویٰ کی تعریف، احادیث نبوی، اسوۂ رسول پاک اصحاب رسول اللہ کے اعمال و کردار اور سلف صالحین کے اقوال و اعمال کو پیش کرتے ہوئے مضمون نگار اور ان کے ہم خیالوں سے گزارش کی ہے کہ پہلے اپنے مطالعہ کو وسیع کریں پھر ایسے شدید اقدام کی جرات کریں۔

۲۰۔ عتیق الرحمٰن:

افسوس کے ساتھ......

(الفرقان لکھنؤ ۵۵ء ستمبر ۳۹-۵۴)

جماعت اسلامی ہند کے آرگن دعوت سہ روزہ میں شائع شدہ ایک مضمون پر الفرقان جولائی ۱۹۵۵ء میں

اس کا جواب لکھا گیا تھا۔ اسی سلسلہ میں دعوت میں اس کا جو آج تک
شائع ہوا ہے جس میں اس کا نہایت تفصیلی اور مدلل جواب
الجواب ہے۔

۲۱۔ فضل قدیر ندوی:

تفسیر

(فیض الاسلام، راولپنڈی ۵۵، اگست ۵۵ء
ستمبر ۵۵ء)

ماں باپ کی فرمانبرداری سے متعلق قرآن کی آیات
احادیث اور اس کی تفسیر۔

(۲)

نقد کمات لب ولی مسکن ۔ ۔ اہل سبا
سے متعلق آیات کا ترجمہ اور تفسیر۔

۲۲۔ مجیب رضوی، مترجم:

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

(نیا ہند، الٰہ آباد، ۵۵ ستمبر ۱۵۸ - ۱۶۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کا ترجمہ جن میں
اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہے۔

۲۳۔ محمد اشرف خاں:

سلوک سلیمانی پر ایک نظر

(معارف، اعظم گڑھ، ۵۵ ستمبر ۱۸۵ - ۲۰۸)

علامہ سید سلیمان ندوی سے متعلق اپنے تاثرات بیان کئے
ہیں۔ مقالے میں ان کے مختلف افکار و خیالات، اقوال
و ملفوظات اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۴۔ محمد آصف قدوائی:

ترقی کا صحیح راستہ

(الفرقان، لکھنؤ، ۵۵، اگست ۲۴ - ۳۰)

ہماری بہبود اس میں ہے کہ ہم روحانیت اور مادیت
کے امتزاج کی اسلامی تشریح و توضیح کو اپنی اجتماعی زندگی
میں جذب کر لیں۔

۲۵۔ محمد منظور نعمانی:

معارف الحدیث

(الفرقان لکھنؤ ۵۵، جولائی ۱۷ - ۲۵
اگست ۷ - ۱۴
ستمبر ۱۰

خوف خدا اور فکر آخرت کے متعلق احادیث مع ترجمہ
اور تشریح۔

(۲)

حسن اخلاق سے متعلق احادیث، ان کا ترجمہ اور
تشریح۔

(۳)

خوف خدا اور فکر آخرت سے متعلق احادیث مع ترجمہ
و تشریح۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام
کا خوف خدا اور فکر آخرت سے کیا حال تھا۔

۲۶۔ محمد منظور نعمانی:

خطبۂ عید

(الفرقان لکھنؤ ۵۵ ستمبر ۱۶ - ۲۴)

عید الضحیٰ کی نماز سے قبل ایک بڑے مجمع کو مخاطب
کرتے ہوئے مسلمانوں کو صحیح اسلامی زندگی بسر کرنے کی تلقین
کی ہے۔

۲۷۔ محمد یحییٰ الاعظمی:

رویت ہلال اور اختلاف مطالع

(ابلاغ بمبئی ۵۵ جولائی ۱۷ - ۲۳)

علم ہیئت، فلکیات اور اقلیدس کی روشنی میں رویت
ہلال اور اختلاف مطالع پر گفتگو کی ہے۔

۲۸۔ مظہر الدین صدیقی:

اسلامی دینیاتی عقائد کا ارتقاء

(ثقافت لاہور ۵۵ ستمبر ۵۰ - ۵۵)

ابتداء میں اسلام میں کوئی تفصیلی دینیات نہ تھی بلکہ
عقائد کا ایک مختصر سرمایہ تھا لیکن جوں جوں عرب سے
نکل کر اسلام کو وسعت اور ہمہ گیری نصیب ہوتی گئی مختلف

ملکوں اور مذاہب سے رابطہ بڑھا تو مختلف تصورات مذاہب اسلام میں اپنا اثر کرنے لگے، آخر میں معتزلی فرقہ اور اس کے اصول سے بحث کرنے کے بعد لکھا ہے کہ معتزلی عقلیت ختم ہو گئی اگر اسے کامیابی ہوتی تو وہ اسلامی تحریکات کبھی سرسبز نہ ہوتیں جن کے ذریعہ بعد کی صدیوں میں اسلام کو از سر نو زندگی ملی اگر اعتزال کی تحریک کامیاب ہوتی تو اسلامی ثقافت انتشار اور بے راہی کا شکار ہو جاتی۔

۲۹۔ مودودی، ابو الاعلیٰ:

تفہیم القرآن۔ سورۂ الحج

(ترجمان القرآن لاہور ۵۵ جولائی ۱۳-۴۶)

دوسری قسط، ابتدا میں سورۂ الحج کی تفسیر ہے علاوہ بریں احادیث کی روشنی میں یہ بتایا ہے کہ بقرعید کے روز قربانی حضرت محمدؐ کی جاری کی ہوئی سنت ہے۔ سورۂ نجم کے دوران میں آنحضرتؐ کی زبان سے لات و منات کو شافع دیویاں قرار دینے والی آیت کی آمیزش کی تفصیل سے بحث کی ہے اور اس آمیزش کو غلط ٹھہرا کر تفہیم القرآن کے سلسلے میں یہ اصول وضع کیا ہے کہ کوئی روایت خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی کھلی کھلی شہادت دے رہا ہو اور اور قرآن کے الفاظ، سیاق و سباق ترتیب ہر چیز اسے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہے۔

(۳)

(ترجمان القرآن لاہور ۵۵، اگست ۹-۳۴ و ستمبر ۹-۳۴)

سورہ مومنون ابتدائی تین رکوع کا صرف ترجمہ اور تفسیر۔ ابتدا میں زمانہ نزول اور پوری سورۃ کے موضوع اور مباحث مختصر طور سے بیان کر دئے ہیں (۲) بقیہ رکوع ۳ سے رکوع ۶ تک کا صرف ترجمہ اور تفسیر۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۰۔ اختر مسعود رضوی:

حکیم فغفور لاہیجانی

(معارف۔ اعظم گڈھ ۵۵ ستمبر ۲۰۹-۲۱۹)

عہد جہانگیری کے شاعر فغفور لاہیجانی کے حالات بیان کئے ہیں اور اس کی شاعری اور غزل سے بحث کی ہے۔

۳۱۔ ادارہ:

بہادران اسلام

(فیض الاسلام، راولپنڈی ۵۵، اگست ۱۷-۲۱ ستمبر ۲۳-۲۵)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے حالات زندگی اور ان کے کارنامے بیان کئے گئے ہیں۔

(۲)

حضرت عمار بن یاسر کے حالات زندگی ان کی اسلامی خدمات اور ان کے کارنامے پیش کئے گئے ہیں۔

۳۲۔ ادارہ:

تتمہ سالنامہ ۱۹۵۵ء

(نگار لکھنؤ ۵۵ جولائی ۱-۲۴)

سالنامہ نگار (علوم اسلامی و علماء اسلام نمبر ۱۹۵۵ء) کا تتمہ۔ اس میں مندرجہ ذیل علماء کے مختصر حالات پیش کئے ہیں۔ آل حسن قنوجی، ابن بری، ابن سعاد، ابن الراوندی، ابن سید الناس، ابن عذاری، ابن العوام، ابن الفرات، ابن قاسم، ابن کثیر، ابن مسکویہ، ابن نجیم، ابن ہبیرہ، ابن ہشام، ابو ابراہیم، ابو اسماعیل ابن زکریا، ابو سلیمان، ابو طالب حسینی، ابو عبد اللہ، ابو عبیدہ، احمد بن محمد، احمد رضا خاں، احمد ملا احمد یادگار، ارادت خاں، اسحاق موصلی، اسلم جیراجپوری، اکبر شاہ خان، اللہ داد سلطانپوری، امان علی الابجی، اوحد الدین، بہاؤ الدین بہزاد، تراب علی ترمذی، تفضل حسین، تلمسانی، قرۃ العین، نعمت خان عالی وغیرہ۔

۳۳۔ ایضاً۔ رشید احمد:

عباسی شہزادہ و شاعر کی حیثیت سے عبداللہ بن المعتز

(اردو کراچی ۵۵ جولائی تا ستمبر ۵۵)

عبداللہ بن المعتز کے ابتدائی حالات و حالات کا حال پیش کرنے کے بعد اس کی شاعری پر تبصرہ کرکے بتایا گیا ہو اس کے الفاظ میں سادگی تھی جیسی آفرینی، جدت، تشبیہات کی ندرت، محاکات و واقعہ نگاری اس کی شاعری کی خصوصیات ہیں اس کے قصائد میں نہ کلام بہ ساختگی اور سادگی پائی جاتی ہے۔ مضمون میں نمونہ کلام بھی پیش کیا گیا ہے اور اس کی تصانیف کی فہرست پیش کرنے کے علاوہ اس کی نثر نگاری پر بھی روشنی ڈالی جائے صاحب طرز انشا پرداز قرار دیا ہے۔

۳۴۔ مجاری ذوالفقار علی سید

خواجہ حسن نظامی مرحوم

(ساقی کراچی ۵۵، اگست ۳ – ۷۲)

خواجہ حسن نظامی بے شمار کتابوں کے مالک تھے مقالہ نگار پہلی بار خواجہ صاحب سے ۱۹۲۵ء میں ملے تھے۔ آخری بار تقسیم ہند کے بعد جبکہ انھوں نے قرآن کا ہندی میں ترجمہ مکمل کر لیا تھا۔ مقالہ نگار کے نزدیک ان میں سوکھی شائستگی بہت تھی۔

۳۵۔ بھگوان دین:

البیرٹ آئنسٹائن

(نیا دور الہ آباد ۵۵ جولائی ۱۴ – ۲۰)

آئنسٹائن کے نظریۂ اضافت کا خلاصہ پیش کرنے کے علاوہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ آئنسٹائن محض ایک تخیلی دانشمند تھے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ان کے نظریے نے ایٹم بم کی بنیاد رکھی لیکن وہ اس کے اپنے خیالات کے خلاف عمل کرنے کے سبب ان پر پشیمان بھی تھے۔ یہ کامل مضمون ہے۔

۳۶۔ شکیل کاظمی:

عبداللہ ابن المقفع (۲)

(ہندستانی ادب حیدرآباد دکن ۵۵ جولائی ۱۳ – ۲۰)

اس مقالے میں عبداللہ ابن المقفع کی تالیفات کے ذکر کے بعد

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ان کا کتابوں کی بدولت عربی نثر کا اتقان ادا ہوا کرنے لگی یہ بات محترم قبول نہیں ہے۔

۳۷۔ حبیب اللہ پیرزادہ:

انسان کامل کا ظہور (۳)

(ریاض الاسلام، راولپنڈی ۵۵ اگست ۳۴ – ۴۰)

سیرت پاک پر مختصراً روشنی ڈالی ہے، خاص طور سے ایفائے عہد اور عفو و درگزر کی مثالیں پیش کی ہیں۔

۳۸۔ دیا رام ست کشمیری:

کشمیر کی میراں ۔ عارفہ للی ایشوری

(آج کل دہلی، کشمیر نمبر ۵۵ اگست ۱۹ – ۲۲)

مضمون میں مذہبی جستجو کی سچائی للہ ایشوری کے فلسفۂ وحدانیت اور عشق الٰہی کی تعلیمات میں مماثلت ثابت کرنے کے بعد للی ایشوری کے حالات زندگی اور نمونۂ کلام پیش کیا گیا ہے۔

۳۹۔ سخاوت مرزا:

مرزا حیدر علی گرم لکھنوی

(اردو کراچی ۵۵ جولائی ۳۲ – ۳۹)

مرزا حیدر علی گرم شاہجہان آباد کے متوطن تھے مگر بعد میں لکھنؤ میں سکونت اختیار کی۔ آخر عمر میں حیدرآباد چلے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ مصحفی کے شاگرد تھے اور بڑے سعادت مند شعر اچھا کہتے تھے۔ ان کے دیوان کا ایک نسخہ مقالہ نگار کو لکھنؤ میں دستیاب ہوا تھا۔ اس کا تذکرہ اور اس کی روشنی میں گرم کے کلام پر تبصرہ کیا ہے۔

۴۰۔ سرن چندر گوہا:

تانتیا توپی

غدر ۱۸۵۷ء کا ایک ہیرو

(ہندستانی ادب حیدرآباد (دکن) ۵۵ ستمبر ۱ – ۱۹)

غدر کے وجوہات پر روشنی ڈالنے کے بعد تانتیا توپی کے حالات زندگی اور غدر میں اس نے جو حصہ لیا تھا اس کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے۔

÷ ÷ ÷

۴۱۔ سندر لال:

انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈائری

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ اگست ۹۵-۱۰۴، ستمبر ۱۶۳-۱۷۰)

غوث علی شاہ ایک مشہور صوفی تھے ۱۸۵۷ء سے کچھ پہلے سے لے کر اس کے کچھ بعد تک کا زمانہ ان کا خاص زمانہ تھا انھوں نے اپنی زندگی کے بہت سے حالات اپنے چیلوں کو سنائے جو لکھ لئے گئے۔ اس زمانہ کے ہندو مسلمانوں کے آپسی میل جول پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔ غوث علی شاہ کی ڈائری سے متعدد نہایت دلچسپ اور مفید واقعات پیش کئے ہیں۔

(۲)

اس قسط میں آٹھ دنوں کے واقعات پیش کئے ہیں واقعات دلچسپ سبق آموز تصوف و انسانیت کا پیغام ہیں۔ (باقی)

۴۲۔ طٰہٰ حسین۔ ڈاکٹر:

شبستاں سے شہادت گاہ تک

(فاران کراچی ۵۵ ستمبر ۲۵-۳۰)

حضرت مصعب بن عمر جو قریش کے ایک متمول گھرانے کے چشم و چراغ تھے ان کے اسلام لانے، اور اس کے بعد طرح طرح کی ایذائیں اور تکالیف برداشت کرنے اور آخر میں جام شہادت نوش کرنے تک کے واقعات، ادیبانہ اور دلکش انداز میں پیش کئے ہیں۔

۴۳۔ ظہیر بابر:

چراغ حسن حسرت

(آج کل دہلی ۵۵، ستمبر ۳۶)

چراغ حسن حسرت صحیح معنوں میں انسان تھے۔

۴۴۔ عابد رضا بیدار:

محمد اشرف خاں لکھنوی ثم دہلوی

(برہان دہلی ۵۵، اگست، ۴۷-۵۴)

مصحفی کے شاگردوں میں محمد اشرف خاں بھی تھے مولانا حسرت نے تلامذۂ مصحفی کے سلسلے میں اشرف خاں کا ذکر کیا ہے۔ لیکن انھیں کوئی ان کا دیوان نہیں مل سکا۔ مضمون نگار نے اشرف کے تین دیوانوں کا پتہ لگا کر اشرف کے حالات، ان کی شاعری پر تبصرہ اور ان کے دو شاگردوں کے نام لکھے ہیں، مولانا حسرت نے صرف ایک شاگرد کا حال لکھا ہے۔

۴۵۔ عابد۔ عابد علی سید:

سخن دہلوی
غالب کا غیر معروف شاگرد

(فروغ اردو، لکھنؤ ۵۵ ستمبر ۱۷-۲۴)

سخن دہلوی کے بارے میں ان تمام حضرات نے جنھوں نے غالب اور ان سے متعلق لوگوں کا ذکر کیا ہے ان میں سخن دہلوی کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس مضمون میں سخن دہلوی کے غالب سے تعلقات۔ اور ان کی شاعری، پر مختصراً روشنی ڈالی ہے۔

۴۶۔ عبد العلی۔ اے۔ ایف۔ ایم سید:

شیواجی کی مذہبی نیتی

(نیا ہند الہ آباد ۵۵، اگست ۸۱-۸۶)

شیواجی کے بارے میں عام طور سے یہ خیال ہے کہ وہ دشمن اسلام تھا اور مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا، تاریخی حوالوں مثلاً کافی ہساں، اور بیجاپور کی تاریخ مصنفہ بشیر الدین احمد سے متعدد حوالے اور خود اورنگ زیب کے لکھے ہوئے پانچ خطوں سے ثابت ہوتا ہے کہ شیواجی اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نہیں تھا۔

۴۷۔ عبد الغفار قاضی:

مولانا ابو الکلام آزاد

(ہندستانی ادب حیدرآباد (دکن)، ۵۵ دسمبر ۶-۱۳)

ابو الکلام آزاد کے اسلوب نگارش پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا کی فطری انفرادیت سے ان کا ادب بھرا ہے ان کا انداز انشا پردازی کے اسلوب سے مماثلت رکھتا ہے وہ ایک پیش پا افتادہ بات کو بھی اس طرح لکھتے ہیں جس طرح ابھی کسی نے نہ لکھا ہو۔ مولانا کے ادب کی بنیادی حقیقت کو سمجھنے کے لئے غبار خاطر سے کافی مدد ملتی ہے۔ اس آئینے میں مولانا کی نفسیات کا جو عکس نظر آتا ہے اس سے ان کے ادب کو ناپنے کے بہت

سے ذہنی عدم توازن ہو جاتے تھے۔ ان کے ادب کا ایک نمایاں پہلو طنز و مزاح ہے۔ وہ کبھی عامیانہ اسلوب اختیار نہیں کرتے۔ مضمون میں اقتباسات کی مدد سے ان کے اسلوب کے نمایاں پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

۴۸۔ عبدالقیوم:

حالی بحیثیت سوانح نگار

(اردو کراچی ۵۵ جولائی ۷۷ ص ۳۸۲-۳۸۳)

مولانا حالی کے ہاں نئے علوم سے واقفیت اور سماجی اصلاح کا جذبہ بڑی شدت سے موجود تھا اور اسی لئے انھوں نے مشاہیر کے حالات اور ان کی زندگی سے اہل ملک کو آگاہ کرنے کا عزم کیا جس کا بہترین نمونہ حیات سعدی، یادگار غالب اور حیات جاوید ہیں۔ لوگ چاہے کچھ بھی کہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ حالی نے ان کتابوں کے ذریعہ اردو ادب میں سوانح نگاری کے فن کی داغ بیل بھی ڈالی اور اسے پروان بھی چڑھایا۔

۴۹۔ عرش ملسیانی:

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ

(آج کل، دہلی ۵۵ نومبر ص ۲۲-۲۳)

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کا حال لکھا ہے اور نہ صرف ان کی مطبوعہ کتابوں کی فہرست دی گئی ہے بلکہ ان کتابوں کی بھی جن کی تصنیف و تالیف میں وہ مصروف ہیں۔ یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے پاس اردو شاعروں کا ایک اہم البم ہے جس میں مندرجہ ذیل شعراء کی رنگین تصاویر شامل ہیں:

(۱) میر (۲) قتیل (۳) فریبی (۴) جسونت سنگھ پروانہ (۵) مرزا قدرت کالاہوری (۶) مرزا اعظم جاہ (۷) مصحفی (۸) جعفر علی خاں حسرت (۹) ضیا (۱۰) راجہ ٹیکارام تسلی (۱۱) مرادیاں سکسینہ منظر۔

۵۰۔ عرش ملسیانی:

محمد حسین آزاد

(ہندستانی ادب، حیدرآباد (دکن) ۵۵ جولائی ص ...)

محمد حسین آزاد فارسی کے ماہر و متبحر ہونے کے علاوہ عربی کے

اچھا عالم، ہندی کی خوبیوں سے آگاہ اور انگریزی علم و ادب کی خصوصیات سے واقف تھے۔ اردو زبان کی بیش بہا خدمات انجام دیں اور نثر میں ایک نئی طرز کے موجد ہوئے جو انھیں پر ختم ہو گئی۔

۵۱۔ عرفی صاحب:

رنگا رنگ یادیں

(فیض الاسلام، راولپنڈی ۵۵ اگست ص ۵۱-۵۴)

خان محمود زماں صاحب گجراتی نے اپنے علی گڑھ کی ملاقات اور اُن سے سرسید اور علی گڑھ وغیرہ کے متعلق ہوئے حالات پیش کئے ہیں۔

۵۲۔ فرخ امرتسری:

یادِ رفتگاں
مرحوم شعرائے امرتسر

(رئیس اردو راولپنڈی ستمبر ص ۴۵-۵۶)

ابتدا میں امرتسر کی تاریخ بیان کی ہے۔ پھر انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں امرتسر کی ادبی مجلسوں اور مشاعروں کا ذکر ہے۔ خاص خاص شعراء میں منشی محمد سردار خاں برق، حکیم فیروزالدین طغرائی، میر کرامت اللہ میر، شجاعت خاں شیون، قاضی غلام جیلانی، قاضی معنی اسمٰعیل عیسیٰ، ڈاکٹر شفاعت احمد تسلیم، شیخ عبدالرحمٰن شمس مینائی کے حالات اور ان کی شاعری کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

۵۳۔ کرشن چندر:

چراغ حسن حسرت

(آج کل دہلی ۵۵ ستمبر ص ۳۵-۳۶)

موجودہ مضمون کرشن چندر نے ہندی کے مشہور رسالہ ہنس (۱۹۳۹ء) میں شائع کرایا تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ چراغ حسن حسرت جنھیں دوست احباب حسن حسرت کہتے تھے بڑے شگفتہ مزاج، خوش کلام اور بذلہ سنج تھے۔ متلون المزاج ہونے کے سبب کسی ایک اخبار میں کام نہ کر سکے۔ بڑے ذہین، عالم اور راستہ تھے۔ صحافت ذریعہ معاش تھا۔ "سندباد جہازی" کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے۔

۵۴۔ "م"

بزرگان دین

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۵، اگست ۲۴-۲۶، ستمبر ۱۹-۲۱)

شیخ رکن الدین ملتانی، شیخ ہجویری، خواجہ فضل بن عیاض شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہم کے اقوال و پند پیش کر کے عمل کی ترغیب دی ہے۔

(۲)

شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کے اعلیٰ اخلاق کی مثالیں دے کر موجودہ سجادہ نشینوں کی اخلاقی حالت کی متعدد مثالیں پیش کر کے ان سے اصلاح اخلاق و کردار کی درخواست کی گئی ہے۔

۵۵۔ ماہر القادری:

یاد رفتگاں
خواجہ حسن نظامی مرحوم

(فاران کراچی ۵۵ ستمبر ۳۱)

خواجہ حسن نظامی مرحوم کے حالات زندگی اور ان کے ادبی کارنامے۔

۵۶۔ مجیب اللہ ندوی:

امام اوزاعی

(معارف اعظم گڈھ ۵۵، اگست ۱۲۸-۱۵۰)

بچپن کا نام عبدالعزیز تھا جسے انھوں نے عبدالرحمٰن سے بعد میں بدل دیا۔ ۸۰ھ میں شام کے مشہور شہر بعلبک میں پیدا ہوئے۔ اوزاع یمن نسبی قبیلہ کے بود و باش اختیار کرنے کے سبب اوزاعی کہلاتے ہیں۔ امام اوزاعی ممتاز آئمہ تبع تابعین میں ہیں۔

۵۷۔ محمد عاصم:

بھائی جان مرحوم کے معمولات

(فاران کراچی ۵۵ جولائی ۱۶-۲۳)

مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی روزانہ زندگی کے معمولات بتائے ہیں۔

۵۸۔ محمد عبدالغفور بسمل،

میر ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام

(العلم کراچی ۵۵ جولائی تا ستمبر ۷۷-۸۰)

مقالہ نگار کی ایک کتاب "مکتوبات فرنگ" پر جنوری ۱۹۲۳ء کے رسالہ نگار میں تبصرہ شائع ہوا تھا۔ اسے پڑھنے کے بعد میر ناصر علی اور مقالہ نگار میں خط و کتابت شروع ہوئی یہ سلسلہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۰ء تک جاری رہا۔ تقسیم ہند کے ہنگامے میں ان میں سے اکثر و بیشتر خطوط ضائع ہوگئے۔ مضمون میں بچے ہوئے چند خطوط نقل کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی، خواجہ حسن نظامی، مہدی افادی، راشد الخیری، ریاض خیرآبادی کی ناصر علی سے متعلق رائیوں کا اقتباس دینے کے بعد ان کے ایک مضمون بعنوان عورت اور محبت کا اقتباس پیش کیا ہے۔

۵۹۔ محمد مبارک علی خاں:

محرم اسرار نبوت
سیدنا ابوبکر صدیق رضہ

(الفرقان لکھنؤ ۵۵ ستمبر ۱۱-۱۵)

قرآنی آیات، احادیث اور جگہ جگہ اقبال کے اشعار سے ادیبانہ انداز میں حضرت ابوبکرؓ کی صدیقیت کو ثابت کیا ہے۔

۶۰۔ میر غلام رسول نازکی.

غنی کاشمیری

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵ اگست ۷۰-۷۳)

کشمیری زبان پر عربی و فارسی کے اثرات کا مختصر ذکر کرنے کے بعد کشمیر کے "مفلوک الحال" گمنام اور رجوان مرگ ملا محمد طاہر غنی کاشمیری کی شاعرانہ خصوصیات یعنی شان استغنا پر روشنی ڈالی ہے اور نئی دلی کے ایرانی سفارت خانہ سے شائع ہونے والے انگریزی رسالے "ایران امروز" کے یکم اپریل ۱۹۵۵ء کے شمارے میں غنی کاشمیری کے حالات و کلام پر جو مضمون شائع ہوا ہے سے عرش ملسیانی نے نقل کیا ہے۔

۶۱۔ شارب احمد فاروقی:
مصحفی
(زبان اردو، لکھنؤ ۵۵، اگست [illegible])
غلام ہمدانی مصحفی کا حال لکھا ہے۔ ان کی خصوصیات شاعری پر روشنی ڈالی ہے اور نمونۂ کلام پیش کیا ہے۔

۶۲۔ وید راہی:
ڈوگری شاعر پیش شرما
(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵، اگست ۲۵-۲۶)
ڈوگری شاعر پیش شرما کے کلام کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ڈوگرہ کلچر کا نمائندہ ہے اور اس نے ڈوگری تہذیب کو اپنے گیتوں میں سمو لیا ہے۔

تاریخ و سیاسیات

۶۳۔ ابوالحسن علی ندوی:
مترجم محمد رابع ندوی
سفر مصر
(الفرقان لکھنؤ ۵۵ جولائی [illegible])
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سفر مصر، ازہر، کتب خانہ، مدرسہ منصور قلاؤن میں شامی علماء کے سامنے تقریر وغیرہ کا ذکر۔

۶۴۔ ابوالحسن علی ندوی:
مترجم سید محمد حسنی۔
مسلمانوں نے ہندوستان کو کیا دیا؟
(الفرقان، لکھنؤ ۵۵ اگست ۳-۳۹)
ریڈیو پر کی گئی اس تقریر میں بتایا ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک کو کیا فائدہ پہنچایا اور اس کے دینی، علمی، اخلاقی، اجتماعی، صنعتی، اور تہذیبی سرمایہ میں کیا اضافہ کیا؟

۶۵۔ ابوالحسن علی ندوی
مترجم سید محمد حسنی۔
ہندوستانی علماء کا فکری کارنامہ
(الفرقان لکھنؤ ۵۵ ستمبر ۲۳-۳۸)
سید ابوالحسن علی ندوی کی ریڈیائی تقریر کا ترجمہ جس میں انھوں نے ہندوستانی علماء کی اعلیٰ تصانیف اور ان کے علمی کارناموں کا ذکر کیا ہے۔

۶۶۔ ادارہ:
شاہجہانی عہد کا ہندوستان
(معارف اعظم گڈھ ۵۵ جولائی ۵۸-۷۷)
ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ نے ۱۹۳۰ء میں لندن یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لئے "ہسٹری آف شاہجہاں آف دہلی" کے عنوان سے ایک مقالہ لکھا تھا۔ اس کے کچھ اقتباسات مذکورہ بالا عنوان کے تحت درج کئے گئے ہیں۔

۶۷۔ اطہر، قاضی مبارکپوری:
اسلام اور چین کے قدیم تعلقات
(البلاغ بمبئی ـــ ۲۷-۳۹، ۴۴)
سلیمان تاجر (۲۳۷ھ) اور ابو زید سیرافی (۳۰۳ھ) کے بیانات کی روشنی میں چین اور اسلام کے قدیم تجارتی اور معاشرتی تعلقات دکھائے ہیں۔

۶۸۔ ایوب قادری:
تاریخ گلزاری لال قلمی
(العلم کراچی ۵۵ جولائی تا ستمبر ۱۲۱-۱۲۶)
روہیلوں اور روہیل کھنڈ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن میں بریلی کے حالات ضمناً و اجمالاً ہیں۔ تاریخ گلزاری لال کا عنوان تواریخ ضلع بریلی ہے جس کا مخطوطہ سید الطاف علی بریلوی کی کوششوں سے مقالہ نگار کے ہاتھ لگا ہے۔ مضمون میں اس تاریخ کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ مقدمۂ کتاب میں گلزاری لال نے اپنے مختصر حالات اور سببِ تصنیف کا ذکر کیا ہے۔ اسے

اس مضمون میں پیش کیا ہے اور فہرست مضامین بھی پیش کی ہے جس سے بقول مضمون نگار مصنف کی تلاش و جستجو اور محنت و جانکاہی کا اندازہ ہو گا۔

۶۹۔ آصف قدوائی۔ ڈاکٹر:

اسپین میں مسلمان

(الفرقان لکھنؤ ۵۵ ستمبر ۲۵-۳۳)

اسپین میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ کی ابتدائی تاریخ سے لے کر مسلمانوں کے زوال تک کی مختصر تاریخ اور اندلس میں مسلمانوں کے کارنامے۔ (باقی)

۷۰۔ بامزئی پی، این، کے۔

مترجم۔ من موہن۔

کشمیر، جغرافیائی جائزہ

(آج کل دہلی، کشمیر نمبر ۵۵، اگست ۶۲-۶۵)

کشمیر کا رقبہ، جغرافیائی حیثیت کی بدولت اس کی فوجی اہمیت، آب و ہوا کے اعتدال اور زمین کی زرخیزی کے باعث ماضی میں اس کی اہمیت معدنیات، پیداوار، دستکاری، خوراک، جھیلوں جانوروں وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔

۷۱۔ بھگوان داس۔ ڈاکٹر:

دنیا کی تعلیم اور تعلیم دینے والے

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ ستمبر ۱۳۱-۱۴۲)

بچوں کی تعلیم جس طرح ہوگی ویسا ہی ان پر اثر مرتب ہوگا۔ ابتدا میں تمہیدی طور سے بیان کرنے کے بعد موجودہ دور کی سائنسی ترقیوں۔ ان کا غلط استعمال، جنگی سامان، اور مہلک ہتھیاروں کی فراوانی بیان کرنے کے بعد موجودہ دور کے فلاسفروں کے خیالات پیش کئے ہیں۔ آخر میں لکھا ہے کہ ہمارے تعلیم والوں میں اخلاق اور انسانیت کا درد و احساس اور محبت ہو تبھی دنیا میں امن و سکون باقی رہ سکتا ہے۔ مذہب تو باقی ہے لیکن تمام مذاہب کے اکثر نام لیوا انسان کو پریم و محبت کا سبق دینے کے بجائے نفرت اور دشمنی کا سبق پڑھا رہے ہیں۔ دنیا بھر کی حکومتوں کا فرض ہے کہ وہ انسانیت کو بلند کرنے آپس کی نفرت اور دشمنی کو ختم کرنے میں اپنی اپنی طاقتیں صرف کریں۔

۷۲۔ بھوپندر ناتھ دت:

موریوں کے بعد براہمنوں کا زمانہ

(نیا ہند، الہ آباد، ۵۵، اگست ۶۷-۷۶)

موریہ سلطنت ختم ہونے کے بعد براہمنوں کے دور کا تاریخی اور سماجی جائزہ لیتے ہوئے لکھا ہے کہ آریہ ورت میں رہنے والے آریہ کہلاتے تھے اس لئے شودر بھی آریہ تھے کیونکہ بھوجن کرنے پر آریہ اپنے برتن پھینک نہیں دیتے تھے وہ لوگ جن کی اولاد آج انیچ کہلاتی ہے آریہ نہیں سمجھے جاتے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ شودر حالانکہ دوِج نہیں تھے، پھر بھی آریہ تھے۔ منو نے بھی یہ کہیں نہیں لکھا کہ شودر اناریہ ہیں۔

۷۳۔ پربھا۔

ایک آدرش چینی مزدور لڑکی

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ ستمبر ۱۷۹-۱۸۴)

شریمتی پربھا پروفیسر ہندی پیکنگ یونیورسٹی کے وہ تاثرات جو انہیں چین کی ایک نوعمر مزدور لڑکی ہو چین شو سے ملاقات کے بعد مرتب ہوئے مضمون میں چینی مزدور لڑکی نے اپنی ابتدائی زندگی کے حالات بیان کئے ہیں۔ جب کہ چین جاپانیوں کے قبضہ میں تھا، اس وقت وہ ایک کم عمر بچی تھی۔ چین آزاد ہونے کے بعد کپڑے کی مل میں اس کی بھرتی اور وہاں اپنی محنت اور صلاحیتو سے ترقی کر کے ۱۶ ہی سال کی عمر میں بہت سی یونینوں کی ممبری اور ماؤزے تنگ سے ملاقات وغیرہ کا حال بیان کیا ہے۔

۷۴۔ تارا چند۔ ڈاکٹر:

اکبری راج کے اصول

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ ستمبر ۱۴۴-۱۵۸)

شہنشاہ اکبر کی فوجی، انتظامی، قابلیت و مہارت پھر زراعتی، علمی، مذہبی، ترقی اصلاحات کا پورا پورا حال بیان کیا ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ بادشاہ ایشور کا انش ہے۔ اسی لئے

اس نے کورنش، تسلیم، زمیں بوس، نذر نیاز کے رواج جاری کئے۔ اکبر کی آنکھیں ہندوستان کی پرانی تہذیب پر تھیں۔ اسی لئے اکبر نے ہندو، مسلمان، جین، عیسائی سب کے ساتھ ایک سا برتاؤ مناسب سمجھا۔ یہی صلح کل کا سب کے ساتھ پریم کی نیتی تھی جس نے ہندوستان کی تاریخ میں اس جگہ کے تسلسل کا اضافہ کیا جس کو پڑھ کر آج بھی ہم اپنے تو کا جیون کے لئے اچھا سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

۷۵۔ حافظ علی بہادر خاں:

انڈیا اور کشمیر

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵، اگست ۱۸-۸۳)

تاریخ کی روشنی میں ہندوستان اور کشمیر کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالی ہے۔

۷۶۔ حنیف ندوی:

ابن خلدون اور عمرانیات

(ثقافت، لاہور ۵۵ ستمبر ۲۷-۳۹)

ابتدا میں عمرانیات کی تعریف، یونانی، ہندی اور عیسائی فلسفیوں نے اس علم کے بارے میں اپنے کن نظریات کو پیش کیا ہے اور ان میں کیا خامیاں ہیں۔ انھیں بیان کرنے کے بعد ابن خلدون نے اس علم کی کیا خدمات کی ہیں، بہت تفصیل سے پیش کیا ہے۔ آخر میں لکھا ہے کہ وہ عمرانی تصورات جو ابن خلدون نے پیش کئے ہیں، ان کی وجہ سے اس کا نام یورپ میں مشہور ہوا۔ یہاں تک کہ اچھے اچھے مستشرقین کو کہنا پڑا کہ ارسطو سے کر میکاولی اور ماڈ تینسکیو تک اس کا کوئی حریف نظر نہیں آتا۔

۷۷۔ خلیفہ عبدالحکیم:

اسلام اور آزادیٔ فکر

(ثقافت لاہور ۵۵ ستمبر ۲-۱۰)

اسلام سے پہلے دنیا میں آزادیٔ فکر روا نہیں تھی۔ ابتدا میں انسانیت، آدم، فکر، قوت جبر و قہر پر بحث کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے آزادیٔ افکار عطا کی اور جب تک صحیح طور سے اس پر عمل ہوتا رہا مملکت اور مذہب کا ارتقا جاری رہا، لیکن جب سے مسلمانوں نے شہنشاہیت اختیار کی، اسلام کو سخت نقصان پہنچا۔

۷۸۔ خورشید احمد فارق ڈاکٹر:

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط

(برہان دہلی ۵۵ جولائی ۵ - ۲۰
اگست ۵ - ۱۶
ستمبر ۱۳۳ - ۱۴۳)

صاحب مضمون نے تاریخی، ادبی اور فقہی کتابوں سے حضرت عمرؓ کے خطوط جمع کیے ہیں اور اس قسط میں ابو عبیدہ بن جراح کے نام بھیجے ہوئے خط، ماخذ کی تصریح کے ساتھ درج کیے ہیں (علاوہ ایک کے جو شام کے مسلمانوں کے نام ہے)

(۲)

نمبر ۱۳ سے ۱۸ تک سپہ سالار فوج حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے نام ہیں جن میں جنگ یرموک سے متعلق احکام و ہدایات دی گئی ہیں۔ ساتھ ہی ہر خط کی تاریخی اہمیت پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳)

مختلف افسروں کے نام حضرت عمرؓ کے ۱۴ خط ہیں جو انتظامی، فوجی اور معاشرتی احکام اور اجازتوں پر مشتمل ہیں۔

۷۹۔ سعادت علی خاں:

گول کنڈہ

(آج کل دہلی ۵۵ ستمبر ۲۴-۲۸)

گول کنڈہ کی بنیاد رکھنے والا سلطان قلی قطب شاہ ہے۔ چنانچہ اس کے جانشینوں نے گول کنڈہ کے حسن اور خوبصورتی میں اضافہ کیا اور ایک خوبصورت شہر کی بنیاد رکھی اور سے پروان چڑھایا۔ گول کنڈہ کی سلطنت اگرچہ تین سو سال پہلے مغلوں کے ہاتھوں ختم ہو چکی ہے مگر آج بھی قطب شاہیوں کے تمدنی نقوش سرزمین دکن پر بہت ہیں، وہ اس دور کی یاد

دلاتے ہیں جب دکن کی سرزمین آپس کے میل جول کا گہوارہ بنی ہوئی تھی۔

۸۰۔ سلامت اللہ۔ ڈاکٹر:

جمہوریت اور بنیادی تعلیم

(آج کل دہلی ۵۵ ستمبر ۵۔۷)

بنیادی تعلیم اور اس کا بچوں کے لئے لازمی قرار دینا جمہوری طرز زندگی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور پھر جمہوریت پروان بھی اسی بنیادی تعلیم کے ذریعہ چڑھتی ہے۔ ملکی فلاح و بہبود اور جمہوریت کی بقا کے لئے لازمی بنیادی تعلیم ضروری ہے۔

۸۱ سلیمان محمد بدایونی:

بدایوں کا جہاد حریت

(العلم کراچی ۵۵ جولائی تا ستمبر ۵۹۔۷۶)

(قسط دوم)

بدایوں سے متعلق غدر کے حالات تفصیل سے پیش کئے گئے ہیں۔

۸۲۔ صباح الدین عبدالرحمن:

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی فوج میں سواروں کا نظام

(معارف اعظم گڈھ ۵۵، اگست ۱۰۸۔۱۲۷
ستمبر ۱۶۷۔۱۸۴)

(۱)

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی فوج میں عام طور سے تین حصے ہوتے تھے۔

(۱) سوار
(۲) ہاتھی اور
(۳) پیدل ان کے لئے وہ بہت اہتمام کرتے تھے۔

(۲)

تیمور، بابر، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ کے سواروں کے طریقۂ جنگ اور شجاعت کا ذکر تاریخ کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ (باقی)

۸۳۔ ظفیر الدین مفتاحی:

حکمران طبقہ اسلام کی نظر میں

(برہان دہلی ۵۵، اگست ۱۳۱۔۱۳۹)

حکمران طبقہ سے متعلق اسلامی احکامات۔ قرآن و احادیث رسول پاک اور خلفاء راشدین کے اسوۂ حسنہ سے مثالیں پیش کرکے واضح کیا ہے کہ حکمران طبقہ پر اسلامی اصول کے مطابق کتنی ذمہ داریاں ہیں اور انھیں اپنے فرائض کس طرح ادا کرنے چاہیئں۔

۸۴۔ عابد علی عابد:

زوال دولت عباسیہ اور ابن العلقمی

(ثقافت لاہور ۵۵ ستمبر ۴۰۔۴۹)

دولت عباسیہ کے اسباب زوال اور تاریخی واقعات لکھنے کے بعد وزیر دولت عباسیہ ابن العلقمی سے متعلق کہ آیا وہ اس تباہی میں شریک تھا، اور ہلاکو کو اس نے دعوت دی۔ متعدد مورخوں کے خیالات لکھنے کے بعد نتیجہ نکالا ہے کہ اگر ابن علقمی نے ہلاکو کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت نہ دی تو کم سے کم یہ ضرور ہے کہ اس نے کوئی ایسا معقول انتظام نہیں کیا کہ جس سے دولت عباسیہ کو بچایا جا سکتا۔

۸۵۔ غلام عباس:

اردو کے غیر معروف ناول "افتاد جوانی"

(ماہ نو کراچی ۵۵ جولائی ۷۔۱۲ و ۵۴)

جون ۱۹۵۵ء کے شمارہ میں اس مضمون کی پہلی قسط چھپی تھی۔ موجودہ قسط میں ناول کے خلاصوں اور اقتباسات کی مدد سے اس کے تین اہم کرداروں سجاد (ہیرو)، افتخار بیگم (ہیروئن) اور فدا حسین (ہیرو کے باپ) کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ ناول لکھنؤ کے بانکوں سے تعلق رکھتا ہے اور حکیم سید علی حسین خاں مرحوم کا تصنیف کیا ہوا ہے۔

۸۶۔ گھنشیام سیٹھی:

کشمیر کی جھیلیں

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵ اگست ۴۷۔۵۲)

کشمیر کی جھیلوں کا بیان اور کچھ جھیلوں سے متعلق شاستروں کی روایات

دکھائی گئی ہیں۔

۸۷۔ گیان شنکر پا شنکر چندیا:

عالمگیر کا وصیت نامہ

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵، اگست ۸۷ - ۸۹)

عالمگیر کو تاریخ نے کٹر مذہبی اور ظالم بادشاہوں میں گنا ہے۔ مضمون نگار نے عالمگیر کی وفات سے پہلے کی اس کی وصیتوں کو پیش کر کے لکھا ہے کہ وہ ایسا بادشاہ تھا جس پر ابتدا سے لے ایک کالی چادر ڈال رکھی ہے اور جس کے نقش مٹ گئے نقوش کے دل پذیر اور خوشنما تصویر بھی ہوتی ہے۔ جیسے جیسے جانچ پرتال کی تیز آنکھیں زمانے کے پردے کو ہٹاتی جاتی ہیں ویسے ویسے سراغ عالمگیر کے جیون کے سدا بہار بھی دکھائی دے رہے ہیں۔

۸۸۔ محمد اشرف ڈاکٹر،

مذہبی رواداری کشمیری تہذیب کی نمایاں خصوصیت

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵، اگست ۳۰ -)

مذہبی رواداری کشمیری تہذیب کا زریں جوہر اور کشمیری تاریخ کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ کشمیر کسی زمانے میں بدھ مت کا گہوارہ تھا۔ اس کے زوال کے بعد بھی کشمیر کے مذہبی رجحان پر بدھ مت کا اثر غالب ہے جو کشمیر کی مذہبی رواداری پر دال ہے۔ یہ اثر برہمنیت اور اسلام کے دور میں بھی قائم رہا۔ کشمیری پنڈت سنسکرت کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی کے بڑے عالم ہوتے۔ مسلمانوں میں خلفائے راشدین کے علاوہ بارہ اماموں کا احترام کیا جاتا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں صوفیوں اور سنتوں کا احترام کرتے ہیں۔ ان کی مذہبی رواداری کی تازہ مثال قبائلیوں کا مشترکہ مقابلہ ہے۔

۸۹۔ محمد تقی امینی،

عروج و زوال کے الٰہی قوانین

(زندگی رامپور ۵۵ ستمبر ۷۹ - ۱۸۲)

زندگی کو قوت و حیات دے کر بڑھانے والی قومیں زندہ رہیں اور اس میں کوتاہی کرنے کے سبب فنا ہو گئیں۔ اور قوت و حیات کا تصور قرآن حکیم کی روشنی ہی میں کیا جا سکتا ہے اور اس مقالہ میں گفتگو بھی اسی نکتہ سے کی گئی ہے۔

۹۰۔ محمد رحیم دہلوی،

تزک بابری

(برہان دہلی ۵۵ ستمبر ۱۴۵ - ۱۵۲)

تزک بابری کا محمد رحیم دہلوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے جس کی ایک قسط شائع ہوئی ہے۔ یہ قسط اخشی کے بعد کاشان کے بیان پر ختم ہوتی ہے۔ (مسلسل)

۹۱۔ محمد قطب الدین،

اسلام کا جمہوری نظام

(برہان دہلی ۵۵ ستمبر ۱۵۳ - ۱۶۸)

اسلام ایک ایک خاص جمہوری نظام رکھتا ہے۔ اس کی مثال دور حاضر کے نظامات میں ڈھونڈھنا عبث ہے۔ قدیم و جدید طرز کی حکومتوں میں یہ اپنی ایک منفرد اور نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔

۹۲۔ معصومی صغیر حسن،

اصفہبدان فریم

(برہان دہلی ۵۵، اگست ۸۱ - ۹۴)

موسیو کازانو فرانسیسی مستشرق کو اسلامی تاریخ جغرافیہ اور مسکوکات سے بڑی دلچسپی تھی کوہ پریم (فریم) کے اسپہبدوں پر اس کا مقالہ عجب نامہ میں شائع ہوا تھا۔ اسی کا یہ ترجمہ ہے۔ اس میں کوہ فریم۔ اس کا جائے وقوع اور اصفہبدان فریم سے متعلق تاریخی معلومات بڑی کاوش سے جمع کی گئی ہیں۔

۹۳۔ نعیم صدیقی

پاکستان اور امریکی دستور

(ترجمان القرآن لاہور ۵۵ جولائی ۱۴۷ - ۱۵۴)

(۲)

اس قسط میں ان عوامل کا ذکر کیا گیا ہے جنھوں نے امریکی دستور کو جنم دیا۔ امریکی دستور کا ذہنی ماحول پیش کرنے کے علاوہ امریکی دستور کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ (باقی)

تنقید، ادب، لسانیات

٩٤۔ ابوالخیر کشفی:

مصورِ فطرت

(ماہ نو کراچی ۵۵ ستمبر ۴۲-۴۴، ۵۸)

خواجہ حسن نظامی کے اسلوب تحریر کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں نے ہماری زبان کی نئی نئی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ ان کی تحریر بیرونی اثرات سے بے نیاز خالص اندرونی پیداوار اور زبان کی قدرت ارتقا کا ثبوت تھی۔ انھوں نے انشائے لطیف کی روایت کو آگے بڑھایا۔ وہ حروف کے آہنگ کے منتر سے بھی واقف تھے ان کی تحریروں کے جا بجا اقتباسات دیئے گئے ہیں۔

٩٥۔ ابوالخیر کشفی:

چاند نگر کا شہزادہ

(ساقی کراچی ۵۵ ستمبر ۶۱-۶۴)

"جدید ترنسل" کے شاعر ابن انشا کا اپنا انفرادی لہجہ ہے اور اپنے کلام سے انھوں نے اردو شاعری میں اضافہ کیا ہے۔ ان کی طویل نظمیں اردو شاعری کا نیا باب ہیں، مختصر رومانی نظموں میں مومن اور حسرت کی اولیت نے ایک نیا تسلسل پایا ہے اور غزلوں میں صرف میر کی شاعرانہ لفت کی تکرار نہیں بلکہ ایک خاک بسر عاشق کے شب و روز بھی ہیں۔ "چاند نگر" ابن انشا کا مجموعہ کلام ہے اور اس مقالہ میں "چاند نگر" کے مزاج اور طویل نظموں کے ساتھ ساتھ مختصر نظموں اور غزلوں کے متعلق چند اشارے ملتے ہیں۔

٩٦۔ ابواللیث صدیقی:
ممتاز مفتی۔
سجاد علی قہر۔

اردو ادب اور نفسیات

(ماہ نو کراچی استقلال نمبر ۵۵ اگست ۴۲)

پاکستان ریڈیو سے تینوں حضرات کی تقریروں کی تلخیص۔

تنقید کے موضوع پر ابواللیث صدیقی نے تقریر کی اور کہا۔ اردو کے اکثر نقاد جو نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں نفسیاتی تنقید کی طرف مائل ہیں۔ افسانہ پر ممتاز مفتی نے تقریر کی اور آخر میں کہا پرانے دور میں محبت صرف محبت ہی سمجھی جاتی تھی اور وہ پاک ہوتی تھی یا ناپاک اب نفسیاتی نقطۂ نظر سے محبت پڑوس کی سازش ہو سکتی ہے۔ جذبۂ انتقام کا ایک روپ ہو سکتی ہے، ... ہو سکتی ہے .... اب محبت خالص محبت نہیں رہی۔ سجاد علی قہر نے نفسیاتی ناول پر بحث کی ہے اور کہا کہ اردو ادب میں ایسے نفسیاتی ناولوں کا فقدان نہیں ہے، جس میں فطرت انسانی سے نقاب اٹھائی گئی ہو یہ ضرور ہے کہ بعض اچھے لکھنے والوں نے اس صنف سے جو بے توجہی برتی ہے اور افسانے کے محدود کینوس پر ہی اپنے مشاہدات پیش کرتے رہتے ہیں۔

٩٧۔ ارشد کاکوروی:

اثر لکھنوی کی غزل گوئی

(نگار لکھنؤ ۵۵ جولائی ۵-۱۱)

اثر لکھنوی کی شاعرانہ، عالمانہ محققانہ، ناقدانہ و ادبی صلاحیتوں کا ذکر اور ان کی تصنیفات نثر و نظم کی فہرست پیش کرنے کے بعد ان کے دوسرے مجموعہ کلام "بہاراں" کی روشنی میں ان کی غزل گوئی کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان کے کلام میں غالب کی معنی آفرینی اور میر کا سوز و گداز بھی ہے۔ ان کے کلام میں جذبات نگاری مرقع کشی اور شوخی بیان بھی ہے۔ اس کے علاوہ دیوانگی و دانائی ان کی شاعرانہ شخصیت کے عناصر ہیں۔ مجموعی طور پر اثر کی شاعری سادگی و پرکاری کا امتزاج ہے۔

٩٨۔ احمد میاں اختر جوناگڑھی:

دیوان ولی کا قدیم ترین نسخہ

(اردو کراچی ۵۵ جولائی ۳۵۰-۳۶۶)

دیوان ولی کا سب سے قدیم نسخہ ولی کے شاگرد شاہ اللہ

کا تحریر کردہ (۱۱۳۸ھ) سمجھا جاتا تھا مگر انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ میں ۱۱۳۵ھ کا ایک مخطوطہ بارہ ماسہ محمد عثمان کاکوی ملا ہے چونکہ نواب اختر حسین نے اس کی تحویل کا نسخہ (۱۱۲۰ھ) دستیاب نہیں ہوتا اس لئے قدیم نسخہ یہی ہے۔ اس میں "تصدیق طلب" غزلیں ہی نہیں ملتیں بلکہ کچھ نیا کلام اور بعض اشعار کی بہتر قرأتیں بھی مل جاتی ہیں۔

۹۹۔ ادارہ:

مکتوب سلیمانی

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ ستمبر ۲۰۳-۲۲۳)

سید سلیمان ندوی کا خط بنام نواب سید امیر حسن خان صاحب جس میں انھوں نے مشرقی ارباب علم کے تعصب کا ذکر کیا ہے اور قیام لندن سے متعلق کچھ واقعات درج کئے ہیں

۱۰۰۔ اسرار احمد:

ادب میں خدا کا تصور

(ہمایوں لاہور ۵۵، اگست ۲۶۹-۲۷۵)

معاشرے اور انسانی زندگی کی قدروں کو مستحکم رکھنے کے لئے ادب میں خدا کا تصور ضروری ہے۔ دو باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے ایک تو یہ کہ مذہب ایک تہذیب کی حیثیت سے معاشرت کے تمام گوشوں پر حاوی ہے اور دوسرے یہ کہ ادب بھی تہذیب کا ایک شعبہ ہوتے ہوئے قدرتی طور پر اس کے دائرہ عمل میں آجاتا ہے۔ اس لئے ہم تصور خدا اور مذہب کو ادب سے خارج نہیں کر سکتے۔

۱۰۱۔ اعظمی، افتخار احمد:

سامات عرب

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ جولائی ۴۳-۵۲)

رسم الخط کی ابتدا تصویر کشی سے ہوئی۔ زمانہ قدیم سے عربوں میں یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کے مختلف اعضا پر شناخت کے لئے داغ کر نشان بناتے رہے ہیں جنہیں عرب لوگ سامات کہتے ہیں۔ مقالے میں لفظ سامات کے آغاز سے بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ نقوش ابجد رجال کے لئے تحریر کا کام دیتے تھے۔ ان میں سے کچھ نقوش تو مختلف اقوام کے حروف تہجی بنے اور کچھ نقوش قبائل کے اسماء بن گئے۔

۱۰۲۔ الطاف علی بریلوی:

خطوطِ قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی۔

(العلم کراچی ۵۵ جولائی تا ستمبر ۸۱-۱۱۴)

قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی کے مختصر حالات زندگی پیش کرنے ان کی ادبی خدمات کا ذکر کرنے کے بعد مضمون نگار کے نام لکھے ہوئے ۲۸ خطوط ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ء تا ۵ اگست ۱۹۵۵ء نقل کئے ہیں جو حواشی سے مزین ہے۔

۱۰۳۔ الطاف فاطمہ:

مثنویوں کے انسانی کردار

(ساقی کراچی ۵۵ ستمبر ۳۸-۴۱ و ۴۷)

اردو مثنویوں میں قابل ذکر سحر البیان، گلزار نسیم اور زہر عشق ہیں۔ ان میں کردار نگاری کے بڑے خوبصورت نمونے مل جاتے ہیں تاہم تاج الملوک (گلزار نسیم) کے علاوہ کسی میں مردوں کے کردار کے اچھے نمونے نہیں ہیں۔ نسائی کردار بڑے جاندار ہیں۔ وہ انسانی خصوصیات کے اچھے پیکر ہیں اور کہانی کو آگے بڑھانے اور دلچسپ بنانے میں نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ ان میں زہر عشق کی مہ جبیں کا کردار بہت عمدہ ہے۔

۱۰۴۔ الطاف گوہر:

ایک اور صنم

(ماہ نو کراچی استقلال نمبر ۵۵، اگست ۴۲-۴۳)

سعادت حسن منٹو ان کی ادبی تخلیق، ان کی کتابوں اور کہانیوں پر مبالغہ آمیز نقادوں کی تنقید پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ منٹو کو دیوتا بنا کر پوجنے والوں کو یہ نہیں بھلانا چاہئے کہ ابھی اردو اور اردو افسانہ نگاری کو بہت آگے جانا ہے منٹو اور اس کی افسانہ نگاری اس سفر کا ابتدائی

مقام ہے اگر ہم اسی پر مطمئن ہوگئے تو اگلی منازل اور دور ہو جائیں گی۔

۱۰۵۔ امین زبیری:

علامہ اقبال کے سوانح نگار

(العلم کراچی ۵۵ جولائی تا ستمبر ۶ ـ ۸)

علامہ اقبال کے سوانح نگار علامہ کی تعریف میں غلو سے کام لیتے ہیں اس سلسلے میں عبدالمجید سالک کی یوم اقبال کے موقعہ پر کی ہوئی تقریر اور محمد احمد خاں کی اقبال کی سیاسی زندگی پر تصنیف کی مذمت کی ہے۔

۱۰۶۔ انتظار حسین:

پاکستان میں ادب کے رجحانات

(ساقی کراچی ۵۵ ستمبر ۹ ـ ۱۱)

ابتدا میں پاکستانی ادب پر تقسیم ملک اور فسادات کا خاصا اثر ہوا اور اس اثر کی صورت فیض کی "طلوع سحر" اور کرشن چندر کے افسانوں کے علاوہ محمود ہاشمی، قدرت اللہ شہاب، اور شاہد احمد دہلوی کی تحریروں میں ظاہر ہوا۔ فسادات کا اثر ختم ہوتے ہی جمود سا طاری ہوا۔ پہلے تو اس کی موجودگی بحث میں آئی اور پھر نئی نسل نے یہ کہا کہ جمود ادب میں نہیں بلکہ پچھلی نسل کے ادیبوں کے ہاں ہے۔ چنانچہ پرانوں نے اپنا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ فی زمانہ کوئی قابل ذکر رجحان نظر نہیں آتا۔

۱۰۷۔ آفتاب اختر تلہری:

وامق جونپوری کی شاعری "جرس" کے آئینہ میں

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۵، اگست ۱۲ ـ ۱۴)

وامق جونپوری کے مجموعۂ کلام "جرس" پر تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔

۱۰۸۔ تلک چند رام داس.

اردو عروض

(شاہراہ، دہلی ۵۵، اگست ۱۶ ـ ۱۸)

ارکان اوزان کے امتزاج، بحریں، تقطیع، زحاف اور تغیر علت پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۰۹۔ دیوندر ستیارتھی:

بنسری کہتی ہے۔ ایک کشمیری لوک گیت

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵، اگست ۶۶ ـ ۶۹)

بنسری کہتی ہے ایک ایسا کشمیری لوک گیت ہے جسے گیتوں کے کسی بھی بین الاقوامی انتخاب میں آسانی سے جگہ مل سکتی ہے مضمون میں اس قول کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کی کہانی پیش کرنے کے بعد اسے مع ترجمے کے پیش کیا ہے اور اس کا مقابلہ مثنوی مولانا روم کے ابتدائی اشعار سے کرکے یہ بتایا گیا ہے کہ اگرچہ اس لوک گیت پر صوفیانہ رنگ غالب ہے پھر بھی اس میں عشق و محبت کی داستان کے ساتھ غم روزگار بھی ملتا ہے جو اسے زندگی کے قریب لے آتا ہے۔

۱۱۰۔ زور، محی الدین قادری:

دکن میں اردو شعر و سخن کا ارتقا

(شاہراہ دہلی، ۵۵، اگست ۵ ـ ۹)

دکن کے ابتدائی دور شاعری سے لے کر موجودہ دور شاعری تک کا جائزہ۔

۱۱۱۔ سید عبداللہ۔ ڈاکٹر:

غالب۔ پیش رو اقبال

(ماہ نو، کراچی استقلال نمبر ۵۵ اگست ۲۳)

بلحاظ زمانہ غالب کا پیش رو اقبال ہونا تو حقیقت ہے مگر کیا بلحاظ فکر بھی وہ ان کے پیش رو تھے؟ اس سوال کو سامنے رکھتے ہوئے مضمون نگار نے غالب و اقبال کی شاعری سے متعدد اقتباسات دے کر ثابت کیا ہے کہ غالب کی نوا کی گرمی ہی ان کو اقبال کے سلسلے کا شاعر قرار دیتی ہے ان کی نفسی مماثلتیں بھی قابل توجہ ہیں۔ ان کے ذہن و فکر کے رخ بھی عام طور پر ایک ہی ہیں۔ غالب کی شاعری کو اقبال کی شاعری سے وہی نسبت ہے جو نمود سحر کو طلوع آفتاب سے ہوتی ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

۱۱۲۔ شنکر آور:

بھاشا کا سوال

(نیا ہند الہ آباد ۵۵ء اگست ۷۷۔۸۳)

اردو ہندی کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے ثابت کیا کہ دونوں زبانوں کو الگ الگ نام دینے میں غیر ملکی حاکموں کا ہاتھ رہا ہے۔ آزادی کے بعد اب ہندی اور اردو کو پھر سے ایک جگہ لانا ضروری ہے۔ ہندی محض ہندوؤں کی بپتی نہیں اردو بھی محض مسلمانوں کی نہیں۔ ہندی اور اردو کو ہمیں پھر گنگا جمنا کا سنگم بنانا ہے۔ یہ کام کیسے ہو؟ اس کے لئے ہندی اور اردو کے ادیبوں کو ایک پنچ پر جمع ہو کر اور ایک دوسرے کو سمجھنا ہے۔

۱۱۳۔ عبدالقوی دسنوی:

کتب خانہ الاصلاح دیسنہ پٹنہ

(اردو ادب اردو لکھنؤ ۵۵ء اگست ۳۰۔۶۰)

سید ابسہ کے کتب خانہ الاصلاح اور اس کے سس ۱۹۱۰ء کا تعارف

۱۱۴۔ عرشی

غالب کے اشعار فارسی

(میثاق الاسلام۔ راولپنڈی ۵۵ء ستمبر ۳۹۔۴۴)

غالب کے فارسی اشعار کا مختصر انتخاب ان کے مختصر حالات ایرانیوں کی نظر میں غالب کی عظمت و بزرگی بیان کی ہے۔

۱۱۵۔ عشرت رحمانی:

اردو اسٹیج اور ڈرامہ

(ماہ نو کراچی ۵۵ء ستمبر ۱۷۔۲۳)

برصغیر پاکستان و ہند میں اردو تھیٹر کا آغاز ۱۸۵۳ء کے دوران میں ہوا۔ اسی عرصہ میں اندر سبھا کی اودھ میں دھوم مچی، ڈھاکہ میں اردو ناٹک کا چرچا ہوا اور یہی دور بمبئی کے پارسی تھیٹر کی ابتدا کا تھا۔ بمبئی میں اردو ناٹک کی ابتدا مشرقی بنگال اور اودھ کے بعد ہوئی۔ مضمون میں ناٹک کے سلسلہ میں پارسیوں کے حصے کا حال بھی لکھا گیا اور دیگر ڈرامہ نگاروں کے مختصر حالات و تصنیفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱۶۔ غضنفر:

ہندی ادب

(اردو کراچی ۵۵ء جولائی ۳۱۲۔۳۱)

(مسلسل)

موجودہ قسط اس مضمون کی آخری قسط ہے۔ اس میں قواعد انشا پردازی، نظم وغیرہ سے متعلق شاعروں اور ادیبوں کے تذکرے کے ساتھ رام بھگتی کا دور دوم، کرشن بھگتی کا دور دوم، مذہبی تحریکات، رزمیہ شاعری وغیرہ کی کیفیتیں دکھاتے ہوئے ہندی زبان و ادب کی موجودہ صورت پر تبصرہ کیا ہے۔

۱۱۷۔ فراق گورکھپوری:

اردو غزل میں تکنیک

(فروغ اردو، لکھنؤ ۵۵ء ستمبر ۹۔۱۵)

جہاں تک اردو غزل کا تعلق ہے اس کے جنم دن ہی سے اس میں تبدیلی کبھی کبھی ترقی اور تنزلی مختلف دوروں میں نظر آتی ہیں۔ غزل کی تکنیک با مسلمہ اور بنیادی قاعدوں میں ترقی و تنزل نہیں ملے گا بلکہ غزل کی روح اور معنویت میں اس کے وجدان اور جمالیاتی تصورات میں ترقی و تنزل کے سلسلے نظر آتے ہیں۔ تکنیک کے دو حصے ہیں ایک خارجی ایک داخلی۔ خارجی تکنیک ہی شاعر کے انفرادی وجدان کے عمل سے داخلی تکنیک بن جاتی ہے۔ خارجی تکنیک کو بھی داخلی تکنیک ہی پیدا کرتی ہے۔ غزل کے روپ یا خارجی تکنیک میں تبدیلی و ترقی داخلی تکنیک سے پیدا ہوتا ہے۔

آج کی اردو نظم میں شاعر کی انفرادیت جتنی درخشاں ہے کسی اور دور کی اردو نظم میں انفرادیت کا ایسا تنوع نظر نہیں آتا۔ ٹھیک یہی۔ یہ تنوع اردو غزل میں بھی نظر آئے گی۔

۱۱۸۔ کے دوئی:

جاپانی زبان کی خصوصیات

(اردو کراچی، ۵۵ جولائی ۳۸۳-۳۹۵)

جاپانی زبان Agglutinative زبان ہے اور یورال التائی زبانوں میں سے ایک ہے علم ادب کے لحاظ سے دنیا کی قدیم زبان ہے۔ اس مقالہ میں اس کی خصوصیات گنائیں اور ان کی کیفیت دکھائی ہے۔

۱۱۹۔ گوپی چند نارنگ:

اردو نظم کا مستقبل

(آج کل دہلی ۵۵ ستمبر ۱۲-۱۴)

اردو میں نظم کی فضا حالی اور آزاد سے پہلے موجود تھی۔ البتہ حالات نے نئی نظم کو پیش کیا جسے بلند کرکے اقبال نے غزل کا حریف بنا دیا۔ تاہم اس کے شباب کا زمانہ ۱۹۳۶ء کے بعد کا زمانہ ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد کی فضا میں جو خوف و خطرہ پایا جاتا ہے اس نے لوگوں کو نظم سے زیادہ غزل سے قریب کر دیا اور گویا غزل کا سیلاب سا آگیا ہے تاہم اطمینان و سکون کی کیفیت پیدا ہوتے ہی نظم گوئی کا رواج پھر تازہ ہو جائے گا۔ ویسے اردو شاعری کا مستقبل تنہا نظم یا غزل سے نہیں بلکہ دونوں کے حسین امتزاج سے وابستہ ہے۔

۱۲۰۔ گیان چند۔ ڈاکٹر:

داستانوں کے فروغ و زوال کے اسباب

(آج کل دہلی ۵۵ ستمبر ۸-۱۱)

داستانیں ایک مخصوص نظام زندگی کی محتاج ہیں چنانچہ ۱۸۵۷ء سے قبل داستانیں ہی لکھی اور مقبول ہو سکتی تھیں یہی وجہ ہے کہ بعد میں بدلے ہوئے سیاسی و سماجی حالات کے سبب داستانیں زوال پذیر ہو گئیں۔

۱۲۱۔ گیان چند جین:

میر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی

(نگار لکھنؤ، ۵۵ جولائی ۱۸-۲۶)

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کے کتب خانے میں مضمون نگار کو میر کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی نظر آئی۔ یہ مثنوی ناقص الآخر ہے۔ اس لئے اس قصہ کا نام نہیں معلوم ہو سکا بقول مضمون نگار داخلی شہادت سے یہ مثنوی میر ہی کی معلوم ہوتی ہے۔ مثنوی کے آخر میں میر کا تخلص موجود ہے۔ کاتب نے اس مثنوی کا نام مثنوی تصنیف میر صاحب لکھا ہے مضمون میں اس مثنوی کے قصہ کا خلاصہ پیش کرنے اور کچھ اشعار کا جائزہ لینے کے بعد اصل مثنوی درج کی ہے۔

۱۲۲۔ محمد اسحق صدیقی:

لفظوں کی کہانی

(فروغ اردو، لکھنؤ ۵۵ ستمبر ۲۷-۳۰)

سورج، چاند، چاندی، لہو اور لوہا، ہاتھ اور ہاتھی پنکھ اور پنکھا، طیر۔ اور تیر، کان ناک، الفاظ، کے باہمی تعلقات کی تحقیق کرتے ہوئے ہر لفظ کے ابتدائی مدارج بیان کئے ہیں۔

۱۲۳۔ محمد اسحق صدیقی:

فن تحریر کی تاریخ

(نگار لکھنؤ۔ ۵۵ جولائی ۱۲-۱۳)

بہ سلسلہ ماسبق۔ اس قسط میں سلافی رسوم خط، سریلک خط اور اس کی ترمیم شدہ شکل بک وٹسا پر روشنی ڈالی ہے (باقی)

۱۲۴۔ مدن گوپال:

میری ماں بولی کا روپ

(نیا ہند، الہ آباد، ۵۵ جولائی ۲۱-۲۶)

ہندوستانی زبان جسے مضمون نگار نے میری بولی کا نام دیا ہے کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور یہ بتایا کہ یہ زبان ایک میٹھی سریلی بہتی ہوئی موسیقی ہے اور خوبصورتی میں دنیا کی زبانوں میں اس کا تیسرا درجہ ہے اگر اس میں جنس کا عیب نہ ہوتا تو یہ دوسری گنی جاتی۔

۱۲۵۔ متنا۔ آر۔ اُدچل۔

کنڑ زبان کا عظیم شاعر

(آج کل دہلی ۔۔ ستمبر ۲۹۔۔۳۰)

متنا کنڑ زبان کا عظیم شاعر تھا۔ اس کی شاعری دل کش تھی۔ اس لیے کرناٹک کی عوامی زندگی کے۔۔ رنگ اپنے ۔۔ تھی مگر افسوس کہ اس کے زمانہ میں اس کی قدر نہیں کی گئی۔ اب لوگ اس کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ متنا ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوا اور ایک ہائی اسکول کے ذریعہ سے عسرت زدہ زندگی بسر کرتا ہوا ۱۸۔۔ء میں انتقال کر گیا۔

۱۲۶۔ مرزا عارف بیگ

کشمیری زبان

(آج کل دہلی ۔۔ ستمبر ۔۔ اگست ۱۹۔۔)

علمائے لسانیات کی رائے میں کشمیری ایک نہایت قدیم زبان ہے۔ ابتدا میں اسرائیلیوں کا ایک گروہ کشمیر میں آ کر آباد ہوا۔ اسرائیلیوں نے صدیوں تک اہل کشمیر کی زبان اور رسوم و عقائد پر گہرا اثر ڈالا اس کا ثبوت عبرانی کے وہ متعدد الفاظ ہیں جو آج بھی کشمیری زبان میں پائے جاتے ہیں۔ مضمون میں ان الفاظ کی ۔۔ فہرست دی گئی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ۔۔ کشمیری ۔۔ ہے اس کے علاوہ کشمیری زبان پر سنسکرت ۔۔ جو اثر ڈالا ہے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ۔۔ کشمیری ۔۔ پنجابی، روسی، عربی، ۔۔ ۔۔ ۔۔ ڈوگری ۔۔ ۔۔ کم تھا اردو ۔۔ نے بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔

۱۲۷۔ منظور حسن۔ برکاتی

غالب کی ایک نادر فیصلہ کن تحریر

(آج کل دہلی ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۸)

مضمون نگار کو ریاست ٹونک راجستھان کے پرانے کاغذات میں مرزا غالب کی ایک نادر تحریر نوشتہ ۔۔ صفر ۱۲۶۸ھ ملی جو ان "چہارصد و پنجاہ روپیہ سکہ انگریزی" کی رسید ہے جو غالب کو نواب وزیر الدولہ والیٔ ٹونک سے اس قصیدے کے صلہ میں ملے تھے جو غالب نے عید سعید ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کی تہنیت میں بھیجا تھا اور جس کا مطلع ہے۔

عید اضحیٰ سر آغاز زمستاں آمد
وقت آراستن حجرہ و ایواں آمد

مضمون نگار نے حسن تشریحات کے ساتھ، یہ تحریر نقل کر دی ہے اور اس کا عکس بھی دے دیا ہے۔

۱۲۸۔ من موہن تلخ

میرزا یگانہ کے خطوط

(ساقی کراچی ۵۵ء، اگست ۳۹۔۔۴۰)
(ستمبر ۵۸۔۔۶۰)

میرزا یگانہ کے خطوط کی تیسری قسط ہے اس میں میرزا کے تین خطوط شامل ہیں۔ ان میں میرزا کی پریشانیوں کا تذکرہ دو رباعیاں اور رسوں کے بارے میں میرزا کی رائے ملتی ہے۔ میرزا ۔۔ رسل کے حامی ہیں۔

(۲)

اس قسط میں میرزا یگانہ کے دس خطوط شائع کئے ہیں۔ ان میں میرزا کی بعض دشواریوں کا تذکرہ اور ۔۔ قسطوں کے علاوہ "مصیبت آئی، قیامت آئی" ایک غزل بھی نقل ہے۔

۱۲۹۔ ۔۔ صر کرنولی:

دکن کا رباعی گو شاعر

(آج کل دہلی ۔ دسمبر ۔ ۹۔۔۱۱)

امجد حیدرآبادی کا حال لکھا ہے۔ ان کے کمال رباعی گوئی پر روشنی ڈالی ہے اور ان کی چند رباعیاں درج کی ہیں۔

۱۳۰۔ نذیر احمد۔ ڈاکٹر:

تذکرۂ لباب الالباب تالیف محمد عوفی کا ایک اہم مخطوطہ

(معارف اعظم گڈھ، ۵۵ ستمبر ۲۰۲۔۲۱۰)

لباب الالباب فارسی شاعروں کا قدیم ترین تذکرہ ہے۔ مقالے میں اس کی اہمیت اس کے دستیاب شدہ نسخوں کا ذکر کرنے کے بعد لکھنؤ یونی ورسٹی کے کتب خانے میں جو نسخہ موجود ہے اس کا تعارف پیش کیا ہے۔

۱۳۱۔ نذیر احمد۔ ڈاکٹر:

مینا بازار

(معارف اعظم گڈھ ۵۵ جولائی ۵۔۲۶ اگست ۸۵۔۱۰۷)

سلسلے کے لئے دیکھئے معارف اپریل ۱۹۵۵ء۔ اس قسط میں وہ دلائل و قرائن پیش کئے گئے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مینا بازار ملا ظہوری کی تصنیف نہیں مثلاً تاریخ سے ثابت ہے کہ ظہوری شمالی ہندوستان کبھی نہیں آیا۔ کلیات ظہوری کے کسی مخطوطے میں مینا بازار اور پنج رقعہ شامل نہیں وغیرہ اس کے علاوہ جن مصنفین نے مینا بازار کو ظہوری سے منسوب کیا ہے ان میں سے بعض سے خود ظہوری کے متعلق غلطیاں سرزد ہوئی ہیں اس لئے ان کے قول کی اہمیت نہیں اس کے خلاف چند قدیم تذکرہ نگار ایسے ہیں جنھوں نے معقول وجہ کے ساتھ اس قول کی تردید کی ہے علاوہ بریں مینا بازار کی داخلی شہادت بھی اس قول کی تصدیق کرتی ہے کہ یہ تصنیف ظہوری کی نہیں۔

(۲)

مقالہ نگار نے اس تیسری اور آخری قسط میں مینا بازار کی رعایات لفظی و تکرار لفظی کی کثرت، ہندی الفاظ و فقرات و محاورات کی افراط تبا گھر کی ساری تفصیلات وغیرہ دکھائی ہیں جو تاخر زمانی کا پتہ دیتے ہیں اور بتلایا ہے کہ ان کے پیش نظر مینا بازار کو ظہوری کی تصنیف کہنا غلط ہے۔

۱۳۲۔ وشومبھرناتھ پانڈے:

پریم، ویوگ اور درشا

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵، جولائی ۳۷۔۴۴)

محبت، فراق اور بارش پر ہندی شعرا کی نظمیں پیش کی گئی ہیں اور ان کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔

۱۳۳۔ وقار عظیم:

"اندر سبھا" کا فنی پہلو

(ماہ نو کراچی ۵۵ جولائی ۱۳۔۲۳)

اندر سبھا بلاشبہ اردو کے ڈرامائی ادب کی سب سے اہم تصنیف ہے چنانچہ اندر سبھا اور شرح اندر سبھا کے اقتباسات اور ان پر تبصرہ کرتے ہوئے مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ اندر سبھا ہمارے ڈرامائی فن کی بنیاد اور اس کا ایک اہم سنگ میل ہے۔ اندر سبھا اور اس سے بھی زیادہ شرح اندر سبھا نے اسٹیج کی جن روایات اور ہدایات کو اردو کے ڈرامائی فن کا پیش خیمہ بنایا ہے وہ اس اہم کتاب کی تصنیف کے ایک صدی بعد بھی اردو ڈرامے کے فن کی پوری روایت پر چھائے ہوئے ہیں اور ہمارے مشہور ڈرامے میں کہیں نہ کہیں اس روایت کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔

۱۳۴۔ ہاجرہ بیگم:

اللہ میاں کے گیت

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵، اگست ۱۱۰۔۱۱۳)

مشرقی یوپی میں "رت جگے" کے موقع پر جبکہ عورتیں گلگلے بناتی ہیں اور انھیں رات ہی میں مسجد میں لے جا کر طاق بھرتی ہیں اس موقع پر ان کے متعدد گیت اور تشریح۔

۱۳۵۔ ہاشمی نصیر الدین

"نورس" کا ایک اور نسخہ

(برہان دہلی ۵۵ جولائی ۵۰۔۵۳)

ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنی کتاب "تحقیقی مقالے" میں جو مضمون نورس کے مخطوطے پر لکھا ہے اس میں انھوں نے صرف سات مخطوطوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس کتاب کا ایک اور نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں موجود ہے جس کا نمبر ۲۹۹ ہے۔

۱۳۶۔ ہاشمی نصیر الدین

کتب خانہ سالار جنگ کی اردو قلمی کتابوں کا جائزہ

(اردو کراچی ۵۵ جولائی ۳۱۱۔۳۲۹)

نواب میر سالار جنگ، مختار الملک مرحوم دیوان دکن کے جانشین اور موروثی وزیر اعظم نواب سالار جنگ (ثالث) مرحوم حیدر آباد دکن کے ایک خوش نصیب اور خوش قسمت جاگیردار تھے، تاہم انھوں نے عیش و عشرت اور لہو و لعب کے مقابلے میں سادہ زندگی کو ترجیح دی اور اپنا روپیہ علمی و ادبی کاموں پر صرف کیا۔ سالار جنگ میوزیم اور کتب خانہ اس کی روشن مثال ہے۔ کتب خانہ میں عربی، فارسی، اردو، ہندی، ترکی زبان کی پچاس ہزار سے زیادہ کتابیں جمع ہیں۔ ان میں مطبوعہ اور قلمی دونوں شامل ہیں۔ اس میں سے ۱۰۳۷ کتابیں اردو کی ہیں انگریزی کتابیں عثمانیہ یونیورسٹی میں امانت دی گئی ہیں۔ ان کتابوں کے ذریعہ بعض نئے مصنفوں اور بعض معلوم مصنفوں کی مزید کتابیں معلوم ہوئی ہیں۔

معاشرتی حالات

۱۳۷۔ آڈن ڈبلیو۔ ایچ

مترجم۔ سجاد باقر رضوی۔

عوامی معاشرے میں تنقید

(ساقی کراچی ۵۵ ستمبر ۴۸۔۵۲)

ا۔ اس مقالہ کی پہلی قسط ہے اور اس میں فرد و معاشرہ کے رابطہ اور اس کے مختلف پہلوؤں کو دکھایا اور ان پر تبصرہ کیا ہے۔ (مسلسل)

۱۳۸۔ پریم ناتھ در:

کشمیری شخصیت

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵ اگست ۵۔۱۰)

کشمیری امن پسند ہے، منکسر المزاج ہے، وہ باتوں سے زیادہ عمل پر زور دیتا ہے وہ مہمان نواز ہوتا ہے، اس رنگ سے ایسے وہ قسم ہے لیکن اس کی شخصیت کا سب سے بڑا پہلو مذہبی رواداری ہے۔ کشمیریوں کی حق پرستی کا اندازہ کلہن کی سیلوں پرانی تاریخ راج ترنگنی سے لگایا جا سکتا ہے جس نے شاہی فتوحات اور درباری سازشوں کو تاریخ کا موضوع نہیں بنایا بلکہ انسانی زندگی کے ہر طبقے کا خاکہ تفصیل کے ساتھ کھینچا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی فنی کارگیری اس کے جمالیاتی ذوق پر دال ہے۔

۱۳۹۔ ناظر، جیالال:

کشمیریوں کی زندگی عادات اور رسم و رواج

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵ اگست ۳۵۔۴۰)

تاریخی دور سے بہت پہلے یہاں ناگ اور پشاچ قوم کے لوگ آباد تھے۔ آریوں کی آمد کے بعد یہ قومیں آریہ نسل میں گھل مل گئیں اور کشمیریوں کو ایک مشترکہ معاشرہ وجود میں آیا۔ مضمون میں ان کے عادات و اطوار اور رسوم و عقائد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کے بعد بدھ مت کے اثرات چینیوں، یونانیوں اور خاص طور سے مسلمانوں کی آمد کی مختصر تاریخ پیش کرنے کے بعد کشمیریوں کی عادات بیان کی گئی ہیں یعنی کشمیری خوددار، صابر و قانع جنسی معاملات میں معتدل، مذہب پرست، حکومت وقت کا وفادار اور زمانہ شناس ہوتا ہے۔

اقتصادیات

۱۴۰۔ محمد شفیع سید:

کشمیر کی دستکاریاں

(آج کل دہلی کشمیر نمبر ۵۵، اگست ۱۹، ۲۰)

کشمیر کی اہم دستکاریوں مثلاً شال بافی، کھڈیوں پر ریشمی کپڑا بننے کی صنعت قالین بافی، گبہ سازی، نمدہ سازی اخروٹ کی لکڑی کا کام، کاغذی صنعت وغیرہ پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۴۱۔ طٰہٰ واحدی:

اسلامی نظام معیشت

(فاران کراچی ۵۵ ستمبر، ۱۹ - ۲۴)

سرمایہ دارانہ نظام۔ اشتراکیت اور اسلامی نظام معیشت کا تقابل کرتے ہوئے قرآنی آیات سے اسلامی نظام حیات و معیشت کو برتر اور فطری ثابت کیا ہے۔

۱۴۲۔ ہرولیم پریکھ:

چین کا بھومی سدھار آندولن

(نیا ہند الہ آباد ۵۵ جولائی ۶ - ۱۵)

مقالہ نگار ستمبر ۱۹۵۴ء میں خیرسگالی وفد کے ممبر کی حیثیت سے چین گئے تھے اس مضمون میں ان کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس میں انھوں نے بتایا ہے کہ انقلاب کے بعد کس طرح چین نے زرعی اصلاحات کیں۔ زمین کاشتکاروں میں بانٹ دی گئی جس سے پیداوار بڑھی کاشتکاروں کی قوت خرید میں ۷۶ فی صدی اضافہ ہوا۔ پیداوار بڑھانے کے لئے کھیتی چار حصوں میں بانٹ دی گئی (۱) ذاتی کھیتی (۲) امداد باہمی کھیتی (۳) امداد باہمی جماعتیں (۴) جتماعی کھیتی۔ مضمون میں چین کے دیہاتوں کی ترقی کا حال بھی درج ہے۔

تعلیمات

۱۴۳۔ ا۔ ا:

ہندستان میں اعلیٰ تعلیم کی کہانی

(ہندستانی ادب، حیدرآباد دکن، ۵۵ جولائی ۹)

۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۷ء تک قائم شدہ یونیورسٹیوں اور کالجوں کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ نیشنل آرکیوز آف انڈیا نے "تاریخی مواد" کے نام سے پمفلٹوں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے جس کے چوتھے نمبر میں ہندوستان میں اعلیٰ تعلیم کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے۔

۱۴۴۔ بشیر احمد علوی:

تعلیم میں کردار کی اہمیت

(تعلیم کراچی ۵۵ جولائی تا ستمبر ۹ - ۲۴)

ابتدا میں چند مدرسی کو باعث تذلیل سمجھنے والوں کو یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ پیشہ ذلیل نہیں بلکہ شریف ہے اور علم کی تعریف وضاحت سے کرنے کے ساتھ ساتھ علم کے مغربی تصور کی مذمت کی ہے۔ علم کے بعد معلم کا مفہوم واضح کیا ہے اور معلم کے لئے خلوص خوش اخلاقی، فرض شناسی علم و انکسار کو ضروری صفات قرار دیا ہے اور آخر میں محکمۂ تعلیم کے عہدہ داروں سے جذبۂ اشتراک کی اپیل کی ہے۔

۱۴۵۔ بھگوان داس ڈاکٹر:

تعلیم کا چوتھا آر

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵، اگست ۱۱ - ۱۴)

موجودہ تعلیم کا مقصد خود غرضی، ذاتی مفاد، دھوکہ فریب اور کپٹ ہے۔ اس کی ذمہ داری موجودہ معلموں اور سائنسدانوں پر ہے۔ اگر یہ لوگ صحیح قسم کی تعلیم دیں تو تہذیب کلا کلچر، انسانیت، امن وسکون اور شانتی کا ساری دنیا میں بول بالا ہوگا اور اسی طرح انسانیت پھل پھول سکتی ہے ورنہ تباہی یقینی ہے۔

۱۴۶- توکل حسین ہمدانی:

پاکستان اور تعلیم

(العلم کراچی ۵۵ء، جولائی تا ستمبر ۴۱-۵۰)

انگریزوں نے ایک ایسا نظام تعلیم رائج کیا تھا جس نے جسمانی غلامی کے ساتھ ساتھ ذہنی غلامی پیدا کی۔ مضمون میں اس نظام تعلیم کی پیروی کی مذمت کی گئی ہے اور ایسا نظام تعلیم رائج کرنے کی تلقین کی گئی ہے جو کلرک پیدا نہ کرے بلکہ فنی و اقتصادی ماہرین، اختراعی دماغ رکھنے والے موجدین اور نظم و نسق کو کامیابی کے ساتھ چلانے والے کارکن و عہدہ دار پیدا کرے جس کی پاکستان کو ضرورت ہے۔

۱۴۷- سالک عبدالمجید:

اسلامی ہند میں علم کی سرپرستی

(ثقافت، لاہور ۵۵ء ستمبر ۱۷-۲۶)

مضمون میں سلطان محمود غزنوی سے لے کر آخری تاجدار نے علم اور علماء کی جو سرپرستی اور خدمات کی ہیں ان کا مختصر حال بیان کیا گیا ہے۔ متعدد تاریخی حوالوں اور شہادتوں کے ساتھ ساتھ۔

۱۴۸- غلام حیدر، چودھری:

ہمارا تعلیمی نظام

(دعوت الاسلام راولپنڈی ۵۵ء ستمبر ۲۳-۲۶)

ابتدا میں ہندوستانی نظام تعلیم انگریزوں نے اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے کیا کیا تبدیلیاں کیں اور کس طرح پرانے تعلیمی نظام کو درہم برہم کرکے اپنے حسب دلخواہ نیا نظام جاری کیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ انگریزوں کے جاری کئے ہوئے تعلیمی نظام کو یکسر بدل کر آزاد قوموں اور خاص طور سے مسلمانوں کے مذہبی مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے ارباب حل و عقد نیا نظام تعلیم جاری کریں۔

۱۴۹- ہمایوں کبیر:

اشتراکی نمونے پر تعلیم

(ہندوستانی ادب حیدرآباد (دکن) ۵۵ء ستمبر ۱۲-۱۵)

ہندوستان نے ایک جمہوریہ بنانا پسند کیا ہے اور سوشلسٹ نوعیت کے سماج کو اپنا مطمح نظر مقصد قرار دیا ہے اور اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تعلیمی سہولتوں کی توسیع کے لئے موثر اقدامات کئے ہیں۔ سوشلسٹ سماج میں ابتدائی تعلیم کو مفت بنانے کے علاوہ بچوں کی خوراک، کپڑے، کتابوں وغیرہ کے لئے امدادی تدابیر اختیار کرنا ضروری ہے اور ساتھ ساتھ معلمین کی بہتر ٹریننگ پر بھی زور دینا چاہئے۔

سائنس

۱۵۰- عبدالحق، محمد ڈاکٹر:

دنیائے سائنس سے کچھ آگے

(ہمایوں لاہور ۵۵ء، اگست ۲۷۶-۲۸۳)

کیا سائنس، خدا، حیات و ممات کے مسائل حل کر سکے گی؟ یہ سوال قائم کرنے کے بعد، متعدد مختصر عنوانات کے تحت مثلاً حواس کی فریب کاریاں، علت و معلول، مشاہدے کی میزان، سائنس کے قانون، نظریہ ممکنات یا نظریۂ اتفاقات، قدرت اور تدبیر امور پر بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ کیا مزید مشاہدہ اور ارتقا سے ذہن انسانی اس مقام کو پالے گا کہ وہ اسرار و رموز قدرت کو سمجھ سکے یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب سائنس حاضرہ نہیں دے سکتی۔

فلسفہ

۱۵۱- ڈار بشیر احمد:

عقل و عرفان

(ثقافت، لاہور ۵۵ء ستمبر ۲۳-۴۹)

ثقافت کے شمارہ مارچ ۵۵ء میں جلال الدین رومی کے اس نظریہ کی وضاحت کی گئی تھی کہ انسان کے لئے اہم ترین اپنی حقیقت کا عرفان ہے۔ مدیر طلوع اسلام نے اس نظریہ پر چند اعتراض کئے ہیں۔ ان کا جواب اپریل کے ثقافت میں شائع ہو چکا ہے "عرفان الٰہی" کے عنوان سے طلوع اسلام میں اس

پر مزید تنقید کی گئی۔ مضمون میں اسی موضوع سے متعلق قرآنی آیات اقبال اور دیگر مفکرین کے خیالات کو پیش کرتے ہوئے اس نظریہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

وفیات

۱۵۲۔ ادارہ:

نظرات

(برہان دہلی ۵۵، اگست ۲-۸)

مولانا عبدالحق مدنی اوجولائی ۵۵ء کو وفات پاگئے ان کی سیرت۔ ان کے علمی تجر، اور ان کے اخلاق پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۵۳۔ سعید احمد:

خواجہ حسن نظامی دہلوی

(برہان دہلی ۵۵ ستمبر ۱۳۰-۱۳۲)

چند روزہ علالت کے بعد کم وبیش ۷۷ سال کی عمر میں اپنے وطن دہلی میں وفات پائی۔ مرحوم بڑی عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے۔ بظاہر کمزور و لاغر اور ضعیف و منحنی انسان تھے مگر ارادہ وعمل کی قوت ان میں بے پناہ تھی۔ ان کی تعلیم اگرچہ قدیم مسلمان خاندانوں کی روایات کے مطابق تھی مگر بلند معیار کی نہیں تھی۔ ویسے اپنی اعلیٰ ذہانت اور استعداد سے انھوں نے علمی و ادبی دنیا میں بہت ہی اونچا مقام حاصل کر لیا تھا۔ معاشی زندگی کی ابتدا مزدوری سے ہوئی مگر میں فارغ البالی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ان کے حلقۂ ارادت میں کم و بیش ہر فرقہ کے لوگ شامل تھے۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ لکھنے والوں نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ خواجہ صاحب کی وفات سے ہماری پرانی تہذیب اور کلچر کا ایک بڑا استون گر گیا۔

۱۵۴۔ معین الدین شاہ ندوی:

انتقال خواجہ حسن نظامی

(معارف اعظم گڈھ ۵۵ ء اگست ۸۲-۸۳)

خواجہ حسن نظامی نے ۷۷ سال کی عمر میں انتقال کیا خواجہ صاحب جامع الحیثیات شخص تھے۔ وہ ایک خاندانی اور صاحب نسبت صوفی، صاحب طرز ادیب، ذہین و ماہر نفسیات داعی، کامیاب تاجر، غرض تنہا ایک دنیا اور دلی کی تہذیب و شرافت کی یادگار تھے۔ کچھ حالات کے تغیر اور کچھ ضعیف پیری نے آخر عمر میں خانہ نشین کر دیا تھا۔ اور وہ گمنام سے ہو گئے تھے۔

متفرقات

۱۵۵۔ تاس.

فردوسی لائبریری کی سیر

(ہندستانی ادب حیدرآباد دکن، ۵۵ ستمبر ۹۴-۹۶)

اسٹالن گراڈ کی تاجک فردوسی لائبریری کی سیر کا حال بیان کیا گیا ہے۔ یہ لائبریری دسویں گیارھویں صدی کے مشہور تاجک شاعر کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس کا افتتاح ہوئے بیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے اور اس عرصے میں اس لائبریری نے کتابوں کا کافی ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔ اس کے مستقل پڑھنے والوں میں ۱۸ سال کی عمر سے کم عمر والے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد پانچ ہزار ہے۔

۱۵۶۔ چوہدری، ایم۔ ایس:

کراچی سے یورپ اور واپسی

(ساقی کراچی ۵۵، اگست ۱۸-۲۰)

(مسلسل) اس قسط میں کویت اور عراق کا جغرافیہ اور وہاں کے حالات وغیرہ بیان کئے ہیں۔

۱۵۷۔ قطب النساء ہاشمی:

سفرناموں کی اہمیت

(شاہراہ، دہلی، ۵۵، اگست ۱۰ — ۱۵)

سفرناموں کی ثقافتی، ادبی، تعلیمی، تاریخی، جغرافیائی اور اخلاقی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں قدیم و جدید سفرناموں کے فرق کو ظاہر کیا ہے۔

۱۵۸۔ محمد اسد (لیوپولڈ)۔ مترجم۔ ادارہ

ہوا کے طوفانوں میں

(فاران کراچی ۵۵ ستمبر ۱۱ — ۱۸)

Road to Mecca مصنفہ محمد اسد کی کتاب کے چند صفحات کا ترجمہ ہے اس میں ریگستان سینا سے سفر کرتے ہوئے صحرائی مناظر، بدوی سادگی۔ اسلام کی سادگی سے جو تاثرات مرتب ہوئے ہیں انھیں ادیبانہ انداز سے پیش کیا ہے۔

تبصرے

۱۵۹۔ عبدالقوی، حکیم، دریابادی

رسالہ معارف کا سلیمان نمبر

(فروغ اردو، لکھنؤ، ۵۵، اگست ۲۱ — ۲۵)

رسالہ معارف (اعظم گڑھ) کے "سلیمان نمبر" میں چھپے ہوئے مضامین پر جکی سی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۶۰۔ معصومی، محفوظ الکریم:

بزم مملوکیہ

(برہان، دہلی ۵۵ جولائی ۴۳ — ۵۰
اگست ۴۰ — ۴۴)

مضمون نگار نے "بزم مملوکیہ" کے مولف سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے کی توجہ ان مواقع کی طرف مبذول کرائی

ہے جہاں انھیں مولف موصوف کی پیش کردہ تحقیق سے اتفاق نہیں ہو سکا۔

(۲)

بزم مملوکیہ پر تفصیلی تبصرہ کی دوسری قسط ہے اس میں مقام "نولکی" سے متعلق مصنف نے کوئی فیصلہ کن بات نہیں لکھی ہے۔

تبصرہ نگار نے متعدد شواہد سے نولکی کا صحیح مقام متعین کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولف بزم مملوکیہ نے عبدالقادر بدایونی پر اعتراض کیا ہے کہ "بلبن کے لڑکے کا نام بغراخاں بتایا گیا ہے وہ صحیح نہیں اس کا نام محمد سلطان تھا" اس اعتراض کو تبصرہ نگار نے تاریخی شواہد سے رد کیا ہے۔

اڈیٹر :- پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی

پرنٹر پبلشر :—— فضل اللہ فاروقی نے اجمل پریس پرنسس بلڈنگ ناکہ جے جے اسپتال بمبئی ۳ میں چھپوا کر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ ہارنبی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

انجمنِ اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی
کے
سلسلۂ مطبوعات کی پہلی کڑی

ولی گجراتی

از

ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی

اس کتاب میں امام غزل شاعر ولی کے سوانح حیات، وطنیت، اس کی علمی قابلیت اور بحیثیت مُصلحِ زبان ولی کی خدمات اور اجتہاد پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت دیدہ زیب

قیمت :۔ دو روپیہ چار آنے (ہندوستانی و پاکستانی سکہ) علاوہ محصول ڈاک

انجمن ترقی اُردو (پاکستان)

کی

جملہ مطبوعات اور رسائل

واحد نمائندگان برائے ہند

ٹیلیفون نمبر		تار کا پتہ
26-2886	رائیٹرس امپوریم لمیٹڈ	'WRIEMPO'

سے حاصل کی جاسکتی ہیں

انجمن کی طرف سے شائع ہونے والے اُردو کے اخبار و رسائل حسب ذیل ہیں

(۱) اُردو (سہ ماہی)
(۲) تاریخ و سیاست (سہ ماہی)
(۳) سائنس (سہ ماہی)
(۴) معاشیات (ماہنامہ)
(۵) قومی زبان (پندرہ روزہ)

Vol. 7] *January-March 1956* *[No. 1*

NAWA-e-ADAB

A QUARTERLY JOURNAL

OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Published Every

JANUARY & APRIL

JULY & OCTOBER

Annual Subscription

Inland & Pakistan: Rs. 3/- postage extra

Foreign: Shilling 8

Price each Copy: Re. 1/-

All Remittances to be made to:

The Writers' Emporium Limited

PEOPLES' BUILDING, SIR PHEROZESHAH MEHTA ROAD, BOMBAY 1.

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

شائع کردہ

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بمبئی ۱

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
کے
اغراض و مقاصد

۱۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کے طلباء کی رہبری کرنا۔

۲۔ ریسرچ کا کام کرنے والے حضرات کی ہر ممکن طریقہ پر امانت کرنا۔

۳۔ تلاش و تحقیق میں بیرونی ریسرچ اسکالرز کا ہاتھ بٹانا

۴۔ ریسرچ کا کام کرنے والے اداروں اور یونیورسٹیوں سے تعاون کرنا۔

۵۔ ایک جامع کتب خانہ قائم کرنا۔

۶۔ مختلف کتب خانوں کی فہرستیں مرتب کرنا۔

۷۔ نایاب مخطوطات و مطبوعات حاصل کرنا اور انھیں شائع کرنے کا انتظام کرنا۔

۸۔ ادارہ کی طرف سے ایک سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

جو خالص علمی اور ادبی رسالہ ہوگا۔

اس میں اُردو زبان و ادب کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہوگی۔

اس رسالہ میں گجرات و دکن سے متعلق اُردو کے ابتدائی کارنامے جو اب تک شائع نہیں ہوئے انھیں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اُردو سے متعلق ریسرچ کا کام اس کے ذریعہ برسرِ عام لایا جائے گا۔

رسالہ کا حجم کم از کم ۹۶ صفحات ہوگا۔

رسالہ ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوگا۔

نوائے ادب

ایڈیٹر۔ نجیب اشرف ندوی

چندہ سالانہ .... چار روپیے
" ششماہی .... دو روپیے آٹھ آنے

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ

خریداری و ترسیل زر کا پتہ

ہندوستان میں:۔
رائیٹرس امپوریم پرائیوٹ لمیٹڈ
پیلیس بلڈنگ، سرفیروز شاہ مہتہ روڈ بمبئی ۱

پاکستان میں:۔
پوسٹ بکس نمبر ۹۴ کراچی ۱

جلد ۷ شمارہ ۲

اپریل ۱۹۵۶ء

فہرست مضامین

شذرات

یہ عجیب حسن اتفاق ہے کہ جب نوائے ادب کے جنوری نمبر میں اردو رسم خط، املا اور طباعت سے متعلق اظہار خیال کیا جا رہا تھا تو شمالی ہند کے دو اہم مرکزوں میں بھی اس مسئلہ پر غور و فکر کے لئے عملی قدم بڑھایا جا رہا تھا۔ کرنول میں اسلامیہ عربی کالج کے جشن الماسی کے سلسلہ میں جو اردو کنونشن ہوا تھا اس میں افضل العلما جناب ڈاکٹر محمد عبدالحق بالقابہ کی زیر صدارت پانچ ارکان کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو اردو سے متعلق مسائل کا عملی حل معلوم کرنے کے ساتھ رسم خط، املا وغیرہ کی اصلاح پر بھی غور کرے گی۔

اسی زمانہ میں حیدر آباد کی انجمن ترقی اردو نے بھی انھی مسائل پر غور کرنے کے لئے ایک کل ہند کانفرنس کی تحریک شروع کی۔ گوشہ گوشہ سے اس کی ہمت افزائی ہوئی اور اب یہ کانفرنس ۱۸ سے ۲۰ مئی تک حیدر آباد میں ہوگی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس وقت رسم خط، املا کی اصلاح کی ضرورت اور طباعت کے سلسلہ میں ٹائپ کی ترویج نے خاصی اہمیت حاصل کر لی ہے اور ضرورت ہے کہ ان مسائل کے تجربہ کار ماہرین کے مشوروں کی روشنی میں منظم طور سے وسیع پیمانہ پر کام شروع کر دیا جائے۔ خوش قسمتی سے اس وقت ہمارے یہاں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی اور جناب سجاد مرزا جیسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ان مسئلوں پر غور و تجربہ میں صرف کیا ہے۔ ان سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

حیدر آباد اس وقت بھی علمی و ادبی حیثیت سے ہندوستان میں اردو کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ وہاں کی انجمن ترقی اردو ایک عملی قسم کی انجمن ہے۔ اس کا تعمیر کیا ہوا اردو ہال جس کا افتتاح ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے فرمایا تھا، عملی کارناموں میں ایک نہایت اہم جگہ رکھتا ہے۔ اس انجمن کی کوششوں سے حیدر آباد کی بزم ادب میں ہمیشہ زندگی کی رو دوڑتی رہتی ہے۔ اس شہر کا دوسرا ممتاز ادارہ، ادارۂ ادبیات اردو، اردو ادب کی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے بڑی جد و جہد اور کاوش سے اردو کی قدیم کتابوں کو جمع کرکے ایک بے مثل تحقیقاتی مرکز ہی نہیں قائم کیا ہے بلکہ ان کی مفصل فہرست دو جلدوں میں مرتب کرکے ایک علمی خدمت بھی انجام دی ہے پھر اس کی شائع کردہ کتابوں کی تعداد بھی بہت بڑی ہے۔ یہ ادارہ بھی ایک عمارت تعمیر کر رہا

ہے۔ اس کی تعمیر اس ڈھنگ پر ہو رہی ہے کہ اگر ایک طرف اہل علم و ادب اس میں بیٹھ کر ادبی و لسانی تحقیقات میں مشغول رہیں گے تو دوسری طرف باہر سے آنے والے فضلا اس میں قیام کر سکیں گے اور اپنی تحقیقات کو مکمل کریں گے ضرورت ہے کہ دوسرے شہروں کی انجمنیں بھی اس قسم کے عملی کام کرنے کی کوشش کریں۔

انجمن ترقی اردو (ہند) ہندوستان میں اردو زبان کی سب سے اہم انجمن اور اس کی سب سے بڑی محافظ ہے۔ اس کے سابق سکریٹری مولوی عبدالحق نے اس انجمن کے ذریعہ اردو کو مٹنے سے بچانے اور اسے زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے کی بہت کوشش کی۔ ان کے دور نظامت میں ایسی کتابیں بھی شائع ہوئیں جو کمیت و کیفیت دونوں لحاظ سے اہمیت رکھتی ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد قاضی عبد الغفار مرحوم اس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ ان کے زمانہ میں حالات بد سے بدتر ہو چکے تھے لیکن انھوں نے بھی اپنی کوششوں اور اثر و رسوخ سے اردو کے تحفظ و اشاعت کے سلسلہ میں کچھ کام کئے۔ مرحوم کے انتقال کے بعد اب اردو کے مشہور نقاد آل احمد سرور کو اس انجمن کا سکریٹری مقرر کیا گیا ہے۔ سرور صاحب کا تعلق ایک رکن کی حیثیت سے اس انجمن سے بہت پرانا ہے۔ انھیں اردو زبان سے بہت لگاؤ ہے اور وہ بڑی سنجیدہ اور متوازن شخصیت کے حامل ہیں۔ اس لئے ہمیں یقین ہے کہ انجمن ان کی نظامت میں اس تاریک دور میں اردو کی حفاظ و بقا کے لئے مفید کام کرے گی۔ ادھر کچھ عرصہ سے انجمن کی مطبوعات کا وہ معیار برقرار نہیں رہا جو پہلے تھا۔ امید ہے کہ سرور صاحب اس طرف بھی توجہ فرمائیں گے۔

اردو داں طبقہ کے لئے یہ خبر مسرت کا باعث ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اردو زبان و ادب کی تحقیق کے لئے ایک شعبہ کھولا گیا ہے جس کے ڈائرکٹر ہمارے فاضل دوست پروفیسر آل احمد سرور مقرر ہوئے ہیں۔ یہ ادارہ فی الحال غالبیات کا کام کرے گا۔ خدا کرے علی گڑھ کا یہ ادارہ بھی ہمارے لئے مشعل راہ کا کام انجام دے۔

کچھ عرصہ پہلے ہم نے نوائے ادب کے ذریعہ اپیل کی تھی کہ اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو قلمی کتابیں عطیہ کے طور پر مرحمت کی جائیں تاکہ اس کے کتب خانہ میں مخطوطات کا اضافہ ہو اور ریسرچ کے کام میں آسانی ہو۔ اس اپیل کے جواب میں ہمارے شہر کے علم دوست تاجر جناب محمد ابراہیم موتی والا صاحب

نے کچھ کتابیں ہمارے پاس بھیجی ہیں۔ یہ کتابیں عربی و فارسی کی ہیں اور ان کا تعلق مذہبیات سے ہے۔ ہم کو ان کتابوں کے علاوہ اردو اور اردو سے متعلق مخطوطات کی زیادہ ضرورت ہے، امید کہ ہماری یہ درخواست رائیگاں نہیں جائے گی اور ہم بہت جلد یہ اعلان کرسکیں گے کہ ہمارے یہاں بھی اردو مخطوطات کا اچھا ذخیرہ ہے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی اور غریب طبقہ کے ہندوستانیوں کی سماجی حالت کو سدھارنے میں جن ممتاز اخباروں نے حصہ لیا ان میں گاندھی جی کا ہریجن ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔ گاندھی جی کی زندگی میں ہزاروں کی تعداد میں اس کی اشاعت ہوتی تھی اور مختلف زبانوں میں اس کے اڈیشن نکلتے تھے۔ گاندھی جی کی زندگی کے آخری دنوں میں اس کا اردو اڈیشن بھی نکلنے لگا تھا لیکن ان کی وفات کے بعد اردو اڈیشن بند کر دیا گیا اس لئے کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد ہی سے اردو کی سخت مخالفت شروع ہوگئی اور اسے مٹانے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کچھ زیادہ تعجب کی بات نہ تھی۔ تعجب تو اس بات پر ہے کہ اب اصلی ہریجن یعنی انگریزی اڈیشن کو بھی بند کر دیا گیا۔ ہریجن کا یہ حشر اپنے اندر بڑا درس بصیرت رکھتا ہے۔

یہ دور اردو کے لئے بڑی آزمائش کا دور ہے۔ ایک طرف مخالفین اسے مٹانے پر تلے ہوئے ہیں اور دوسری طرف اس کے حفظ و بقا کے لئے کوشش کرنے والے بزرگ ایک ایک کرکے دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں۔ قاضی عبدالغفار کی وفات سے بزم اردو میں ایک اور اہم جگہ خالی ہوگئی۔ ان کی موت صرف ایک فرد کی موت نہیں بلکہ ایک انجمن کی موت ہے۔

قاضی صاحب مرحوم کا وطن مراد آباد تھا۔ اعلا تعلیم ایم، اے، او کالج علی گڑھ میں پائی۔ محمد علی مرحوم کی مقناطیسی شخصیت نے انھیں ہمدرد تک پہنچایا اور یہیں سے ان کی صحافتی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے۔ جس کا سلسلہ ان کی زندگی کے آخری لمحہ تک قائم رہا۔ خلافت اور ترک موالات کی تحریکوں میں بھی مرحوم نے سرگرم حصہ لیا۔ لیکن ان کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ان کی ادبی خدمات ہیں۔ زندگی کے آخری دور میں ان کی صحت کچھ اچھی نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان کی ہمت میں فرق نہ آیا اور جب وہ انجمن ترقی اردو کے سکریٹری مقرر ہوئے تو جوانانہ عزم کے ساتھ انجمن کی خدمت کی۔ سارے ہندوستان میں شاخوں کی نئے سرے سے تنظیم کی اور ان میں ایک نئی زندگی پیدا کی۔ یوپی میں اردو کو علاقائی زبان منوانے کی جو تحریک اٹھی تھی اس میں مرحوم نے بہت

شاید یہ کہنا بجا ہو بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انھی کی رہبری میں یہ تحریک آگے بڑھی۔

قاضی صاحب مرحوم سب سے پہلے ادیب ہیں جنھوں نے اردو ادب میں ترقی پسند عناصر کو شامل کیا۔ ترقی پسند تحریک شروع ہونے سے بہت پہلے وہ لیلا کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری لکھ چکے تھے۔ یہ دونوں کتابیں اردو زبان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انھوں نے چند مختصر افسانے بھی لکھے۔ آثار جمال الدین افغانی اور حیات اجمل ترتیب دی۔ یہ دونوں کتابیں اردو ادب میں ایک خوش گوار اضافہ ہیں۔ عجیب، اس نے کہا اور سیب کا درخت اگرچہ ترجمہ ہیں لیکن قاضی صاحب کی مخصوص انشا پردازی کی شگفتگی اور دل کشی ان میں بھی موجود ہے۔ نقش فرنگ ان کے سفر یورپ کی ایک عمدہ یادگار ہے۔

قاضی صاحب صحیفہ نگاری میں محمد علی مرحوم کے شاگرد تھے اور انشا پردازی میں یلدرم سے متاثر ہوئے۔ مگر آگے چل کر انھوں نے ایک نیا اسلوب اختیار کیا اور صاحب طرز ادیب کہلائے۔ ان کی انشا میں شگفتگی بیان کے ساتھ طنز کے ہلکے ہلکے اشارے بھی پائے جاتے ہیں۔

قاضی صاحب کی شخصیت بڑی دل کش تھی۔ بات بہت مہذب اور شستہ انداز میں کرتے تھے۔ افسوس کہ مشرقی تہذیب کے یہ نمونے اب بہت کم رہ گئے ہیں۔

آزاد بحیثیت محقق

از قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹرایٹ لا (پٹنہ)

(۱)

اکثریت آزاد کی نثاری کی معترف ہے، مگر یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ وہ تحقیق کے مرد میدان تھے اقلیت مُصر ہے کہ وہ صرف ایک بڑے انشا پرداز ہی نہیں، ایک بڑے محقق بھی تھے۔ اس مقالے میں جو بہ اقساط شائع ہوگا یہ دکھلانے کی کوشش کی جائے گی کہ حق کس کی طرف ہے۔ یہ دعوٰی نہیں کہ کل مطالب نئے ہیں، اور اس کا اقرار ہے کہ ان کی ترتیب بہتر ہو سکتی تھی۔

آب حیات۔ الف کے جس نسخے کے صفحوں کے حوالے دیے گئے ہیں، وہ مطبوعہ ۱۹۱۷ء ہے۔ لیکن ایسے مقامات کا جن میں چھاپے کی غلطی کا احتمال ہو سکتا تھا نسخۂ مطبوعہ ۱۸۹۶ء سے مقابلہ کر لیا گیا ہے۔ آزاد نے اشعار کو غلط طور پر جو منسوب کیا ہے، اس کا ذکر مجملاً کیا گیا ہے۔ تفاصیل "آوارہ گرد اشعار" میں ملیں گے۔ 'انجمن' سے انجمن ترقی اردو 'م' سے کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ 'ق' سے ورق اور 'نول' سے نولکشور مراد ہے۔

---

(۱) خالق باری کو امیر خسرو سے منسوب کیا ہے اور بی چھجو (ساقی) کی زبان سے کہا ہے: "بھٹیاری کے لڑکے کے لیے خالق باری لکھ دی، خدا بندوں کے نام پر کچھ لکھ دو گے تو کیا ہوگا۔" الف ص ۲۶ خالق باری جیسا کہ شیرانی کی تحقیقات نے قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے، امیر خسرو سے کچھ تعلق نہیں رکھتی۔ آزاد کے زمانے میں یہ بات کہ امیر خسرو اس کے مصنف ہیں، شہرت عام رکھتی تھی اس لیے آزاد سے یاد رکھنے کے لیے زیادہ مقابل الزام نہیں لیکن بھٹیاری والی حکایت خود ان کی بنائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) خسرو دبی چھجو کے یہاں حقہ پیا کرتے تھے الف ص ۲۶۔ چونکہ خسرو کے زمانے میں ہندوستان میں تمباکو پیا جانا عام طور پر معلوم ہے حقے سے کچھ دوسرا حقہ آزاد کو اس کی وضاحت کرنی تھی۔

(۳) [illegible] عہد شاہ جہاں و عالمگیر کا آخری زمانہ ہوگا الف ص ۹۳۔ ولی کا سال ولادت نامعلوم ہے۔

گر اس میں خبر کی کوئی نقل نہیں کہ ان کی وفات ۱۱۵۵ھ میں ہوئی ہے (رجوع بہ ولی گجراتی مصنفہ جناب ڈاکٹر سید ظہیر الدین صاحب مدنی ص۷۰)۔ عالمگیر ۱۱۱۸ھ میں فوت ہوا ہے۔ آزاد کا قول صریحاً غلط ہے۔

(۴) ولی کا رسالہ نور المعرفت تصوف میں ہے الف ص۹۳۔ یہ رسالہ چند سال ہوئے طبع ہو چکا ہے، اس کا موضوع تصوف نہیں۔

(۵) دل ولی کا لے لیا دلی نے چھین جا کہو کوئی محمد شاہ سوں

الف ص۱۱ میں ہے کہ ولی "کبھی کبھی.. حافظ کی طرح بادشاہ وقت کے نام سے.. شعر کو شان و شکوہ دیتے تھے.. ولی کی تصنیفات میں سے ایک غزل میں کہتے ہیں: دل ولی الخ" ولی کی وفات ۱۱۱۹ھ میں ہوئی تھی، تو ظاہر ہے کہ اس کے کسی شعر میں محمد شاہ کا نام نہیں آسکتا، اس لیے کہ اس کا سال جلوس ۱۱۳۱ھ ہے۔ شعر کا مصرع یوں ہے: "اس گدا کا دل لیا دلی نے چھین" اور یہ مضمون کا ہے (گلشن گفتار ص۱۱ چمنستان شعراء ص۳۰۵)

(۶) از زلف سیاہ تو بدل دھوم پڑی ہے درخانۂ آئینہ گھٹا جھوم پڑی ہے

الف میں ہے کہ انشا کی دریائے لطافت میں امید کی طرف منسوب ہے ص۱۲۲ یہ غلط محض ہے، انشا نے اسے طرعت کے نام سے لکھا ہے (دریائے لطافت انجمن ص۳۲۵ و دیگر نسخ)

(۷) فغاں کہ آرست جو پرخرد قلقل ذرا دے گا ہے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

الف ص۱۲۲ میں بنام آرزو، لیکن کلیات میر مرتبۂ آسی ص۸۰ میں ہے، اور نکات الشعراء ص۱۵۶ گلزار ابراہیم ص، مجموعۂ نغز ۲ ص۲۳۲ تذکرۂ حسن ص۱۷۵ اس کے مصدق ہیں۔

(۸) سراج الدین علی خاں آرزو نے قاضی القضات کا عہدہ دربار شاہی سے حاصل کیا، الف ص۱۲۲۔ آرزو کا عہدۂ قضا سے سروکار نہیں رہا۔ مولانا کے ایک بزرگ جن کا لقب سراج الدین علی خاں تھا، کلکتہ میں قاضی القضات تھے، آزاد نے آرزو کو قاضی القضات بنا دیا۔

(۹) مضمون اپنے استاد آرزو سے عمر میں بڑے تھے الف ص۱۲۱، یہ محض از قیاس ہے اور اس کا ثبوت موجود نہیں۔

(۱۰) الف ص۱۲۵: "جد مرحوم ایک اُردو کا شعر ان (مظہر) کے نام سے پڑھا کرتے تھے،

یوں تو سنی ہے علی کا ہے دل سے دوستدار خواہ ایرانی کہو تم خواہ تورانی مجھے

یہ شعر موجودہ کے مطلع ذیل سے جو دیوان دوم میں ہے (تفصیل معیار پٹنہ شمارۂ ۳ ص۱۹۵) بہت مشابہ ہے اور غالباً اسی کی تبدیل شدہ صورت:

اللہ تو سنی ہے علی سے دوستی جانی مجھے خواہ ایرانی کہو اور خواہ تورانی مجھے

(۱۱) "اس قتل کا سبب مشہور ہے کہ ... [illegible] (یعنی مظہر) حضرت [illegible] پر ..
مریدوں کو لیے بیٹھے تھے .. شاید ظریفوں نے کچھ طعن و تعریض کیے ہوں، ہر کسی جاہل کو ناگوار
ہوئے۔ ان میں کوئی سنگ دل، خونخوار، تمام حقیقت حال تھا، اس نے یہ حرکت کی، لیکن حکیم .. قاسم نے
تذکرے میں لکھا ہے کہ مرزا .. اپنے کلام میں اکثر اشعار حضرت علی کی مذمت میں کہا کرتے تھے، اس پر
کوئی کسی سنی نے یہ حرکت کی:

گرد مظہر لطافتے و رفت بجاک — نجات خود قبولاے بوتراب گذاشت

عبارت حاشیہ: "عجب مشکل ہے۔ حکیم صاحب .. خوش اعتقاد سنت جماعت تھے، وہ
کہتے ہیں سنی نے مارا، لوگ کہتے ہیں شیعہ نے مارا۔ خیر سنی شیعہ آپس میں سمجھ لیں۔ میرا کام اتنا ہی تھا
جو کچھ پایا کاغذ کے حوالے کیا" الف ص۱۴۳

آزاد جو کچھ پاتے اسے حوالۂ کاغذ کرتے تو اس سے کیا بہتر تھا، لیکن جیسا کہ شیرانی نے دیباچہ
مجموعۂ نغز میں لکھا ہے، قاسم کا "منشا بالکل برعکس ہے" قاسم کی عبارت یہ ہے "قاتلے ناحق
بخاص در ایام .. عاشورہ بہ تعصب مذہب بے تحقیقت کار، تا بردہ کردے تزئیق حب جناب
مرتضوی بود، چنانچہ بعضے اشعار آبدار شخاصہ ایں بیت: "گرد مظہر الخ" بر بیگناہیش گواہی دہ
(کذا)، بیگناہ شہید ساختہ" (مجموعۂ نغز ۲ ص۱۹۹) اس عبارت کا مطلب اس کے سوا نہیں
ہو سکتا کہ قاتل بے سبب مظہر کو حضرت علی کا دشمن سمجھتا تھا۔ آزاد نے مظہر کے جو اشعار مدحیہ نقل
کئے ہیں، وہ کسی متعصب سنی کی نظر میں بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتے، چہ جائیکہ ان کی وجہ سے، یا
ایسے ہی دوسرے اشعار کی بناء پر کوئی سنی انھیں گردن زدنی قرار دے۔ آزاد کے دفاع میں یہ
نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے حافظے نے دھوکا دیا، مجموعۂ نغز کا ایک نسخہ خود ان کے پاس تھا اور وہ جب
چاہتے اس کی طرف رجوع کر سکتے تھے۔ آزاد کا نسخہ اب بھی کتب خانۂ دانشگاہ پنجاب میں موجود ہے۔

(۱۲) "افسوس ہے اہل وطن کے خیالات پر جو یوں نے .. ار بریے اعتقاد آخر میں ایک فقرہ اور بڑھایا یعنی قاتل
ہم جماعت [illegible] ہو کہ [illegible] جاں سپردند۔ یا شاید ایسا ہی ہو، عالم الغیب خدا ہے" الف ص۱۴۳۔ اگر
آزاد اسے غلط نہیں سمجھتے کہ مظہر کے قتل میں ان کی حسن پرستی کو دخل تھا تو اظہار افسوس کی وجہ سمجھ میں نہ آتی؟
لیکن سوال یہ ہے کہ عبارت مذکور جو اس طرح چھپ گئی ہے کہ گویا کسی دوسرے شخص کی تحریر سے نقل
[illegible] کس نے لکھی ہے [illegible] آب حیات کے [illegible] نہیں ملی۔ "ار بریے
اعتقاد" خاص طور پر شایان التفات ہے، آزاد یہ الفاظ اس [illegible]
[illegible]

(۱۳) سودا کا ایک قطعہ (الف ص۱۳۳) اور کلیات کے بعض قلمی نسخوں میں ہے، جس میں مظہر کے اطلاع کی نسبت کہا گیا ہے کہ "کتاب ہے دعویٰ منکر کرامات کا" آزاد کہتے ہیں کہ "نکتہ اس میں یہ ہے کہ مرزا صاحب نے ایک دعویٰ منکر میں ذال رکھی تھی" میرزا مظہر شاعری نہیں، صوفی بھی تھے، اور بہتوں کو ان سے عقیدت تھی اور ہے۔ ایسے شخص کے متعلق ایسی بات کسی سند کے بغیر درج کتاب کرنا کسی طرح لائق ستائش نہیں۔

(۱۴) عالمگیر نے جان جاناں نام رکھا (الف ص۱۳۵)۔ اس سے قطع نظر کہ عالمگیر نے نام رکھا یا نہیں، صحیح نام جان جاں ہے اور یہ مسلمات سے ہے (نکات الشعرا ص۸۳، و دیگر کتب) اگر اصلی نام کی جگہ غلط نام ان کے زمانے میں مشہور بھی ہو گیا تھا، تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو سکتا ہے کہ ولادت کے وقت یہی نام رکھا گیا تھا۔

(۱۵) حاتم "۹۶ برس کی عمر میں ماہ رمضان ۱۲۰۷ھ میں... فوت ہوئے.. مگر مصحفی نے تذکرۂ فارسی میں لکھا ہے کہ ۱۱۹۷ھ میں فوت ہوئے اور ۸۳ برس کی عمر پائی (الف ص۱۱۹) مصحفی نے ۱۱۹۶ھ لکھا ہے نہیں "یک ہزار و نود و ہفت" لکھا ہے ص۲۳ اور ان کا نکالا ہوا مادۂ تاریخ: "آہ صد حیف شاہ حاتم مرد" بھی اسی پر مشعر ہے (عقد ثریا ص۲۴)

(۱۶) آزاد باوجود اس کے کہ مصحفی کا قول ان کے سامنے ہے (اور انھوں نے عقد ثریا کو غور سے پڑھا تھا تو انھیں یہ معلوم ہو گا کہ مصحفی سال ولادت حاتم سے بے خبر نہ تھے اور ان کی وفات کے وقت دہلی میں موجود تھے) ۱۱۹۷ھ پر ۱۲۰۷ھ کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ ظاہراً اس کی کوئی سند ان کے پاس نہیں۔ صحیح وہی ہے جو مصحفی نے لکھا ہے، اس کی بحث معاصر ۲ ص۲۰ میں ملاحظہ ہو۔

(۱۷) سودا کے والد "میرزا یا ان کا بل سے تھے" (الف ص۱۴۸)، یہ بعض تذکروں میں ہے، لیکن کسی ایسے تذکرے میں جس کا مصنف سودا سے اچھی طرح واقف ہے، نہیں ملتی۔ سودا کابلی مغل ہوتے تو ہاتف کے باپ کے متعلق یہ نہ کہتے: "دو خرمن اگر مغل کوئی ہوگا تو کابلی" (کلیات اشاعت آسی ص۱۱۱) صاحب باغ معانی (نسخۂ م) جس کے سودا سے ذاتی تعلقات تھے لکھتا ہے کہ "اصلش از بخارا است یکے از اجدادش بہ ہندوستان آمدہ در.. دہلی.. توطن اختیار نمود" (معاصر ۲ ص۱۱)

(۱۸) سودا کے والد "بطریق تجارت وارد ہند ہوئے" (الف ص۱۴۹) اس کی تردید باغ معانی کی اس عبارت سے ہوتی ہے جو ۱۷ میں نقل ہوئی ہے

(۱۹) سودا ۱۱۲۵ھ میں پیدا (الف ص۱۴۸)، اس سے اس موقع پر بحث منظور نہیں) اور یہ تقریباً ۷۰ سال ۱۱۹۵ھ میں ... ص۱۵۰، لیکن ص۱۳۶ میں عمر ۷۵ برس، تضاد صریح ہے سودا کی نشانی مقصود ہے۔

(۲۰) نہ بھول اے آرسی گر یار کو تجھ سے محبت ہے نہیں ہے اعتبار اس کا یہ منہ دیکھے کی الفت ہے

(الف ص۳۹۳ میں بنام سودا اور یہی ٹھیک ہے (کلیات ص۱۹۳) لیکن ص۱۱۱ میں بنام میر

(۲۱) بگولے سے جسے آسیب ادور ہے ہم گشتہ ہیں — ہماری خاک یوں برباد ہے اے ابر رحمت ہے

تاہم یہ شاگرد ذوقی کا مطلع ہے اور گلزار ابراہیم (نسخہ دوم) کے از آخذ آزاد اور تذکرۂ عشقی عظیم آبادی (نسخۂ راقم دونوں میں "ہم ساد ہو" کی جگہ "اڑتی پھرے" ہے۔ آزاد نے اسے الف ص۱۲۶ میں سودا اور ص۲۹۴ میں میر کے نام سے لکھا ہے۔

(۲۲) وے صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں — اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

الف ص۳۳ میں بنام سودا، اور مطبوعہ کلیات سودا ص۱۰۹ میں پوری غزل موجود ہے، لیکن، لیکن یہ ایک نہایت نامعتبر خطی نسخے پر مبنی ہے، قابل اعتبار نسخے اس سے خالی ہیں۔ تذکرۂ حسن ص۱۲۶ و گلزار ابراہیم وغیرہ میں شیدا، شاگرد سودا کے نام سے ہے اور کوئی معقول وجہ اس کی نہیں کہ وہ اس کا مصنف نہ سمجھا جائے۔

(۲۳) قائم سودا کے شاگرد ہونے کے بعد ان سے پھرے، سودا نے انھیں ٹھیک کیا الف ص۱۵۶ فوقی کی جو ہجو کلیات سودا میں ہے، قاسم کے قول کے مطابق در اصل قائم کی ہجو ہے (کلیات کے بعض خطی نسخوں کے عنوان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے)، لیکن، نہ ہجو سے اس کا پتا چلتا ہے اور نہ آزاد کے سوا کسی اور نے یہ لکھا ہے کہ قائم استاد سے برگشتہ ہو گئے تھے، اس لیے استاد نے ہجو کہی — قرین قیاس یہ ہے کہ یہ سلسلۂ تلمذ پیدا ہونے سے قبل کی ہو۔

(۲۴) برابری کا تری گل نے جب خیال کیا — صبا نے مار طمانچے منہ اس کا لال کیا

الف ص۱۶۷ میں بنام سودا، لیکن اس کا ثبوت موجود نہیں۔ تذکرۂ قدرت اللہ، شوقی میں یہ مطلع فتح چند، ممنون کے نام سے ہے اور بعض مجموعوں میں پوری غزل حیدری کی طرف منسوب ہے۔

(۲۵) سودا ۱۱۸۵ھ میں لکھنؤ پہنچے، نواب شجاع الدولہ کی ملازمت حاصل کی" الف ص۱۵۱ اس زمانے میں اودھ کا دارالحکومت فیض آباد تھا، اسے چھوڑ کر لکھنؤ جانا خارج از بحث ہے۔ زمانے سے دوسری جگہ بحث کی جائے گی۔

(۲۶) تو فخر زمانہ و نے ساقط از دو — گو ہیچ بہاں داری و نے ساقط از دو
ہر روز و شبے من از خدا می طلبم — مرکب دہ و ہے ... کہ بے ساقط از دو

یہ رباعی جس کا مصنف نامعلوم ہے "تذکرۂ تقی کاشی کی اس جلد میں ہے جو موم میں ہے و ۳۲۸۔ یہ یہ تذکرہ گیارھویں صدی ہجری کے نصف اول میں مکمل ہوا اور جس کا خطی نسخہ اسی زمانے کا معلوم ہوتا ہے۔ آزاد نے الف ص۱۶۳ میں لکھا ہے کہ سودا نے یہ رباعی کہیں کی ہجو میں آصف الدولہ کے سامنے

فالبیہ یہ ہے کہ اس میں الفاظ کسی قدر مختلف ہیں۔

(۲۷) رشتہ رہا زمیں پہ دم شام رہ گیا — مردوں کا آسماں کے تلے جمگھٹا لگا

الف ص۱۳۲ میں بنام سودا اور پوری غزل کلیات سودا مطبوعہ ص۲۶۳ میں ہے، لیکن اس غزل کا نسخہ اس سے خالی ہیں۔ گلزار ابراہیم میں سوز کے نام سے ہے اور مکمل غزل دیوان سوز کے دو نسخوں میں جو کتب علی حیدر دنسوا کو (قلم) میں میری نظر سے گزری ہے۔

(۲۸) کعبہ اگرچہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ — کچھ قصر دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا

الف ص۱۳۷ میں بنام سودا اور کلیات مطبوعہ ص۳۱ میں اسی طرح۔ لیکن قائم کا شعر (بہ تبدیل بعض الفاظ) ہے جو دیوان قائم نسخۂ انڈیا آفس لندن اور تذکرۂ قائم ص۹۵ میں موجود ہے۔

(۲۹) مرزا سودا کا لڑکپن تھا اور "میر جعفر زٹلی" کا بڑھاپا۔ "ایک دن شام کے قریب میر موصوف ایک سبز رنگ جریب ٹیکتے، ٹہلنے کو باہر نکلے۔ مرزا بغل میں کتابوں کا جزدان لیے سامنے سے آتے تھے۔ جھک کر سلام کیا، انھوں نے خوش ہو کر دعا دی چونکہ کمسنی میں مرزا کی موزونی طبع کا چرچا تھا، میر صاحب کچھ باتیں کرنے لگے، مرزا ساتھ ہو لیے۔ انھوں نے کہا۔۔ ایک مصرع پر مصرع تو لگاؤ۔ "لالہ در باغ داغ چوں دارد" مرزا نے سوچ کر کہا۔۔ "سر کوتاہ ست غم فزوں دارد" میر صاحب نے فرمایا، واہ۔۔ دن بھر کے بھوکے تھے، دکھا گئے۔ مرزا نے پھر کہا۔۔ "از غم عشق سینہ خوں دارد" میر صاحب نے فرمایا۔۔ دل خون ہوتا ہے، جگر خون ہوتا ہے، بھلا، سینہ کیا خون ہوگا! سینہ پر زخم ہو گئے۔ مرزا نے پھر ذرا فکر کیا اور کہا۔۔ "چہ کند سوزش درون دارد" میر صاحب نے کہا۔۔ ٹھیک ہے، لیکن طبیعت پر ذرا زور دے کر کہو۔ مرزا دق ہو گئے تھے، جھٹ کہہ دیا۔۔ "یک عصا سبز زیر کون دارد" میر جعفر ہنس پڑے اور جریب اٹھا کر کہا کیوں ہم سے بھی؟ دیکھو کون لگا تیرے باپ سے۔ بازی بازی باریش بابا ہم بازی، میرزا لڑکے تو تھے ہی، بھاگ گئے" الف ص۱۴۹۔

تذکرۂ میر حسن جلد ۵ میں ہے کہ میر جعفر زٹلی بیدل کے یہاں گئے وہ فکر سخن میں تھے، انکسار دیکھنے، انھیں معلوم ہوا کہ بیدل "لالہ بر سینہ داغ" پر مصرع لگانا چاہتے ہیں تو بولے کہ تامل کیا ہے "عصا سبز زیر۔۔ دارد"۔ انشاء نورتن مطبوعہ نول ص۱۰۶ میں ہے کہ اکبر نے "لالہ داغ" کہا اور بیربل نے یہ مصرع لگایا "سر کوتاہ غم فزوں دارد" لطائف مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی مرحوم کی کسی جلد میں اس میں یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ بیربل نے تیسرا مصرع: "چونکہ سر زیر کیا ۔۔ ہے" "یک عصا" اس کی جگہ ہے کتاب اس وقت پیش نظر نہیں۔ آزاد کی حکایت اختراعی ہے۔

(۳۰) ضیا کشمیری استاد کیں الف ص۱۴۹، انہیں الاجا معتوز انیس ترجم د ۵۰۰ء، وغیرہ [illegible]

جنگ عہد محمد شاہ میں حسب طلب ہندوستان آئے۔ ان کا تخلص اکسیر تھا۔

(۴۱) فدوی نے "احمد شاہ کی تعریف میں قصیدہ کہا تو بادشاہ نے ہزار روپیہ نقد اور گھوڑا اور تلوار انعام دی" الف ص۱۶۵۔ فدوی کا دہلی جانا ہی ثابت نہیں، قصیدہ خوانی کا کیا سوال ہے۔ اس امر کا بھی کہ کسی اور جگہ قصیدہ پڑھا، ثبوت موجود نہیں۔

(۴۲) فدوی کو اخیر میں لکھنؤ جانا پڑا الف ص۱۶۵۔ سودا و فدوی کا جھگڑا فرخ آباد میں ہوا، ان کا لکھنؤ جانا مطلقاً ثابت نہیں۔

(۴۳) عندلیب کا رسالہ "نالۂ عندلیب" الف ص۱۸۲، اس کا خطی نسخہ بڑی تقطیع کے ۱۷۱۰ صفحات میں ہے اور سطرہ ۲ سطروں کا ہے و ۳ کی ایک سطر کی عبارت یہ ہے: "برائے شکار شیر و پیدا دیان گر دین کیفیت و ماہیت ہنر مندی و سوار کاری و تیر اندازی آں یار دلیر و بیان حقیقت افتادن شاہ باکمال و" یہ کتاب چھپ بھی گئی ہے۔ اسے آزاد ہی "رسالہ" کہہ سکتے ہیں۔

(۴۴) اشرف علی خاں نے شعر کے اشعار کا انتخاب کیا الف ص۱۶۵۔ اشرف علی خاں نے شعرائے فارسی کا تذکرہ لکھا تھا، ناقص خطی نسخہ رامپور میں موجود ہے۔ سودا نے بھی اسے تذکرہ ہی بتایا ہے۔

(۴۵) معتبر لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ جب گنا بیگم، دختر قزلباش خاں، امید کے حسن و جمال.. اور موزونی طبع کی شہرت ہوئی" الف ص۲۹۴۔ گنا بیگم بارھویں صدی ہجری کے نصف آخر کی بہت ہی مشہور عورت ہے اور علی قلی خاں شش انگشتی متخلص بہ والہ کی بیٹی تھی، یہ بات مجموعۂ نغز ۲ ص۱۶۳ میں بھی ہے، مگر آزاد نے اس پر اعتماد نہ کیا اور زبانی روایت پر بھروسا کیا۔

(۴۶) دلہن بیگم ایک سیدزادی تھیں جنھیں محمد شاہ نے "بنظر ثواب خود بیٹی کرکے پالا تھا" یہ شجاع الدولہ کی بیاہتا بیوی اور آصف الدولہ کی ماں تھیں الف ص۲۹۴۔ دلہن بیگم آصف الدولہ کی ماں نہیں بیاہتا بیوی کا لقب تھا اور یہ قمر الدین خاں وزیر محمد شاہ کی پوتی تھیں۔ ان کا حال اودھ کی تاریخیں میں ملتا ہے۔ شجاع الدولہ کی بیاہتا بیوی کا لقب بہو بیگم اور اصلی نام امۃ الزہرا بیگم تھا، یہ موتمن الدولہ محمد اسحٰق خاں کی بیٹی تھیں اور محمد شاہ کے لے پالک نہ تھیں۔ یہ بھی مسلمات سے ہے کہ موتمن الدولہ سید نہ تھے۔ (تواریخ اودھ از کمال الدین حیدر ص۱۹۵ وغیرہ)

(۴۷) ترجمۂ سودا الف ص۱۹۹: "یہ قطعہ بھی ایک خاص موقع پر ہوا تھا اور عجیب انداز سے پڑھا گیا:

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے ۔۔۔ سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے

دہاں دیکھے کئی طفلِ پری زاد ۔۔۔ اٹھے رستے انھے ہے رے آنکھے

چوتھا مصرع پڑھتے پڑھتے زمین پر گر پڑے، گویا پریزادوں کو دیکھتے ہیں.. لیے جو سال چہے کہ آہستہ سے ہنستے ہوئے غش کھا کر بیہوش ہوگئے " دیوان سوز (مملوکہ جناب علی حیدر اور نسود کو اکبر) اس قطعے سے خالی ہے اور یہ بہ تبدیل بعض الفاظ ظہور علی ظہور دہلوی (متوفی ۱۲۸۶ھ) شاگرد ذوق و احسان وغیرہ کے دیوان مطبوعہ صفحہ ۱۰۵ میں موجود ہے. میرا خیال ہے کہ انھیں کا ہے اور اصلی شکل وہی ہے جو دیوان ظہور میں ہے۔

(۳۸) سوز کے صرف ایک بیٹے داغ کا ذکر کیا ہے الف ص ۱۹۵، حالانکہ سخن شعرا میں جو الف کی اشاعت سے قبل ہی چھپ چکا تھا، قدرت علی طپاں خلف سوز کا ذکر ہے ص ۳۰۲

(۳۹) آزاد نے اظہار افسوس کیا ہے کہ داغ کی کوئی غزل نہ ملی۔ الف ص ۱۹۵۔ گلزار ابراہیم میں جس کے دو نسخے بقول خود آزاد کی نظر سے گذرے ہیں (الف ص ۱۹۵) آہ تخلص کے تحت داغ کی تین غزلیں موجود ہیں۔ میر مہدی خلف سوز کا تخلص پہلے آہ تھا، بعد کو داغ اختیار کیا. دیوان سوز میں ان کا مرثیہ بھی ہے، ظاہرا آزاد اس سے بے خبر ہیں۔

(۴۰) ضاحک کی وفات کے بعد سودا فاتحے کے لیے گئے، دیوان ساتھ تھا، بعد فاتحہ لڑکے سے دیوان منگوا کر جو ہجویں ان کی کہی تھیں، سب چاک کر ڈالیں۔ میر حسن (پسر ضاحک) نے.. اسی وقت دیوان باپ کا گھر سے منگایا اور جو ہجویں ان کی تھیں وہ پھاڑ ڈالیں، لیکن چونکہ سودا کی تصنیف قلم سے نکلتے ہی بچے بچے کی زبان پر پھیل جاتی تھی. سب قائم رہیں ان کا کلام کہ اسی مجلد کے اندر تھا مفقود ہوگیا" الف ص ۱۸۲ یہ حکایت جس طرح بیان ہوئی ہے، صحیح نہیں ہوسکتی. سودا ۱۱۹۵ھ میں فوت ہوئے ہیں اور ضاحک بقول صاحب گلزار ابراہیم ۱۱۹۶ھ میں زندہ تھے۔ اس سے آزاد بھی ناواقف نہیں (الف ص ۱۸۴)۔ تذکرۂ مسرت افزا ص ۹۸ میں ہے کہ میر حسن نے چاہا کہ سودا کی لکھی ہوئی ہجویں مشتہر نہ ہوں، اور سودا اس پر راضی ہوئے، لیکن سودا کے کلام کو وہ قبول عام حاصل تھا کہ اخفا کی کوشش ناکام رہی تذکرۂ ناصر (م) میں ہے کہ میر حسن جب سودا کے شاگرد ہوئے تو " جو مزخرفات ان کے والد کا تھا، دھو ڈالا، اس لئے وہ مشہور نہ ہوا " ایک توجہ طلب بات یہ بھی ہے کہ ضاحک کا اور کلام بھی باستثنائے بعض اشعار ناپید ہے۔

(۴۱) میر کی مثنوی " تنبیہ الجہال " کا نام ص ۲۱۱ الف میں تنبیہ الخیال مرقوم ہے۔

(۴۲) " اہل تحقیق " کے نزدیک فارسی میں وحشی یا فغانی اور اردو میں میر واسوخت کے موجد ہیں الف ص ۲۰۹۔ فارسی میں واسوخت کوئی مستقل صنف سخن نہیں۔ وحشی کے دیوان کی دو نظمیں جنھیں واسوخت کہا جاسکتا ہے، موجود ہیں، لیکن دیوان فغانی میں ایسی کوئی نظم نہیں ہے اور نہ مجھے آزاد

اور ان کے مقلدین کے سوا ایسے اصحاب کا علم ہے جو فغانی کو واسوخت کا موجد سمجھتے ہیں۔

(۴۳) تحقیق پسند اصحاب کبھی اردو میں میر کو واسوخت کا موجد نہیں کہہ سکتے۔ میر کی ولادت ۱۱۳۵ھ میں ہوئی ہے اور آبرو ۱۱۶۱ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ آبرو کا واسوخت معاصر شمارہ ۱۹۴۹ء اور معاصر حصہ ۱۳ میں چھپ چکا ہے اور ان کے معاصر تاباں کے واسوختوں کا ذکر فہرست اشپرنگر میں ہے۔ ایہام بندوں سے قطع نظر، سودا، حشمت اور تاباں کے واسوخت بھی موجود ہیں، اور اس صورت میں کہ یہ تینوں عمر میں میر سے بڑے تھے، کسی ثبوت کے بغیر یہ کس طرح مان لیا جا سکتا ہے کہ میر کا واسوخت ان واسوختوں سے زماناً مقدم ہے؟

(۴۴) میر نے دو واسوخت کہے الف ص۲۰۱۔ کلیات میں ۳ نظمیں ہیں جن پر بے تکلف واسوخت کا اطلاق ہو سکتا ہے: "طرز اے رشک چمن اب تری کچھ تازی ہے الخ" ص۸۳۸، "یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی الخ" ص۸۴۴، "ایک دن وے تھے کہ تم کو نہ قریب آتے تھے الخ" ص۸۴۸۔

(۴۵) ۔ ؎ خوابی پیالہ خواہ سبو کر ہمیں کلال ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے

الف ص۲۱۳ میں بنام میر، لیکن کلیات میر اس سے خالی ہے اور تذکروں میں بھی ان کے نام سے نہیں، عظیم وغیرہ کے نام سے ہے۔ میر کا بہر صورت نہیں (تفصیل "آوارہ گرد اشعار")

(۴۶) آزاد کے ماخذ گلزار ابراہیم و مجموعۂ نغز میں میر فیض علی، فیض خلف میر کا ذکر ہے، آزاد ظاہرا ان سے ناواقف ہیں۔

(۴۷) آزاد حزیں، خلف میر سے ملے تھے، لیکن ان کا نام میر عسکری لکھتے ہیں (الف ص۲۲۴) صحیح محمد حسن عسکری (ریاض الفصحا تحت تخلص زار ص۱۱۸ تذکرۂ ناصر سراپا سخن ص۱۳)

(۴۸) "لکھنؤ کے چند عمائد اور اراکین" ایک دن میر سے ملنے آئے۔ "دروازے پر.. آواز دی، لونڈی یا ماما نکلی، حال پوچھ کر اندر گئی، ایک بوریا لاکر ڈیوڑھی میں بچھایا، انھیں بٹھایا، اور ایک پرانا سا حقہ تازہ کر کے سامنے رکھ گئی۔ میر.. اندر سے تشریف لائے، مزاج پرسی وغیرہ کے بعد انھوں نے فرمائش اشعار کی۔ میر.. نے اول کچھ ٹالا، پھر صاف جواب دیا کہ.. میرے اشعار آپ کی سمجھ میں نہیں آنے کے۔ اگرچہ ناگوار ہوں مگر بنظر آداب و اخلاق انھوں نے اپنی نارسائی طبع کا اقرار کیا اور پھر درخواست کی۔ انھوں نے پھر انکار کیا۔ آخر ان لوگوں نے گراں خاطر ہو کر کہا کہ.. انوری و خاقانی کا کلام سمجھتے ہیں، آپ کا ارشاد کیوں نہ سمجھیں گے۔ میر.. نے کہا کہ یہ درست ہے مگر ان کی شرحیں، مصطلحات اور فرہنگیں موجود ہیں، اور میرے کلام کے لئے فقط محاورۂ اہل اردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاں، اور اس سے آپ محروم ہیں۔ یہ کہہ کر یہ شعر پڑھا:

عشق برسے خیال پڑا ہے نیند گیا آرام گیا دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

اور کہا کہ آپ بموجب اپنی کتاب کے کہیں گے کہ خیال کئی ظاہر کرد، پھر کہیں گے کہ تقطیع میں گرتی ہے مگر.. یہاں اس کے سوا جواب نہیں کہ محاورہ یہی ہے الخ ص۱۹"

اس سلسلے میں امور ذیل توجہ طلب ہیں: (الف) حکایت کی کوئی سند موجود نہیں، تفصیلات کا انداز بجائے خود اسے مشتبہ بناتا ہے (ب) میر اتنے کج خلق اور مصلحت نااندیش نہ تھے، جتنے اس حکایت سے ظاہر ہوتے ہیں (ج) میر کے عہد کا لکھنؤ اہل دہلی اور ان کے اخلاف سے مملو تھا، وہاں کے خواص یقیناً دہلی کے محاورات سے بے خبر نہ تھے، اور اس عہد میں دونوں مقاموں کی زبان میں اتنا فرق بھی نہ تھا، جتنا بعد کو ہوا (د) میر کے کلام میں محاورات و مصطلحات ملتے ہیں، لیکن، ان کی خلعت کا مدار ان کے استعمال پر نہیں (ہ) میر کے کلام کا بہت بڑا حصہ اب بھی معمولی اردو جاننے والے سمجھ سکتے ہیں۔ میر کو ہرگز اس کے متعلق یہ غلط فہمی نہیں ہو سکتی تھی کہ اہل دہلی کے سوا کوئی اسے سمجھ ہی نہیں سکتا (و) خیال کی ی کا گرنا یا نہ گرنا زبان نہیں عروض کا سوال ہے (ز) عشق برسے ہی الخ جس وزن میں ہے وہ ہند کا ایجاد ہے، فارسی عروض کی کتابوں میں یہ نہیں ملے گا اور اس وزن کے شعر فارسی میں نہیں، ظاہر ہے کہ اس کے زحافات بھی دیسی ہوں گے جنہیں اہل ہند روا رکھتے ہیں۔

(ح) میر کا کلام جن لوگوں نے بالاستیعاب دیکھا ہے، وہ کبھی اسے تسلیم نہیں کر سکتے کہ میر اپنی زبان کو "جامع مسجد کی سیڑھیوں" کی زبان سمجھتے تھے۔ وہ تو اس کے بھی روادار نہیں کہ "اجلاف" شعر کہیں (کلیات ص۸۲۵) (ط) میر کے زمانے میں لفظ خیال بر وزن ، بانوں پر تھا، اس کا ثبوت موجود نہیں، نظم میں اس طرح بہت کم آیا ہے اور عموماً بر وزن نہال موزوں ہوا ہے۔ میر کے کلیات میں بروزن بال صرف دو جگہ آیا ہے اور بروزن نہال کم از کم ۲۶ جگہ (وہ اشعار جن میں خیال بہ ترکیب فارسی آیا ہے، اس میں شامل نہیں): نہ کہہ کہ نیند میں ہے تو یہ کیا خیال کیا ص۵، میں تو اسی خیال میں بیمار ہو گیا ص۱۱، دل سمجھا نہ بحث کو کچھ ان نے کیا یہ خیال کیا، خوش ہو بہ سب آپ ہی گیا جو عشق حسن و جمال کیا ص۱۸، رہے خیال تنک ہم بھی روسیا ہوں کا ص۲۰ پر مرے جی ہی کے خیال پڑا ص۲۲ نہ پوچھ خواب زلیخا نے کیا خیال لیا ص۲۳، اس کا خیال چشم سے شب خواب لے گیا ص۲۵، ہر جگہ یاں خیال ہے کچھ اور ص۶۲ کیسا چمن اسیری میں کس کو ادھر خیال ص۸۶ (۶ جگہ بطور ردیف) سارے تیرا خیال رکھتے ہیں ص۱۰۳، وگرد میں نہیں اب اک خیال اپنا ہوں ص۱۱۰، اور کچھ اب نہیں خیال نہیں ص۱۱۱، یوں کوئی جی میں کچھ خیال رکھے ص۱۱۶، جی میں کیا کیا خیال آتا ہے ص۱۱۷، یکا خیال جی میں ایسا خیال کس کا ص۲۸۱، دل عجب شہر تھا خیالوں کا ص۳۰۵، خیال ہم کو بھی ہے بخت آزمائی کا ص۳۱۲ [illegible] خیال اپنا ہے

ص۱۴۹، رہ رہ کے ایسے ہی خیال آتا ہے ص۲۳۰، اک شب کیا تھا یار کی زلفوں کا میں خیال ص۲۴۵
جن کو نہیں ہے تیری محبت کا کچھ خیال ص۱۵۰، معاصر حصہ ۹ میں سودا وغیرہ کے کلام سے بھی خیال
بروزن نہال کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ایک جگہ آزاد نے یہ بھی لکھا ہے کہ میر نے لفظ "خیال" میں
"تصرف" کیا ہے، الف ص۱۲۰۔ اس صورت میں خیال بروزن بال کو "محاورہ" کہنا ہی ٹھیک نہیں
دی، کلیات میں شعر کسی قدر اختلاف کے ساتھ ہے۔

(۴۹) درد کا سلسلۂ مادری خواجہ بہاء الدین نقشبند تک پہنچتا ہے الف ص۱۴۲۔ ناصر، نذیر، فراق مرحوم
نے جو اخلاف درد سے ہیں، میخانۂ درد میں اس کی بدلائل تردید کی ہے، اور لکھا ہے کہ مادری
کی جگہ پدری چاہیئے۔

(۵۰) شاہ ہدایت الف ص۱۵۶ و ص۲۶۱۔ ہدایت اللہ خاں، ہدایت افغان تھے، انھیں "شاہ" آزاد
کے سوا کسی نے نہیں لکھا۔

(۵۱) قائم درد کے شاگرد ہوئے مگر ان کے حق میں کچھ کہہ کر الگ ہوئے الف ص۱۵۶۔ یہ مسلّم ہے کہ قائم
اوائل میں درد کے شاگرد تھے، لیکن آزاد کے سوا کسی نے یہ نہیں کہا کہ قائم نے ان کی ہجو کہی تھی۔

(۵۲) جرأت کا سال وفات ۱۲۲۵ھ قطعۂ تاریخ کے بموجب لکھا ہے الف ص۲۳۹ لیکن، دیوان پروانہ و
تذکرۂ بے جگر وغیرہ میں ۱۲۲۳ھ ہے۔ اس کی شہادتیں جو ۱۹۳۶ء تک میری نظر میں تھیں ایک
مقالے ("سال وفات جرأت") میں درج ہیں جو غالباً ۱۹۳۷ء میں رسالۂ اردو میں چھپا تھا۔ اس
کے بعد دیوان کمال شاگرد جرأت نسخۂ رامپور اور دیوان نوازش نسخۂ م کے قطعات تاریخ جن
سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ملے۔

(۵۳) ناسخ کا مصرع تاریخ: "ہائے ہندوستان کا شاعر سوا" لکھا ہے الف ص۲۳۹، مگر اس پر غور نہیں
کیا کہ ناموزوں ہے اور اس سے ۱۲۲۵ نہیں ۱۲۲۱ نکلتا ہے۔ کلیات ناسخ (مطبع مولائی ص۲۹۱
دیگر نسخے مطبوعہ) میں اسی طرح ہے، لیکن ناسخ نے ہندستان بدون واو لکھا ہوگا۔ اس طرح
مصرع موزوں بھی ہو جاتا ہے اور ۱۲۲۵ مستخرج ہوتا ہے۔

(۵۴) وہ جب تک کہ زلفیں سنوارا کیے · کھڑا اس پہ میں جان وارا کیا
کیا قتل اور جاں بخشی بھی کی · حسن اس نے احسان دوبارہ کیا

الف ص۱۴۸ میں بنام میر حسن صاحب مثنوی مشہور لیکن، یہ اور اس زمین کے دو اور شعر جو الف
ص۲۴۸ میں بنام میر حسن کے ہیں (دیوان نسخۂ کلکتہ۔ عمر ثانی تذکرۂ شیفتہ ص۱۵۸)

(۵۵) الف ص۱۵۸ میں سال ... کے بیٹے صاحب سرفراز جنگ مرحوم ہے اور ص۲۰۵ میں گلزار ابراہیم ...

میر حسن کی جو عبارت منقول ہے اس میں بھی یہی ہے، لیکن گلزار نسخۂ م میں سرو ابر جگ ہے، اور تذکرۂ میر حسن ص۵۸ اور مجموعۂ نغز ا ص۲۷ اس کا مؤید ہے۔

(۵۶) آزاد تذکرۂ گلزار ابراہیم کو اکثر "گلزار ابراہیم" لکھتے ہیں الف ص۲۰۳ و ص۲۵۴ وغیرہ۔

(۵۷) الف ص۲۱۲ میں ناظم کی نسبت لکھا ہے کہ فقط "شد بود کا علم" رکھتے تھے اور یہ صحیح ہے، لیکن ص۲۱۷ میں انھیں ان شعرا میں شمار کیا ہے جو "نوشت خواند میں پختہ" تھے اور ص۳۰۱ میں انھیں قاسم وغیرہ کے ساتھ "علوم تحصیلی میں ماہر کامل" بتایا ہے۔ تناقض صریح ہے۔

(۵۸) قاسم، شاگرد ہدایت (مجموعۂ نغز ۲ ص ـ) کو ص۲۱۶ و ص۳۰۱ الف میں تلمیذ درد لکھا ہے۔

(۵۹) "سراج الدولہ دہلی سے مرشد آباد کے صوبہ دار ہو کر گئے الف ص۲۴۴۔ سراج الدولہ دختر زادۂ علی وردی خاں، پورب میں پیدا ہوئے اور ہمیشہ یہیں رہے، ایک لمحے کے لئے ان کا دہلی جانا نہیں ہوا۔ وہاں سے مقرر ہو کر آنا غلط محض ہے (سیر المتاخرین، مظفر نامہ وغیرہ)

(۶۰) سراپا سخن میں ہے کہ مصحفی کے استاد امانی تھے الف ص۳۱۱، اس میں ہر جگہ "مانی" ص۲۸۹ وغیرہ۔ تذکرۂ ہامر میں بھی یہی، مگر اسے تسلیم کرنے کے لئے قدیم تر سند کی ضرورت ہے۔

(۶۱) اس گل کے باغ میں جو حنا نے چلائی بات   غنچوں نے مسکرا کے کہا ہم نے پائی بات
مصحفی نے "حنا" نہیں "صبا" لکھا تھا (دیوان ۲ نسخۂ م، مجموعۂ نغز ص۱۹۱)

(۶۲) "بات چلائی" پر آزاد کو یہ اعتراض ہے کہ یہ امروہہ کی زبان ہے الف ص۲۳۴۔ آزاد زندہ ہوتے تو ان سے پوچھا جاتا کہ میر کے مصرعہائے ذیل کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے: "قسم ہے میں نے اگر بات بھی چلائی ہو" (کلیات اشاعت آسی ص۱۲۳) "رفتار کی جو تیری صبا نے چلائی بات" ص۲۵۶۔

(۶۳) "سعادت علی خاں نواڑے میں لیٹے ہوئے میر انشا کی گود میں سر دھرا ہوا، سرور کے عالم میں دریا کی سیر کرتے چلے جاتے تھے۔ لب دریا ایک حویلی پر لکھا دیکھا: "حویلی علی نقی خاں بہادر کی" کہا کہ .. بہت خوب مادّہ ہے، اسے رباعی کر دو۔ اسی وقت عرض کی:

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی   نہ سم کی نہ تال کی نہ سر کی
یہ تاریخ بھی ہے کسی لڑکی   حویلی علی نقی خاں بہادر کی" الف ص۲۸۶

یہ نظم کلیات انشا (نول ص ـ) میں ہے، لیکن اس کا سعادت علی خاں کی فرمائش سے کچھ تعلق نہیں۔ "حویلی الخ" سے ۱۲۲۷ نکلتا ہے اور جیسا کہ میرے ایک مقالے سے جس کا عنوان ہے "کچھ انشا کے بارے میں" اور جو نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے، ثابت ہے، انشا اس

سے پہلے سعادت علی خاں کے یہاں سے برطرف ہو چکے تھے۔ حکایت اشعارِ بالا کو دیکھ کر وضع کی گئی ہے۔ انھیں رباعی کہنا بھی صحیح نہیں۔

(۶۴) "شیر برنج" الف ص۲۶۲ یہ نام صحیح نہیں، "شیر و برنج" چاہیے، جیسا کہ خود مثنوی میں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں کہ انشا نے مثنوی ادبی کا تتبع کیا ہے۔ شیر و برنج جیسا کہ قاسم نے لکھا ہے (ص۱۱۵) نان و حلوائے بہائی کا جواب ہے خود انشا بھی یہی کہتے ہیں (دیوان اول ص۲۳۹)

چون بہائی نان و حلوا گفتہ بود — گوہر معنی ز ہمت سفتہ بود
نسخۂ شیر و برنجش از جواب — گفتہ انشا ہم بلے با آب و تاب

آزاد کا یہ قیاس کہ بچپن کا کلام ہے ص۲۶۲، غلط محض ہے۔ انشا نے اس کا سال تصنیف "عروس موقع یم" سے نکالا ہے = ۱۲۰۵ (دیوان ص۲۳۹)۔ ۱۲۰۵ھ میں ان کی عمر ۳۵ سے کم نہ تھی۔ عہد سراج الدولہ (۱۱۶۹ھ تا ۱۱۷۰ھ) میں صاحب گلزارِ ابراہیم نے انھیں مرشد آباد میں دیکھا تھا۔

(۶۵) "سید انشا پھرتے چلتے دلی میں آئے تھے، اور کچھ عرصہ رہے تھے اور جو لوگ ان معرکوں میں ان کے رفیق تھے، (معرکۂ مصحفی و انشا) ان میں سے اکثروں نے دلی کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی، چنانچہ ایک موقع پر مصحفی نے یہ قطعہ کہا جس کے چند شعر ساتویں دیوان میں ہیں:

بعضوں کا گماں یہ ہے کہ ہم اہل زباں ہیں — دلی نہیں دیکھی ہے زباں داں یہ کہاں ہیں"

آزاد نے اشعار درج کیے ہیں الف ص۲۲۵۔ معرکۂ مصحفی و انشا سے جو کلام متعلق ہے وہ دیوان سوم و چہارم میں ہے، اس لیے ان اشعار کا دیوان ہفتم میں ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس جھگڑے سے انھیں کچھ سروکار نہیں۔ مصحفی کا وطن بھی دہلی نہ تھا، اور وہ انشا کو جو اصلی دہلی والے تھے اور جو کئی سال وہاں رہے بھی تھے، یہ طعنہ نہیں دے سکتے تھے کہ انھوں نے دلی نہیں دیکھی۔ یہ اشعار ایک قطعے کے نہیں، ایک قصیدے کی تمہید کے ہیں جو منقبت میں ہے اور معاصر (دورِ قدیم) کے کسی شمارے میں شائع ہو چکے ہیں۔ تمہید میں ممکن ہے کہ ناسخ وغیرہ کی طرف اشارہ ہو۔

(۶۶) تفاعل اللہ خاں انشا کا نوجوان بیٹا مر گیا، حواس باختہ ہو گئے، سعادت علی خاں کو سر راہ سخت کہا، انھوں نے تنخواہ بند کر دی ص۲۹۵۔ کلیات انشا، مملوکہ جناب ڈاکٹر عندلیب شادانی میں خود انشا اور دوسرے شعرا کے کہے ہوئے قطعات تاریخ وفات ہیں جو میرے مقالے "تفاعل اللہ خاں خلف انشا" (شاعر جولائی ۱۹۵۲ء) میں شامل ہیں۔ پہلے قطعے کے بعض اشعار یہ ہیں:

نورِ چشم سید انشا کہ بود — نام او سید تفاعل اللہ خاں۔
از شیں عمر خود تا ہشت سال — کرد قطعے بہ گلزارِ جہاں..

روز بست و ہشتم از ذی الحجہ بود — کز جہاں بگذشت آں سرو جواں
سال تاریخش ز ہاتف خواستم — گفت "بو ہر برگ گل آمد خزاں" ۱۲۱۶ھ

(مصرع تاریخ اس پر مشعر ہے کہ قطعہ خود انشا کا ہے، خیر ہر برگ گل "نہیں کہہ سکتا، مگر انشا نے اسے اس طرح لکھا ہے کہ اس مصرع سے قطع نظر، دوسرے کی زبان سے ہے) یہ بات تو اس قطعے سے ثابت ہے کہ لڑکے کی عمر ۸ برس تھی اور ۱۲۱۶ھ میں مرا ہے، انشا کو اس کے بہت بعد سعادت علی خاں نے برطرف کیا تھا، میرے اس مقالے سے ثابت ہے جس کا ذکر (۲۳) میں ہے۔

(۶۷) سلیمان شکوہ اس زمانے میں جب سودا و ضاحک زندہ تھے، لکھنؤ پہنچ چکے تھے۔ الف ص۱۴۳، سودا کا سال وفات ۱۱۹۵ھ ہے، اس کے دس برس بعد سلیمان شکوہ لکھنؤ گئے ہیں۔ (تواریخ اودھ از کمال الدین حیدر و دیگر کتب)

(۶۸) سلیمان شکوہ مصحفی سے اصلاح لیتے تھے۔ "جب سید انشا پہنچے تو مصحفی کا مصحف طاق پر رکھا گیا" اور یہ انشا کے شاگرد ہو گئے الف ص۲۶۔ خود مصحفی نے تذکرۂ ہندی ص۱۲ میں لکھا ہے کہ انشا کے کہنے سے سلیمان شکوہ کے یہاں میرا گذر ہوا (تفصیل "مصحفی و انشا" از راقم شائع کردہ اردو ادب)

(۶۹) "راسخ عظیم آبادی کا دیوان میں نے دیکھا ہے۔۔ پرانے مشاق تھے۔۔ مرزا کے پاس شاگرد ہونے کو آئے، مرزا نے کہا کوئی شعر سنائیے، انھوں نے پڑھا:

ہوئے ہیں ہم ضعیف اب دیدنی رونا ہمارا ہے — پلک پر اپنی آنسو صبح پیری کا ستارا ہے

سودا نے اٹھ کر گلے لگا لیا، ص۱۵۱

(الف) نوائے وطن، مصنفہ شاد عظیم آبادی میں راسخ کا سال ولادت ۱۱۶۲ھ مرقوم ہے، لیکن اس کی سند مصنف کے پاس نہیں۔ عبرتی عظیم آبادی جو مائۃ سیزدہم کے عشرۂ دوم کے اواخر میں پیدا ہوئے تھے اور جنھوں نے راسخ کا زمانہ پایا ہے، ان کی عمر ۷۰ سال اور سال وفات ۱۲۳۶ھ بتاتے ہیں (ریاض الافکار) عبرتی سے سال وفات میں غلطی ہوئی ہے، صحیح ۱۲۳۸ھ ہے۔ مصنف تذکرۂ مسرت افزا ۱۱۹۲ھ میں پٹنہ آیا تھا اور دوران تصنیف تذکرہ میں اس کے بعد بھی یہاں پہنچا تھا، (سال اختتام ۱۱۹۵ھ) وہ لکھتا ہے کہ فدوی کا یہ نوجوان شاگرد پٹنہ میں مجھ سے اکثر ملتا رہتا تھا۔ رائے یہ ہے کہ غنیمت است و چیزے شدنی معلوم میشود ... کل متعلق امور پر غور کرنے کے بعد میرا قیاس ہے کہ راسخ ۱۱۷۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے تھے۔

(ب) م میں خود راسخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان ہے، اس کے ایک شعر سے جو دیوان کے کسی اور نسخے میں نہیں ہے، تلمذ فدوی ثابت ہے:

شاگرد ہیں گے حضرت فدوی کے بے شمار　　راسخ جوں ایک میں بگولے کس شمار میں

تذکرۂ عشقی عظیم آبادی (معاصر راسخ، نسخۂ راقم) میں شاگردانِ فدوی کے ذکر کے بعد یہ عبارت ملتی ہے:
"وقتیکہ شناسائے پایۂ سخن گردید، طریقۂ پیروی کلام.. میر.. پیشِ نہاد ہمت ساخت، آخر بمن و سو خیکہ مکنون خاطر ارادت آشنا داشت، بار یابی صحبت میر... فائز شدہ حلقۂ انقیاد شاگردی بگوش جاں انداخت" قطعی طور پر تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن، قرینہ ہے کہ عشقی نے ۱۲۱۵ھ کے لگ بھگ ان کا ترجمہ حوالۂ قلم کیا ہے۔ دیوان راسخ مکتوبۂ مصنف میں ایک شعر اس زمانے کا ہے جب انھیں میر سے عقیدت تو تھی، لیکن ان کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی، اس کا مصرع آخر یہ ہے: "اویسیہ عقیدت ہے جناب میر سے مجھ کو" (یہ شعر دیوان کے اور نسخوں میں نہیں) دیوان کے کل نسخوں میں ایسے متعدد اشعار ملتے ہیں جن میں صریحاً تلمذ میر کا اقرار کیا ہے، ان میں سے یہ دو شعر دیوان مطبوعہ سے نقل کیے جاتے ہیں:

راسخ کو ہے میر سے تلمذ　　یہ فیض ہے ان کی تربیت کا　ص۱۲

شاگرد ہیں ہم میر سے استاد کے راسخ　　استادوں کا استاد ہے استاد ہمارا　ص۲۶

(ج) سودا نے اواسط ۱۱۹۵ھ میں رحلت کی ہے اور میر ۱۱۹۶ھ کے ربع اول میں دہلی سے لکھنؤ پہنچے ہیں۔

(د) آزاد کی بیان کردہ حکایت بے سند ہے، دیوان راسخ مطبوعہ میں سودا کا کہیں نام تک نہیں آیا، نسخۂ مکتوبۂ راسخ میں شعر ذیل البتہ ملتا ہے:

راسخ ہے اپنی طبع کو سودا سے احتراز　　شاگرد میر ہوں مجھے سودا سے کیا غرض

(ہ) راسخ کا شعر دیوان مطبوعہ ص۱۳۹ اور متعدد خطی نسخوں میں اس طرح ہے کہ "پیر ہم" "ہم ضعیف" کی جگہ آیا ہے، خدا جانے اس کی وہ شکل جو آب حیات میں ہے آزاد کو کہاں ملی۔ (و) ہوتے ہیں پیر از نسخۂ مکتوبۂ مصنف سے غیر حاضر ہے اس میں ۱۲۱۷ھ یا اس کے کچھ بعد تک کا کلام ہے، کچھ تعجب نہیں اگر یہ واقعی زمانۂ پیری کا لکھا ہوا ہو۔ (ز) حکایت اختراعی ہے۔

(۷) "آتش کا بھی" استاد سے بگاڑ ہوا، خدا جانے بنیاد کن کن جزئیات پر قائم ہوئی ہوگی اور ان میں حق کس طرف تھا.. جہاں سے کھلم کھلا بگڑی اس کی حکایت یہ سنی گئی کہ.. مشاعرے میں طرح ہوئی دہن بگڑا، یا سمن بگڑا، اس میں سب نے غزلیں کہیں، خواجہ صاحب نے غزل لکھ کر.. مصحفی.. کو سنائی اور جب یہ شعر سنائے:

لباس کس طرح دکھا زمیں نے روز محشر تک　　نہ اک مو کم ہوا اپنا نہ اک تار کفن بگڑا

لگے منہ بھی چڑھانے دیتے دیتے گالیاں صاحب　　زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

لڑکے سے رو میں آکر کہا کہ استاد اس ردیف قافیہ میں کوئی یہ شعر نکالے تو کیا مشکل پڑتا ہے۔ انھوں نے ہنس کر کہا کہ ہاں میاں، سچ کہتے ہو اب تو کسی سے ایسے شعر نہیں ہو سکتے۔ بولے اس کے شاگردوں میں سے ایک نو مشق لڑکے کی غزل سے توجہ بتایا اور اس میں انھیں دو قافیوں کو اس طرح باندھا:

لکھا ہے خاک کوئے یار سے اک دیدۂ گریاں	قیامت میں کروں گا گر کوئی حرف کفن بگڑا
دہن محسوس جو تھے کس طرح نقشہ میں ٹھیک اتے	شبیہہ یار کھنچوائی، مگر بگڑی دہن بگڑا

.. اُن شعروں میں اور ان شعروں میں جو نسبت ہے وہ.. پرکھنے والے ہی جانتے ہیں، لیکن، مشاعرے میں بہت تعریف ہوئی، پھر بھی چونکہ لڑکے کے منہ پر یہ شعر کھلتے نہ تھے.. تاڑنے والے تاڑ گئے کہ استاد کی استادی ہے۔ خواجہ صاحب اسی وقت اٹھ کر۔ مصحفی کے پاس جا بیٹھے اور غزل ہاتھ سے پھینک کر کہا کہ یہ آپ ہمارے کلیجہ میں چھُریاں مارتے ہیں، نہیں تو اس لونڈے کا کیا منہ تھا جو ان قافیوں میں شعر نکال لیتا۔ خیر، اس قسم کی باتیں استاد کے ساتھ بچوں کی شوخیاں اور لڑکپن کے ناز ہیں" ص۲۹۵

ریاض الفصحا میں مصحفی نے آتش کے بارے میں لکھا ہے: " از ابتداے موزونی طبع کم کم خیال شعر فارسی وہندی ہر دو میکرد و اما میلان طبعش بطرف فارسی بیشتر بود و آں روز ا کلام .. خود را بنظر فقیر میگذرانید حالا کہ سن عمرش بہ بیست و نہ سالگی رسیدہ.. در نظم ریختہ .. معاصرینش (را) سبقت بر دجستن دشوار می نماید اگر عمرش وفا کردہ.. یکے از بے نظیران روزگار خواہد شد" ص۱ اور دیباچۂ دیوان ششم مصحفی میں جو سنہ ۱۲۳۳ھ یا سنہ ۱۲۳۲ھ کا لکھا ہوا ہے، یہ عبارت ملتی ہے: "چوں سلسلۂ موزوناں دراز کشیدہ، حصۂ نعمت الوان ایں خواں بہ.. تاسخ مقسوم گشت.. از قفایش قدم بہ قدم او.. آتش ہم در رسیدہ سمند تیز گام خیال را از دائرہ چرخ اثیر بیروں برد" (یہ زمانہ ہوا معارف میں چھپ چکا ہے اور جلوۂ خضر میں بھی ہے) دیباچے میں مصحفی نے یہ بھی لکھا ہے کہ دیوان ششم کی اکثر غزلیں انھیں لوگوں کے طور پر ہیں۔ ریاض الفصحا کا زمانۂ تصنیف سنہ ۱۲۲۱ھ تا سنہ ۱۲۳۶ھ ہے اور آتش کا ترجمہ میری رائے میں سنہ ۱۲۲۱ھ میں یا اس کے کچھ ہی بعد حوالۂ قلم ہوا ہے۔ ریاض اور دیباچے کی عبارتوں کے مقابلے سے اس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر ہے کہ مؤخر الذکر کی عبارت زماناً مؤخر ہے۔ اگر اس کے خلاف باور کیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ " از.. برد" ایک کم عمر نو مشق شاعر کے حق میں کہا گیا ہے۔ خود مصحفی کے بیان سے ظاہر ہے کہ استادی شاگردی کا سلسلہ زیادہ دن تک قائم نہیں رہا اور ترجمۂ آتش کے قلمبند ہونے سے پیشتر ہی منقطع ہو چکا تھا۔ اگر وہ واقعہ جو مصحفی نے لکھا ہے صحیح ہے تو اس کا زمانہ تحریر ترجمہ سے قبل ہے، لیکن کفن بگڑا دہن بگڑا کی زمین میں مصحفی کی غزل دیوان ہفتم میں ہے، جس کا زمانۂ تصنیف سنہ ۱۲۳۷ھ یا اس کے بھی کچھ بعد ہے ظہور نہ ہوتا ہے۔ اس زمانے میں آتش و مصحفی میں استادی شاگردی کا تعلق باقی نہ تھا۔ اس

یہ حکایت جس طرح بیان ہوئی ہے صحیح نہیں ہو سکتی، مگر دونوں میں کچھ نہ کچھ نزاع ضرور ہوگی۔ تذکرہ ناصر (نسخۂ دوم) میں ہے:

"سچ تو یہ ہے کہ مصحفی سا استاد مسلّم الثبوت کم ہوا ہے، مگر زمانۂ ناہنجار نے اس عزیز کو کیا کیا پریشاں رکھا۔ باوجود اس کے کہ امیران نامدار اس کے شاگرد تھے، کسی نے ہمت کے موافق اس کے کفاف کی خدمت نہ کی۔ بڑے تو بڑے چھوٹے سبحان اللہ! غریب جو اس کے شاگرد تھے اسے خیال میں نہ لاتے تھے، بموجب اس کے:

کس نیاموخت علم تیراز من   کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

چنانچہ اس غزل کی تیلی دکال رنجش پر۔۔ آتش کی دال:

اس کے بھی دھیان پر نہ چڑھا رنگ شاعری   سمجھاں کو ہم سمجھتے رہے ننگ شاعری

دشمن پہ مارے منہ جو مرا مستفید ہو   نہ یہ کہ میرے ساتھ کرے جنگ شاعری

ممکن نہیں کہ شہرت سعدی مٹا سکے   خواجہ کا شعر غلغلۂ رنگ شاعری

یہ غزل دیوان ششم میں ہے اور اس کے وہ اشعار جو ناصر نے نقل نہیں کیے، یہ ہیں:

یہ بھی نئی پسند ہے لعل سخن کو چھوڑ   گر اب کوئی پسند کرے سنگ شاعری

ہرگز سنا نہ میں کہ مبارک ہوا کبھی   یوزان شیر گر کو یہ آہنگ شاعری

دم بند کر دیا مری تحریر کلک نے   ان کا جو یاں بجاتے رہے زنگ شاعری

بے عقل تیرے حق میں کہے کچھ تو مصحفی   تو یہ سمجھ چڑھی ہے اسے بنگ شاعری

(۱۷) سرمہ منظور نظر ٹھیرا ہے چشم یار میں   نیل کا گنڈا پہنایا مردم بیمار میں

آتش کا یہ شعر اسی طرح نقل کرکے لکھا ہے کہ ناسخ نے مشاعرے میں اس کی داد دی، لیکن اٹھتے ہوئے یہ ترمیم کر دی کہ "ہے" کو "جو" اور "کا" کو "گوں" بنا دیا۔ آتش نے اٹھ کر سلام کیا اور کہا تجاہے استاد غالیست" خود آزاد کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ ردیف "میں" نہیں "کو" ہونی چاہیئے الف ص ۳۶۹۔ حکایت بالکل دور از قیاس ہے، اور کلیات آتش مطبوعہ مصنف، (مطبع محمدی لکھنؤ) میں یہ شعر اور یا اس زمین میں آتش کی کئی غزلیں ہیں اور ابیات کی مجموعی تعداد (۵۸) اس طرح مرقوم ہے:

"سرمۂ منظور نظر ٹھیرا (کذا) ہے چشم یار کو   نیلگوں گنڈا پنھایا مردم بیمار کو ص ۱۲۸

(۲۲) یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار کو   جس طرح ہو بات بھاری مردم بیمار کو

ناسخ کا یہ مطلع کلیات صفحہ ۴۸ میں اسی طرح درج ہے اور اس زمین میں ۱۵ کے ۱۴ اشعار ہیں۔ آزاد نے الف صفحہ ۳۲۵ میں اسے اس فرق کے ساتھ کہ "سرمہ" "کو" پر مقدم ہے، نقل کیا ہے۔ لیکن صفحہ ۳۹۳ میں آتش کے شعر پر اعتراض کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "اس سے زیادہ تعجب شیخ صاحب کے مطلع کا ہے۔۔۔

یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار میں   جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار میں

یہاں بھی "میں" بے معنی ہے، "پر" ہو تو ٹھیک ہے"

(۴۳) حکیم مہدی کی معزولی کی تاریخ ناسخ نے کہی "جس کا مادہ ہے": "دو کا شو برائے تحقین شلغم گرخیتہ" الف صفحہ ۳۲۵۔ آزاد اس کے اعداد نکالنے کی زحمت گوارا کرتے تو انھیں یہ معلوم ہوتا کہ اس سے ۱۹۵۵ھ برآمد ہوتا ہے۔ سال مطلوبہ ۱۲۳۵ھ صرف "گرخیتہ" سے مستخرج ہوتا ہے۔

(۴۴) انے حاے حکم ہشت برگر   سہ مرتبہ نصف نصف کم کن

ناسخ کی کہی ہوئی تاریخ ہے" الف صفحہ ۳۵۳، مگر تاریخ منتظم (نسخہ م و ۲۲۸) سے جو ناسخ کے ایک معاصر کی تصنیف ہے، معلوم ہوتا ہے کہ صاحب رائے کی طبعزاد ہے۔ اس میں اس کا ایک اور بیت بھی ہے:

افتاد حکیم از مراتب   تاریخ بطرز نو رقم کن

(۴۵) ناسخ کی مثنوی سراج نظم کو صفحہ ۳۵۴ میں دو جگہ نظم سراج لکھا ہے۔ (رجوع برائے تفاصیل بہ معاصر ۲ صفحہ ۹۳)

(۴۶) "دیوان ۳ ہیں مگر دو مشہور ہیں" الف صفحہ ۳۵۳ یہ جاننا بڑی بات نہیں کہ ناسخ کے ۳ دیوان تھے، سراپا سخن میں ایک نہیں کئی جگہ یہ مرقوم ہے (صفحہ ۸۵ و صفحہ ۹۹ وغیرہ) قابل ذکر بات یہ تھی کہ دیوان ۳ کلیات مطبوعہ کے دیوان ۲ میں شامل ہے۔ (نسخہ مطبع مولائی صفحہ ۲۱۰)۔ یہ نسخہ نول میں نہیں ہے، اس کی طرف سب سے پہلے جناب ادیب لکھنوی نے لوگوں کی توجہ منعطف کرائی ہے۔

(۴۷) "قصائد کا شوق نہ تھا، چنانچہ نواب لکھنؤ کی تاریخ و تہنیت میں کبھی کچھ کہا ہے تو بطور قطعہ ہے" الف صفحہ ۳۵۳ مگر صفحہ ۳۶۳ میں ہے کہ معتمد الدولہ آغا میر نے ناسخ کو سوا لاکھ روپے قصیدے کا صلہ دیا تھا۔

(۴۸) ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو   کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

الف صفحہ ۳۶۱ میں بنام ناسخ اور یہ غلط ہے، صفحہ ۳۵۰ میں وزیر کے نام سے ہے اور یہ صحیح ہے۔

(۴۹) آتش نے ناسخ کی غزلوں پر متواتر غزلیں لکھیں تو ناسخ نے کہا:

ایک جاہل کہہ رہا ہے میرے دیوان کا جواب   بو مسیلم نے لکھا تھا جیسے قرآں کا جواب

اس کا جواب آتش نے یہ دیا۔

کہیں بعد سے ہوا [illegible] جس نے دیا ہے پا بہرا پڑھ قرآن کا جواب (الف ص [illegible])
تذکرۂ نامر میں ہے کہ ایام مشاعرہ شاگرد آتش نے استاد کی حمایت کے لیے ناسخ کی ہر غزل کا جواب کہا تو انھوں نے "ایک جاہل الخ" اور یہ شعر کہا:

کیا کلیم اللہ سے نسبت ہو اس ناپاک کو — چاہیے فرعون کو دے اپنے ہاماں کا جواب

آتش نے یہ مطلع کسی شاگرد کو کہہ کر دیا:

چاہیے موسیٰ کو دے اس نا مسلماں کا جواب — جو کہے دیوان کو اپنے ہو یہ قرآں کا جواب

(۸۰) خلیق نے کہا تھا: "لیلاف پڑھی اور اسے دودھ پلایا" کسی نے ناسخ کو سنایا تو وہ بولے کہ یوں نہیں، اس طرح کہا ہوگا: "پڑھ پڑھ کے لایلاف اسے دودھ پلایا" الف ص ۳۸۶۔ "تنقید آبِ حیات" (اس کا حال دیکھ لے گا) میں ہے کہ آزاد نے ٹھیک نہیں لکھا خلیق کے کلام پر ناسخ کی دو اصلاحیں مشہور ہیں ایک یہ اور دوسری یہ: خلیق: "اکبر علی اللہ نگہبان تمھارا" ناسخ: "پیارے مرے اللہ نگہبان تمھارا" ص ۵۶۔ تذکرۂ نامر میں ہے کہ خلیق نے "لیلاف الخ" پڑھا، ناسخ نے اعتراض کیا، یہ بولے کہ وزن میں نہیں آتا، ناسخ نے وقت کیا ہے، یوں پڑھئے: "پڑھ پڑھ الخ"

(۸۱) مومن کے حال میں نہ ان کے دیوان فارسی کا ذکر ہے نہ مجموعۂ نثر فارسی کا حالانکہ یہ تصنیف الف سے بہت پہلے معرضِ طبع میں آ چکی تھی۔

(۸۲) اصغر علی خاں، اصغر خلف عبداللہ خاں اور اصغر علی خاں، نسیم کو آزاد ایک سمجھتے ہیں الف ص ۴۲۴ و ص ۴۸۰۔ یہ دونوں بالکل مختلف ہستیاں ہیں، نسیم کے والد کا نام آقا علی خاں تھا دسراپا سخن ص ۱۶۰)

(۸۳) ذوق کا کلام سن کر دیوان چندو لال نے مصرع طرح بھیجا اور بلایا مگر نہ گئے، غزل البتہ روانہ کر دی، مقطع میں کہا:

آج کل گرچہ دکن میں ہے بڑی قدرِ سخن — کون جائے ذوق پر دلی کی گلیاں چھوڑ کر

دکن سے خلعت اور ۔۔۔ روپے آئے مگر ذوق نہ گئے الف ص ۴۸۸۔ دیوان ذوق مرتبۂ آزاد ص ۳۰ میں یہی، لیکن ص ۱۱۹ میں ہے: "دیوان چندو لعل۔۔ نے کئی ہزار روپے بھیج کر بلا بھیجا اور مصرع اپنی طرح مشاعرہ کا بھیجا، حضرت۔۔ نے زمینِ مذکور میں دو غزلہ کہہ کر بھیج دیا اور روپیہ نہ لیا" (غزل وہی جس کا ذکر ص ۱۱۸ میں ہے)

(۸۴) "استاد مرحوم کے بعد ذوق سخن اور ارباب (حکیم آغا جان عیش دہلوی) کے کمال کی کشش نے کھینچ کر ان کی خدمت میں پہنچایا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے چند روز بعد۔ انتقال کیا" الف ص ۵۲۸
مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم نے حکیم آغا جان عیش دہلوی پر جو مضمون لکھا ہے مضامین فرحت حصہ ۲ میں شامل ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ دیوان عیش میں ۱۲۸۰ھ کا ایک قطعہ موجود ہے جس سے ظاہر ہو کہ ان کی

کہا یہ کہا جا سکتا ہے کہ مضمون اس سے بہتر نہیں ہوئی۔ مرزا صاحب نے حبش کی پوتی سے جو ان کی وفات کے وقت ۵۵ برس کی تھیں۔ پوچھ کر یہ بتایا ہے کہ حبش کا سال رحلت ۱۲۹۵ھ ہے ۱۸۷۸ء۔ اس کا وہ ملفوظ کے حساب پر ہے، اس لیے امکان ہے کہ اس میں برس دو برس کا فرق ہوگیا ہو۔ بہرحال، آزاد کے قول کا غلط ہونا ہر طرح ثابت ہے۔ حبش سے آزاد نے استفادہ کیا ہے، اور دونوں ہم وطن ہیں، مگر آزاد ان کے سنہ وفات سے قطعاً ناواقف ہیں۔

(۸۵) "میانہ قد، خوش اندام، سر پر ایک ایک انگل بال سفید، ایسی ہی ڈاڑھی، اس گوری رنگت پر کیا بھلی معلوم ہوتی تھی۔ گلے میں ململ کا کرتہ، جیسے چنبیلی کا ڈھیر پڑا ہنس رہا ہو" الف ص ۴۸۲۔ اسے سن کر بقول مرزا فرحت اللہ بیگ، حبش کی پوتی نے کہا تھا کہ آزاد نے "دادا جان کو دیکھا تھا یا جو جی میں آیا لکھ دیا" مضامین ص ۱۶۱۔ پوتی کے بیان کے مطابق: "بہت اونچا قد، نہایت سرخ و سفید رنگ، نیچی گول بھروان ڈاڑھی، کتابی چہرہ منڈا ہوا سر، ستواں ناک، بڑی بڑی آنکھیں۔۔ ہمیشہ نیچی چولی کا انگرکھا پہنتے۔۔ کرتہ تمام عمر نہیں پہنا۔ جاڑے میں فرغل یا دگلہ۔۔ فرغل تو عموماً موسی چھینٹ کی ہوتی تھی مگر دگلہ اکثر اودی کپڑے کا ہوتا تھا۔ ایک برکا پیجامہ پاؤں میں مخواں جوڑے پنجے کی ریشم کے کام کی جوتی، ہاتھ میں سبز رنگ کی جریب" ص ۱۶۰

(۸۶) غالب کی قاطع برہان کا جواب ساطع برہان ہے اور جواب الجواب "نامۂ غالب" یہ آزاد کو معلوم ہے الف ص ۴۲۰ لیکن اس کے باوجود فرماتے ہیں: "ساطع برہان کے اخیر میں چند ورق سید عبداللہ کے نام سے ہیں، وہ مرزا صاحب (غالب) کے ہیں" ص ۴۲۰۔ ایک مخالف کی کتاب میں غالب کی تحریر ایک دوسرے شخص کے نام سے، کس طرح آگئی سمجھ سے باہر ہے۔ اس سے قطع نظر، کسی کتاب میں جو قاطع کی مخالفت یا موافقت میں لکھی گئی تھی، سید عبداللہ کا نام تک نہیں آیا۔

(۸۷) "سبد چین دو تین قصیدے چند قطعے، چند خطوط فارسی کے اس میں ہیں کہ دیوان میں درج نہ ہوئے تھے" الف ص ۴۲۰ اس میں رباعیات، غزلیات وغیرہ بھی ہیں اور خطوط سے یہ خالی ہے۔ سبد چین پر میرا مقالہ معنف علی گڑھ میں شائع ہو چکا ہے۔

(۸۸) مؤید البرہان الف ص ۴۱۹، صحیح مؤید برہان۔

(۸۹) ہرمزد زند پا زند کا عالم تھا الف ص ۴۱۵۔ ہرمزد وجود خارجی سے محروم تھا (میرا مقالہ "احوال غالب" میں ملاحظہ ہو) اگر اصلی شخص تھا جب بھی زند سے قطعی ناواقف تھا، اس لیے کہ وہ خود مقر ہے کہ یہ معدوم محض ہے۔ اسی بنا پر غالب ان فرہنگ نگاروں پر معترض ہیں جو لغات زند و زند فرہنگ کرتی ہیں۔ زند ہے ہی نہیں، تو یہ لغات کہاں سے آئے (دُرفش کاویانی ص ۱۳۸)

(۹۰) آزاد کا بیان ہے کہ سراپا سخن میں ایک جگہ دبیر کے والد کا نام مرزا آغا جان لکھا ہے اور دوسری جگہ غلام حسین

الف ۔ سراپا سخن (طبع اول) میں صرف دو جگہ دبیر کے والد کا نام آیا ہے اور دونوں جگہ غلام حسین ہے ص ۔

تنقید آب حیات کے نام سے ایک رسالہ میر محمد رضا (طبیر تخلص، مخاطب جاوید) کا لکھا ہوا ۱۸۸۵ء میں یا اس کے کچھ بعد اردو پریس لکھنؤ میں چھپا تھا۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ میں "اکثر معاملات" دبیر" میں ۱۱ برس کے سن سے شریک رہا ہوں ص ۔ آب حیات کی نسبت مصنف نے یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ اس کے بعض اغلاط "جہل مفرط کا نمونہ" ہیں اور اس میں جو "اختراع و اختلاط" ہے وہ "شان تذکرہ نویسی سے بعید بلکہ ابعد ہے" دبیر سے متعلق جو حکایات الف میں ہیں، ان کے بارے میں ان کا قول ہے کہ الطاف ان کے لفظ لفظ پر "ہذا بہتان عظیم" کہہ اٹھتا ہے۔ نامور اشخاص کے دشمن ہوا کرتے ہیں، دبیر کے "معاند" بھی تھے اور ہیں، لیکن "دو کسی سے کبھی ان حکایات موضوعہ کا ایک حرف بھی نہیں سنا" ص۱۹۔ دبیر کے والد کے نام سے متعلق جو غلط بات آزاد کے قلم سے نکلی ہے، اس پر یہ بہت چراغ پا ہو گئے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "آغا جان دبیر کے والد کا نام تو نہیں ؛ اس شخص کے باپ کا ہوگا جو اس کا مدعی قرار پائے ص ۔"

(۹۱) مصنف سراپا سخن کے متعلق آزاد کا قول ہے کہ یہ "ہر شخص کے باب میں کچھ نہ کچھ طنز کا نکتہ نکال لیتے ہیں۔ اس پیلہ دبیر کے خاندان کے باب میں نہ یقین ہے نہ شک، الف ص ۵۳۶۔ یہ اتہام محض ہے۔ سراپا سخن میں سیکڑوں شاعروں کا ذکر ہے اور ممکن ہے کہ دو چار کے بارے میں طنزیہ بات کہی ہو، لیکن، دو چار کو "ہر شخص" کس طرح کہہ سکتے ہیں۔

(۹۲) دبیر "تباہی لکھنؤ کے بعد اول ۱۸۵۸ء میں .. مرشد آباد.. گئے اور ہمیشہ الہ آباد اور بنارس میں جاتے رہے" الف ۵۳۵ تنقید آبحیات ص میں ہے کہ "مرشد آباد جانا کیسا" مرزا صاحب نے تا مدت العمر اس شہر کا نقشہ بھی کسی کاغذ پر کھنچا ہوا نہیں دیکھا" الہ آباد و بنارس کا حال مجھے معلوم نہیں مگر یہ قابل توجہ ہے کہ آزاد ان کے عظیم آباد جانے سے مطلقاً واقف نہیں، جہاں وہ تباہی لکھنؤ کے بعد آخر آخر تک دبہ استثنائے بعض سال ہر سال جاتے رہے۔ تنقید آب حیات کا ص بھی اس کا مؤید ہے۔

(۹۳) دبیر کا ابتدائی زمانہ تھا، استاد کی ایک اصلاح پسند آئی۔ ناسخ کے یہاں گئے "وہ اس وقت گھر کے صحن میں موندھے بچھائے جلسہ جمائے بیٹھے تھے" انھوں نے ناسخ کی رائے دریافت کی، ناسخ نے استاد کی تائید کی۔ دبیر نے کہا کہ "کتابوں میں تو اس طرح آیا ہے" ناسخ نے پھر وہی کہا جو پہلے کہا تھا۔ یہ بولے "حضرت" آپ کتاب کو ملاحظہ تو فرمائیں۔ ناسخ نے جھنجھلا کر کہا "ارے تو کتاب کو کیا جانے ہمارے سامنے کتاب کا نام لیتا ہے۔ ہم کتابیں دیکھ دیکھ خود کتاب بن گئے ہیں" "ایسے خفا ہوئے کہ کھڑی سامنے رکھی تھی وہ لے کر اٹھے، یہ بھاگے، انھیں بھی ایسا جوش تھا کہ دروازے تک ان کا تعاقب کیا ص ۵۳۹"

تنقید آب حیات ص میں ہے: "یہ روایت تو بہتان عظیم سے بھی اعظم ہے... ایسی شش میرے استاد کے

کچھ لوگ زندہ بھی ہیں اور وہ سب شاہد ہیں کہ.. مرزا صاحب.. اس محلے میں جہاں تھا.. رہتے تھے کبھی نہیں گئے اور دیکھیں اور ہو کوئی مباحثہ و مکالمہ کا آیا۔ مجلسوں میں نواب حسین علی خاں بہادر (اثر ۹) کے یہاں مرزا صاحب پڑھتے تھے، جناب شیخ.. سننے.. آتے تھے، بعد مجلس چلے جاتے تھے۔ کبھی نوبت گفتگو.. نہیں آئی۔ ہاں، اتنی بات تھی کہ وہ تمام عمر حسرتی رہے کہ مرزا صاحب ہماری ملاقات کو آئیں۔ مگر کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ یہ.. کہ ان کو.. مصحفی و.. ضمیر.. سے کمال حسد تھا.. تمام عمر ان کا یہ قول رہا کہ ہائے میرا استاد ہی، ہونہار طبیعت دار اور شاگرد.. ضمیر کا! ادھر ان کا یہ قول کہ ہمارے استاد اد، کہاں شیخ جی "اصلاً" آمادۂ اعتراض کے بعد بھی اپنی بیان کردہ حکایت کی سند دہیتی کی ہو، کو قول معترض کو صحیح ماننے کے سوا چارہ کیا ہے، اگرچہ یہ ممکن ہے کہ میر محمد رضا کے بیان میں بعض جزئی باتیں غلط ہوں۔

(۳۳) مرزا دبیر کا تمام شباب تھا اور میر ضمیر کا بڑھاپا۔ نواب شرف الدولہ ضمیر سے "ہزاروں روپے کے سلوک کرتے تھے" ابتدا میں ان کی وجہ سے اور پھر خود دبیر کے کمال کے باعث ان کی بھی قدر کرتے۔ ان کی مجلس میں پہلے شاگرد اور اس کے بعد استاد پڑھا کرتے تھے۔ ایک موقع پر مرزا نے ایک مرثیہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے:

"دست خدا کا قوت بازو حسین ہے" "ضمیر نے اسے پسند کیا اور" تو جہ سے بنایا" اسے زمانے میں نواب کے یہاں ایک مجلس ہونے والی تھی، یہ خواہش ظاہر کی کہ میں اسے پڑھوں گا، دبیر نے اسے قبول کر لیا اور مرثیہ "انھیں کو دے دیا۔ مگر واپس ہوئے تو بعض احباب سے یہ بات کہی" مسودہ پاس تھا وہ بھی سنایا، کچھ تو یاد رہ" کا چرچا تھا کچھ اس سبب سے کہ.. نواب کو خبر پہنچ گئی تھی، ادھر کے اشاروں میں انعام کی ہوا آئی۔ غرض انجام یہ ہوا کہ استاد مرثیہ صاف کر کے لے گئے کہ وہی پڑھیں گے۔ "مجلس ہوئی تو پہلے دبیر منبر پہ گئے اور وہی مرثیہ پڑھا جو بہت کامیاب رہا۔ ضمیر ہمیشہ تعریفوں سے شاگرد کا دل بڑھایا کرتے تھے، مگر اس بار خاموش بیٹھے رہے۔ ..فکر یہ کہ اب میں پڑھوں گا تو کیا پڑھوں گا اور اس سے بڑھ کر کیا پڑھوں گا جس میں استادی کا رتبہ بڑھے نہیں تو اپنے درجے سے گرے بھی تو نہیں۔ غرض ان کے بعد یہ پڑھے اور کمال کی دستار صحیح سلامت لے کر منبر سے اترے" ص۵۳۵،

میر محمد رضا نے لکھا ہے کہ شرف الدولہ دو تھے، ایک سنی جو غدر میں مارے گئے انھیں مجالس سے علاقہ نہ تھا، دوسرے نو مسلم جو "شبیہہ روضۂ کاظمین کے بانی ہوئے" یہ مجلسیں کرتے تھے، لیکن" ان کی قدر دانی کی تفصیلیں جو عبارت آزاد سے ملتی ہے "حشو محض" ہے۔ ضمیر کے دوسرے مربی" دولت و حکومت میں ان سے کہیں زیادہ تھے" اصل واقعہ یہ ہے کہ ۱۹ رمضان کی مجلس کے بعد مہاراجہ میوہ رام مخاطب بہ اتحاد الدولہ، نو مسلم نے ضمیر و دبیر دونوں سے اکیسویں کی مجلس کے لئے نئے مرثیے کی فرمائش کی، اور دونوں نے بشرط فرصت ہوں ہاں کر دی۔ دبیر نے شب بھر میں ایک مرثیہ: "ذرہ ہی آفتاب در بوتراب کا"

تصنیف کر کے مرثیہ کو استاد کی خدمت میں پیش کیا، دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ضمیر نے کوئی نیا مرثیہ نہ کہا تھا ایک پرانے مرثیے کے مطلع کو بدل دیا تھا اور اس میں چند بند اور نکالے تھے۔ ان کا ارادہ اسی کو پڑھنے کا تھا دبیر نے عرض کی کہ آپ میرا مرثیہ پڑھیں، آپ ہی کا فیض ہے۔ ضمیر نے انکار کیا، لیکن میر حامد علی بشیر شاگرد ضمیر نے جو دبیر سے نہایت حسد رکھتے تھے کہا کہ یہ نامناسب ہے کہ شاگرد نیا اور استاد پرانا مرثیہ پڑھیں۔ ضمیر بولے کہ "ایسی باتیں میرے ذہن میں نہیں، خیر۔ یونہی سہی۔" پھر پورا مرثیہ دیکھ کے کہا کہ "طولانی ہے، بہتر یہ ہے کہ ادل کا ٹکڑا۔۔ تم پڑھو اور اس بند کا نشان بھی بتلا دیا کہ یہاں تک اور وہاں سے آخر میں پڑھوں گا۔" مجلس کے دن دبیر نے کہا کہ میں نے یہ مرثیہ نہیں کہا، مگر استاد نے کہا ہے جس کا ایک حصہ میں اور ایک حصہ خود وہ پڑھیں گے۔ دبیر منبر پر فاتحہ خوانی کر رہے تھے کہ بشیر نے ضمیر سے "کچھ سرگوشی کی" اور کہا کہ پہلا ٹکڑا پست ہے اور دوسرا سست، میں دبیر کو منع کیے دیتا ہوں کہ یہ نہ پڑھیں کوئی اور مرثیہ پڑھیں۔ ضمیر نے منع کیا، مگر اس کے باوجود انھوں نے دبیر کے پاس آکر یہ بات ان سے کہی۔ دبیر نے جواب دیا کہ کوئی اور مرثیہ تو میں ساتھ لایا نہیں، تمہارے کہنے کا اعتبار نہیں، استاد واقعی یہ چاہتے ہیں تو آنکھ سے اشارہ کریں میں کچھ رباعیاں پڑھ کر منبر سے اتر آؤں گا۔ بشیر نے ضمیر سے جاکر کہا کہ دبیر کہتے ہیں کہ "آج ہی تو مجھ کو امتحان استاد کا مقصود ہے، دیکھوں میرے بعد استاد کیا کرتے ہیں" ضمیر یہ سن کر آگ ہو گئے، دبیر نے جب دیکھا کہ ضمیر اشارہ نہیں کرتے تو مرثیے کا وہ حصہ جو ان کے لیے مقرر تھا پڑھ کر منبر سے اتر گئے۔ سامعین نے خوب داد دی، ضمیر منبر پر گئے تو یہ کہا کہ "یہ مرثیہ انھیں کا ہے، میرا نہیں، اور پھر کسی پرانے مرثیے کے چند بند نثر آمیز پڑھے، مگر رنگ نہ جم سکا۔ مجلس کے بعد دونوں کے لیے خلعت آئے، ضمیر نے خلعت پر ٹھوکر مار کر کہا کہ اٹھا لے جاؤ، دبیر نے بھی "خلعت پھیر دیا اور کہا کہ میں اس شخص کو ملعون جانتا ہوں کہ استاد کے فائدے پر اپنے فائدے کو مقدم رکھے"

تذکرۂ معاصرین میں ہے: "استاد (ضمیر) اور اس (دبیر) میں جو بے لطفی ہے ایک بزرگ کی زبانی مختصراً بیان کرتا ہوں۔ میاں دبیر اوائل میں ایک مرثیہ اصلاح کے واسطے میر ضمیر کی خدمت میں لائے، کہیں کہیں اصلاح دی اور بہت پسند کیا، بلکہ فرمایا کہ یہ مرثیہ ہمیں دو کہ راجہ میوا لال کے یہاں ہم پڑھیں۔ اس نے کہا بہتر میں بھیج دوں گا۔ دبیر نے اس مرثیے کی دو نقلیں لیں، ایک بھیج دی، ایک اپنے پاس رکھی۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ میر صاحب نے اس سے کہا کہ اس مرثیہ کو راجہ میوا رام کی مجلس میں پڑھنا۔ جب مجلس کا دن آیا، میر صاحب مع دبیر تشریف فرما ہوئے۔۔ دبیر سے کہا منبر پر جاؤ اور کچھ پڑھو۔ اس ناحق شناس نے سامعین کو بہت اٹکل دیکھ کر وہی مرثیہ پڑھا۔ رقت اور تعریف ایسی ہوئی کہ میر ضمیر کے پڑھنے کی گنجائش نہ رہی، اصطفا اسی پر ہوا۔"

جعفر کی دو روایتوں میں سے ایک نامکمل ہے، اس لیے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مرثیہ کی ایک نقل رکھ لینے کے بعد دبیر نے کیا کیا۔ میرے نزدیک صاحب تنقید آب حیات نے جس طرح اسے بیان کیا ہے، زیادہ قرین قیاس ہے۔

(۹۵) شرف الدولہ کی مجلس کا واقعہ بیان کر کے لکھتے ہیں: "اس دن سے دل پھر گیا، یار لوگوں نے شاگرد کو نظر مقابل کر کے بجائے خود استاد بنایا اور وہی صورت ہو گئی کہ ایک مجلس میں دونوں کا اجتماع موقوف ہو گیا۔ زمانے نے.. چند روز مقابلوں سے شاگرد کا دل بڑھایا، اور آخر بڑھاپے کی سفارش سے استاد کو آرام کی اجازت دی، وہ اپنے حریف میر خلیق کے سامنے گوشۂ عزلت کا مقابلہ کرنے لگے" ص ۵۳۹؛

میر محمد رضا کا بیان ہے کہ مجلس کے دوسرے دن دبیر ضمیر کے یہاں گئے تو کم التفاتی" پائی۔ شب کو ان کی مجلس میں شریک ہوئے تو بشیر اور ان کے ساتھیوں نے "بلند آوازے بکنا شروع کیے" دبیر نے تحمل سے کام لیا، مگر بعد مجلس بدون رخصت اٹھ کھڑے ہوئے اور راہ میں میر محمد رضا سے بولے کہ "تم نے ان مفسدوں کی باتیں سنیں؟" انھوں نے کہا کہ آپ کچھ دیر اور ٹھہرتے تو "مجھ سے کسی نہ کسی سے تلوار چل جاتی" دبیر نے کہا کہ "استاد کے گھر میں ایسی جسارت، توبہ کرو" دو تین برس "باہم گر حجاب رہا" ادھر ضمیر نے ایک نئے شاگرد "شہرت کو نئے مرثئے کہہ کر دینے شروع کیے اور وہ تیرھویں کی مجلس میں پڑھنے لگے۔ ادھر دبیر نے گیارھویں کی مجلس میں نیا مرثیہ سنانے کا التزام کیا۔ شہرت کی مجلس تو چند مہینوں میں بند ہو گئی لیکن دبیر کی مجلس " تا حین حیات" دبیر ہوا کی۔ استاد شاگرد میں ملاپ یوں ہوا کہ حضور عالم، نواب علی نقی خاں کے یہاں مجلس تھی، جس میں "اغلب ہے کہ حسب الطلب" ضمیر بھی موجود تھے۔ دبیر نے اپنا نیا مرثیہ " اے عرش ہمرتبہ ترے ستاروں کے تصدق" پڑھنا شروع اور نواب نے داد دی تو دبیر نے ضمیر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ "یہ سب تصدق جناب استاد کا ہے۔" بعد ختم مرثیہ منبر سے اترے تو ضمیر نے "اٹھ کر گلے سے لگا لیا اور رو دیے۔۔ اپنے گھر لے گئے۔ میر محمد رضا بھی ساتھ تھے۔ استاد شاگرد میں باتیں ہوئیں تو بشیر کی "مفسدت ثابت ہوئی" ضمیر بولے کہ "یہ شخص اب اس لائق نہیں کہ ہمارے یہاں آئے" دبیر نے عرض کی کہ میری خطا کے ساتھ ان کی خطا بھی معاف ہو۔ ضمیر ساکت ہو گئے اور "کچھ نادم سے نظر آئے" "اس دن سے کبھی رنجش درمیان میں نہیں آئی۔ ضمیر اپنے دوسرے محل میں کہ وہ معالی خاں کی سرا میں واقع تھا، مجلس کہتے تھے، اس میں دبیر ہمیشہ پڑھا کیے۔ بعد وفات ضمیر سوم کی مجلس بھی دبیر پڑھتے۔ میر محمد رضا نے خاتمۂ بحث ان الفاظ پر کیا ہے: "آج وہ زمانہ ہے کہ ان دونوں.. میں سے کوئی باقی نہیں، صرف ان کا فسانہ باقی ہے یا وہ لوگ.. جو ان پر تہمتیں کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی

الابصار " ص۔ واجد خلیق [illegible] میں فوت ہوئے ہیں (معاصر حصہ ۱ ص[illegible]) اور ضمیر کا سال وفات [illegible] ہے (معاصر حصہ ۲ ص[illegible]) یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ ضمیر خلیق کی زندگی میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ غالب کے ایک خط میں مذکور ہے کہ " مولانا ضمیر " نے غالب کا ایک فارسی قصیدہ واجد علی شاہ کو سنایا تھا (کلیات نثر ص[illegible]) ان کا سال جلوس [illegible] ہے۔ تذکرۂ ناصر (سال اتمام ۱۲۶۲ھ) میں ہے کہ ضمیر
" عہد نصیر الدین حیدر ۔۔ سے تا حضرت اقدس واعلی معزز اور ممتاز "

(۹۶) دبیر نے عالم جوانی میں ایک دھوم دھام کا مرثیہ کہا " تازہ ایجاد یہ کیا کہ ۔۔ ایک بہادر پہلوان ۔ میدان میں لائے ۔ اس کی ہیبت ناک صورت بد جہورت " آمد کی آن بان اس کے اسلحۂ جنگ ، ان کے خلاف قیاس مقادیر و وزن سے طوفان باندھے " اس کا شہر میں شہرہ تھا، " طلب کی تحریکیں اس اسلوب سے ہوئی تھیں " کہ آتش بھی باوجود پیری اس مجلس میں جہاں یہ پڑھا گیا تھا، شریک ہوئے، لوگ تعریفوں کے غل مچاتے رہے، گریہ و بکا بھی خوب ہوا، مگر آتش خاموش رہے۔ بعد ختم مرثیہ دبیر آتش کے پاس آئے اور بولے کہ حضور کچھ میں نے عرض کیا آپ نے سنا ، فرمایا ، ہوں، بھئی سنا ۔ انھیں اتنی بات پر قناعت کب تھی، پھر کہا آپ کے سامنے پڑھنا گستاخی ہے، لیکن آپ نے ملاحظہ فرمایا ؟ انھوں نے فرمایا، بھئی ، سنا تو سہی مگر میں سوچتا یہ ہوں کہ مرثیہ تھا یا لندھور سعدان کی داستان " الف ص۳۹ھ

تنقید آب حیات میں ہے کہ یہ بالکل جھوٹی حکایت ہے ، آتش نے ایک مجلس میں جہاں مصنف بھی تھے ، دبیر کا ایک بے نقط مرثیہ سن کر یہ البتہ کہا تھا کہ " یہ صنعت اس بے تکلفی کے ساتھ آپ کا حصہ ہے " (ص[illegible] و ص[illegible])

(۹۷) دبیر کا ایک بے نقط مرثیہ ہے جس کا " مطلع " ہے " ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہوا " اس میں اپنا تخلص " سہیلے دبیر ۔ عطارد لکھا ہے " الف ص[illegible]ھ ۔ یہ مرثیہ بقول میر محمد رضا اختر کا ہے، ان کا بیان ہے کہ دبیر بے نقط مرثیے میں عطارد کے علاوہ محرر تخلص بھی لائے ہیں ص[illegible] ۔

(۹۸) تاریخ وفات دبیر ۲۹ محرم [illegible] الف ص[illegible] میر محمد رضا کہتے ہیں کہ " شب محرم صبح ہوتے وفات پائی (کذا) ، اور اسی روز کہ تیسویں محرم کی تھی ۔۔ دفن ہوئے " ص[illegible] مصنف حیات دبیر نے خمخانۂ جاوید جلد ۳ کے لئے دبیر کا حال لکھا ہے اس میں تاریخ رحلت " ۳ محرم [illegible] " (ص[illegible]) درج ہے، لیکن یہ صریحاً طباعت کی غلطی ہے ، اصل میں ۳۰ ہوگا ۔ اودھ اخبار سے بھی ۳۰ محرم کی تصدیق ہوتی ہے ۔ (معاصر ا ص[illegible])

(۹۹) دبیر کی عمر ۷۰ برس الف ص[illegible] خمخانۂ جاوید میں تاریخ ولادت ۱۱ جمادی الاولی [illegible] مرقوم ہے (ص[illegible]) ۔ اس حساب سے وفات کے وقت ساٹھے ۷۳ برس سے کچھ زیادہ کے تھے ۔ غرا کے

سنین وفات آب حیات میں جس طرح بیان کیے گئے، بالالتزام ہجری ہیں، اس لیے شمسی سال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

۱۰۰ "مرثیہ کے بند چالیس پچاس سے زیادہ نہ ہوتے تھے، ۱۰۰، ۱۵۰ سے گزر کر ۲۰۰ سے بھی نکل گئے۔ میر صاحب (یعنی انیس)... نے کم سے کم ۱۰ ہزار مرثیہ ضرور کہا ہوگا، اور سلاموں کا تو کیا شمار ہے، رباعیاں تو بے انتہا تھیں" الف ص ... اگر بندوں کا اوسط سو فی مرثیہ رکھا جائے تو بندوں کی تعداد ۱۰ لاکھ اور ابیات کا شمار ۳۰ لاکھ تک پہنچتا ہے۔ سلاموں اور رباعیوں کی کیا تعداد آزاد کے ذہن میں تھی، اس کا علم خدا کو ہے۔

مجموعۂ مراثی جلد ۱ تا ۴ (نول) میں ۱۰۷ مراثی بہ تفصیل ذیل ہیں: جلد ۱: ۲۹، بند ۳۶۳۴، ابیات ۱۰۹۱۱؛ جلد ۲: ۲۷، بند ۳۳۱۷، ابیات ۹۹۵۱؛ جلد ۳: ۱۹، بند ۱۹۳۸، ابیات ۵۸۱۴؛ جلد ۴: ۳۲، بند ۲۹۴۹، ابیات ۸۸۴۷۔ ان مراثی کے ابیات کی مجموعی تعداد ۳۵۵۴۳ ہے۔

مجموعۂ مراثی جلد ۵ مطبع جعفری میں بہ اجازت میر نفیس چھپی تھی، (چونکہ میں نے مجلدات نول سے مقابلہ نہیں کیا، یہ نہیں کہہ سکتا کہ بالکل نئے مراثی ہیں یا نہیں)، اس میں ۲۱ مراثی (۲۲۸۷ بند، ۶۸۶۱ ابیات) ہیں۔ مجموعۂ مراثی جلد ۶ مطبوعۂ مطبع دبدبۂ احمدی میں بعض مراثی پرانے ہیں مگر نسخۂ نولکشوری میں نامکمل ہیں، اس میں کمل، باقی ظاہراً نئے ہیں۔ اس کے مراثی کی تعداد ۳۳ ہے (۳۳۵۷ بند، ۱۰۰۷۱ ابیات ہیں۔

مجلدات ۱ تا ۶ میں کل ۱۶۱ مراثی ہیں اور ان کے ابیات کی مجموعی تعداد ۵۲۴۹۵ ہے۔ کل سلام ان ۶ مجلدات میں ۷۲ ہیں (جلد ۱: ۴، جلد ۲: ۱۶، جلد ۳: ۱۲، جلد ۴: ۱۰، جلد ۶: ۳۰)۔ رباعیوں کی مجموعی تعداد ۳۰۰ ہے (جلد ۱: ۸۶، جلد ۲: ۴۳، جلد ۳: ۴۱، جلد ۴: ۱۲۶، جلد ۶: ۱۳)

یہ بالکل ممکن ہے کہ انیس کا کل کلام معرض طبع میں نہ آیا ہو، لیکن آزاد نے جو کچھ لکھا ہے وہ مبالغہ[۱] کی انتہا ہے۔

[۱] آزاد نے دبیر کے متعلق لکھا ہے کہ انھوں نے "کم از کم ۳ ہزار مرثیہ لکھا ہوگا، سلاموں اور نوحوں اور رباعیوں کا کچھ شمار نہیں" الف ص ... اس سے ظاہر ہے کہ وہ انیس کو ان سے بہت زیادہ پرگو سمجھتے ہیں، لیکن ص ... میں "دبیری امت" کی زبان سے انیس پر یوں طعن کرتے ہیں: "کس کا منھ ہے جو رات کو بیٹھے اور سو بند کہہ کر اٹھے؟ برس دن تک خانہ زمستانی کی اور محرم پر دس پندرہ مرثیے فکر کر کے تیار رکھے تو کیا کیے، وہ بھی دوا اور بھائیوں کے مشورے ملا کر اور بیاضوں کے پسینے بہا کر" انیس امت کی طرف سے اس کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انیس ایک رات میں ۳۰۰ بند کہہ سکتے ہیں، لیکن وہ نہیں کہتی، یہ جواب دیتی ہے: "درست ہے جو رات بھر میں سو بند کہتے ہیں وہ بے اصول اور بے ربط ہوتے ہیں اور جب ادائے مطلب پہ آتے ہیں تو اسے کچھ نہیں رہتے" ص ... انیس کی سالانہ پیداوار جسے "انیسی امت" نے اصلی تعداد ... کر کے قبول کر لیا ہے، زیادہ سے زیادہ ۱۵ ہے۔ انیس کی شاعری کی عمر ۵۰ سال مان لی جائے، تو مراثی کی مجموعی تعداد ۷۵۰ ہوتی ہے۔

"اوراقِ پارینہ"

ایک نایاب قلمی بیاض

(ابوالفضل سید محمود صاحب قادری ایم۔اے عثمانیہ ریسرچ اسکالر (انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی)

حال ہی میں پروفیسر نجیب اشرف ندوی نے "اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کو اپنے کتب خانہ کی قلمی کتابیں عاریتًا دی ہیں ان میں بعض اردوئے قدیم سے بھی متعلق ہیں، اور ایک نایاب قلمی بیاض بھی ہے۔ قیاس اغلب ہے کہ یہ بیاض گیارہویں صدی سے قبل کی ہے۔ مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں :-

۱ - خط :- اس کا خط نسخ ہے اور تمام الفاظ پر مکمل اعراب موجود ہیں۔

۲ - املا :- اس کا اصول املا بہت قدیم ہے جس کی تفصیل آگے پیش کی جائے گی۔

۳ - کلام :- اس میں جن شعراء کا کلام درج ہے وہ سب گیارہویں صدی سے پہلے کے ہیں۔

بیاض کی حالت ناقص اور خستہ ہے، اول و آخر سے اوراق بھی غائب ہیں، بیاض کا نام، اس کے مالک اور کاتب کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

موجودہ صورت میں یہ بیاض ورق ۳و سے ۱۷۳ب تک موجود ہے، اس طرح اس میں جملہ (۱۷۰) اوراق یعنی (۳۴۰) صفحات ہیں۔ اس میں مختلف شعراء کا عربی، فارسی اور اردو کلام درج ہے۔ درمیانی اوراق میں ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۳۲ تا ۱۳۹، ۱۴۲، ۱۴۳، اور ۱۴۸ تا ۱۵۱ اس طرح جملہ (۱۵) اوراق (۳۰ صفحات) موجود نہیں ہیں۔ مزید تفصیل اور وضاحت کے لئے اس بیاض کی سلسلہ وار ترتیب ذیل میں درج کی جاتی ہے :-

ورق ۴و تا ۴ب پر جو اشعار درج ہیں وہ ایک نظم کے چند ایسے اشعار ہیں جن کا سلسلہ پچھلے صفحات سے ہے اور یہ وہی نظم ہے جو دوبارہ ۱۱۹ پر درج ہے۔

۵و سے ۱۱و تک عربی کلام ہے، اس کے آگے کے اوراق کی تفصیل یہ ہے :-

۱۱و تا ۱۲ب	نظم (مثنوی)	عاقل	تعداد اشعار	۲۲	اُردو -
۱۲ب تا ۱۳و	غزل	مستن	۔	۔ ۱۰	۔
۱۳و تا ۱۳ب	غزل	خشنود	۔	۔ ۱۳	۔
۱۴ب تا ۱۵و	غزل	(نامعلوم)	۔	۔ ۸	۔
۱۵و تا ۱۶و	غزل	[illegible]	۔	۱۵	۔

۱۵ و تا ۱۸ و	غزل	مسرور	تعداد اشعار	۱۰	اردو
۱۸ و تا ۱۹ و	غزل	شوری کمن	۰ ۰	۱۰	۰
۱۹ ب تا ۲۲ و	نظم (مثنوی)	(نامعلوم)	تعداد اشعار	۲۳	اردو
۲۲ و تا ۲۵ ب	حمد	(نامعلوم)	۰ ۰	۵۸	۰
۲۵ ب تا ۲۶ و	غزل	حافظ	۰ ۰	۱۲	فارسی
۲۶ ب تا ۲۷ و	نعت	فتح	۰ ۰	۱۸	اردو
۲۷ ب تا ۲۸ ب	نظم	(نامعلوم)	۰ ۰	۱۰	فارسی
۲۸ ب تا ۳۰ و	نعت	قادل	۰ ۰	۱۲	اردو
۳۰ و تا ۳۱ و	نعت	(نامعلوم)	۰ ۰	۱۰	۰
۳۱ و تا ۳۲ و	غزل	حامد	۰ ۰	۱۶	۰
۳۳ و تا ۳۴ و	نظم	(نامعلوم)	۰ ۰	۱۰	۰
۳۴ و تا ۳۹ ب	"	"	" ۰	۳۶	"
۳۹ ب تا ۴۰ ب	غزل	حافظ	۰ ۰	۱۴	فارسی
۴۰ ب تا ۴۲ و	غزل	(نامعلوم)	۰ ۰	۱۲	اردو
۴۲ و تا ۴۲ ب	نعت	نسقی	۰ ۰	۱۰	۰
۴۲ ب تا ۴۶ و	نظم	مومن	۰ ۰	۳۲	۰
۴۶ و تا ۵۰ ب	نظم	(نامعلوم)	۰ ۰	۴۰	۰
۵۰ ب تا ۵۲ و	نظم	(")	۰ ۰	۱۴	۰
۵۲ و تا ۵۳ ب	نظم	(")	۰ ۰	۱۴	فارسی
۵۴ و تا ۵۶ ب	نظم	(")	۰ ۰	۳۴	اردو
۵۸ و تا ۵۹ و	نظم	(")	۰ ۰	۲۲	عربی
۵۹ ب	غزل	خسرو	۰ ۰	۹	فارسی
۶۰ و تا ۶۱ ب	غزل	مصحفی	۰ ۰	۱۴	اردو
۶۱ ب تا ۶۲ و	غزل	(نامعلوم)	۰ ۰	۱۰	فارسی
۶۲ و تا ۶۳ ب	نظم	(نامعلوم)	۰ ۰	۲۴	عربی
۶۳ ب تا ۶۷ ب	نظم	علی	۰ ۰	۷۴	اردو

۶۷ ب تا ۶۹ ب	نظم	(نامعلوم)	تعداد اشعار ۳۲	اردو
۶۹ ب تا ۷۰ ب	〃	(نامعلوم)	〃 〃 ۲۴	〃
۷۱ و تا ۷۱ ب	غزل	سعدی	〃 〃 ۱۶	فارسی
۷۲ و تا ۷۲ ب	نظم	ظہیر	تعداد اشعار ۱۲	فارسی
۷۲ ب تا ۷۳ ب	〃	(نامعلوم)	〃 〃 ۱۶	〃
۷۳ ب تا ۷۴ ب	〃	سعدی	〃 〃 ۲۰	〃
۷۴ ب تا ۷۵ و	〃	نظامی	〃 〃 ۱۰	〃
۷۵ و تا ۷۶ ب	〃	(نامعلوم)	〃 〃 ۱۳	〃
۷۶ ب تا ۷۷ ب	غزل	خسرو	〃 〃 ۱۰	اردو
۷۸ و تا ۷۹ ب	نظم	(نامعلوم)	〃 〃 ۱۷	〃
۷۹ ب تا ۸۲ و	〃	علی	〃 〃 ۳۲	〃
۸۲ ب تا ۸۹ و	〃	(نامعلوم)	〃 〃 ۲۴	〃
۸۹ ب تا ۹۲ ب	〃	(〃)	〃 〃 ۲۲	〃
۹۳ و تا ۹۶ ب	〃	فرید جی	〃 〃 ۳۵	〃
۹۶ ب تا ۹۷ ب	〃	(نامعلوم)	〃 〃 ۸	〃
۹۷ ب تا ۱۰۲ ب	〃	(〃)	〃 〃 ۳۰	〃
۱۰۳ و تا ۱۰۴ ب	〃	(〃)	〃 〃 ۱۴	〃
۱۰۴ ب	عربی کلام	(〃)	〃 〃 ۳	عربی
۱۰۵ و تا ۱۰۵ ب	〃	(〃)	〃 〃 ۵	〃
۱۰۵ ب تا ۱۰۶ و	〃	(〃)	〃 〃 ۴	〃
۱۰۶ و تا ۱۰۶ ب	〃	(〃)	〃 〃 ۲	〃
۱۰۶ ب	نظم	(〃)	〃 〃 ۴	فارسی
۱۰۷ و	〃	(〃)	〃 〃 ۴	〃
۱۰۷ ب تا ۱۰۸ و	〃	(〃)	〃 〃 ۵	〃
۱۰۸ و تا ۱۰۸ ب	〃	(〃)	〃 〃 ۶	〃
۱۰۸ ب تا ۱۰۹ ب	〃	(〃)	〃 〃 ۸	〃

۱۰۹ب تا ۱۱۰و	نظم	نامعلوم	تعداد اشعار ۴	عربی
۱۱۰و تا ۱۱۱و	"	(")	" " ۱۳	"
۱۱۱ب تا ۱۱۲و	"	(")	" " ۱۵	"
۱۱۳و تا ۱۱۳ب	نظم	نامعلوم	تعداد اشعار ۱۰	عربی
۱۱۴و تا ۱۱۵و	"	"	" ۱۰	"
۱۱۵و تا ۱۱۹ب	"	"	" " ۱۰	"
۱۱۹ب تا ۱۲۳و	"	"	" " ۴۲	اردو
۱۲۳ب تا ۱۲۶و	"	"	" " ۲۲	"
۱۲۶ب تا ۱۲۷و	"	"	" " ۳	عربی
۱۲۷ب	"	"	" " ۱۴	اردو
۱۲۸و	"	"	" " ۱۶	"
۱۲۸ب تا ۱۲۹و	"	"	" " ۶	فارسی
۱۲۹و تا ۱۳۰ب	"	"	" " ۱۴	"
۱۳۰ب تا ۱۳۱ب	"	شمس تبریزی	" " ۹	"

۱۴۰ ب کے آخری حصہ پر کاتب نے "غزل" کے عنوان سے کچھ اُردو اشعار لکھے ہیں لیکن ان کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار میں صرف ۲۰۲ (دودو) اشعار کے ردیف اور قافیئے ایک ہیں اور اسی طرح یہ سلسلہ ۱۴۱ ب تک ہے۔ ۱۴۲ و سے پھر اُردو اشعار کا سلسلہ ہے اور ان کی بھی وہی صورت ہے۔ غرض اسی طرح کی غزلوں کا سلسلہ ۱۴۴ و تک ہے۔ ۱۴۶ و کے درمیانی حصہ پر کاتب نے "ریختہ" کے عنوان سے کچھ اشعار درج کئے ہیں۔ ان میں بھی اسی طرح دو اشعار کی حد تک ردیف اور قافیہ ایک ہے۔ اس طرح کے اشعار ۱۴۷ و تک موجود ہیں۔ ۱۵۲ و پر "باقی سو" کی ردیف میں کُل ۹ اشعار ملتے ہیں اور اس نظم کا تعلق بھی اپنے ماقبل صفحات سے ہے۔

۱۵۲ب تا ۱۵۳ب	ریختہ	نامعلوم	تعداد اشعار ۱۰	اردو
۱۵۳ب تا ۱۵۵و	"	"	" " ۱۸	"
۱۵۵و تا ۱۵۶و	"	"	" " ۱۰	"
۱۵۶و تا ۱۵۸ب	"	"	" " ۱۴	"
۱۵۸ب تا ۱۵۸ب	"	"	" " ۱۲	"
۱۵۸ب تا ۱۵۹ب	"	"	" " ۱۲	"

۱۶۰ الف تا ۱۶۰ الف	ریختہ	نامعلوم	تعدادِ اشعار	۱۰	اردو
۱۶۱ الف تا ۱۶۵ الف	غزل	علاؤالدین	۔۔ ۔۔	۴۴	۔۔
۱۶۵ الف تا ۱۷۱ الف	(قصہ) نظم	نامعلوم	۔۔ ۔۔	۶۳	۔۔
۱۷۱ الف تا ۱۷۲ ب	ریختہ	۔۔	۔۔ ۔۔	۱۸	۔۔
۱۷۲ ب	غزل	۔۔	۔۔ ۔۔	۲	۔۔ نامکمل

۱۰۱ ب کے بعد ایک اور صفحہ موجود ہے جس پر ۲۶ ب کے آخری حصہ کی نظم کو دوبارہ درج کیا گیا ہے۔ اوراق ۲۶ و ۲۷ پر اس نظم کے کل ۱۸ اشعار درج ہیں لیکن ہمیں یہاں ۱۷۳ الف تا ۱۷۳ ب پر صرف سترہ ہی مصرعے ملتے ہیں جو اپنی پچھلی ترتیب ہی میں مکتوب ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ بیاض ہنوز ختم نہیں ہوئی ہے۔ یہاں ہم کو اس بیاض کے صرف اردو کلام سے غرض ہے۔

اُردو کی ہمیں صرف ۵ نظمیں، ۹ غزلیں اور ۳ نعتیں ایسی ملتی ہیں جن کے آخر میں شعراء نے اپنے تخلص استعمال کئے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:۔

عاقلؔ ـــــ نظم | فتحؔ ـــــ نعت | قلیؔ ـــــ نظم
حسنؔ ـــــ غزل | عاقولؔ ـــــ نعت | خسروؔ ـــــ غزل
خشنودؔ ـــــ غزل | قادرؔ ـــــ غزل | علیؔ ـــــ نظم
چنداؔ ـــــ غزل | نصفیؔ ـــــ نعت | فریدیؔ ـــــ نظم
منصورؔ ـــــ غزل | موہنؔ ـــــ نظم | علاؤالدینؔ ـــــ غزل
سعدی دکھنی ـــــ غزل | صفیؔ ـــــ غزل |

ان شعراء کے کلام کے علاوہ بیشتر کلام ایسا ہے جن میں شعراء نے اپنے تخلص استعمال نہیں کئے ہیں اس لئے یہ معین کرنا ممکن نہیں کہ وہ کن شعراء کا کلام ہے۔ اس بیاض میں بعض ایسے شعراء کا کلام بھی درج ہے جو غیر معروف ہیں اور جن کے حالات وغیرہ کے بارے میں تاریخ ہماری کوئی مدد نہیں کرتی۔ پھر بھی ہم کوشش کریں گے کہ جتنے بھی شعراء کے حالات وغیرہ ہمیں معلوم ہوں، ان مضامین کے سلسلہ کے اختتام پر ان کے تفصیلی حالات ایک ضمیمہ کے طور پر شائع کر دیں گے۔

اس بیاض کا اردو کلام جن اصنافِ سخن پر مشتمل ہے اس کی تفصیل یہ ہے:۔

حمد	ایک عدد	غزل	۱۴ عدد
نعت	۳ عدد	کلام بعنوان ریختہ	۷ عدد
نظم	۲۳ عدد		

سردست ہم اس بیاض سے دو نظمیں ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، جس سے اندازہ ہوگا کہ ان کی زبان اور طرز تحریر کس درجہ قدیم ہے اور موجودہ صورت اور قدیم صورت میں کتنا اختلاف ہے۔

"نظم"

یہ نظم کس شاعر کی ہے اس کا ہمیں علم نہیں ہو سکا۔ یہ نظم فرقۂ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتی ہے جس میں اس فرقہ کے داعی کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اس نظم میں سُرخ رنگ کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سُرخ رنگ ایک زمانے سے اہمیت کا حامل رہا ہے، یہاں شاعر کو ہر شئے میں سُرخ رنگ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

فرقۂ اسمٰعیلیہ کے متعلق اُردو زبان میں بہت کم لکھا گیا ہے اس اعتبار سے بھی ہم اس نظم کو پیش کر کے اس کمی کو پورا کر رہے ہیں۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم"

۱ ایک ٹھولون جوہر کی کھان　　داعی ہادی لال بکھان
۲ داعی ہادی غھو ورن　　پد سورج جھلکی لال کرن
۳ امام سورج کی پری کرن　　اُسبھی ہوئی پد غھو ورن
۴ سب آناج می را اتا غھون　　صفت لالون مین مکی کھون
۵ ستا دنیا مین اتم لال　　یہ لال پروی نا کھون وال
۶ لالی سب لال کیجی کرتار　　سب لالون کون نانک اُوتار
۷ یہ لالن می لالی سو بھوت　　سب لالون کون لیا بی جھوت
۸ یہ لال می لالی سو انت　　جون پرواری لال سو ہنت
۹ یہ رات مانی دین کی مول　　جون رات لال انار کی پھول
۱۰ یہ دن رات ہیرا جور　　جون رنگو ری لال سندور
۱۱ دن راتا لال سدا ہی ایک　　جن لالی لال بنایا دیک
۱۲ وی ہمری داعی رات لال　　جون کرن سورج کی چال
۱۳ یہ لال مکھ می لال ہی بول　　کلام اللہ کہ ستی سو قول
۱۴ تادیل بیان کری سو کہول　　جی مکھ می ہی لال تنبول
۱۵ آج رب کی باری مان یہ لال　　جیون باری می لال غلال
۱۶ تین کھنڈ یہ لال ولی　　جیون جنیون کہ مہات کلی

۱۷ دلب لال هماري غنت — کجرات هواية لال تخت
۱۸ داعي كه درغه اكنج ديس — ديكها مين سب را تا جيس
۱۹ جئون جئون ديكهون تيئا لال — تيئن تيئن ديكهون را تا لال
۲۰ لال پلنغ اس رات پاري — لال ر لنجهي سي لال جهائي
۲۱ لال پلنغري ڍهاڻي ايك — لال ر ليجي پاسي ديك
۲۲ اس پر لال چندر وا ايك — غلبي اسمي رات ديك
۲۳ لال پلنغري اوپر ايك — سيرخ لال جهائي ديك
۲۴ پاسي تنيا چهوڙ را ايك — وچي پي را اتا لال سو ديك
۲۵ اسكي هات لغولي ايك — وچي بهي لال عقيق كي ديك
۲۶ داعي تنيا بهني ايك لال — بيبي لال پلنغري ڍهال
۲۷ لال تنيا پر پا مري لال — يه با ري هو ري لال غلال
۲۸ داعي كي مهك رات نيال — جئون كرن سورج كي چال
۲۹ لال منگهسي بو لي بول — لال پان مهك مهان تنبول
۳۰ لال عدي پاني كے لال — اسمي باسي لال غلال
۳۰ بر گهند مين يه تين سو لال — مو تي ها ر بچي معبون لال
۳۲ نو مو تي مين تين سو لال — نون بار مو تي كا كتا هار
۳۳ چار گهند مين ايچ چال — جئون چلر مو تي كي ايچ ايك لال
۳۴ پهلا گهند مين لال نيسن — لال داعي كا جهان آمن
۳۵ دو جا گهند مين سند مين لال — لال داعي كا جهان مين چال
۳۶ تيجا گهند لال گجرات — سب لال پيني يه لال گجرات

"نظم"

یہ نظم بھی کسی شاعر کی ہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ بھی اسی فرقۂ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ فرقۂ اسمٰعیلیہ کی رفتہ رفتہ مختلف شاخیں ہو گئیں۔ ان میں سے ایک شاخ "[illegible]" کہلاتی ہے۔ اس نظم میں بہت سے ایسے لوگوں کے نام بھی ملتے ہیں جو فرقۂ [illegible] کے پیرو اور [illegible] میں سے تھے۔ اس سے بھی اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ نظم فرقۂ اسمٰعیلیہ کی [illegible] سے متعلق ہے۔ اس نظم میں ایک [illegible] کا تفصیلی تذکرہ ہے جس میں

چند لوگوں کو سفید سمجھ کر قید کر دیا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱ الٰهي ٿمر تون محن ڪيميون　　نهم ڪي هي سبين طالب
۲ خلق سڀ ٻهند بيني ۽ ودي　　مصيبت يون هوئي غالب
۳ خدا کا حمد سن اول　　پيهين صلوات محمد پر
۴ پيهين سڀ ال پر صلوات　　پهر ومومن تمام فهم کر
۵ پيهين چار يار هي بر حق　　ابوبکر عمر عثمان
۶ ملے چوٿي خليفه هي　　پيهين قضيا سنو دمر کان
۷ سنه تو هزار پنچ نون　　عدد يو هين نکي ظاهر
۸ سنو تاريخ شب آپ ديسي　　محرم ماه کي آخر
۹ هوا ايڪ نر لڙ لا بهاري　　نه مانا آخري ما هان
۱۰ بنا سيي ٿمر سيي ر ودي　　الهي يون نجي بها يا
۱۱ قلم مار اجنو کي ناب　　حڪمتي لي کنون لکت بهولي
۱۲ هر کسوٽي ڪهم کتي بيو مل　　عدل ميزان يون تولي
۱۳ يه هي تقدير کا مايا　　نهي عنجا سن لس ليري
۱۴ ليمتي ري ڪهار مي برسلن　　يهي جنت دري ستيوي
۱۵ تقدير ليري بکي اوپر　　سنو تم ابتدا قضيا
۱۶ چغن ايڪ دين کي پيدا　　هوا ان فريب يون لهيا
۱۷ ڪهيا کهه را فقني فتوح　　امانت بينا کي ا عمي
۱۸ امين قاضي ني تملت کي　　هيي دشمن کي دهتي تما تي
۱۹ حکم کر بيا دي بهمي　　سوا اري طبيب کي چهر دکون
۲۰ پکر اس بها ندلي چلي　　نا اري ٿمر کج لتس کون
۲۱ پري جو سيلس تر سميا　　سود دهيل ناکسي ا کي
۲۲ خدا بن ناکسي کها　　الهي تون شرم رکهين
۲۳ لو دشمن ماري لياري　　لو جاني جو را ايڪ پکڙا
۲۴ خوشحال تو هوري دلماهان　　لو پايا هيم کا ٿهنبو را

۲۵ پڙهي ليا ڙي سو حضرت کيا — لڪ حضرت ڏيکي حلم کيتا
۲۶ بلا تڙويز بندي خاڻي — سڀهو لوڻ ڀڄيچ پون ڏيتا
۲۷ ڪه مومن وا ڦتا سڻ قهر — سڀي لو ڏورڙي اڙي
۲۸ خصوصا خويش قبيلا ساڙ — پڪڙ اس ڀاڄي باڙي
۲۹ سو ڪيتي مهر طيبجان کون — ڪه بد نامي اسي وڃي
۳۰ ڄيلي مي دا لکن ڙسري — سو باڙي بڪ ڦر ڄيپي
۳۱ ڦيي تو ادمي باڙج — سو طيب خان ايڪ الغي
۳۲ خصوصا خويش محبت ماڻ — الوڪي دا وتون بلکي
۳۳ سڀهو ڪون ڀا غسي ليالوي — سوا هادي ڙات کون ڄاڻو
۳۴ هوا به نلڙ لا ڀاڙي — ڙ ما نا اخري مالو
۳۵ ڪه تو جي ڀاڄي ملا ٻهي — ڪه عيسي جي نوا تغري
۳۶ ڪه نوح ڀاڙي تاج ڀاڙي دو ڀاڙي — ڪه دوسا ڀاڙي ٿيا سفري
۳۷ ڪه داؤد جي لجم خان اڙي — رحيم ابن طيبخان ساٿ
۳۸ ڪه چاند جي عنايت الله ڪا — سو دڙاڙي قتل دي هاٿ
۳۹ ملڪ ڀاڙي چاند ميان لڙڪا — صغير ڪه صالح ڀاڙي هر پڙو ٻهي
۴۰ ڪه خدمت مي علي دوڙا — ڪه محمد خان و ڀجا پوڙي
۴۱ يه جمله ادمي باڙج — سو طيبخان ڙکهي الغي
۴۲ پڇهي سب جماڪ نغز دوڙي — خبر يه سن سو سب سلڪي
۴۳ صباح مو قوف عدالت کي — سو مصلحت ايڪ ايڪ جوڙي
۴۴ طيبجان جهوپ ڪڙ پڪڙا — اڏون لوڻ ساڄ ڦر جهوڙي
۴۵ جو دلو محصول تم دهمڪون — هزاران سمنڪري ماڪي
۴۶ يهي سب تهي مسبب لوڙي — حقيقت سن هوڙي ڪيا تڪي
۴۷ ڪه عيسي نام جن ڪا ٿيا — امين في اس بلا ڀيجا
۴۸ ڪيا ڪه جهوڙ دي لون سڪون — جو لون صبح سون ڀيج ڦر جا
۴۹ ڪيا ڪس بات تم ما ڪو — همه مفلس فقط ٿا ڙي
۵۰ خدا ڪي امن مي ڙهيي — سو ٿيا في پيڇي ڪي سا ٿي

۵۱ کہ معصوم جب ہوئی الف کے　　تبی ایک محضر ا لینتا
۵۲ چھل کی مصلحت کر ہلف　　حضور کوں بھیج کر دیتا
۵۳ سو ٹپو نکی غایط دلما ہات　　خدا کو ادر کی چھاوی
۵۴ دیو کی محیل کم دیکھو　　نتیجا دی ثروت پاوی
۵۵ کہ عہدی پادشاہی ایا　　سو گجرات شہر کے ماہین
۵۶ کہ ہندوی کون بلا لینی　　بری محنت سو لتن تہاہین
۵۷ کہ ماہ جب ستر می روں　　چلے فرمان لیا آپین
۵۸ کہ سر پر مہ ہمن ترسی　　آچن کی تاب سب کانپی
۵۹ خدا یہ دوپ کیسی ہوی　　کرم اپنا لکا پاوی
۶۰ سمیا جوسر پڑی اپنی　　خدا ین کہان عذر لیاوی
۶۱ چلی او ر انکہ ہمی　　سو تاریخ ساٹھی بھاری
۶۲ مبارک ماہ رمضان کی　　حکم آیا سو پادشاہی
۶۳ بندی خانی ر ہو سبکون　　کہیا اتمام خان اکر
۶۴ دی تہیا کتوال پادشاہی　　رکھی سبکون حبس باکر
۶۵ بندی خانی یہان آوی　　پڑی دو ہیل سوات بھاری
۶۶ لنا سی بھر سپی رو دی　　نہ روجبی کچھ وَیہ کاری
۶۷ کری سب آہ واہ ہندی　　درد نت درد سون رو دی
۶۸ چہ دانذلی درد رو وی　　جسی سینی درد ہووی
۶۹ مصیبت یہ دعا مانگی　　الٰہی ہند خلاص لیجین
۷۰ نتیجا ر و محشر مین　　اجر اس عاقبت دیجین
۷۱ محمد کی برکت سی　　سو چار یار کی دعا ستی
۷۲ کہ کلمان پاک ہمو مکھ سی　　سپی ہند سی خلق چھوٹی

ان دونوں نظموں کو پڑھنے سے ناظرین کو ایک اندازہ ضرور ہوگا کہ اردو زبان کی قدیم اور جدید صورتوں میں کتنا واضح فرق ہے۔ رسم الخط، تلفظ اور دیگر باتوں میں جو اختلافات ہیں وہ مزید تشریح اور وضاحت کیلئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :-

۱- نُونِ غُنّہ :

(الف) جہاں ہم لاتے ہیں وہاں ترک کیا گیا ہے۔ مثلاً

رنگوی = رنگوں میں

گہو = گیہوں

دل ما = دل میں

سبہو = سبھوں

کھیچ = کھینچ

(ب) جہاں ہم ترک کرتے ہیں وہاں موجود ہے۔ مثلاً

جنو = جو

کوں = کو

توں = تو

دیجئیں = دیجئے

کلماں = کلمہ

کیجئیں = کیجئے

(ج) نُونِ غنّہ میں تقدیم و تاخیر مثلاً : یوہیں = یوں ہی

(۲) ہائے مخلوط :

(الف) جہاں ہم ترک کرتے ہیں وہاں موجود ہے۔ مثلاً

کہان = کان	بہاندہ = باندہ
ڈھالی = ڈالی	بھند = بند

(ب) جہاں ہم لاتے ہیں وہاں ترک کیا گیا ہے مثلاً

تبہی = تب ہی، تبھی	دک = دکھ
پادشائی = پادشاہی	لکت = لکھت
دیک = دیکھ	گرائے = گھرائے
ہات = ہاتھ	پاسی = پاس ہی
انگوٹی = انگوٹھی	اگی = آگ ہی
کچ = کچھ	آپی = آپ ہی

بیکھے = دیکھے   سبی = سب ہی - سبھی

نے = نہیں   پیا = پیاہ

(ج) تقدیم و تاخیر مثلاً   تمھک = تمکد

پھاسے = پاہے

اعادی = آدمی

(۳) یے کا استعمال :

(الف) اضافہ کی شکلیں مثلاً

جیوں = جوں   دیکھیا = دیکھا

تیوں = توں   دیوں = دوں

نہوئے = نہ ہو   چلیئے = چلے

لیائے = لائے   کھیا = کہا

سھیا = سہا

(ب) ی کی ہ سے تبدیلی مثلاً

ذی = وہ   سبھیں = سب ہی

آپیں = آپ ہی

(۴) واؤ کا استعمال :

(الف) اضافہ کی شکلیں مثلاً

بہوت = بہت   اوتار = اُتار

اون = اُن   رووے = روئے

ہووے = ہوئے

(ب) حذف کی شکلیں مثلاً

سُنا = سونا   پُچھے = پوچھے

خشحال = خوش حال   چھُٹے گی = چھوٹے گی

(۵) لفظ کی آخری ہ کی بجائے ا کا استعمال، مثلاً :

زمانا = زمانہ   واقعا = واقعہ

زلزلا = زلزلہ   نتیجا = نتیجہ

قضیٰا = قضیہ　　قبیلا = قبیلہ

(۶) ؤ کا استعمال :

(الف) اضافت کی شکلیں مثلاً : صباح = صبح　راہے = ہے　راکھیں = رکھیں

(۷) فارسی اور عربی املا کی بعض قابلِ ذکر خصوصیات :

(الف) لفظ کی آخری "ت" کو عربی کی طرح گول لکھنا مثلاً :

سنۃ = سنہ　کہ = کہ

(ب) لفظ کے درمیان کی ی اور ہمزہ دونوں موجود مثلاً :

گنجایش = گنجائش

(۸) کسی لفظ کے درمیانی حرف کو مشدّد لکھنا، مثلاً :

برکّت = برکت

(۹) مد (~) کا استعمال :

اشعار میں مد (~) کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے۔ اکثر جگہ مد کی بجائے چھوٹا (ا) لکھ دیا گیا ہے اور بعض مقامات پر صرف زبر (َ) ہی سے کام لیا گیا ہے مثلاً :　اٰے = آئے　اٰگے = آگے

رسم الخط

(الف) موجودہ اور قدیم صورت میں ک اور گ کی تحریر میں کافی اختلاف ہے۔ اور ان کے املا حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ ک = ݣ یا ڪ

۲۔ گ = ڲ یا ڳ

۳۔ گ = ۼھوں = گیہوں۔ یعنی حرف غ کے نیچے تین نقطے دے کر اس کو گ پڑھا جاتا ہے۔

(ب) ٹ کا املا اس طرح سے ہے :

ٹ = ڟ یعنی حرف ط کے نیچے تین نقطے دے کر اس کو ٹ پڑھا جاتا مثلاً :

اڟا دسیی = اٹھا دیجیو

(ج) پھ کا املا اس طرح سے ہے :

ڢڑکر = پڑھ کر　ڢڑو = پڑھو

یعنی ف اور ہ کو ملا کر اس کے نیچے تین نقطے دینے سے پھ پڑھا جاتا ہے۔

(د) خ اور غ، ف اور ط میں اکثر جگہ امتیاز نہیں ہے :

خاسی = خاص، بھاخ = باغ، جوطے = چوتے

(ہ) یائے معروف اور یائے مجہول کا استعمال اکثر جگہ غلط ہے مثلاً :

لیائی = لائے   جولی = چوتے وغیرہ

(و) کاف بیانیہ "کہ" اور کاف اضافت "کے" کا استعمال اکثر جگہ غلط ہے۔

(م) ٹ کا املاً :

ب کے نیچے تین نقطے دینے سے ٹ = پ

(ن) ڈ کا املاً : د کے نیچے تین نقطے لگا دینے سے ڈ = چ

(ں) ہائے مخلوط کا مرکز یا حلقہ کسی جگہ بھی موجود نہیں مثلاً ۔

جوٹی = جھوٹے

رجہی = روجھی

بعض مقامات پر ہ کے نیچے تین نقطے بھی موجود ہیں جن کو اُسی ہ کا مرکز سمجھنا چاہیے ۔

حسب ذیل تصرفات قابلِ اعتراض ہیں :

ملال = گلال   تردیز = تجویز

سنودھرکان = کان دھر سنو   بھاخ = باغ

بارش = بارہ ہی

کطوال = کوتوال   رسری = رسی

رافقی = رافضی (شیعہ)   بجندوی = فدوی

بائے = لائے   اطاویکی = الٹائیسویں

معصت = مصلحت   غدمت = خدمت

خاسی = خاصی

ستری = ستر ہویں   زلیچی = غالیچہ

جوطے = چوتے   چندروا = چادر

متروک اور مشکل الفاظ کے معنی

نظم (۱)

داعی	پیشوا، سرگروہ	انت	انتہا، بہت زیادہ
بکھان	تعریف کرنا	بھنت	بھانت بھانت، طرح طرح
ورن	رنگ	ایام	اس وقت
استی	اس سے	ساتا	لال سرخ۔ بھگوا رنگ
		کھنڈ	حصہ

گجات	گجرات
ایکچ	ایک ہی
پامرے	حاشیہ، بارڈر
قبا	جُبّہ
بارکند	بارہ سمتیں
کیتا	کیا
ایچ	یہ ہی
دوجا	دوسرا
تیجا	تیسرا
پچھے	پرے
چال	مکان، گھر

نظم (۲)

بھند	قید، بند
پیچھے	بعد میں
پُچھے	پوچھے
قضیا	جھگڑا، بات
ماھاں	مہینہ
نساسی	آنسو
جنو	جو، جن کے
لکت	لکھا ہوا
گھنیرے	گہرے
گھاسا	تھال، برتن
پرسپن	کھانا کھلائیں، دیں
سرانضی	شیعہ فرقہ
توجہ	جو قوم
بندی خانہ	قید خانہ

مئی	میرے
سیس	سر
دوھیل	مصیبت
ھیم	سونا
بھاخسی	باغ سے
بائے	لائے
سرسوی	رسّی
بارج	بارہ ہی
سلکے	الگ ہوئے
سھنکری	سکّہ، روپیہ
کھانکی	حیران
منج	مجھے
گونٹھ	دوسروں کی بُرائی سوچنا
سانسی	مفلسی
تُرت	فوراً، جلدی
اھا، اھے	ہے
ماھیں	میں ہی
کھوی	کھیں
سوات	اتنے میں
سروچھے	بھرے
ونت	والا
مدمگھن	برسات کا پانی
امدانگر	احمد نگر
بھندوی	فدوی

سنٹرل ریکارڈ آفس کی اردو قلمی کتابیں

(جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی)

حکومت حیدرآباد دکن کا سنٹرل ریکارڈ آفس ابتدا میں دفتر دیوانی مال ملکی استفا کے نام سے موسوم تھا پولیس ایکشن (۱۹۴۸ء) کے بعد اس دفتر کا نام تبدیل کر کے سنٹرل ریکارڈ آفس رکھا گیا ہے۔ یہاں نہ صرف حکومت آصفیہ کے آغاز (۱۱۳۵ھ) سے دفتری کاغذات محفوظ ہیں بلکہ مغلیہ سلاطین میں سے شاہجہانی و عالمگیری عہد کے کاغذات بھی موجود ہیں۔ یہ کاغذات اورنگ آباد کے قلعہ کے ایک حجرہ میں مقفل تھے، اس کے علاوہ پیشواؤں کی مرہٹہ حکومت سے متعلق بھی فارسی اور مرہٹی کاغذات یہاں ملتے ہیں۔

دفاتر دیوانی مال ملکی وغیرہ اولاً علیحدہ علیحدہ مقامات پر تھے مسٹر واکر صدرالمہام مالیات کے عہد (۱۹۰۱ء) سے ان کو ایک جگہ کرنے کی کوشش شروع ہوئی اور یکے بعد دیگرے یہ دفاتر جو دیوانی استفاء، مال مطالبات، مواہیر، ملکی، چیکاری اور دارالانشاء سے موسوم تھے بالآخر سر اکبر حیدری کے زمانے میں (۱۹۳۸ء) ایک جگہ کر دئے گئے اور پولیس ایکشن کے بعد تمام معتمدین کے دفاتر کی قدیم اثل یہاں منتقل کر دینے کا تصفیہ ہوا۔ بہر حال اس دفتر کی حیثیت بڑی حد تک تاریخی تھی اور اب بھی اس کو یہی امتیاز حاصل ہے، اس دفتر سے متعلق ایک کتب خانہ بھی ہے، اس میں فارسی، اردو، عربی، انگریزی، تلنگی مرہٹی اور کنڑی زبانوں کی کتابیں موجود ہیں ان میں مطبوعہ کے ساتھ قلمی کتابوں کا بھی ذخیرہ ہے، چنانچہ ان کی تعداد (۵۰۰) ہے اس میں سے (۳۴) اردو ہیں۔

میں نے ۱۹۳۷ء میں یہاں کی اردو قلمی کتابوں کی ایک وضاحتی فہرست مرتب کی تھی، جو ہندستانی اکیڈیمی الہ آباد کے رسالہ "ہندوستانی" میں شائع ہوئی تھی، اس وقت جو ۲۴ اردو قلمی کتابیں تھیں، ان کو بلا لحاظ فن، سنہ تصنیف کے لحاظ سے مرتب کیا گیا تھا۔ اب اس کو نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ بلحاظ فن مرتب کیا گیا ہے۔

واضح ہو کہ یہ فہرست انجمن ترقی اردو کی جانب سے مرتب کی گئی ہے، انجمن نے حیدرآباد کے تمام کتب خانوں کی اردو قلمی کتابوں کی وضاحتی فہرست مرتب کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس سلسلہ میں کتب خانہ

آصفیہ، کتب خانہ سالار جنگ اور مجلس خانہ حیدر آباد کی فہرستیں مرتب ہو گئی ہیں یہ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی ہے۔

اس موقع پر مولانا حبیب الرحمن صاحب معتمد انجمن ترقی اردو حیدر آباد اور قاضی عبدالغفار صاحب مرحوم معتمد انجمن ترقی اردو (ہند) کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی توجہ دلچسپی سے اس قسم کے ٹھوس کام کی ابتدا ہوئی ہے۔

آخر میں مجھے مولوی محمود حسن صاحب ناظم سنٹرل ریکارڈ آفس کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ موصوف نے فہرست مرتب کرنے کی اجازت دی اور پوری سہولت مرحمت فرمائی۔ یہاں یہ امر قابل تحریر ہے کہ محمود حسن صاحب کی کوشش سے نواب سالار جنگ کے اسٹیٹ کے تاریخی کاغذات بھی یہاں منتقل ہو گئے ہیں اس کی وجہ سے یہاں کے تاریخی کاغذات میں بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔

امید ہے کہ میری یہ فہرست ارباب ذوق کی دلچسپی کا موجب ہوگی۔ فقط

نصیر الدین ہاشمی

تاریخ

(۱) علی نامہ

نمبر (۸۰۰) سائز (۱۳×۹) صفحات (۱۸۲)، سطریں (۱۳)، حاشیہ (۱۶) جلد (۲۹) خط نسخ
مصنف نصرتی، تاریخ تصنیف ۱۰۷۶ھ، کتابت ۱۱۷۶ھ

محمد نصرت نام اور نصرتی تخلص ارکاٹ کا باشندہ اور علی عادل شاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ اس کے اجداد عادل شاہی حکومت کے نمک خوار تھے اور سپہ گری ان کا پیشہ تھا۔ غالب ہے پہلے شاید نصرتی کو اس اولیت کی عزت حاصل ہے کہ سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری، ہونے کے بعد اس نے تلوار کے بجائے قلم ہاتھ میں لیا اور ملکی فتوحات کی جگہ ملک سخن میں اپنا سکہ رائج کیا۔ نصرتی نہ صرف اپنے زمانہ کا شاعر تھا بلکہ آج بھی اس کے کمال فن کا اعتراف کیا جاتا ہے، اس کو اردو زبان کا ایک نامور شاعر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ گلشن عشق، علی نامہ، تاریخ اسکندری اور ایک دیوان اس کی تصانیف ہیں۔ نصرتی کے حالات ڈاکٹر عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اردو پاکستان نے اپنی کتاب نصرتی میں مفصل لکھے ہیں۔ اس کے علاوہ حکیم سید سید شمس اللہ قادری، ڈاکٹر زور، اور راقم نے نصرتی کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

نصرتی کے انتقال کا سنہ آج تک کسی کو معلوم نہیں تھا۔ اب کتب خانہ سالار جنگ کے قلمی ذخیرہ سے

ہے اس کے انتقال کا تاریخی قطعہ دستیاب ہوا ہے جو حسب ذیل ہے۔

ضرب شمشیر سوں پہ دنیا چھوڑ ۔۔۔ جاکے جنت کے گھر خوش ہوا ہے
سال تاریخ آطا' کلک نے ۔۔۔ یو کہے نصرتی شہید ا ہے

نصرتی شہید اہے" سے ۱۰۸۵ھ بر آمد ہوتے ہیں، نصرتی کا مزار بیجاپور میں ہے۔

آغاز:-

حمد اول ہے خدا کا کہ جنے روزِ ازل ۔۔۔ دیا ہے ہمتِ مرداں کوں جو توفیق سوں بل
دیکھیا اس فتح کے نامے کا علی نامہ ناموں ۔۔۔ جس کا ہے زرمیہ رستم کی کلی ہو ئی ہیکل![1]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سراناسری اس شکت دار کون ۔۔۔ کہ آدھار ہے جن نرا دھار کون
سکندر کوں دارا پہ جن جس دیا ۔۔۔ ادک گج تھے شرزے کے ہت کس دیا

علی نامہ ایک مثنوی ہے، اس مثنوی میں علی عادل شاہ ثانی کے حالات اور اس کے جنگوں کے واقعات اور معرکوں کی روئیداد بڑے دل کش انداز میں قلمبند کی گئی ہے۔ اس میں سات قصیدے بھی شامل ہیں پہلا قصیدہ قلعۂ پنالہ کی فتح کی تہنیت میں پیش کیا گیا ہے، دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں قصیدے میں صلابت خان کے واقعات بیان کئے گئے ہیں صلابت خان عادل شاہی جنرل تھا، شیواجی سے لڑنے روانہ کیا گیا مگر وہ خود باغی ہوگیا۔ اس کی سرکوبی کے لئے علی عادل شاہ بذات خود گیا اور سرتابی کی پوری سزا دی۔ نصرتی نے ان قصیدوں میں صلابت خاں کی بغاوت اس کی ناکامی اور مرنے کے حالات لکھے ہیں۔ چھٹا قصیدہ عاشورہ کے بیان میں ہے، ساتواں قصیدہ ملیبار کی فتح سے متعلق ہے۔

مثنوی کا خاتمہ ان اشعار پر ہوتا ہے:-

اتا نصرتی ختم کر یو کلام ۔۔۔ دعا سوں ہے تج مدعا یو تمام
اچھی جلک تیغ سوں آفتاب ۔۔۔ ڈبادے ستاریاں رکھ مہ داب

فلک جس سوت یو شاہ مظفر اچھو
دندیاں پر سدا تیغ تس در اچھو

خاتمہ:-

"تمت تمام الکتاب بعون الملک وہاب بتاریخ بست چہارم ربیع الاول ۱۱۷۵ھ روز

---

[1] دوسرا مصرعہ، نصرتی مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق میں یوں ہے:۔
دیکھیا اس ناموں کا علی نامہ ناؤں ۔۔۔ تا منم جنگ یو زمانہ کے گلے پہنے ہیکل (اڈیٹر)

بیار شنبہ در مقام باداہی تحریر محی الدین ابن سید عبدالرسول نبیرہ مخدوم اشرف جہاں قدس سرہ العزیز در ریخا اختتام انصرام یافت۔

اس وقت تک علی نامہ شائع نہیں ہوا ہے۔ البتہ انجمن ترقی اردو پاکستان سے اس کی اشاعت کا اعلان ہو چکا ہے۔ علی نامہ کے قلمی نسخے حسب ذیل مقام پر موجود ہیں۔

(۱) کتب خانہ سالار جنگ نمبر (۳۱)
(۲) کتب خانہ آغا حیدر حسین صاحب
(۳) کتب خانہ انجمن ترقی اردو ہند
(۴) کتب خانہ انڈیا آفس (بلوم ہارٹ ۳۶)
(۵) کتب خانہ برٹش میوزیم نمبر (۲۶۵۲۷)

---

(۲) علی نامہ دوسرا نسخہ

نمبر (۱۴۰) سائز (۱۲½×۸½) صفحہ (۲۹۲) سطر (۱۷)، خط نسخ، ناقص الاول اور ناقص الآخر۔

آغاز:-

نبنے ہور بڑے ہیں نہیں حد نبا جبا — دونوں میں توں ....
کہ کون کس اپر دانت آنا سکے — گر آوے اچھوتا او جانا سکے
حق آگاہ کوں نوں چہ دیوے سکت — کرنہار سرمست خود بیں کوں مست

آغاز کے چند شعر اور آخری ایک صفحہ نہیں ہے۔

خاتمہ:-

قیابان زرہ سوں جو اتریاں اتھیاں — تھالیاں لو سنر او سنریاں اتھیاں
کمرٹے ہو کر کھدنت کیلے کے کھانت — دیسیں بیٹھکر سینہ بھالیاں کی لا تب

---

(۳) جنگ بہادر یا بہادر نامہ

نمبر (۷۶)، سائز (۱۴×۹) صفحہ (۳۸) سطریں ۱۳ حاشیہ ۲۴، جلد ۳۷، خط نستعلیق
مصنف نامعلوم، تاریخ تصنیف درمیان ۱۱۹۶ھ و ۱۲۱۲ھ، کتابت ۱۲۹۱ھ۔

افسوس ہے کہ اس کتاب کے مصنف کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوسکے اس لئے مصنف کے متعلق کوئی صراحت نہیں کی جا سکتی۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصنف ٹیپو سلطان کے زمانہ میں موجود تھا اور میسور کا باشندہ تھا۔

آغاز:۔

"حمد و ثنا اس بادشاہ حقیقی کو سزاوار ہے کہ جس نے تمام سلطنت روئے زمین کی انسان کے قبضہ میں دی اور شکر گذاروں کو بڑی بڑی مصیبتوں اور مشکلوں سے بچا کر اپنی قدرت کاملہ سے نمودار کیا۔"

اس کتاب میں جو نثری ہے میسور کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ کتاب کا آغاز میسور کے راجہ کشن راج سے ہوا ہے اس کے بعد حیدر علی کا حال لکھا گیا ہے۔ اس میں نہ صرف حیدر علی کی حکومت کا بیان ہے بلکہ ان کے خاندانی حالات بھی قلمبند کئے گئے ہیں۔ حیدر علی کے انتقال اور ٹیپو سلطان کی مسند نشینی کے بعد چند سال تک کے واقعات لکھے گئے ہیں۔

اس کتاب کے اندراجات حیدر نامہ سے جس کا ایک نسخہ انڈیا آفس میں ہے ملتے ہیں لیکن یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون کس سے ماخوذ ہے۔

خاتمہ:۔

"اور آپ دردبست لشکر ہمراہ لے کر سرنگ پٹن کو آپہنچے جو افواج پالیگران سے لیے تھے سب کو ان کے مکانوں کو روانہ کر دئے اور دیہاتی فوج کو چراگاہ کو روانہ کئے اور آپ عیش و عشرت میں مشغول رہے۔"

حاشیہ:۔

تمت تمام شد کار من نظام شد، شیطان لعین غلام شد، کتاب بہادر نامہ، کاتب نصیر الدین شریف پنشن حوالدار ساکن شہر محمد پور اعزب ارکاٹ فرزند ارجمند محی الدین شریف است، اگر کسے دعوا کند باطل است ماہ بکرید بہ تاریخ چودھویں ۱۲۹۲ھ ہجری مطابق ماہ جنوری تاریخ ۱۸۷۶ء در چھاؤنی حیدر آباد تمام رسید۔"

اس مضمون کی دوسری کتابیں حسب ذیل کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(۱) انڈیا آفس حیدر نامہ

(۲) کتب خانہ سالارجنگ

بہادر نامہ کی طباعت نہیں ہوئی ہے۔

(۴) داستان نواب نظام علی خاں

نمبر (۹۵۱) سائز (۱۳×۸) صفحہ (۱۲۳) سطر ۱۵ خط نستعلیق ، کاغذ ولایتی ، مصنف کمتر
تاریخ تصنیف ۱۲۲۱ھ ، کتابت ۱۲۵۲ھ

کمتر شاہ نام کمتر تخلص ، ایک صوفی بزرگ تھے ، زیادہ تر مرثیے موزوں کرتے تھے ، اساتذہ کے ہزاروں شعر حفظ تھے حتیٰ کہ مثنویاں بھی نوک زبان تھیں۔ ۱۲۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ عبدالجبار خاں ملکا پوری نے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کا ایک شعر پیش کیا ہے۔ اڈنبرہ کی بیاض میں کمتر کے مرثیے موجود ہیں "دکن میں اردو" میں ان کا حال درج ہے (چوتھی طباعت صفحہ ۱۴۷)

آغاز :-

خدا کو سزاوار حمد و ثنا — دیا کن سے دونوں جہاں کو بنا
عجب تیری قدرت ہے اے بےچگون — کیا ہے کھڑا آسمان بے ستون
وہ صانع کی دیکھو یہ صنعت گری — کہ نطفہ کو صورت دیا جیوں پری

اس مثنوی میں سلاطین آصفیہ کی ابتدائی تاریخ درج ہے ، اور آصف جاہ ثانی میر نظام علی خاں (۱۱۷۵ھ تا ۱۲۱۸ھ) کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں۔

مثنوی متعدد عنوانات کے تحت لکھی گئی ہے یہ عنوان فارسی میں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں۔

(۱) دربیان بسم اللہ خوانی می گویند (کذا)
(۲) دربیان آں کہ رفتن ناصر جنگ برائے عزم وزارت و بازگشتن و شہادت یافتن از فتور از دست ہمت بہادر نمک حرام۔
(۳) دربیان آں کہ ریاست کردن ہدایت محی الدین خاں و باز کشتہ شدن از دست ہمت بہادر و آن ہم کشتہ شد۔
(۴) دربیان آں کہ بہ ریاست نشینی صلابت جنگ و تقسیم نمودن بہ برادران خود و بازجنگ شدن از مرہٹہ و ظفر یافتن۔
(۵) دربیان آں کہ کشتن حیدر جنگ را در خیمۂ خود و ملاقات نمودن با راجہ چندر سین و ابراہیم خاں با فواج خود و روانہ شدن بہ سمت برہان پور و ملاقات نمودن اسلم خاں از فوج خود و از آں جا روانہ شدن بہ ایلچ پور و احکام ریاست نمودن وغیرہ۔

اس مثنوی کو تاریخ سے زیادہ نیم تاریخی افسانہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ خود مثنوی کا نام اس کی طرف اشارہ کرتا ہے

خاتمہ:-

جو گذرے جہاں سے وہ نیکو سیر　　بہتر برس کی تھی اون کی عمر
یہ قصہ ہوا جب کہ تیار دین　　تو بارہ سو اکیس سے تھے سال و سن
۱۲۲۱ھ

آخر میں اشارہ بھی ہے۔ یہ نسخہ کتب خانہ آصفیہ کے نسخہ (تاریخ اردو ۲۱۷) کی نقل ہے، اس کا سنہ کتابت ۱۳۵۳ھ ہجری۔

یہ کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔

(۵) مختصر بیان دارالحکومت مدراس

نمبر (۱۲۷۷) سائز (۹×۶) صفحہ (۸۲) سطر (۱۳) خط نستعلیق، کاغذ ولایتی۔
مصنف شاہ ابوالحسن تاریخ تصنیف ۱۲۲۳ھ ہجری، (۱۸۰۸ء) کتابت ۱۳۵۳ھ

شاہ ابوالحسن مدراس کے متوطن اور صاحب علم و فن تھے وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ انگریزی حکومت کے ملازم تھے اور سررشتہ تعلیمات میں مامور تفصیلی حالات سے ہم واقف نہیں ہیں۔

آغاز:-

"دارالحکومت مدراس ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقہ میں ہے، سو ہندوستان کے چار حصوں میں کا ایک حصہ ہے اس کو کبھی گزٹ یعنی سرکاری کاغذ میں دارالحکومت فورٹ سینٹ جارج بھی کہا کرتے ہیں)۔ اور یہ ہندوستان کے جنوب کی طرف تھوڑے تھوڑے ملکی ریاستوں کے ساتھ واقع ہے۔"

اس کتاب کو تاریخ اور جغرافیہ کہا جا سکتا ہے مصنف نے انگریزی یا فارسی سے اس کو ترجمہ کیا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل عبارت درج ہے۔

"کتبوں کے فائدے کے لئے ترجمہ کیا گیا منشی سید شاہ ابوالحسن سے۔"

خاتمہ:-

اس ضلع میں جملہ پانچ لاکھ ستر ہزار اسی پر تین (۸۳۰۰۷۵) آدمی ہیں۔"

یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ مگر اب مطبوعہ نسخے بھی نایاب ہیں۔ کتب خانہ سالار جنگ میں اس کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے یہ رسالہ مدراس کے شرف الدولہ کے کتب خانہ سے نقل کیا گیا ہے۔

توقیعہ:- این کتاب حسب ایماء دفتر دیوانی و مالی ملکی وغیرہ سرکار عالی تیار کرگئی۔ کاتب سید شاہ محمد ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ روز سہ شنبہ۔

(۲) تاریخ ہندوستان

نمبر (۳۰۰) سائز (۸×۵½) صفحہ (۲۸۹) سطر ۱۲ خط نستعلیق، کاغذ ولایتی، مصنف نامعلوم تاریخ تصنیف مابعد ۱۲۵۵ھ ہجری، سنہ کتابت درج نہیں، آغاز میں (۱۶) صفحہ کے بعد ایک جز یعنی صفحہ (۱۷) سے صفحہ (۳۲) تک اوراق نہیں ہیں۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ اسلوب بیان سے واضح ہے کہ کسی انگریزی تاریخ کا ترجمہ ہے۔

آغاز :-

"ہندوستان جس کی مختصر تواریخ لکھی جاتی ہے ایشیا کے جنوبی ملکوں کے بیچا بیچ میں واقع ہے۔ اتر کے طرف ہمالیہ پہاڑ ہندوستان کی حد ہے۔ دکن کی سمت سمندر پچھم کے رخ ...... پہاڑ ہندوستان کی حد ہیں جوکہ دھرم پوتر دریا سے لے کر راس نگرس تک محیط ہیں۔"

یہ ہندوستان کی تاریخ ہے جو دو حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں ہندو راجاؤں کا بیان ہے، یہ حصہ چھ ابواب پر منقسم ہے، دوسرا حصہ مسلمانوں کے بیان میں ہے۔ اس کو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے، چودہ فصلیں ہیں، مغلوں کی آمد تک بیان ہوا ہے۔ اس کے بعد گجرات، مالوہ، دکن کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ پرتگیزوں کے بیان پر تاریخ ختم ہوتی ہے۔

خاتمہ :-

سولھویں دسمبر ۱۸۱۸ء میں جبکہ وہ جہاز پر سوار تھا۔ گوا کے جزیرہ میں داخل ہونے کے پہلے مرگیا تب نہایت شان و شوکت سے اسے کنارہ پر لئے گئے، پرتگیزی اور وہاں کے باشندے جو اس کے خلق کے باعث الفت رکھتے تھے غمگین ہوکے، ایسے روئے کہ ان کے آنسوؤں سے اس کی قبر تر ہوگئی۔"

ترقیمہ :-

تمت۔ الراقم الاثم فقیر حقیر سید محی الدین۔

بیت

میں تمت کیا ہوں مبارک گھڑی   طبق میں عطارے کھڑی مشتری
قلم کو جب ہاتھ میں میں لیا   مہر سے استاد کے تمت کیا

حیدرآباد کے کسی اور کتب خانہ میں اس کا کوئی نسخہ نہیں ہے۔

(۷) تاریخ افغانستان

نمبر (۱۱۲۶) سائز (۱۵ × ۱۰) صفحہ (۱۵۱) سطریں ۱۳، حاشیہ میں ۲۴، خط نستعلیق، مصنف سید عبدالفتاح عرف میر اشرف تاریخ تصنیف درمیان ۱۲۵۹ھ و ۱۲۶۱ھ کتابت ۱۲۹۲ھ۔

مصنف کے متعلق اگرچہ تفصیلی واقعات کا علم نہیں ہوتا مگر یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ ایک اردو ہفتہ وار اخبار "مجمع الاخبار" کے ایڈیٹر تھے۔ جو مدراس سے شائع ہوتا تھا۔ اور اس کتاب کی تصنیف کے وقت وہ اخبار بھی جاری تھا۔ صاحب علم تھے تصنیف و تالیف سے دلچسپی تھی۔

آغاز:-

حمد و ثنا بادشاہ حقیقی کو سزاوار ہے جس نے تمام سلطنت روئے زمین کی انسان کے قبضہ اقتدار میں دی۔ اور شکرگذاروں کو بڑی بڑی مصیبتوں اور مشکلوں سے بچا کر اپنی قدرت کاملہ سے نمودار کیا اس کی عدالت نے پشتۂ شکست نمرود کا سر کھایا۔"

یہ افغانستان کی تاریخ ہے۔ اس میں چشم دید حالات لکھے گئے ہیں۔ کتاب کی ترتیب میں مولف نے سید فدا حسین جمعدار کی تالیف سے جو اردو میں تھی مدد لی ہے۔ اس کے علاوہ شیخ ذوالفقار الدین کی کتاب "تاریخ افغانستان" سے بھی مواد حاصل کیا ہے۔ اور ان دونوں ماخذوں کے علاوہ اخباروں کے ذریعہ جو خبریں مولف تک پہونچی ہیں ان کو بھی جمع کیا ہے۔ کتاب کی ترتیب میں پہلے اول الذکر کتاب کے واقعات لکھے ہیں، اس کے بعد دوسری کتاب سے حالات درج کئے ہیں، اور اس کے آخر میں مرتب نے اپنی معلومات بطور ضمیمہ شامل کی ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ کتاب مذکورالصدر دونوں کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اور آخر میں مولف کا ذاتی اضافہ شامل ہے۔

دیباچہ کتاب سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ سید فدا حسین ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں افغانستان گیا تھا اور وہاں اس نے اپنے بھائی حاجی حسین علی خاں کے حسب ایماء افغانستان کے حالات قلمبند کئے تھے۔ انگریزی فوج زیر سرکردگی جنرل سٹلین کوچ کرتی ہوئی فیروزپور پہنچی۔ یہاں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس فوج کا معائنہ کیا اس کے بعد یہ فوج افغانستان روانہ ہوئی۔ اور جنگ کے بعد پھر فیروزپور واپس آئی اور وہاں سے میرٹھ کی چھاؤنی پہنچی۔ تمام واقعات مولف (فدا حسین) کے چشم دید ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ کتاب کی اہمیت چشم دید واقعات ہونے سے بڑھ جاتی ہے۔

ان حالات کے بعد تاریخ افغانستان سے جو واقعات ماخوذ ہیں وہ شروع ہوتے ہیں۔ ان کی ابتدا شاہ شجاع الملک درانی کے عہد حکومت سے ہوتی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ ۱۲۵۹ھ تک شجاع الملک درانی

نے خود حکومت کی تھی امیر کے بعد تغیر شروع ہوا۔ سردار خاں کے کابل پر قابض ہونے کے بعد غزنی کی طرف پیش قدمی کرکے اس پر قبضہ کرلیا اور پھر جلال آباد کی طرف روانہ ہوا ہے۔ غرضکہ تفصیل کے ساتھ تمام واقعات لکھے گئے ہیں۔ امیر شیر محمد خاں کا لاہور کی طرف روانہ ہونا امیران سندھ کو اپنا مطیع کرلینا اور نصر اللہ خاں کا ۱۸۴۵ء مطابق ۱۲۶۱ھ میں انتقال کے حالات پر کتاب ختم ہوتی ہے یعنی ۱۲۵۵ھ سے ۱۲۶۱ھ تک کے واقعات چشم دید درج ہیں۔

فدا حسین جمعدار کے کچھ حالات بھی اس میں درج ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کا عرف بخشی بخاری حیدر تھا۔ انگریزی رسالہ "ترک سوار" کے جمعدار تھے، میرٹھ کی چھاؤنی میں ان کی تعیناتی تھی، وطن شاہ جہاں آباد تھا۔

خاتمہ ایک نظم پر ہوتا ہے۔

جہاں کے نہ رہنا تو امید پر — کہ مارے ہیں تجھ سے بہت پال کر
نکلنے لگی تن سے جب جان پاک — تو مرنے کو یکساں ہے تخت اور خاک
طمع میں جہاں کے تو اشرف نہ پھنس — کہ اللہ بس اور باقی ہوس

ترقیمہ:۔

تمت تمام شد، کتاب افغانستان از دست فقیر حقیر نحیف نصیر الدین شریف پنشن خوار ساکن شہر محمد پور عرف ارکاٹ، تعلقہ ہدایت پورہ، مکان دار محی الدین صاحب مرحوم جنت نصیب۔ بروز چہار شنبہ..... ماہ شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ماہ نومبر ۱۸۷۵ء۔

---

(۸) فتح المجاہدین

نمبر (۱۳۸۳) سائز (۱۰ × ۵) صفحہ (۴۰) سطر (۱۱) خط نستعلیق، کاغذ

تاریخ تصنیف مابعد ۱۲۵۰ھ کتابت

مصنف کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ ہوسکے۔

آغاز:۔

کروں حمد باری تعالیٰ رقم — کیا پیدا قدرت سے لوح و قلم
تری ذات ہے قادر ذوالجلال — بڑی ہے عقل سے وہم سے خیال

عدالت تیرے سے ہے سب آشکار　　کیا اپنی قدرت سے لیل و نہار

مثنوی میں پہلے حمد و نعت اور بادشاہ وقت سکندر جاہ آصف جاہ ثالث کی مدح ہے، اس کے بعد وہ تاریخی واقعات نظم کئے گئے ہیں جس میں ایک مہدوی نے ایک سنت الجماعت مولوی محمد نعمان خاں صاحب کو شہید کر دیا تھا۔

خاتمہ :-

کریں گے مری مثنوی کوئی سیر　　دعا مانگو یہ عافیت ہوئے خیر
بوقت سحر مثنوی ہوئی تمام　　دیا اون کے نامو سے ہیں انتظام

ترقیمہ :-

تمام شد فتح المجاہدین فی احوال الاخاتمین المبدین (؟)

(۹) فرخندہ نامہ

نمبر (۹۳۳) سائز (۱۰½ × ۵½) صفحہ (۷۵۲) سطر (۱۴) خط نستعلیق، کاغذ دیسی
مصنف نذر علی، تاریخ تصنیف ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۲۵۶ ف

نذر علی حیدر آباد کا ایک غیر معروف شاعر تھا۔ اس نے راجہ رام بخش پیشکار دولت آصفیہ کے دربار میں رسائی پیدا کی تھی، دربار میں رسائی کے لئے اس نے شاہ نامہ فردوسی سے واقعات کو ملخص کرکے اس کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔ چوتھے آصف جاہ نواب ناصر الدولہ کے عہد حکومت میں یہ مثنوی مرتب ہوئی ہے، اس لئے اس کا نام نواب ناصر الدولہ کے اسم گرامی فرخندہ علی خاں کی مناسبت سے فرخندہ نامہ رکھا گیا ہے۔

آغاز :-

ستائش مسلم خدا کو ہی ہے　　نیایش سزا وار شاہی کو ہے
کہ جس کی نہیں سلطنت کو زوال　　نہیں کوئی ایسا جزا نیرد فعال
منزہ ہے ذات اس کی حاجات سے　　کہ مستغنی ہے اپنی وہ ذات سے

اس مثنوی میں اول حمد و نعت ہے اس کے بعد ناصر الدولہ آصف جاہ رابع یعنی بادشاہ وقت کی مدح اور ستائش کی گئی ہے مضمون صفحہ (۴۴) سے شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے۔ شاہنامہ کا ملخص ہے۔ ناقص الآخر مثنوی ہے۔ اردشیر بابک تک حالات درج ہیں اس کے بعد کے اوراق نہیں ہیں۔

تاریخ تصنیف کا شعر:-

ہوئی مثنوی جس گھڑی یہ تمام ۔۔۔ پے سال تاریخ ختم کلام
نظر کرکے ہاتف نے دلخواہ یہ ۔۔۔ کیا "خوب ہے مثنوی واہ یہ"

آخری مصرعہ سے ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۲۵۶ فصلی نکلتے ہیں ، یہ سنہ فصلی پولیس ایکشن تک سلطنت آصفیہ کا سرکاری سنہ تھا ،

خاتمہ:-

کرم پیشہ کو ہے جہاں میں قیام ۔۔۔ کہ مرتا نہیں محسن نیک نام
نہیں اس کا ہونا عدم پر وجود ۔۔۔ رہے جس کا باقی سدا فیض جود
کہ تا فیض جاری ہے خیرات کا ۔۔۔ آخر ہے مخبر کی وہ ذات کا

(۱۰) گلدستہ بیجاپور

نمبر (۸۵۲) سائز ($7\frac{1}{2} \times 9\frac{1}{2}$) صفحہ (۱۲۳) سطر غیر معین (۱۲ تا ۱۵) خط، نستعلیق، مصنف خواجہ میر احمد علی خاں، تاریخ تصنیف ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۲ء) ناقص الاول والآخر ہے۔

اس کا مصنف خواجہ میر احمد علی خاں ہے، وہ نواب شاہ نور دلیر جنگ دلیر خاں کا ملازم تھا۔ دلیر خاں نے ۱۲۷۷ھ میں بیجاپور کی سیاحت کی تھی۔ ان کے حسب ہدایت یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے مصنف کے حالات معلوم نہیں ہوئے۔

آغاز:-

"اس صفحات کا مخفی نہ رہے کہ قدوہ امرائے زمان و زبدہ روسا و بلند مکان مہر سپہر ایالت کیوان فلک امارت، شمع شبستان عالم فروغ دودمان آدم عظیم الشان مسند نشین صاحب گرآن عدالت گزیں باریک بین و فائق موشگافی صاحب خرد جوہر عدالتماس، رنگ آمیز ایوان معانی بزم افروز جہان نکتہ دانی گرہ کشائی کشور خرد مندی، کلید، خزائن خداوندی، فرہن بدانش و فرہنگ، نواب دلیر خاں بہادر دلیر جنگ حاکم بلدہ شاہ نور مغفور و مبرور نے ۱۲۷۷ہجری مطابق ۱۸۶۰ء میں دار الظفر بیجاپور کو تشریف لیجاکے مقبرہ ایوان وگنبد و مکان وہاں کے بادشاہوں کے نظر عبرت سے ملاحظہ شریف میں لے آکر تصاویر وہاں کے سلاطین کے تجسس سے ہی لیجاکر اس عاصی پُر معاصی خواجہ میر احمد علی خاں کو فرمائے کہ احوال ہر ایک بادشاہ عادل خصال کا واسطے یادگار زمانے کے فراہم کرکے لکھیں۔"

جیسا کہ آغاز کی عبارت سے واضح ہے کہ یہ بیجاپور کے عادل شاہوں کی تاریخ ہے۔ جو اولاً فارسی میں لکھی گئی تھی اور نواب دلیر جنگ کے فرزند کے ایما پر سے اس کا ترجمہ مصنف نے اردو میں کیا ہے اس میں یوسف عادل شاہ سے سکندر عادل شاہ تک سلاطین بیجاپور کا مختصراً ذکر ہے، کتاب نو باب پر منقسم ہے ہر ایک باب میں ایک بادشاہ کا حال لکھا گیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ایک نظم ہے اور چار تاریخی نظمیں ہیں۔

خاتمہ:۔

"تاریخ اختتام میر بندہ علی خاں عاشق فرمائے سو یہ ہے

کی ابوالقاسم میاں نسخہ نیہ شہنور میں ¦ از یقین گلدستہ گلزار بیجاپور میں

حیدرآباد کے کسی دوسرے کتب خانہ میں اس کا کوئی قلمی نسخہ نہیں ہے۔

---

(۱۱) حالات عمارات شاہ جہاں آباد

نمبر (۱۰۸۴) سائز ($10\frac{1}{2} \times 5\frac{1}{2}$) صفحہ (۲۸) سطر (۲۲) خط نستعلیق۔ کاغذ دیسی۔
مصنف لامعلوم، تاریخ تصنیف مابعد ۱۲۷۰ھ۔

آغاز:۔

"ترجمہ حال عمارت شہر شاہ جہاں آباد اور بیرون شہر اور قلعہ کا پہلا باب شہر کے باہر کی عمارات میں۔ دوسرا باب قلعہ کی عمارت میں، تیسرا باب خاص شاہ جہاں کی عمارت میں، چوتھا باب عملداری انگریزی کی عمارت میں۔"

جیسا کہ نام سے واضح ہے اس میں دہلی کی تاریخی عمارتوں کا تذکرہ ہے۔ پہلے باب میں عمارات کا تذکرہ ہے، نہایت مختصر ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایک سطر میں لکھا ہے البتہ ایک آدھ عمارت کے متعلق کسی قدر صراحت کی ہے۔ دوسرے باب میں گیارہ عمارتوں کا، تیسرے باب میں بیس عمارتوں کا اور چوتھے باب میں صرف دو عمارتوں کا بیان ہے۔

خاتمہ:۔

لال ڈگی

حکم گورنر لارڈ میو صاحب سے بمصارف پچاس ہزار روپیہ کے زمین باغ کلاں میں واقعہ اثر قلعہ کے ۱۸۴۶ء بنی۔" یہ نسخہ ناقص الآخر ہے،

(۱۲) رسالہ منصب داران

نمبر (۱۵۸۱) سائز (۱۲ × ۷ ۳/۴) صفحہ (۱۳) سطر (۱۰) خط شکستہ، کاغذ دیسی، مصنف ابوتراب
تاریخ تصنیف قبل ۱۳۰۰ھ

اس کے مصنف دو صاحب ہیں، جن کے نام خاتمۂ کتاب پر درج ہیں۔ یعنی میر ابوتراب صاحب اور وحیدالدین صاحب دونو جاگیردار خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ثانی الذکر ناظم دار الانشا اعتقاد الملک کی اولاد میں سے ہیں۔

آغاز:-

"زمانہ سابق میں منصب داران رکاب، سعادت حضرت بندگان عالی متعالی نہایت ہی درجہ ذی وقار او صاحب اعتبار رہتے، سبب اس کا یہ تھا کہ وہ لوگ ہر علم و ہنر میں طاق اور لیاقت و قابلیت میں شہرہ آفاق تھے۔ لہذا سرکار عالی بھی اُن کی لیاقت علمی اور تمامیر ادر فراست کے سبب سے خدمات لایقہ سے سرفراز فرماتے تھے۔"

اس رسالہ میں زمانہ سابق کے منصب اراد ان کی عزت، وقعت اور اعزاز کی موجودہ دور کے منصب داروں کے مقابلہ میں صراحت کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ زمانہ سابق میں عہدے انہی لوگوں کو دئے جاتے تھے جو ان خاص اوصاف سے متصف ہوتے تھے۔
آخر میں یہ خواہش کی گئی ہے کہ منصب داروں کو مناسب ملازمتیں دی جائیں۔

خاتمہ:-

"منصب داروں کی سرفرازی عہدۂ جلیلہ اور خدمات لایقہ سے فرما کر لطف سلطنت اور ذوق ریاست اور بتائیں گے۔ یہ ایک فقرہ کا جواب حسب فرمائش مخلص محبی جناب مرزا حسین علی بیگ صاحب سلمہ الرحمٰن تحریر کردہ روانہ نمود بقلم میر ابوتراب بن میر جعفر علی مرحوم ابن میر ابوتراب المخاطب اعتصام الدین صاحب بہادر صفدر یار جنگ و حیدالدین بن میر غلام حیدر خان بہادر مجاز جنگ اعتصام الدولہ اعتقاد الملک ناظم دارالانشاء نواب نظام علی خاں بہادر غفران مآب"

---

(۱۳) حیدرآباد کے پولیٹیکل واقعات

نمبر (۳۷۱۹) سائز (۷ × ۴ ۱/۲) صفحہ (۱۳۵) سطر (۱۰) خط نستعلیق، کاغذ ولایتی،

مصنف مرزا مہدی خان کوکب۔ تاریخ تصنیف ما بعد ۱۳۲۸ھ۔

مرزا مہدی خاں کے والد مرزا محمد علی خاں ایران سے حیدر آباد آئے تھے۔ مرزا مہدی خاں کو سرکار عالی کی جانب سے وظیفہ دے کر انگلستان بھیجا گیا تھا، سالار جنگ مختار الملک جن تین طالب علموں کو اپنے ساتھ تعلیم کے لئے انگلستان لے گئے تھے ان میں یہ بھی شامل تھے، انھوں نے معدنیات کی تعلیم پائی، واپسی کے بعد کئی خدمتوں پر مامور ہوئے۔ حیدر آباد کا گزٹ بھی انھوں نے مرتب کیا اور جامعہ عثمانیہ کے لئے کتابوں کا ترجمہ کیا۔

آغاز:۔

یہاں آغاز واقعات سے پہلے چند امور بطور مقدمہ الکتاب تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) شاہان اسلام کی فہرست جو خطۂ دکن پر فرمان فرما رہے ہیں۔

(۲) دکن اور سرکار آصفیہ کے وزراء کی فہرست۔

(۳) قلمرو سرکار عالی کے حدود اربعہ۔

(۴) قلمرو سرکار عالی کا رقبہ۔"

اس کتاب میں ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) سے حیدر آباد کے پولٹیکل واقعات جو سرکار عالی اور سرکار انگریزی کے باہمی مراسلات سے ظاہر ہوتے ہیں، لکھے گئے ہیں، اس میں ۱۲۹۶ھ تک کے واقعات لکھے گئے ہیں، اگرچہ واقعات پوری تفصیل سے درج نہیں ہیں تاہم تاریخ حیدر آباد کے لئے اس سے کافی مواد ملتا ہے۔

خاتمہ:۔

اس سال کھیتوں میں جنگلی چوہے اس قدر پیدا ہوئے کہ تمام کھیتوں کو کتر کے برباد کر دیا اس سے رعایا کو سخت نقصان ہوا۔ اس لئے حسب تحریک سرکار ہند اشتہار دیا گیا کہ جو شخص سو چوہے مارے اسے ایک روپیہ انعام دیا جائے۔" اس کا کوئی اور نسخہ کسی کتب خانہ میں نہیں ہے اور نہ یہ روزنامچہ شائع ہوا ہے۔

(۱۴) حیدر آباد اور حیدر آبادیان جلد اول

نمبر (۱۷۶۲) سائز (۸×۱۴) صفحہ (۱۸۱) سطر (۱۷) کاغذ ولایتی

مصنف حامد یار جنگ، تاریخ تصنیف ۱۳۰۷ھ، کتابت ۱۳۰۷ھ

مولوی میر عابد علی خاں المخاطب حامد یار جنگ حیدر آباد کے ایک شریف خاندان جاگیردار

اور منصب دار تھے، ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کا حیدرآباد کے اچھے علماء میں شمار تھا وہ مرحوم نظام آصف جاہ سادس میر محبوب علی خان مرحوم کے ہم سن تھے اس لئے اُن کے مصاحب مقرر ہوئے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب آصف جاہ کی عمر دو سال کی تھی اور عابد علی خاں تو ساڑھے سالانی سال کے تھے، اس وقت سے افضل الدولہ آصف جاہ خامس نے اپنے فرزند کا ان کو مصاحب بنا دیا تھا۔ اعلیٰ حضرت مرحوم کی زندگی تک وہ اسی سلسلہ میں منسلک رہے صرف خاص کی کئی خدمات ان کے ذمہ تھیں، ان میں سے ایک مکہ مسجد کی مہتممی بھی تھی۔ ان کو تاریخ سے خصوصی دلچسپی تھی اس کتاب میں جس کی تین جلدیں ہیں انھوں نے اکثر اپنے چشم دید حالات قلمبند کئے ہیں یا پھر معتبر ذریعہ سے معلوم کئے ہوئے امور کی صراحت فرمائی ہے۔

۱۳۴۲ھ میں عابد یار جنگ کا انتقال ہوا۔

جلد اول ۱۳۰۷ھ سے ۱۳۰۹ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے،

آغاز :-

حامداً و مصلیاً

اس کتاب کی ابتداء ۱۳۰۷ھ سے کی گئی ہے۔ اس میں ریاستی اور سرکاری ابواب کا تذکرہ لکھا جائے گا حتی الامکان خانگی ابواب سے احتراز ہوگا تاکہ یہ کتاب آیندہ حیدرآباد کی ایک تاریخ ہو سکے۔ امید ہے کہ خدائے تعالیٰ مقصود کتاب کا پورا ہوگا۔"

خاتمہ :-

ہمارے محلہ میں گو بہت شادیاں ہوئی تھیں لیکن نواب کی شادی میں خوب لطف آیا۔ خیر آخر سال شادیاں اور .... رہے دیکھنا کہ آئندہ سال کیا کیا ہوتا ہے۔

کار ما آخر شد آخر زما کارے نشد مشت خاک با غبار کوچہ یارے نشد
بہار آخر شد و برگل ...... مار گر گفت غنچہ باغ ...... زیب دستارے نشد

یہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔ یہی مصنف کا اصل نسخہ ہے اس لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ کتاب کے آخر میں چار صفحے کی فہرست مضامین درج ہے۔

---

(۱۵) حیدرآباد اور حیدرآبادیان جلد دوم

نمبر (۱۷۶۱)، سائز (۱۴ × ۸)، صفحہ (۱۶۴)، کاغذ ولایتی،
مصنف عابد یار جنگ تاریخ تصنیف ۱۳۰۹ھ کتابت

یہ کتاب نمبر ۲۰ کی تیسری جلد ہے، اور اسی نہج پر ترتیب دی گئی ہے۔
آغاز:-

خدا در انتظار حمد ما نیست	محمد چشم بر راہ ثنا نیست
محمد از تو میخواہم خدا را	خدایا از تو حب مصطفیٰ را

چونکہ اس سال عجیب اتفاقات رونما ہوئے اس لئے کتاب دیر سے شروع کی گئی حتی الامکان واقعات یاد کرکے اس میں تحریر ہوں گے۔

خاتمہ:-
"مہدی حسن کی جورو کی بابت جو پمفلٹ طبع ہو کر مشتہر ہو گئی تھی وہ میرے پاس موجود تو نہیں ہے لیکن اُس کی پوری نقل کر لیا جو ذیل میں درج ہے۔ اس کے بعد آٹھ صفحہ انگریزی میں اس پمفلٹ کی نقل درج ہے۔

---

(۱۶) حیدر آباد اور حیدر آبادیان جلد سوم

نمبر (۴۰۰۴) سائز (۸×۱۴) صفحہ (۷۳) سطر (۱۷) کاغذ ولایتی،
مصنف عابد یار جنگ، تاریخ تصنیف ۱۳۱۱ھ کتابت
آغاز:-

الحمد للہ رب العالمین الخ

اما بعد سال گذشتہ کچھ ایسی بے ترتیبی ہوئی کہ واقعات دیر سے تحریر ہوئے اور اس لئے اکثر ابواب قابل تحریر چھوٹ گئے۔
یہ دوسری جلد ہے اس میں ۱۳۱۱ھ سے ۱۳۱۲ھ کے واقعات درج ہیں۔
خاتمہ:-
ایک رئیس کو دباؤ ڈال کر راستہ پر لانا ایک ...... اپنی مرضی پر چلانا المختصر یہ کہ مشرق کی ہر قسم کی سوسائٹی سب کو .... مگر طبقہ دولت مند اور امراء اس سے سبق حاصل کریں۔
کتاب کے آغاز میں فہرست عنوانات دو صفحے میں درج ہے۔

---

(۱۷) حالات والئ ریاستِ باونی

نمبر (۲۷۲۷)، سائز (۹×۶)، صفحہ (۲۰)، سطر (۹)، خط نستعلیق، کاغذ ولایتی
مصنف حکیم شفاء، تاریخ تصنیف ۱۳۵۸ھ کتابت ۱۳۵۸ھ

عبدالقادر نام اور شفاء تخلص تھا۔ حکیم بھی تھے اور شاعر بھی۔ کچھ عرصہ تک دفتر دیوانی و مال میں ملازمت بھی کی تھی، ۱۳۶۰ھ کے بعد انتقال ہوا۔

آغاز :-

"ہز ہائینس اعظم الامرا فخر الدولہ معین الملک صاحب جاہ مہین سردار نواب ریاض الحسن خاں ظفر جنگ نواب بہادر والی ریاست باونی۔ آپ حضرت آصف جاہ مغفرت مآب کی اولاد سے ہیں جو اس وقت فرماں روا والی ریاست باونی ہیں۔

اس رسالہ میں ریاست باونی کے مختصر حالات قلمبند کئے گئے ہیں۔ آصف جاہ کی آل اور اولاد کے نام بھی ہیں اور بتایا گیا ہے کہ والی ریاست باونی آصف جاہ کے فرزند اکبر حافظ میر محمد پناہ غازی الدین خاں فیروز جنگ کی اولاد ہیں بندیلکھنڈ میں یہ ریاست تھی۔

خاتمہ :-   شجرہ والی ریاست باونی

(۱) نواب فخر الدین خاں نظام الملک آصفجاہ۔
(۲) حافظ میر محمد پناہ غازی الدین خاں فیروز جنگ امیر الامرا۔
(۳) محمد شہاب الدین خاں وزیر الممالک عماد الدولہ نصرت جنگ۔
(۴) میر محمد بن نصیر الدولہ بشیر جنگ۔
(۵) غلام قادر خاں امیر الملک۔
(۶) محمد حسین خاں بہادر۔
(۷) مہدی حسین خاں امام الدولہ۔
(۸) محمد حسین خاں بہادر ثانی۔
(۹) فرماں روا رئیس باونی نواب ریاض الحسن خاں ظفر جنگ۔

ترقیمہ :-

مرتبہ فدوی خواجہ عبدالقادر حکیم شفاء ابن حضرت خواجہ عبدالرحمٰن مہدی قدس سرہ الحمید ر آباد؟
کتبہ الحقیر نثار علی خاں غفرلہ، یکم رجب المرجب ۱۳۵۸ھ۔

(۱۸) محمولی برقلب

نمبر (   ) سائز (۹ × ۶) صفحہ (۲۴) سطر (۱۵) خط شفیعا، مصنف فنائی،
تاریخ تصنیف ۱۲۳۳ھ، کتابت ۱۲۳۳ھ

مصنف کے متعلق کچھ معلومات حاصل نہیں ہوئے کسی نعمت اللہ نامی شخص کی فرمائش پر فنائی نے اس کو مرتب کیا ہے۔

آغاز :-

خدایا جہاں کا تو ہے بادشاہ — تیرے حکم میں ماہی سے تا بماہ
ترے حکم میں سب زمین و زماں — تیرے حکم میں سب مکین و مکاں

یہ ملتان کی تاریخ ہے جو منظوم ہے۔ اس میں مظفر خاں والی ملتان کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ رنجیت سنگھ والی پنجاب سے نامہ و پیغام اور آخر پر جنگ کے بعد مظفر خاں کی شہادت کا تذکرہ ہے۔

خاتمہ :-

ہوئی ختم جب یہ (؟) بخیر عافیت — رکھا نام اس کا بخیر عافیت
ہے محمولی برقلب اس کا یہ نام — کہ ہو قافیہ عافیت کا تمام

ترقیمہ :-

کاتب گورسنگھ ساکن لاہور در عہد اکبر شاہ بادشاہ (ثانی) ماہ ذی الحجہ[1]

تذکرہ

(۱۹) ریاض حسینی

نمبر (۶۶۹) سائز (۸½ × ۶) صفحہ (۲۲۲) سطر (۱۲) خط نستعلیق معمولی، کاغذ دیسی،
مصنف خواجہ عنایت اللہ، فتوت، تاریخ تصنیف ۱۱۶۸ھ

خواجہ عنایت اللہ کے اجداد بدخشاں کے رہنے والے تھے۔ ان کے دادا خواجہ آفتاب اورنگ آباد آگئے۔ اورنگ آباد آنے کے پہلے ان کا قیام چاندہ میں تھا۔ خواجہ عنایت اللہ کے والد

[1] یہ کتاب میری پہلی مرتبہ فہرست میں شامل تھی، اس مرتبہ باوجود تلاش ہمدست نہیں ہوئی۔ ممکن ہے دفتری منتقلی وغیرہ میں یہ کتاب کسی دوسری کتاب کے ساتھ مجلد کرائی گئی، یا کسی دوسرے نام سے رکھی گئی ہو۔

خواجہ عبدالرحمن سرکار آصفیہ کی سلک ملازمت میں شامل تھے۔ اعتقادالدولہ لشکر جنگ کا خطاب تھا۔ جاگیر سے سرفراز تھے۔ ۱۱۶۰ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ لشکر جنگ کے مرنے پر ان کے دونوں لڑکوں یعنی خواجہ عنایت اللہ اور خواجہ ابوالبرکات کو دربار آصفیہ سے جاگیر اور خانی و بہادری کا خطاب عطا ہوا۔ فتوت کی پیدائش اورنگ آباد میں ہوئی۔ کم سنی سے شعر گوئی کا شوق رہا۔ شاہ سراج سے تلمذ حاصل تھا۔ ۱۲۲۳ھ میں انتقال ہوا۔ ریاض حسینی اردو گو شعراء کا تذکرہ ہے اس کی تصنیف نواب صلابت جنگ (۱۱۶۲ تا ۱۱۷۲ھ) کے عہد میں ہوتی ہے۔ تذکرہ ناقص الاول ہے۔

آغاز :-

"آن خالق تحقیقی خلاق خلعت گوناگون است ہفتم کو سدخبرعروہ وثقی سقیم الفہمی بدست نیامد"

(یہ اردو گو شعرا کا تذکرہ ہے، ابتدا میں (۲۵) صفحہ کا فارسی میں دیباچہ ہے اس کے بعد ردیف وار شعرا کے حالات فارسی میں درج ہیں۔ اور نمونہ کلام اردو میں درج ہوا ہے۔

تاریخ تصنیف کا قطعہ درج ہے۔

تاریخ بنائے این ریاض حسینی　　جستیم زفیض خاص آل مدنی
ازروئے سرود بدل ہاتف برگفت　　گلدستہ ریحان بہار معنی

"گلدستہ ریحان بہار معنی" سے (۱۱۶۸) نکلتے ہیں، کاتب نے سرخی سے (۱۱۶۵) لکھے ہیں جو صحیح نہیں ہے۔

اس تذکرہ میں (۱۶۸) شعراء کا حال ہے۔ سب سے پہلے سراج الدین علی خاں آرزو کا بیان ہے اور سب سے آخر میں شاہ یک رنگ کا حال درج ہے۔ شعرا کی فہرست آخر میں درج ہے۔

خاتمہ :-

چوں درر غرر افکار خواطر دریا مقاطر نیسان طبعان و گلہائے ہمیشہ بہار رنگین خیالات درین مجتمع بود، سال تاریخ و نامش گلدستہ ریحان بہار معنی ساخت،

ترقیمہ :-

چو شد ختم نامہ بفضل خدا　　امید زحق دارم و مصطفی

حزرۂ عقیدت شیم محمد اکرم

یہ کتاب ریاض حسینی اب تک شائع نہیں ہوئی ہے اور اس کے کسی دوسرے نسخہ کا بھی پتہ نہیں چلا۔ اس لئے اس مخطوطہ کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اس مخطوطہ کی ایک اور اہمیت ہے یعنی اس کے دیباچہ سے واضح ہوتا ہے کہ شیخ اکرم کے اصرار سے فتوت نے اس کو مرتب کیا تھا۔ اور

یہ نسخہ شیخ محمد اکرم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یعنی یہ مخطوطہ مصنف کی زندگی اور ان کی تصنیف کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے یہی پہلا نسخہ ہو۔ کتاب کے آخری دو صفحے میں تذکرہ سے غیر متعلق یادداشت درج ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) از امیر خسرو رحمۃ اللہ۔

بہ تقلیب و تجدید و بہ تجنیس   زلعل یار خواہم ضد شرقی

اس کے بعد اس شعر کی شرح فارسی میں رکھی گئی ہے اور آخر میں لکھا گیا ہے۔

پس مطلب خسرو آنکہ از لعل لب یار بوسہ می خواہی

(۲) ایک غزل کسی شاعر "حسینی" کی درج ہے جو حسب ذیل ہے:۔

خندہ گل روہے جیون شگفتہ گل   شاد رہتا ہے درچمن بلبل
تیغ ابرو و تیر مژگاں سے   چلے آتا ہے قتل کرنے تل
ساقیا بھر کے دے تو اب جلدی   میرے دلبر کو ایک پیالہ مل
خواب میں میرا ہے وہ رشک چمن   مت کرو عندلیب چہچہہ و غل
شد حسین بعشق یار خراب   لوگ کہتے ہیں ہوگیا پاگل

تمام شد

تذکرہ فتوت کے شعراء کی فہرست

شمار	تخلص	نام	وطن
۱	آرزو	سراج الدین علی خاں	دہلی
۲	اشتیاق	شاہ ولی اللہ	سرہند
۳	آبرو	شیخ مبارک	دہلی
۴	آگاہ	محمد صلاح	ـ
۵	انسان	اسد الدولہ	ـ
۶	آزاد	محمد فاضل	ـ
۷	احسن اللہ	احسن اللہ	ـ
۸	آشفتہ	زین العابدین	ـ
۹	آوارہ	میر محمد کاظم	دہلی
۱۰	امام	فضائل بیگ	ـ
۱۱	انجام	امیر خاں	ـ
۱۲	اللہ یار	مرزا اللہ یار بیگ	اورنگ آباد
۱۳	احسن	جمال اللہ	ـ
۱۴	ابدال	مرزا ابدال بیگ	برہان پور
۱۵	امین	محمد امین الدین	اورنگ آباد
۱۶	امداد	غلام حسین	برہان پور

شمار	تخلص	نام	وطن
۱۷	امامی	-	برہان پور
۱۸	ارشد	-	-
۱۹	ارشد	شیخ محی الدین	اوجین
۲۰	ارشد	سید غلام علی	اورنگ آباد
۲۱	اعلیٰ	-	-
۲۲	ایجاد	نقد علی	حیدرآباد
۲۳	احمد	احمد بیگ	〃
۲۴	اشرف	محمد اشرف بیگ	گجرات
۲۵	ابراہیم	ابراہیم خاں	حیدرآباد
۲۶	آصف	آصف جاہ	〃
۲۷	بہار	ٹیک چند	دہلی
۲۸	بیرنگ	دلاور خاں	-
۲۹	پیام	شرف الدین علی	دہلی
۳۰	پاکباز	میر صلاح الدین	〃
۳۱	بسمل	قزلباش خاں	〃
۳۲	بیان	خواجہ احسن اللہ	〃
۳۳	بیکل	سید عبدالوہاب	دولت آباد
۳۴	بیان	محمد احسن	دہلی
۳۵	بے نوا	میر شہاب الدین	〃
۳۶	پروانہ	شعلہ پروانہ	برہان پور
۳۷	باقی	میر محمد رفیع	اورنگ آباد
۳۸	بے خود	بسالت خاں	حیدرآباد
۳۹	بسمل	سید رضوی خاں	〃
۴۰	بیدل	-	-
۴۱	بے جان	-	حیدرآباد

شمار	تخلص	نام	وطن
۴۲	تاباں	عبدالحئی	دہلی
۴۳	تجرد	میر عبداللہ	حیدرآباد
۴۴	تسلیم	محمد ابراہیم	〃
۴۵	تمکین	صلاح الدین	ہند
۴۶	ثاقب	میر شہاب الدین	دہلی
۴۷	ثابت	نوسا	حیدرآباد
۴۸	جمن	میاں جمن	ہند
۴۹	جرأت	میر شبیر علی	-
۵۰	حزین	میر محمد باقر	-
۵۱	حشمت	سید محتشم علی	دہلی
۵۲	حاتم	محمد حاتم	〃
۵۳	حشمت	محمد علی	-
۵۴	حسن	میر محمد حسین	دہلی
۵۵	حبیب	میر محمد حبیب	برہان پور
۵۶	حسام	میر حسام الدین علی	-
۵۷	حمید	خواجہ خاں	اورنگ آباد
۵۸	حیرت	اسمٰعیل علی	دہلی
۵۹	حیا	خواجہ محمد حیا	ہند
۶۰	خاکسار	محمد یار خاں	〃
۶۱	خواجہ	عبدالرحمان	اورنگ آباد
۶۲	خاکی	شاہ خاکی	〃
۶۳	درد	خواجہ محمد درد	دہلی
۶۴	داؤد	مرزا داؤد	اورنگ آباد
۶۵	درد	کرم اللہ خاں	دہلی
۶۶	دردمند	محمد فقہ	بیدر

شمار	تخلص	نام	وطن
۶۷	داتا	فضل علی	دہلی
۶۸	دھین	میر محمد سعید	دہلی
۶۹	رسوا	—	—
۷۰	رجا	میر ضیاء الدین حسین خاں	—
۷۱	راقم	بندرا بن	دہلی
۷۲	رستم	رستم	—
۷۳	رضا	میر رضا بیگ	اورنگ آباد
۷۴	رسا	—	برار
۷۵	روشن	عبد النبی	حیدر آباد
۷۶	رسا	مرزا خاں	اورنگ آباد
۷۷	روشن	محمد واصل بیگ	"
۷۸	زکی	میر جعفر علی	دہلی
۷۹	زکی	شاہ زکی	بلگرامی
۸۰	زانی	پیر خاں	برہان پور
۸۱	سودا	مرزا محمد رفیع	دہلی
۸۲	سعدی	—	دکھنی
۸۳	سجاد	میر سجاد	دہلی
۸۴	سلام	نجم الدین علی خاں	ہند
۸۵	سعادت	سعادت اللہ خاں	دہلی
۸۶	سراج	شاہ سراج الدین	اورنگ آباد
۸۷	سامان	میر ناصر	دہلی
۸۸	سامی	شاہ غلام قادر	اورنگ آباد
۸۹	سرشار	میر نور الدین	"
۹۰	شوق	حسین علی	دہلی
۹۱	شایق	جہانگیر علی خاں	دولت آباد
۹۲	شاغل	—	دولت آباد
۹۳	شورش	مرزا محمد منعم	دہلی
۹۴	شیدا	نوازش علی خاں	حیدر آباد
۹۵	صانع	—	بلگرام
۹۶	صنعت	مغل خاں	اورنگ آباد
۹۷	صابر	مرزا صابر علی	"
۹۸	صادق	محمد صادق	بیجا پور
۹۹	صمصام	صمصام الدولہ	حیدر آباد
۱۰۰	صانع	مرزا صفی	"
۱۰۱	ضیاء	—	دہلی
۱۰۲	ضیاء	مرزا عطاء	اورنگ آباد
۱۰۳	طالع	میر شمس الدین	ہند
۱۰۴	طپش	محمد اکبر	اورنگ آباد
۱۰۵	ظاہر	خواجہ محمد خاں	—
۱۰۶	ظہور	ہوشنگ آباد	اکبر آباد
۱۰۷	عاصی	خواجہ برہان الدین	دہلی
۱۰۸	عارف	—	—
۱۰۹	عشاق	—	"
۱۱۰	عزیز	شاہ عزیز اللہ	ہند
۱۱۱	عمدہ	سیتا رام	ہند
۱۱۲	عزلت	شاہ عبد الوالی	سورت
۱۱۳	عمر	معتبر خاں	احمد آباد
۱۱۴	عاصی	نور محمد	برہان پور
۱۱۵	عاشق	عاشق علی خاں	اورنگ آباد
۱۱۶	عاجز	عارف الدین خاں	"

شمار	تخلص	نام	وطن
۱۱۷	عشرت	خواجہ ابوالبرکات خاں	اورنگ آباد
۱۱۸	عارف	محمد عارف	”
۱۱۹	غریب	محمد زماں	دہلی
۱۲۰	غم	مرزا فیض اللہ	حیدر آباد
۱۲۱	فغاں	اشرف علی خاں	دہلی
۱۲۲	فضلی	شاہ فضلی	اورنگ آباد
۱۲۳	فدا	خواجہ عبدالقادر	حیدر آباد
۱۲۴	فتوت	عنایت اللہ خاں	
۱۲۵	فخر	ان کا حال متروک ہوگیا ہے صرف فہرست میں نام ہے	
۱۲۶	فاضل		
۱۲۷	فیض		
۱۲۸	قربان	—	—
۱۲۹	قائم	محمد قائم	دہلی
۱۳۰	قدرت	قدرت اللہ	”
۱۳۱	قدر	قدرت اللہ	”
۱۳۲	قاسم	شاہ قاسم	برہان پور
۱۳۳	قمر	—	اورنگ آباد
۱۳۴	قادری	سید خلیل	دکن
۱۳۵	کلیم	محمد حسین	دہلی
۱۳۶	کمترین	—	ہند
۱۳۷	کافر	میر علی تقی	ہند
۱۳۸	کیفی		
۱۳۹	گھانسی	میر گھانسی خاں	دہلی
۱۴۰	کمتر	غلام مصطفٰے	برہان پور
۱۴۱	کہن	—	اورنگ آباد
۱۴۲	کاشی	—	—
۱۴۳	گلشن	الفت بیگ	—
۱۴۴	لسان	کلیم اللہ	اورنگ آباد
۱۴۵	مظہر	مرزا مظہر	اکبر آباد
۱۴۶	مخلص	انند رام	حیدر آباد
۱۴۷	مضمون	شرف الدین	ہند
۱۴۸	مزمل	محمد مزمل	”
۱۴۹	میر	میر میران	دہلی
۱۵۰	موضون	خواجہ قلی	برہان پور
۱۵۱	میر	میر تقی	اکبر آباد
۱۵۲	محوی	عثمان خاں	اورنگ آباد
۱۵۳	محسن	محمد محسن	دہلی
۱۵۴	موصون	میر علی	”
۱۵۵	میمن	محمد میمن	حیدر آباد
۱۵۶	متین	میر مہدی	برہان پور
۱۵۷	مرزا	مرزا محمد بیگ	”
۱۵۸	ملیحی	میاں لالن	—
۱۵۹	ممنون	—	دہلی
۱۶۰	معنی	میر شمس الدین	—
۱۶۱	مراد	محمد مراد	برہان پور
۱۶۲	مہربان	سید عبدالقادر	اورنگ آباد
۱۶۳	مروت	—	”
۱۶۴	مہر	محمد پناہ	”
۱۶۵	ناجی	محمد شاکر	ہند
۱۶۶	نثار	عبدالرسول	اکبر آباد

شمار	تخلص	نام	وطن
۱۶۷	نگار	وزارت خاں	اورنگ آباد
۱۶۸	ناصر	مرزا ناصر بیگ	"
۱۶۹	نیاز	مرزا قند علی	حیدر آباد
۱۷۰	نیرنگ	-	-
۱۷۱	ناصر	ناصر جنگ	اورنگ آباد
۱۷۲	ندرت	میر نجف علی	"
۱۷۳	ولی	ولی محمد	دکھنی
۱۷۴	نصرتی	-	بیجاپور
۱۷۵	میر وقار	میر عبدالحی خاں	دکھنی
۱۷۶	وفا	میر ناصر	حیدر آباد
۱۷۷	وحشت	میر نظام الدین	حیدر آباد
۱۷۸	ہدایت	محمد ہدایت اللہ	دہلی
۱۷۹	ہادی	محمد ہادی	اورنگ آباد
۱۸۰	ہاشم	میر محمد ہاشم	برہان پور
۱۸۱	ہجر	-	-
۱۸۲	یقین		
۱۸۳	یکرنگ		
۱۸۴	یکرو		
۱۸۵	یکرنگ	-	
۱۸۶	یکدل		

ضمیمہ

مقالہ نُما

مرتبین

عالی جعفری　　فضل اللہ فاروقی　　سیّد جمیل الدین　　ابوالفضل صدیقی

ضروری نوٹ:- مقالہ نُما میں شامل شدہ مضامین کی نقل حسب طلب (خطِ شکستہ میں) دو آنے فی صفحہ کی اُجرت پر مہیا کی جا سکتی ہے۔ تاہم کسی مضمون کی نقل ایک روپیہ سے کم اجرت پر فراہم نہیں کی جائے گی۔

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱۔ ادارہ:

حرمین شریفین کی تعمیر جدید

(البلاغ۔ ملک سعود نمبر بمبئی ۵۵-۵۶

دسمبر جنوری ۱۱۲-۱۱۳

خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی تعمیر جدید سے متعلق اخراجات کے اعداد و شمار اور تعمیر جدید کا نقشہ و خاکہ پیش کیا ہے۔

۲۔ انور محمد ابوالحسن:

اخوت اسلامی اور رسولؐ کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم

(فیض الاسلام سیرت نمبر، راولپنڈی ۵۵ نومبر

اخوت اور بھائی چارہ کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے نبی کریم صلعم کی تعلیمات اور عملی مثالیں پیش کی ہیں۔

۳۔ بیدار حامد رضا:

تصانیف اشعری

معارف اعظم گڈھ، ۵۵، اکتوبر ۲۹۵-۳۰۲)

امام ابوالحسن اشعری کی تصانیف بتعداد کثیر ہیں، مضمون نگار نے ان کی فہرست دی ہے اور بعض کتابوں کے موضوع کی تصریح کی ہے۔

۴۔ بھوپندر ناتھ دت:

دھرم اور راج نیتی

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ نومبر ۲۵۳ - ۲۶۵)

ہندوستان کی قدیم تاریخ تہذیب مذہب اور سلطنت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ موجودہ لوگوں میں جو یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ ہندوستانی باہر سے آنے والوں سے قبل کوئی اپنا اعلیٰ نظام زندگی نہیں رکھتے تھے غلط ہے۔ ان کا دھرم اور راج نیتی دونوں کے اعلیٰ اور مفید اصول تھے۔ راج نیتی کے ساتھ دھرم کا گہرا تعلق ہے حکومت کرنے والے جس طرح راج نیتی چلاتے ہیں اسی دیش میں وہاں تہذیب اسی کے مطابق روپ بدلتی ہے۔

۵۔ تقی محمد امینی:

عروج و زوال کے آلہی قانون

(۲)

(برہان دہلی ۵۵، اکتوبر ۲۳۱ - ۲۲۶)

متعدد ذیلی سرخیاں مثلاً قرآنی اخلاق کی بنیاد عالمگیر افادیت اور عمومی رحمت پر ہے۔ قرآن کی نظر میں پوری دنیا کی آبادی ایک خاندان جیسی ہے۔ انسانی زندگی کا قرآنی معیار، انتخاب فطری اور بقاء اصلح وغیرہ قائم کرتے ہوئے آیات قرآنی اُن کا ترجمہ اور تشریح پیش کی ہے

(۳)

۵۵۔ نومبر، ۲۹۴-۳۰۶)

اصلح قوم کے معاشرہ کا نشو و ارتقا ہوتا رہنا ضروری ہے اس سلسلہ میں "اصلح" کے لئے قرآن نے جو معیار قائم کیا ہے وہ سب حقیقی و دائمی قیام و بقا کے لئے ہیں، جو قوم ٹھیک ٹھیک اپنے آپ کو اس معیار کے مطابق بنا لے گی اسے کبھی زوال نہ ہوگا اس اصول کی وضاحت قرآن نے جس طرح کی ہے، قرآنی آیات سے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔

۶۔ جعفر شاہ ندوی:

قرآن میں چوری کی سزا (احادیث کی روشنی میں)

(ثقافت لاہور ۵۵ نومبر ۳۰-۴۵)

قرآن و حدیث کی روشنی میں چوری کی سزا کے بارے میں علمی تفصیلی بحث۔

۷۔ جعفر شاہ ندوی:

ایک حدیث پتنا نے شہادت

(ثقافت لاہور، ۵۵، نومبر ۲۳-۲۶)

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی میں حضرت انسؓ سے

حضور اکرم کا ایک فرمان یوں مروی ہے۔

"ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا وله ما علی الارض من شیء الا الشہید یتمنی ان یرجع الی الدنیا...... الخ"

اس حدیث شریف کی واضح اور مدلل تشریح۔

۸۔ جعفر شاہ ندوی:

دم واپسیں

(فیض الاسلام سیرت نمبر راولپنڈی ۵۵ نومبر ۸۴)

نبی کریم صلعم کے مرض الموت سے لے کر وفات تک کے حالات۔

۹۔ جعفر شاہ ندوی:

اقدار اسلامی کا تصور

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۴۳-۵۲)

اسلام کی بنیادی اقدار کیا ہیں؟ اس سوال کو قائم کرنے کے بعد جواب دینے سے پہلے اقدار کے مفہوم کی متعدد مثالوں سے تشریح کی ہے۔ آگے چل کر اقدار حیات کی محافظت کے سلسلہ میں آٹھ نکتے بیان کئے ہیں۔ آخر میں ان کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ تمام اقدار عالیہ کا سرچشمہ وہ قدر الاقدار اور وہ خیر مطلق ہے جسے اللہ کہتے ہیں۔ اور اس کے اسماء حسنیٰ میں جو صفات بیان کی گئی ہیں وہی اصلی اسلامی اقدار ہیں۔ آگے چل کر کچھ اصول بتائے ہیں جن پر عمل کر کے انسان خلافت ارضی کا حق ادا کر سکے۔

۱۰۔ حسن مثنیٰ ندوی:

وہ کون تھا؟

(فیض الاسلام سیرت نمبر، راولپنڈی ۵۵ نومبر ۷۷ — ۸۰)

اور یادہ شگفتہ انداز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت بیان کی ہے۔

۱۱۔ حمید اللہ محمد ڈاکٹر:

حدیث نبوی کی تدوین و حفاظت

(قسط دوم)

(البلاغ بمبئی ۵۵ - اکتوبر ۱۶—۲۴)

حدیث نبوی کی تدوین و حفاظت سے متعلق ابتدائے وفات نبوی اور بعد میں اس سلسلہ میں جو کوششیں کی گئی ہیں ان کا حال متعدد احادیث و سیر اور تاریخی کتابوں کے حوالوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔

۱۲۔ خورشید احمد فارق ڈاکٹر:

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط

(۴)

(برہان دہلی ۵۵ - اکتوبر ۱۹۸ — ۲۰۸)

حضرت عمر بن الخطابؓ کے ۲ خطوط، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، عیاض بن غنم اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے نام۔ ان خطوط میں مختلف جنگی محاذ و فتنہ وغیرہ کے متعلق ہدایات کی ہیں۔

(۵)

(۵۵ نومبر ۲۶۰ — ۲۷۱)

محاذ عراق و عجم پر لڑنے والی افواج اسلامی کے سپہ سالاروں مثنیٰ بن حارثہ اور دوسرے فوجی افسروں کے نام خطوط۔ جن میں اصول جنگ اور دوسرے امور کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے۔

۱۳۔ رگھوناتھ سہائے:

حضرت محمد گیان

(فیض الاسلام، سیرت نمبر راولپنڈی ۵۵ نومبر ۱۰۳ — ۱۱۱)

بعثت نبوی سے قبل عرب کی اخلاقی، سماجی اور مذہبی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے، دعوت اسلام اور اس کے بعد نبی صلعم کے حالات اور تعلیمات مختصر مگر جامع طور سے پیش کئے ہیں۔

۱۴۔ سلطان محمد اقبال:

آنحضرت کے تبلیغی اصول

(فیض الاسلام سیرت نمبر، راولپنڈی ۵۵ نومبر ۱۳ — ۲۰)

کتب سیر و احادیث سے نبی کریم صلعم کے اسلام پیش کرنے کے اصول مختصر طور سے یکجا کر دیے ہیں۔

۱۵۔ ضیاء الدین اصلاحی:

اصحاب الاعراف

(معارف اعظم گڈھ ۵۵ دسمبر ۴۴۳ — ۴۵۵)

قرآن میں سورۂ اعراف میں اصحاب الاعراف کا ذکر آیا ہے (۱) اعراف کیا چیز ہے۔ (۲) اصحاب اعراف کون ہیں (۳) اور اس سے متعلق بعض آیتوں اور فقروں کا کیا مفہوم ہے؟ انھیں سوالات کو قائم کرتے ہوئے قرآن مفسرین کی رائیں۔ بیان کرنے کے بعد اپنا خیال پیش کیا ہے کہ اصحاب اعراف ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے لیکن ان میں جنت کے داخلہ کا بے پایاں جذبۂ شوق موجزن ہوگا۔ اور اس مفہوم میں کوئی زحمت نظر نہیں آتی۔

۱۶۔ ع:

پیغمبر عدل

(فیض الاسلام سیرت نمبر، راولپنڈی ۵۵ نومبر ۵۹ — ۶۲)

نبی کریم صلعم کے عدل و انصاف سے متعلق احکامات اور متعدد واقعات پیش کئے گئے ہیں۔

۱۷۔ عابد علی، عابد۔ سید:

اسماعیلیہ ایران

(عمومی جائزہ)

(ثقافت لاہور، ۵۵ نومبر ۲۵ — ۳۶)

فرقۂ اسماعیلیہ کے عروج و زوال کی تاریخ کا سیر حاصل تذکرہ۔

۱۸۔ عبد الرشید ندوی:

قرآن پاک اور جدید تحقیقات

(البلاغ بمبئی، ۵۵، اکتوبر ۵ — ۱۱)

قرآن پاک کی ان آیتوں کو پیش کرتے ہوئے جن میں زمین و آسمان دخانی اجزاء میں بجلی کی قوت وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور ان کی افادیت بیان کی ہے موجودہ سائنس کی تحقیقات سے موازنہ کیا ہے۔

۱۹۔ عبد الصمد، شرف الدین:

ایم اے فاروقی مترجم۔

اسرار مشیت الٰہی

(البلاغ بمبئی ۵۵، اکتوبر ۴۳ — ۴۵)

اسلامک ریویو لندن جنوری ۱۹۵۶ء میں ایک سوال کیا گیا ہے وہ وہ اس میں ہے جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع ہوتا ہے اس کو اپنی طرف پہنچنے کا راستہ دکھاتا ہے" کیا یہ اقتباس قرآن مجید سے ہے؟ اگر ایسا ہے تو کسی کو کیوں گمراہ کرتا ہے؟

اسی سوال کا مفصل جواب۔

۲۰۔ عرشی صاحب:

حضور کی خطابت

(فیض الاسلام سیرت نمبر، راولپنڈی ۵۵ نومبر ۷۱ — ۷۶)

نبی کریم صلعم کے مختلف مواقع پر دیئے چند خطبات کا اقتباس پیش کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ آپ میں خطابت کی پوری پوری شان موجود تھی۔

۲۱۔ غلام حیدر خاں چوہدری:

دنیا کا مصلح اعظم

(فیض الاسلام سیرت نمبر راولپنڈی ۵۵ نومبر ۶۵ — ۷۰)

مختلف مغربی مصنفین اور مفکرین شائع کردہ لیو تھ۔

کارلائل، ٹوزیکبین، برنارڈ شا، ڈولیفورولے اسلام اور بانی اسلام سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے متعدد اقتباسات پیش کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وبزرگی کی شہادت پیش کی ہے۔

۲۲۔ فراق رگھوپتی سہائے:

ڈاکٹر بھگوان داس اور ورن دیوستھا

(نیا ہند الہ آباد۔ ۵۵، اکتوبر ۲۲۴۔۲۳۰)

ڈاکٹر بھگوان داس نیا ہند کے پرانے مضمون نگار ہیں دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب کی بنیادی ایکتا کو مانتے ہیں اور پرچار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان کی ورن دیوستھا نئی دیواریں کھڑی کرنے والی چیز نہیں۔ مضمون نگار نے ان کے نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے متعدد مثالیں دے کر وضاحت کی ہے کہ ذاتوں اور طبیعتوں میں براہمن، چھتری ویشیہ، شودر کا فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ فرق یہ ہوتا ہے کہ کسی کو شاعری پسند ہے کسی کو سائنس۔ اور ان میں بھی خاص خاص قسم کی رجحانیں ہیں ورن دیوستھا مٹنے پر بھی یہ فرق قائم رہیں گے۔ جہاں سب پڑھے لکھے ہوں گے، سمجھ دار ہوں گے سماجی برابری ہوگی، خوشحال ہوں گے۔ ہاتھ پاؤں کی کڑی محنت سے آزاد ہوں گے زندگی کی ضرورتوں کے لئے جس سماج میں ہر ایک کو بہت کم کام کرنا پڑے گا، ایسے سماج میں ورن دیوستھا کی کہاں ضرورت!

۲۳۔ فضل قدیر ندوی:

پیغمبر حرب و دفاع

(فیض الاسلام سیرت نمبر راولپنڈی ۵۵ نومبر ۴۹۔۵۴)

نبی کریم صلعم کی حربی اور دفاعی صلاحیتوں کی متعدد مثالیں اور جنگی تدابیر اور دوسرے اسلامی اصول جنگ پیش کئے ہیں۔

✤ ✤ ✤

۲۴۔ قاضی اطہر مبارکپوری:

ملک معظم سعود کے تین خطبے

(البلاغ، ملک سعود نمبر بمبئی ۵۵۔۵۶ دسمبر جنوری ۳۲۔۳۵)

اس سال حج کے موقع پر سلطان سعود نے جو خطبے دیئے تھے۔ ان کا ترجمہ و تشریح۔ ان خطبات میں سلطان نے مسلمانانِ عالم کو متوجہ کیا ہے کہ دین و تقویٰ کے بغیر مسلمانوں کی سیاست کوئی سیاست نہیں۔

۲۵۔ قاضی اطہر مبارکپوری:

مکتوبات امام احمد بن محمد بن حنبل متوفی سنہ ۲۴۱ھ بنام خلیفہ متوکل

(البلاغ بمبئی ۵۵، اکتوبر ۱۲۔۱۵)

خلیفہ متوکل نے قاضیوں کے تقرر کے لئے امام صاحب سے دریافت کیا تھا اس کا جواب اور چند دوسرے اصحاب کے نام خطوط اور اپنے بیٹے کے نام وصیت نامہ۔

۲۶۔ قاضی عبدالسلام:

محمد عربی بہ نظر اغیار

(فیض الاسلام سیرت نمبر راولپنڈی ۵۵ نومبر ۱۱۷۔۱۲۳)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مختلف مغربی اور ہندستانی غیر مسلموں کی آراء۔

۲۷۔ قطب الدین احمد:

اسلام کا جمہوری نظام

(۲)
(برہان دہلی ۵۵، اکتوبر ۲۲۱)

اسلامی طرزِ حکومت اور جمہوری نظام کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے مختلف بنیادی اصولوں مثلاً رائے عامہ

کا اختیار، مریضِ عادہ معلوم کرنے کا طریقہ، اسلام اور موجودہ طریقوں کا باہمی فرق، آزادی ضمیر ورائے، خلفاء طریق شوریٰ پر عمل وغیرہ قرآن احادیث اور کتب تواریخ سے حوالہ دے کر وضاحت کی ہے۔

(۳)

(۵۵ نومبر ۲۸۳ - ۲۹۳)

اسلامی جمہوریت عوام اور خاص طور سے غیر مسلم رعایا کے حقوق کی حفاظت و صیانت کے جو اصول مقرر ہیں اور خلفاء نے ان پر جس پابندی سے عمل کیا، تاریخی واقعات سے ان کی مثالیں پیش کرتے ہوئے اسلام کے جمہوری نظام کی بنیادی باتیں پیش کی ہیں۔ ساتھ ہی خلفاء اسلام اور خاص طور سے حضرت عمرؓ کے بعض ایسے واقعات مثال میں دئے ہیں جن کی ان کے حق وانصاف اور مساوات نمایاں ہے۔

۲۸۔ قمر امرتسری:

پیغمبرِ امن

(فیض الاسلام سیرت نمبر راولپنڈی ۵۵ نومبر ۲۲ - ۲۸)

نرمی، محبت، امن وسلامتی سے متعلق نبی صلعم کے اقوال واعمال کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

۲۹۔ مجیب رضوی:

محمد صاحب کے کچھ اپدیش

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ اکتوبر ۲۲۱ - ۲۲۳)

جنازہ کی تکریم خواہ کسی کا ہو۔ سخاوت، انسان دوستی، رحم ومروت، اخلاق، نیکی اور گناہ کی پہچان وغیرہ کے بارے میں احادیث نبوی کا ترجمہ۔

(۲)

(۵۵ نومبر ۲۹۳ - ۲۹۶)

ایمان، اسلام، اخلاقیات، اور دوسرے اعمالِ صالحہ سے متعلق احادیث نبوی کا ترجمہ۔

(۳)

(۵۵ دسمبر ۳۳۶ - ۳۳۸)

اخلاقیات وسماجیات سے متعلق متعدد احادیث کے ترجمے۔

۳۰۔ محمد اشرف:

سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر

(۲)

(معارف اعظم گڑھ ۵۵، اکتوبر، ۲۴۵ - ۲۶۸)

سید سلیمان ندویؒ کے ارشادات (۱) اپنی اور اپنے نفس کی اصلاح کی ضرورت ہے پھر دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنی چاہئے ورنہ کوئی اثر نہ ہوگا۔ طالبین اور مشورہ چاہنے والوں کی دینی رہنمائی (۳) ضرورت تسبیح (۴) بیعت وغیرہ سے متعلق آپ کے خیالات وافکار پیش کئے ہیں۔

(۳)

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ نومبر ۳۲۵ - ۳۴۸)

اس موضوع کی یہ تیسری قسط ہے۔ مختلف عنوانوں کے تحت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے طریقۂ سلوک کو تحریر وتقریر کے اقتباسات کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ اس قسط کو "ہمت وعزیمت" سے شروع کرکے "اخلاص" پر ختم کیا ہے۔

(۴)

(۵۵ دسمبر ۴۰۵ - ۴۲۲)

سید سلیمان ندویؒ کے اعمال وافکار کی متعدد مثالیں پیش کی ہیں۔

۳۱۔ محمد حنیف ندوی:

فقہِ جدید کی ضرورت

(ثقافت لاہور ۵۵ نومبر ۴۶ - ۵۳)

زمانہ کی قدریں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں اور اس کے ساتھ دنیا کے قوانین بھی، لیکن اسلامی قانون میں اتنی ہمہ گیری اور لچک ہے کہ وہ ہر زمانے کے حالات پر حاوی ہے۔ اسلامی فقہ کے دو محور ہیں جس کے گرد اس کا سارا نظام گھومتا ہے اور وہ ہیں عدل اور احسان ـــ فقہ جدید سے یہاں مراد فقہ کی موجودہ

ضرورتوں اور حالات کے تحت تشکیل پذیر ہے اور یہ اصول پر اس کی بنیاد قائم ہے اور اس کی تشکیل سے صرف مسلمان بلکہ ساری انسانیت جبر و تعصب کی مشکلات سے نجات پا سکتی ہے۔

۴۲۔ محمد حنیف ندوی:

ایک آیت

(ثقافت لاہور ۵۵ نومبر ۵۹-۶۲)

سورۂ بقرہ کی آیت "ام حسبتم ان تدخلو الجنۃ و لما یاتکم مثل الذین......الخ" کی تفصیلی وضاحت کے ساتھ تفسیر۔

۴۳۔ محمد حنیف ندوی:

غزالی کی سرگزشت انقلاب

(سلسلہ کے لئے دیکھئے ثقافت لاہور اگست شمارہ)

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۳۹-۴۲)

امام غزالی کی مشہور کتاب المنقذ من الضلال کی تلخیص اس مضمون میں صنعت ایمانی اور اس کے مہالک کا مطالعہ تحریر کیا گیا ہے۔

۴۴۔ محمد شفیع:

وہ کتاب جسے اقبال لکھنا چاہتے تھے

(ہمایوں لاہور ۵۵ دسمبر ۵۶۴-۵۶۵)

والیٔ بھوپال کی تجویز پر علامہ اقبالؒ اسلامی سیاست اور فقہ پر ایک مستقل کتاب لکھنا چاہتے تھے جس کا نام تھا:

Introduction To The Study of Islam

لیکن حضرت اقبالؒ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اس کتاب کو مکمل نہ کر سکے۔ زیر نظر مضمون میں اس کتاب کے انگریزی میں لکھے ہوئے نوٹس اور مواد کا اردو میں ترجمہ پیش کیا گیا ہے تاکہ آئندہ کوئی اس عنوان پر تصنیف کرنا چاہے تو اس کے لئے علامہ اقبالؒ کا فراہم کردہ مواد کام آسکے۔

۴۵۔ مظہرالدین صدیقی:

صوفیاء اور علماء

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۲۴-۳۰)

پروفیسر مسگنان نے اسلامی تصوف پر جو تحقیقاتی کام کیا ہے اس کی روشنی میں تصوف کی تاریخ، اس کا ارتقا علماء سے تصادم پھر امام غزالی کے افکار و خیالات کی روشنی میں علماء کے مقابلہ میں صوفیا اور تصوف کا ارتقاء وغیرہ پر مفصل بحث کی ہے۔

۴۶۔ ملا واحدی:

سرورِ کائنات کی جہانبانی

(فیض الاسلام سیرت نمبر راولپنڈی ۵۵ نومبر ۱۳-۱۴)

چند ہی ایسے پیغمبر گذرے ہیں جن کی شہرت جہانبانی دنیا کو معلوم ہے ان میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے حالات و واقعات بھی پوری طرح محفوظ نہیں لیکن زندگی کے اس شعبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک واقعات اور مثالیں موجود ہیں۔ آپ نے کس طرح انسانی زندگی کے ایک ایک شعبہ پر نظر رکھی اور ان میں عملی زندگی کی رہنمائی کی۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۴۷۔ ادیب محمد عبدالقادر:

مارشل بلگانن

(آج کل دہلی ۵۵ اکتوبر ۲۹)

سوویت یونین کے موجودہ وزیر اعظم مارشل بلگانن کی شخصیت کا ایک سرسری جائزہ۔

۴۸۔ امبا شنکر ناگر:

گاندھی اور کبیر

(نیا ہند الہ آباد ۵۵ دسمبر ۳۲۸-۳۳۱)

مضمون میں کبیر اور گاندھی کے ان خیالات و افکار کو پیش کیا ہے جو ایک دوسرے سے بالکل مطابق ہیں۔ مثلاً

ہند مسلم ایکتا، اچھوتوں کی مساوات، اہنسا، زبان وغیرہ۔

۳۹۔ پربھا دیوی:

چو چین شو، آدرش مزدور، کیسے بنی

(نیا ہند الہ آباد ۵۵، اکتوبر ۱۶ ۲۰۔۲۲)

پربھا دیوی پروفیسر ہندی پیکنگ یونیورسٹی نے چو چین شو سے ملاقات کی اور اس کی زندگی کے حالات معلوم کئے خاص طور سے وہ ایک مثالی مزدور کس طرح بنی؟

۴۰۔ تاباں:

نکیتا سرگے وچ خروشچیف

(ہندستانی ادب حیدر آباد (دکن)، ۵۵ دسمبر ۹)

سوویٹ یونین کمیونسٹ پارٹی کے ممتاز رہنما کی زندگی اور کارناموں کا ایک خاکہ۔

۴۱۔ تاباں:

نکولائی الگزاندر رووچ بلگانن

(ہندستانی ادب حیدر آباد (دکن)، ۵۵ دسمبر ۸)

سوویٹ روس کے موجودہ وزیر اعظم کی زندگی اور کارناموں کا ایک خاکہ۔

۴۲۔ جمیل مہدی:

خواجہ حسن نظامی

(آج کل دہلی ۵۵ اکتوبر ۳۔۷)

حالی نے غالب کی وفات پر کہا تھا کہ:

اس کے مرنے سے مر گئی دلی

یہی بات حضرت خواجہ حسن نظامی پر بھی صادق آتی ہے۔ وہ ہماری پرانی تہذیب کے ایک نمائندہ کردار تھے۔ زیر نظر مضمون میں ان کی شخصیت کا بہ حیثیت ایک ادیب کے جائزہ لیا گیا ہے۔

۴۳۔ زیدی علی جواد:

بھگوتی چرن ورما

(آج کل دہلی ۵۵ نومبر ۴۱۔۴۳)

ہندی کے مشہور ناول نگار، افسانہ نویس اور شاعر شری بھگوتی چرن ورما کی سیرت کا خاکہ پیش کیا ہے۔

۴۴۔ سندر لال:

انیسویں صدی کے ایک فقیر کی ڈائری

(مسلسل)

(نیا ہند الہ آباد ۵۵ اکتوبر ۲۱۔۱۶ (۳)

غوث علی شاہ کی ڈائری کے چند روز کے تاثرات جن میں زیادہ تر توحید، عذاب ثواب، کبیر اور ریداس۔ لا الہ الا اللہ کی تشریح، سکھ دیو جی کے گیان حاصل کرنے کا واقعہ، ان تمام مسائل پر گفتگو و اظہار خیال۔

۴۵۔ شاطر حکیمی:

نواب وحید الدین غازی

(آج کل دہلی ۵۵ نومبر ۱۶۔۱۸)

نواب وحید الدین غازی خاندان گور دھا اسٹیٹ کے چشم و چراغ ہیں۔ عمر ۴۸ سال ہے۔ ایک اچھے انسان اور اچھے بلکہ صاحب طرز شاعر ہیں۔ اردو کے علاوہ ہندی، انگریزی اور عربی میں بھی شعر کہتے ہیں۔

۴۶۔ شاہد حسین رزاقی:

سعید حلمی پاشا کا نظریہ اصلاح امت

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۵۳۔۶۲)

سعید حلمی پاشا کے مختصر حالات زندگی، سید جمال الدین افغانی سے وہ کافی متاثر ہوئے اور اس تاثر کا نتیجہ تھا کہ اصلاح امت کے سلسلہ میں انھوں نے ترکی زبان میں ایک کتاب "اسلام لشمق" کے نام سے لکھی، جس میں انھوں نے مسلمانوں کی زبوں حالی کے اسباب اور ساتھ ہی اسلامی نظام حکومت کا ایک بہتر خاکہ پیش کیا ہے۔

۴۷۔ عبد القوی دریابادی:

مصور فطرت خواجہ حسن نظامی دہلوی

(فروغ اردو، لکھنؤ، ۵۵، اکتوبر ۲۳۔۲۸)

خواجہ حسن نظامی اردو کے صاحب طرز انشاپرداز تھے ان کا طرز بہت مقبول ہوا انھوں نے بہت سی کتابیں لکھ کر اردو کی بڑی خدمت کی۔ (باقی)

۴۸۔ عبدالقوی دسنوی:

مصورِ فطرت خواجہ حسن نظامی مرحوم

(نقوش اردو لکھنؤ ۵۵ نومبر ۲۱—۴۸)

خواجہ صاحب کی صحافتی زندگی کے ساتھ ان کے انشاء کی خوبیاں بیان کی ہیں۔ انشاء کی مثال اور مولوی عبدالحق کی رائے اس سلسلے میں نقل کی ہے۔

۴۹۔ مسعود رضا جاوید:

منٹو

(چراغ راہ، کراچی ۵۵، اکتوبر ۳۰—۳۳)

مشہور افسانہ نگار سعادت حسن منٹو (مرحوم)، کی شخصیت اور افسانہ نگاری کو، ان کے افسانوں کی روشنی میں سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

۵۰۔ ملک رام:

کیفی دہلوی

(تحریک دہلی ۵۵ دسمبر ۶—۹)

سلطنتِ مغلیہ کے آخری زمانہ میں ایک کشمیری برہمن قسمت آزمائی کے لئے دلی آیا اور اس کے ایک فرد نے ذاتی لیاقت و صلاحیت کے سبب دربار میں رسائی حاصل کرلی اور اس کے بعد یہ خاندان ملازمت اختیار کی۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی اسی خاندان میں ۱۳ دسمبر ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ باپ اور ماں کا سایہ علی الترتیب بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا۔ عزیزوں نے پرورش کی۔ ابتدائی تعلیم مکتب کی تھی۔ اس کے بعد مشن اسکول میں داخل ہوئے۔ شعر گوئی اسی زمانہ میں شروع کی۔ استاد رحیم بخش نے باز رکھنا چاہا مگر نہ رکے۔ حالی سے دو تین غزلوں پر اصلاح لی تھی۔ بعد میں کسی کے شاگرد نہیں ہوئے۔ ۱۸۸۰ء میں بی، اے کیا۔ اختتامِ تعلیم کے بعد لاہور کے محمد حسین آزاد سے ملے تھے۔ کپورتھلہ اور کشمیر میں معزز عہدوں پر مامور رہے۔ مختلف مقامات پر توسیعی لکچر دئے جو چھپ چکے ہیں۔ فارسی، اردو اور انگریزی میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ عربی و سنسکرت سے واقفیت تھی۔ پراکرتوں پر عبور رکھتے تھے۔ مرحوم نے اپنی ستر سالہ ادبی زندگی کی یادگار دو درجن کے قریب کتابیں چھوڑی ہیں نظم، نثر، ڈراما، سبھی میں کامیاب رہے۔ اردو علم و ادب سے متعلق ہر تحریک میں درمے، درمے، قدمے شریک رہے۔ پہلی نومبر ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔

تاریخ و سیاسیات

۵۱۔ اڈیٹر:

عہدِ بنی امیہ و بنی عباس میں کنیزوں کا اثر و اقتدار

(نگار لکھنؤ ۵۵ دسمبر ۲۴—۴۸)

کنیز فروشی کا پس منظر دکھانے کے بعد ان کی خرید و فروخت کی قطعی صورتیں بیان کی ہیں اور دکھایا ہے کہ عہدِ اسلام میں کنیزوں کے اثر و نفوذ اور قوت و اقتدار کا یہ عالم تھا کہ وہ خلفاء کی لونڈیاں نہیں بلکہ ان کی مالک تھیں۔

۵۲۔ تاراچند۔ ڈاکٹر:

پرانے زمانہ سے اب تک ہندوستان اور ایران کا سمبندھ

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ اکتوبر ۱۹۳—۲۰۶)

ایران میں انڈو ایرانی کلچرل ایسوسی ایشن کی بنیاد رکھتے وقت ڈاکٹر تارا چند نے تقریر، اس میں ایران و ہندوستان کی قدیم نسلی، تاریخی اور خاص طور سے مذہبی یکسانیت اور ہم خیالی کی متعدد مثالیں وید و اوستا، بھگتوں اور صوفیاء کے کلام سے پیش کی ہیں۔

۵۳۔ خلیفہ عبدالحکیم:

انڈونیشیا

دنیا میں سب سے بڑی اسلامی مملکت

(ثقافت لاہور، ۵۵ نومبر ۵—۱۳)

یہ جیمز مچز مشہور امریکی سیاح اور مصنف کے مضمون کا خلاصہ ہے۔ جس میں دنیا کے اس حسین خطے کے سماجی، سیاسی اور معاشی حالات کی تفصیل سے وضاحت کی گئی ہے۔

۵۴۔ دفتری۔ ڈاکٹر لطیف:

میل ملاپ کا سنگم بنگال

(نیا ہند الہ آباد ۵۵ نومبر ۳۶۶—۳۷۰)

مسلمانوں کا دورِ حکومت بنگال میں کم بیش ساڑھے پانچ سو سال رہا۔ اس دور میں ہندو مسلمانوں میں میل جول، پریم۔ مترتا، اور بھائی چارے کی جو بنیادیں نظر آتی ہیں ان کا تاریخی واقعات سے ثبوت پیش کیا ہے۔

۵۵۔ رحیم دہلوی:

سلطان احمد تنبل

(تیسری قسط)

(العلم کراچی ۵۵ اکتوبر دسمبر ۶۲—۷۸)

سلطان تنبل اور بابر کی متعدد جنگوں، اور آخر میں بابر کے مقابلہ میں تنبل کی کامیابی کے واقعات تاریخی حوالوں سے بیان کئے ہیں۔

۵۶۔ رئیس احمد جعفری ندوی۔ مترجم:

عربوں کے آثار دنیائے علم و عمران میں

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۲۳—۴۲)

ایک صدی کے اندر ہی اندر عربی حکومت کا پرچم دنیا کے دور دراز حصوں پر لہرانے لگا، اور پھر عربوں نے علوم فنون مثلاً تاریخ جغرافیہ۔ ریاضیات، فلکیات، طب و جراحت، سائنس کے اکثر شعبے۔ تعمیرات، اور موسیقی، غرض زندگی کے ہر شعبے میں انھوں نے جو کارنامے انجام دیے ہیں ان کا ذکر۔

۵۷۔ سالک عبد المجید:

جنوبی ہند میں مسلمانوں کے مرکز

(ثقافت لاہور ۵۵ نومبر ۱۴—۱۸)

ہزاروں برس پہلے سے ہندوستان میں عربوں کی آمد و رفت کا سلسلہ تجارتی تعلقات کی بنا پر رہا ہے اور اسی کے نتیجے کے طور پر ہندوستان کے جنوبی سواحل پر عرب نو آبادیاں بھی رفتہ رفتہ قائم ہو گئیں۔ سراندیپ، مالدیپ، ملبار، معبر گجرات، کاٹھیاوار، کوکن اور دکن میں ان لوگوں نے اپنی مستقل بستیاں بسا لیں۔ اس مضمون میں عربوں کی ہندوستان میں آمد تجارتی تعلقات اور اشاعتِ اسلام کا تفصیل سے ذکر ہے۔

۵۸۔ صدیقی عبد الستار:

بغداد کی وجہ تسمیہ

(اردو ۵۵ اکتوبر ۴۸۴—۵۱۰)

یہ مقالہ پہلے معارف اعظم گڈھ (اکتوبر ۱۹۳۹ء) میں چھپ چکا ہے۔ یہاں ترمیم کے ساتھ دوبارہ شائع ہو رہا ہے اس میں تحقیق کے ساتھ مدلل انداز میں دکھایا ہے کہ بغداد کا تعلق نوشیروان عادل اور اس کی دادرسی سے نہیں ہے۔ اسی کے قریب بغ بت کی عبادت ہوتی تھی، اس کا مندر وہاں تھا اسی رعایت سے یہ لفظ بنا اور عام ہوا۔

۵۹۔ صباح الدین عبد الرحمن:

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی فوج میں سواروں کے کارنامے

(۳)

(معارف اعظم گڈھ ۵۵ اکتوبر ۲۶۹—۲۸۴)

مسلمان سواروں نے میدان جنگ میں کیا کیا کارنامے کئے ہیں اور خاص طور سے مغل راجپوت سواروں کے کارنامے مغل دربار میں ان کی بے مثال مہارت پر اعزاز و اکرام، بہت سے شاہجہانی دور کے ہندو سرداروں اور امرا کے نام اور عہدے

(۴)

(۵۵ نومبر ۳۴۹—۳۶۶)

اس بار اس سلسلے کی چوتھی قسط دی گئی ہے جس میں اورنگ زیب کے زمانے سے متعلق ضروری معلومات دی ہیں اور گھوڑوں کی نسلوں، قسموں، ساز و سامان وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔

۶۰۔ ص، ع: تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کی ایک جھلک

(معارف اعظم گڈھ ۵۵ دسمبر ۴۶۰—۴۷۲)

ڈاکٹر کے۔ ایس لال کی انگریزی کتاب خلجیوں کی تاریخ

مرتب کی ہے اس کتاب سے علاء الدین خلجی سے متعلق اقتباس لیا گیا ہے۔ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ علاء الدین خلجی ایک ظالم وسفاک و متعصب فرمانروا تھا۔ لیکن مرتب کتاب نے علاء الدین خلجی کی ایسی تصویر پیش کی ہے جس سے اس کی رعایا سے محبت امور سلطنت پر کڑی نظر، فوجی قابلیت اور دوسری خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

۶۱۔ طہٰ حسین۔ ڈاکٹر:
عبدالحمید نعمانی مترجم

عثمان رضی اللہ عنہ صرف تاریخ کی روشنی میں

(۲)

(۵۵، اکتوبر ۲۰۹–۲۲۰)

ابتدا میں قریش اور دوسرے مسلمانوں کے بارے میں حضرت عمر کی دوراندیشانہ پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس پالیسی کے برعکس نرمی اختیار کرنے سے خلافت عثمانی میں جن اسباب کی وجہ سے اختلافات رونما ہوئے ان اسباب کی تشریح کی گئی ہے۔

(۳)

(برہان، دہلی ۵۵ نومبر ۲۷۳–۲۸۲)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی معزولی کے اسباب، اور ان پر مختلف ناقدین نظر سے بحث، پھر ولید کا تقرر، اس کی حالت، اس کے بارے میں موافق و مخالف شہادتیں پھر ان پر محاکمہ اور آخر میں ولید کی معزولی اور اجرائے حد، اور اسباب معزولی پر تاریخی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔ ولید میں جاہلیت کے اثرات باقی تھے جن سے اس کی زندگی بے ہودگی اور تمسخر کی زندگی تھی جو کبھی کبھی اسلام کے حدود سے بھی آگے بڑھ جاتی تھی۔

۶۲۔ ظفیر الدین مفتاحی:

تاریخی حقائق

(برہان دہلی ۵۵ نومبر ۳۰۷–۳۱۲)

عباسی دور کے بعض خلفاء متوکل، منصور، مہتدی، مکتفی کے انصاف، مساوات، رواداری، سادگی اور خشیت الٰہی

کے واقعات پیش کرتے ہوئے موجودہ جمہوریت کے دعویداروں کے اعمال سے مقابلہ کرتے ہوئے اظہار خیال کیا ہے کہ کل اور آج میں کتنا فرق ہے۔

۶۳۔ عبدالرشید ندوی:

جزیرہ نمائے عرب اور مملکت سعودیہ

(البلاغ بمبئی ملک سعود نمبر ۵۵ دسمبر ۵۶ جنوری ۵۲–۵۳)

جغرافیائی اور تمدنی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اور متعدد اعداد و شمار پیش کئے گئے ہیں۔

۶۴۔ عبیدالرحمٰن فخر مبارکپوری:

آل سعود کی تاریخ

(البلاغ بمبئی، ملک سعود نمبر ۵۵ دسمبر ۵۶ جنوری ۵۱–۵۵)

موجودہ فرمانروائے جزیرۃ العرب سلطان سعود اور ان کے خاندان کی تاریخ ۱۱۵۷ھ سے موجودہ دور تک بیان کی ہے۔

۶۵۔ قاضی اطہر مبارکپوری:

آج کا جزیرۃ العرب

(البلاغ بمبئی، ملک سعود نمبر ۵۵ دسمبر ۵۶ جنوری)

جزیرۃ العرب کی عمرانی، اقتصادی، معاشی تمدنی اور ارتقائی حالات کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

۶۶۔ محمد مظہر الدین صدیقی:

قومی تہذیب و تمدن
ایک ترکی مفکر کا زاویہ نگاہ

(ثقافت لاہور ۵۵ نومبر ۱۹–۲۴)

ترکوں کی حالیہ تاریخ میں جس مفکر نے ترکی افکار کی تشکیل پر سب سے زیادہ اثر ڈالا اس میں ضیا گوکلپ کا نام بہت زیادہ ممتاز اور نمایاں ہے۔ اس کے خیال میں اسلامی تہذیب مختلف متضاد عناصر کا مجموعہ ہے جس پر عرب و عجم کے اثرات بہت زیادہ ہیں۔ اس کا یہ اعتراض ہے کہ اسلامی تہذیب ترکوں کے قومی مزاج کے مغائر ہے۔ اس خصوص میں فاضل مضمون نگار نے مختلف حوالوں کے ذریعہ اس غلط اعتراض

کہ قرآن حدیث اور روایات کی روشنی میں اسلام کی سیکیولر صلاحیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

۶۷۔ گن بھائی ڈیسائی:

سوتنترتا کی یاترا کی تیسری پیڑھی

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ نومبر ۲۷۴-۲۷۶)

۱۸۸۵ء سے ۱۹۳۰ء تک کی جدوجہد آزادی کی تاریخ۔

۶۸۔ موسوی فیض الحسن انبالوی.

شہرِ دمشق (قدیم)

(ہمایوں لاہور ۵۵ دسمبر ۴۲۹-۴۳۱)

قدیم زمانے ہی سے شہر دمشق کئی اعتبار سے کافی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہ خوبصورت پر رونق اور وسیع شہر بقول یاقوت حموی دنیا کا مرکزی دروازہ کہلاتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں دمشق کی فطرتی دولت، اس کے قدرتی مناظر اور اس کی تاریخی اہمیت کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

۶۹۔ نعیم صدیقی:

اسلامی ریاست کی سول سروس

(چراغِ راہ کراچی ۵۵ دسمبر ۱۰-۱۴)

امانت، حقوق رعیت، معاملات، اور نظامِ حکومت سے متعلق احکام خدا اور رسولؐ، قرآن و حدیث سے پیش کئے ہیں۔

۷۰۔ یاکوولیو ولیڈیمیر:

دوستی اور کلچری سہیوگ کی راہ پر

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ نومبر ۲۹۹-۳۰۳)

ہندوستان اور روس کے دوستانہ تعلقات پر روشنی ڈالی۔

۷۱۔ یونس شکیب:

سعودی عرب کا ارتقائی دور اور اس کا موجودہ نظام حکومت

(البلاغ بمبئی، ملک سعود نمبر ۵۵ دسمبر ۵۶ جنوری ۶۳-۷۶)

ابتدا میں مختصراً عہدِ اسلامی کے ابتدائی دور کی تاریخ بیان کرنے کے بعد موجودہ حکومت کی ابتدا سے اس وقت تک اس نے اپنے ملک میں جو جو اصلاحات کی ہیں ان کی مفصل تاریخ۔

تنقید، ادب، لسانیات

۷۲۔ آڈن، ڈبلو، ایچ:

سجاد باقر رضوی۔ مترجم:

عوامی معاشرے میں تنقید

(ساقی کراچی ۵۵، اکتوبر ۴۹-۵۲)

فن اور جمالیاتی تنقید کی تاریخ سے متعلق اشارہ کرتے ہوئے آگے لکھا ہے کہ تمام دوسرے ذہنی افکار پہلے دینیات کے تحت تھے نشاۃ ثانیہ نے اس کو ختم کر دیا ہر فکر کی آزادی الگ الگ تسلیم کر لی پھر معاشرہ میں تنقید سے متعلق اجتماعی جمہوریت، لسانیت، میں تنقید کی اہمیت کی وضاحت کی ہے۔

۷۳۔ آل احمد سرور، نیاز فتح پوری، قمر الحسن (?):

اُردو ادب میں جمود۔ تنقید

(نیا دور لکھنؤ ۵۵ نومبر ۳-[illegible])

یہ ایک مذاکرہ ہے جس میں اردو ادب میں جمود پر گفتگو کرتے ہوئے تنقید و اردو تنقید پر بحث کی گئی ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اردو تنقید میں جمود نہیں ہے۔

۷۴۔ ابو اللیث صدیقی:

نقش ہائے رنگ رنگ

(ماہ نو کراچی "اتحاد نمبر" ۵۵ نومبر ۲۷-۳۴)

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہندوستان میں فارسی زبان کا بھی زوال آیا۔ نئے ماحول اور حالات کے زیر اثر انگریزی زبان کو فروغ ہوا اور ساتھ ساتھ اُردو زبان بھی اپنی ترقی کے منازل طے کرنے لگی۔ غالب بہ ایک اُردو شاعر کی حیثیت سے ہمارے ادب میں اپنا ایک بلند مقام رکھتے ہیں لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ غالب کا فارسی کلام اس سے کہیں زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ کا حامل ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں غالب کی فارسی شاعری کا غیر جانبدارانہ تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔

۷۵۔ اشرف:
فحش نگاری
(ادب لطیف لاہور ۵۵، اکتوبر ۱۲-۱۷)

فحش نگاری کا مسئلہ اخلاقی قدروں کا مسئلہ ہے لیکن معیار مختلف قوموں میں مختلف ہے اس اصول پر بحث کرتے ہوئے جیمز جوائس کے یولی سیز کے بارے میں امریکی عدالت کے فیصلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

۷۶۔ اعظم، اعظم حسین:
لکھنؤ کی موجودہ غزل
(آج کل دہلی ۵۵، اکتوبر ۸-۱۹)

اُردو شاعری میں لکھنؤ اور دلّی کے امتیازات ہمیشہ معرضِ بحث میں آتے رہے زیر نظر مضمون میں ان الزامات کی تردید کی ایک کوشش کی گئی ہے جو لکھنؤ کی شاعری پر لگائے جاتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ لکھنؤ کے موجودہ پندرہ نوجوان شعراء اور ان کی شاعری پر سرسری روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے کلام کا نمونہ بھی دیا گیا ہے۔

۷۷۔ امین زبیری:
علامہ اقبال اور ان کے سوانح نگار
(العلم کراچی ، ۵۵ دسمبر ۹-۳۹)

اقبال کے اکثر سوانح نگاروں پر کڑی تنقید کرتے ہوئے اور ان کی کتابوں سے متعدد اقتباس اور حوالے دیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ سوانح نگاروں نے اپنے اپنے رجحان اور اپنی اپنی عقیدت کی بنا پر ایسے اقبال کو پیش کیا ہے جو اصلی اقبال سے جداگانہ شخص نظر آتا ہے۔ آخر میں اقبال اکیڈمی سے درخواست کی ہے کہ اقبال کی ایک ایسی مستند سوانح عمری لکھی جائے جس میں تصنع، طب و یابس مجہول المعقول واقعات سے اجتناب کیا جائے۔

۷۸۔ انصاری انور:
فانی بدایونی کے مقطعے
(شاعر بمبئی ۵۵، اکتوبر ۲۸-۳۰)

فانی کے مقطعے ان کی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان سے فانی کی شاعری کا ڈکشن ان کا خیال ان کا علم معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

۷۹۔ باقر مہدی:
رفعت سروش کی شاعری
(شاعر بمبئی ۵۵، اکتوبر ۱۴-۲۱)

رفعت "اشاعت کے بعد کے شعراء" سے متاثر ہیں یوں تو غزل، نظم، رباعی۔ بہت کچھ کہا ہے، مگر ان کا اصل میدان نظم ہے۔ جن کے مطالعے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ان میں ایک اچھے شاعر کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کے یہاں فکری عنصر کی ابھی کمی ہے، لیکن رفعت سروش سے بلند پایہ شاعری کی امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

۸۰۔ بدر الدین عالم:
بابائے اردو سے میری ملاقات
(ساقی کراچی ۵۵ دسمبر ۲۵-۲۷)

مضمون نگار (سابق اسپیکر سندھ اسمبلی) نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔

۸۱۔ تمکین کاظمی:
کچھ داغ کے متعلق
(آج کل دہلی ۵۵ نومبر ۲۶-۳۰)

داغ کے قیام حیدر آباد، خطابات، اور فصیح الملک کے متعلق بہت ہی اہم تاریخی و دستاویزی معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

۸۲۔ تیواری شیو مورتی:
اقبالؒ کا فلسفہ
(آج کل دہلی ۵۵ اکتوبر ۴۲-۹۵)

شاعری دراصل جذبہ اور تخیل کے امتزاج کا نتیجہ ہے اعلیٰ درجہ کی شاعری ایک عینی تصور یا حقیقی فلسفے کی ترجمان ہوتی ہے۔ اقبالؒ کی شاعری نے ہمارے سامنے روحانی زندگی کے امکانات کی راہیں کھول دی ہیں، ان کا کلام ان کے فلسفیانہ خیالات کا مظہر ہے۔ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے مفکر تھے زیر نظر مضمون میں اقبال کی شخصیت کو بحیثیت ایک فلسفی کے پیش کیا گیا ہے۔

۸۳۔ خلیل الرحمٰن اعظمی:

حسان کی شاعری اور دیوان پر ایک نظر

(العلم کراچی ۵۵، اکتوبر دسمبر ۲۴-۳۹)

حسان شاعر رسولؐ کے حالات اور ان کی شاعری کا مختصر جائزہ۔

۸۴۔ جمیل الدین سید:

دستنبو کا ایک خاص نسخہ

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ جولائی ۵۱-۶۱)

حالی نے غالب کے سلسلے میں یا تو بعض امور سے چشم پوشی کی یا پھر وہ ان کی حقیقت سے واقف نہ تھے۔ چنانچہ دستنبو میں عربی الفاظ کے نہ استعمال کرنے کے بارے میں غالب نے جو دعویٰ کیا تھا اسے حالی نے جوں کا توں تسلیم کر لیا۔ حالانکہ (اس قسط میں دکھایا ہے کہ) ماتم، آہ، جستجو، زمزمہ، شرر، صاحب، خوشنما، قلعہ اور کیسہ عربی لغات کی رو سے عربی الفاظ ہیں۔

۸۵۔ جوش ملسیانی:

بےخود دہلوی میرے خواجہ تاشن

(آج کل، دہلی ۵۵ دسمبر ۳-۱۱)

سید وحید الدین بےخود دہلوی سے اپنے ذاتی تعلقات ان کے حالات بعض مشاعروں میں شرکت کے واقعات اور شاعری پر اظہار خیال کیا ہے۔

۸۶۔ حسنات احمد سید:

اردو ادب اور نقاد

(ہلال ۵۵ دسمبر ۲۳-۲۸)

ادب میں اگر کوئی مشکل ترین صنف ہے تو وہ تنقید ہے لیکن اردو ادب میں ایسے تنقید نگاروں کی کمی نہیں جو فن کے معیار کو محض فنکار سے اپنے شخصی تعلقات کی بنا پر پرکھتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسی تنقید کبھی خود ادب میں اپنا مقام نہیں رکھتی۔ اردو ادب میں [illegible] نقادوں کی کمی کی مختلف وجوہات کئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے چند وجوہ کا سرسری طور پر اس مضمون میں جائزہ لیا گیا ہے۔

۸۷۔ حمید الدین شاہد خواجہ:

شاہ سراج کا نظریۂ عشق

(آج کل دہلی ۵۵ نومبر ۳۸-۴۰)

سراج مشرب عشق کے سچے پیرو تھے۔ ان کی نگاہ میں کفر و ایمان اور شیخ و برہمن کا امتیاز نہ تھا۔ ان کا عقیدہ تھا کہ مذہبی امتیازات کے ظاہری پردے جب اٹھ جاتے ہیں تو سب کی منزل مقصود ایک ہی دکھائی دیتی ہے۔

۸۸۔ خالدہ شوکت:

فانی

(اردو کراچی ۵۵ اکتوبر ۵۱۲-۵۲۳)

فانی اردو کے بہت بڑے غزل گو تھے، غالب سے بھی بڑے سادگی اور فکر میں میر سے بھی آگے۔ مگر قدر نہ ان کے زمانے میں ہوئی اور نہ بعد میں۔ فانی اپنے زمانے کے عکاس ہیں۔ ان کی یاسیت غلط اثرات کی حامل نہیں۔

۸۹۔ خصلت حسین صابری:

حضرت عزیز صفی پوری کی چند غزلیں

(العلم کراچی ۵۵ اکتوبر دسمبر ۱۰۷-۱۱۴)

عزیز صفی پوری کی چند فارسی اور اردو غزلیں۔

۹۰۔ ڈیسائی ضیاء الدین:

گفتار ملک محمد

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ جولائی ۱۰-۱۴)

گجرات کی تاریخ اردو موجودہ معلومات کی روشنی میں میاں خوب محمد چشتی (وفات ۱۰۲۳ھ) کے بعد تقریباً ایک صدی تک ادبی سرگرمیوں کی بہت کم حال نظر آتا ہے۔ اس عہد خلا یعنی گیارہویں صدی کے وسط کی ایک مختصر نظم جو کتب خانہ درگاہ پیر محمد شاہ احمد آباد میں ایک کتاب (فن ۸ کتاب ۲۶) کی پشت پر لکھی ہوئی مقالہ نگار کو ملی تھی، خطوط کی خصوصیات اور لسانی کیفیات، گجراتی کا اثر، مع مشکل الفاظ کی فرہنگ

کے درمیان رہے۔ مگر شہر بیجاپور اور گجرات کی ہیبا تھیں، کا بھوروا الفقہ اس نے ۱۰۹۹ء میں اپنے دور کی عام تہذیب کا نقشہ کھینچنے کی کوشش کی ہے۔

۹۱۔ ڈیسا ئی ضیاالدین:

شغل طوطی

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ء، اکتوبر ۷-۱۳)

شغل طوطی خان محمد بن ولی محمد نبیرہ شاہ غوثی منجن شاہ متوفی ۱۰۲۸ھ کی تصنیف ہے جس میں صوفیانہ اشغال بیان کئے ہیں کہ ان کے سبب دنیا کے ساتھ ساتھ لوگ دین سے بھی وابستہ رہیں۔ دوران بیان میں آیات قرآنی و احادیث نبوی وغیرہ کے علاوہ ہندی اشعار بھی نقل کئے ہیں لیکن ہو ان میں سے کچھ مصنف کے بھی ہوں۔ ویسے شاعری کی صراحت نہیں ملتی ان اشعار میں کچھ ریختے بھی ہیں گجراتی کا اثر نمایاں ہے۔ اور انکی زبان خوب ترنگ کی زبان سے ملتی ہوئی ہے مصنف خوب محمد چشتی کا ہم عصر ہے۔ مقالہ نگار نے ہندی اشعار (۱۷) نقل کرکے ان میں کے گجراتی الفاظ مع معنی آخر میں لکھے ہیں۔

۹۲۔ رحیم محمد مترجم:

تزک بابری

(۲)

(برہان دہلی ۵۵ اکتوبر ۲۲۳-۲۴۰)

اپنے والد عمر شیخ مرزا کے ذاتی حالات و کردار کا تذکرہ۔ اور اپنے بھائی بہنوں کا تذکرہ۔

۹۳۔ رزمی ملیگ:

غالب اور قنوطیت

(چام نو، کراچی ۵۵، اکتوبر ۳۳-۳۷)

بحیثیت مجموعی غالب قنوطی ہے اور صرف قنوطی ہی بلکہ ازحد قنوطی بلکہ اذکر اس کے کلام سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔

۹۴۔ رکیب حسینی:

خسرو کی طوطی شکر مقال

امیر خسرو دہلوی

(آجکل دہلی ۵۵ اکتوبر ۱۸-۲۲)

امیر خسرو کے حالات ان کی تصانیف کی فہرست اور ان کا تعارف۔

۹۵۔ زبید احمد ڈاکٹر:

قبل از عہد غزنوی ہند و پاکستان کا حصہ عربی زبان و ادب کی ترقی میں

(العلم کراچی ۵۵ء، اکتوبر دسمبر ۴۰-۴۸)

عرب و ہند کے تعلقات قبل از تاریخ و بعد بیان کرنے کے بعد ان ہندوستانی مصنفین اور شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے عربی زبان میں علم کی خدمت کی۔

۹۶۔ زور سید محی الدین قادری:

اُردو کا لسانیاتی ادب

(آجکل دہلی ۵۵ء اکتوبر ۱۳-۱۵)

اردو زبان میں لسانیات سے متعلق جو کچھ کام ہوا ہے اس کا جائزہ۔

۹۷۔ سجاد ظہیر:

ادبی روایات اور ترقی پسند

(ادب لطیف لاہور، ۵۵ اکتوبر ۱۰-۱۳)

روایات قومی ضمیر کا جز ہیں۔ ان سے ہماری تہذیب کی عمارت بنی ہے۔ روایات اور ترقی پسندی کی تشریح کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ ترقی پسندی پر جو یہ الزام لگایا گیا ہے کہ ترقی پسند کی تحریک کسی بیرونی یا دشمن طاقت کے اشارے پر ملک میں جاری کی گئی ہے وہ ادب کی ایسی تحریک ہے جس کی بنیاد حب الوطنی انسان دوستی اور آزادی ہے اس کا مقصد ہرگز ہمارے پرانے تمدن اور اخلاق کے ادبی یا فنی مظاہروں کو مسترد کرنا نہیں۔

۹۸۔ سخاوت مرزا:

عارف باللہ قاضی سید محمود دریائی قدس سرہٗ اور ان کی تصنیفات

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ جولائی ۴۰-۵۰)

قاضی محمود دریائیؒ کے حالات جدید یا قدیم تذکروں میں نہ ملنے کے برابر ہیں۔ چنانچہ مقالہ نگار نے کتاب الاخواص و لب الاخواص، بساتین السلاطین و گلدستہ بیجاپور محمد بیگ کی تصنیف و روس عرفان، تحفت شجرہ دلی اور راستہ مشتاقی سے

ان کے حالات [illegible] میں مرتب کئے ہیں۔ بجری تقریباً ۱۰۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ لمبی عمر پائی۔ تعلیم و تربیت اپنے والد اور مرشد شاہ محمد باقر سے پائی۔ بجری [illegible] مشرب و نسب کے مالک تھے۔ وحدت الوجود ان کا مسلک تھا۔

(۵۵ اکتوبر (سن) ۲۸ ـ ۶۸)

اس قسط میں بجری کے معاصرین خصوصاً وہ جن سے ان کا تعلق تھا اُن کے مختصر حالات اور نوعیت ملاقات یا تعلقات درج کئے ہے۔ شاہ محمد حسین بجری قاضی کی تنہا اولاد تھے۔ [illegible]ھ میں وفات پائی۔ من لگن، فردوس عرفان، بنگاب تامرا، کلیات فارسی وغیرہ ان کی تصنیفات سے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سے متعلق تحقیقی معلومات اور ان کا تعارف درج کیا ہے۔ بجری کی شرحوں اور تتبیع میں لکھی جانے والی کتابیں بھی بتائی ہیں۔ آخر میں بجری اور ان کے معاصر شعرا کے کلام کی مماثلت اور متعلقہ ضروری باتیں بھی لکھی ہیں۔

۹۹۔ سخاوت مرزا:

شاہ نصیر دہلوی

(اردو کراچی ۵۵ اکتوبر ۱۷۱ ـ ۲۰۳)

شاہ نصیر دہلوی شاہ غریب کے بیٹے تھے۔ ان کے سیادت نسل ہونے اور خلافت باطنی کے سلسلے میں اب تک کوئی قطعی بات نہیں معلوم ہو سکی۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد کے زیر نگرانی شہر کے جید علما اور ادبا کے ہاتھوں پائی۔ تاہم کمال حاصل نہ کرکے طبیعی لگاؤ کے سبب والد کے انتقال (۱۲۱۰ھ) کے بعد شاعری شروع کی میاں محمدی مائل کے شاگرد ہو گئے اور دلی، حیدرآباد اور لکھنؤ وغیرہ کے مشاعروں میں استادانہ کمال دکھایا۔ شعر بڑے ڈھنگ اور بے باکی سے پڑھتے تھے۔ ۱۲۵۴ھ میں (حیدرآباد) میں انتقال کیا۔ شاہ وجیہ الدین منیر اور شاہ نجم الدین صغیر ان کے بیٹے تھے۔ شاگردوں میں اردو کے کئی استاد شعرا شامل ہیں۔ ان کا تخیل بلند نہ سہی، بلحاظ تراش و خراش الفاظ و تراکیب نصیر اردو زبان کے محسن ہیں۔ ان کے اہم مشہور شاگردوں کی فہرست کے ساتھ ان کے کلام پر مائل کی اصلاحیں بھی درج کی ہیں۔

۱۰۰۔ سلیم اختر:

ابن الوقت

(ماہ نو لاہور ۵۵ اکتوبر ۴۹ ـ ۳۵۶)

ڈپٹی نذیر احمد کے ناول ابن الوقت، ہیرو ابن الوقت اور دوسرے کرداروں کا جائزہ لیتے ہوئے مضمون نگار نے لکھا ہے کہ نذیر احمد کرداروں کے نام انتخاب کرنے میں ان کے کردار سے بڑی مماثلت پیدا کرتے تھے جو آخر وقت تک قائم رہتی۔ اور ابن الوقت لکھنے کا خاص مقصد کیا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب رہے۔ وضاحت کی ہے۔

۱۰۱۔ شاہ علی سید۔ ڈاکٹر:

سرسید کے ادبی مضامین

(اردو کراچی ۵۵ اکتوبر ۵۲۴ ـ ۵۵۳)

سرسید کی ادبی کوششوں اور کارناموں کا جائزہ، ان کے ماحول اور اس کے اثرات کے پس منظر میں واضح کرتا ہے کہ سرسید نے اردو زبان اور ادب کے لئے لامحدود وسعتیں ہی نہیں پیدا کیں بلکہ اردو ادب میں مختلف اور باقاعدہ اصناف کا رواج دیا یہ انہیں کا فیض ہے کہ مضمون نگاری جیسی اہم اور جدید ترقی یافتہ صنف سے اردو اس قدر جلد روشناس ہو گئی۔ سرسید کا مضمون نگاری میں بڑا شمار و مرتبہ پایا جاتا ہے۔

۱۰۲۔ شیخ فرید:

مثنوی برہان راز الٰہی

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ دسمبر ۴۲۶ ـ ۴۴۶)

شیخ برہان الدین راز الٰہیؒ المتوفی [illegible] سلسلہ شطاریہ کے جید عالم اور صوفی بزرگ تھے، ان کے حالات و کمالات، اور ان کی مثنوی کا تعارف و منتخب اشعار۔

۱۰۳۔ صدیق کلیم:

"نئے شعری تجربے"

(ماہ نو کراچی "افسانہ نمبر" ۵۵ نومبر ۲۳ ـ ۲۶)

[illegible] کا سال ہماری ادبی دنیا کے لئے بہت اہم ہے [illegible] ادب نے بڑی تیزی کے ساتھ [illegible]

تحریکوں کے اثرات قبول کئے۔ اردو شاعری میں آزاد نظم کا سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس مختصر سی مدت میں ہم دیکھتے ہیں کہ آزاد نظم کا اردو شاعری میں کافی ذخیرہ جمع ہو چکا ہے۔ آزاد شاعری کے ساتھ ہی اردو میں مختصر نظم کا رواج شروع ہوا جو ہماری زندگی کے تقاضوں اور ہماری ذہنی ساخت سے زیادہ قریب تھی غرض اب آزاد نظم اردو شاعری میں ایک صنف کا درجہ حاصل کر چکی ہے۔

۱۰۴۔ صدیقی محمد اسحاق:

لفظوں کی کہانی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۵ نومبر ۳۹-۴۷)

مونگ پھلی، آلو، شکرقند، زمین کند، کند مول، گربتا (اور اس کے مختلف نام، اور گرونداکی وجہ تسمیہ بیان کی ہے (باقی)

۱۰۵۔ عارف بٹالوی:

آرائشِ غزل

(ہمایوں لاہور ۵۵ دسمبر ۳۳۲-۳۳۴)

شعر کے عناصر ترکیبی کیا ہیں، شعر کی صحیح تعریف کیا ہے غزل اور نظم میں کیا فرق ہے۔ رمز و ایمام، تخیل و جذبہ، اور معنی آفرینی غزل کے لازمی اجزا ہیں غرض ان ہی چیزوں پر نہایت اختصار سے اس مضمون میں بحث کی گئی ہے۔

۱۰۶۔ عبادت بریلوی:

غزل اور غم دوراں

(ماہ نو کراچی ۵۵ نومبر ۲۷-۳۴)

اردو غزل کے ہر دور میں زمانے کے غم اور اس کے شدید احساس نے اپنا اثر دکھایا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کے زیر اثر اس نے مختلف روپ اختیار کئے ہیں۔ اس احساس نے اس میں زندگی کے شعور کو بڑھایا ہے، زندگی کو سدھارنے، حالات کو سنوارنے اور ماحول کو نکھارنے کی ایک لگن پیدا کی ہے۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ جدید غزل نے اپنے آپ کو غزل باقی رکھا ہے۔ اس کے بنیادی تقاضوں کی "کارگہ شیشہ گری" کو ٹھیس نہیں لگی ہے۔ اسی لئے اس نے غم دوراں کی ترجمانی کی جگہ جگہ غم جاناں کا روپ دے دیا ہے۔

۱۰۷۔ عبد القوی دسنوی:

حسرت کی سیاسی زندگی کی جھلکیاں

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۵ دسمبر ۱۵-۲۲)

مختلف اقتباسات کے ذریعہ حسرت کی سیاسی زندگی اور ان کی مصیبتوں کو دکھا کر حسرت کے عزم و استقلال کی تصویر پیش کی ہے۔

۱۰۸۔ عرفی عزیزہ:

ادب یا لٹریچر

(ہندستانی ادب حیدرآباد دکن، ۵۵ دسمبر ۲۳-۲۸)

زبان کی پیدائش انسانی ضرورتوں کا نتیجہ ہے۔ ہر زبان کے کچھ نہ کچھ بنیادی اصول اور قواعد ہوتے ہیں۔ زبان کی ترقی اور اس کے ادب کی مقصدیت پر موقوف ہے شعر، شاعر اور ادب کیا ہے اور ان کے اثرات ہماری سماجی زندگی پر کس طرح مرتب ہوتے ہیں، اس مضمون میں اس سے بحث کی گئی ہے۔

۱۰۹۔ غلام عباس:

اردو کے غیر معروف ناول

(ماہ نو، کراچی ۵۵، اکتوبر ۷-۱۱)

جنون انتظار یعنی فسانہ مرزا رسوا ایک مختصر سی کتاب ہے سائز ۱۸×۲۲/۸ اور صفحات ۷۵ تقریباً نصف حصہ نثر میں ہے اور نصف نظموں کی صورت میں، کتاب تاریخی اور سوانحی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہے۔ اس سے ہمیں مرزا کی زندگی کے بعض ایسے حالات مل جاتے ہیں جو کسی تذکرے یا تاریخ ادب اردو میں نہیں پائے جاتے۔ ان حالات کا تعلق مرزا رسوا کے اس عشق سے ہے جو انہیں ایک عزیز لڑکی سے ہوا تھا۔

۱۱۰۔ فاروقی خواجہ احمد:

اخبار الاخیار

(معارف اعظم گڈھ ۵۵ نومبر ۳۷۵-۳۸۴)

اخبار الاخیار نام سے کئی پرچے نکلے ہیں۔ مگر اس مقالہ میں

اردو کے اس قدیم اخبار اعظم الاخبار کا تذکرہ کیا اور متعلقہ معلومات اقتباسات کے ذریعہ پیش کی ہیں، جسے سائنٹیفک سوسائٹی بہار شائع کیا کرتی تھی، اس میں مغربی علوم سے روشناس کرایا اور "دیسی زبان" (مراد اردو) کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم کے اصول کی پر زور حمایت کی ہے۔ یہ ۱۸۶۸ء میں مہینہ میں دو بار، منشی فرمان علی خاں کی ادارت اور مطبع چشمۂ نور قصبہ مظفرپور ضلع ترہت میں مذکورہ سوسائٹی کی طرف سے شائع ہوتا تھا۔ خود یہ سوسائٹی ۱۴ مئی ۱۸۶۸ء میں قائم ہوئی تھی۔

۱۱۱۔ فاروقی عبدالحمید، ڈاکٹر:

امین گجراتی کی یوسف زلیخا

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ جولائی ۲ - ۹ ، ۱۲)

(مسلسل) اظہار جذبات و منظر کشی میں امین دوسرے ان شعراء سے جنھوں نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے کہیں آگے نکل جاتا ہے۔ اس کی تصدیق ان مثالوں سے ہوتی ہے جو مقالہ میں پیش کی گئی ہیں۔

۱۱۲۔ فاروقی فضل اللہ:

نور علی نور

۱۸۵۷ء سے پہلے کا ایک اردو ماہنامہ

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ جولائی ۱۴ - ۱۸ ، ۲۳)

مقالہ نگار کو رسالہ نور علیٰ نور کا ایک پرچہ کتب خانہ سید جمیل الدین (بمبئی) میں ملا۔ اس پر سنہ ۱۸۵۶ء مطبع کا نام چشمۂ فیض تھا جس کے مہتمم کوئی منشی دیوان چند تھے۔ کتابوں کی ورق گردانی اور علماء و محققین ادب سے استفسار پر بھی اس رسالے اور مطبع کے متعلق معلومات نہ مل سکیں چنانچہ اس مقالہ میں محض رسالہ کے تعارف پر اکتفا کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ چشمۂ فیض دہلی یا اس کے آس پاس رہا ہوگا۔ رسالے کی زبان اپنے عہد کے مطابق فارسی آمیز اردو ہے۔

۱۱۳۔ فائق کلب علی خاں نواب رامپوری:

رام پور کا اسکول شاعری

(معارف، اعظم گڑھ ۵۵ اکتوبر ۲۸۵-۲۹۲)

ہندوستان ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کا شکار رہا اور دہلی ہندوستان کا پایۂ تخت (دہلی) کتنی ہی بار اجڑا اور بسا۔ زمانہ کی طوائف الملوکی نے اسے کبھی چین سے رہنے نہیں دیا یہی وجہ ہے کہ ہنگامے کی وجہ سے باکمال اور اہل فن حضرات اپنے وطن کو خیرباد کہتے اور جہاں ان کی قدر اور ہمت افزائی ہوتی چلے جاتے۔ اس خصوص میں رام پور نے اہل کمال کی قدردانی کے تعلق کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ چنانچہ خصوصاً اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جو ہندوستان میں انتشار پھیلا اکثر صاحب ذوق اور علم دوست رام پور منتقل ہو گئے۔ رام پور نے ہمیشہ ادب کی سرپرستی کی ہے چنانچہ زیر نظر مضمون میں اسی پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے اور اس وقت کے بیشتر شعراء کے کلام اور ان کی شاعری کے پس منظر اور ماحول و حالات کا ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱۴۔ فرقت، غلام احمد:

مولانا حسرت موہانی کے لطائف

(آج کل، دہلی ۵۵، اکتوبر ۴۳-۴۴)

مولانا حسرت کی زندگی کے وہ پرلطف واقعات جو مضمون نگار کو ذاتی طور سے پیش آئے یا جن کے بارے میں خود مولانا نے انہیں آگاہ کیا۔

۱۱۵۔ فرمان فتحپوری:

غزل میں مقطع کی اہمیت اور غالب

(ساقی، کراچی، ۵۵ اکتوبر ۲۵-۳۱)

جس طرح غالب کے چھوٹے سے دیوان میں اچھے اشعار کی تعداد اردو شاعر کے بڑے سے بڑے دیوان پر بھاری ہے اسی طرح ان کے مقطعے تمام اردو شعراء کے مقطعوں سے بہ اعتبار شعریت، معنویت وزنی ہیں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

۱۱۶۔ فریدالدین شیخ:

کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہٗ

(نوائے ادب بمبئی ۵۵، اکتوبر ۱۳۔۲۴)

احمد آباد کے کتب خانوں میں درگاہ حضرت پیر محمد شاہ قدس سرہٗ کے کتب خانہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس میں مختلف کتب خانوں کے نادر مجموعے جمع کر دیے گئے ہیں۔ عربی فارسی اور اردو کتب کا ذخیرہ کافی ہے۔ ان زبانوں کے بعض بہت نادر مخطوطے بھی یہاں ملتے ہیں جو صاحبان علم و ذوق کے لئے بے حد دلچسپ اور معلومات افزا ہیں۔ ان مخطوطوں میں سے چند ایک کا مختصر تعارف اس مقالے میں ہے۔

۱۱۷۔ فرمان فتحپوری:

غالب اور اقبال

(نگار لکھنؤ ۵۵ دسمبر ۳۲۔۴۳)

غالب اور اقبال کے یہاں فنی، علمی اور تخلیقی بصیرتوں کے لحاظ سے عجیب تطابق اور تشابہ ملتا ہے۔ اس کی طرف نقادوں نے اشارہ تو کیا ہے مگر تفصیلی جائزہ نہیں لیا ہے۔ چنانچہ اس مضمون میں مثالوں کے ساتھ اس تشابہ اور تطابق کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ تاہم فنی نقطۂ نگاہ سے اقبال کو غالب کی ارتقائی روح کہنا غلط ہے۔ دوسرے علماء و حکماء اور فنکاروں کی طرح غالب سے بھی استفادہ کیا ہے اور بس!

۱۱۸۔ قیوم نظر:

اردو شاعری میں ہیئت کے تجربات

(ماہِ نو کراچی ۵۵، اکتوبر ۱۲۔۱۴)

اردو شاعری کو جدید تقاضوں پر چلانے کی شعوری کوشش حالی ہی سے شروع ہو چکی تھی اور آہستہ آہستہ یہ کوشش کامیاب ہوتی رہی۔ سب سے زیادہ جو صنف ادب نئے تقاضوں کی پیرو دستیوں کا نشانہ بنی وہ غزل تھی۔ اس کی تنگ دامانی میں ہیئت اور روایات کو خاصا دخل تھا، اقبال، جوش، حفیظ ایسے شعرا بھی اپنے افکار کو نت نئے سانچوں میں ڈھالنے میں کامیاب رہے۔ پھر اس سے آگے عظمت اللہ خاں نے اردو شاعری کو ہیئت کے بعض تجربوں سے روشناس کیا۔ اس سے آگے چل کر ایک طرف ن۔ م۔ راشد نظم آزاد کے علمبرداروں میں ہیں تو دوسری طرف اختر شیرانی نے سانیٹ کی بنیاد اردو شاعری میں رکھی۔

۱۱۹۔ کلب علی خاں فائق:

سودا کے سفر

(ماہِ نو کراچی ۵۵ دسمبر ۲۷۔۳۲)

۱۔ چند قدیم و جدید تذکروں میں سودا کی ولادت، وفات، شاہ عالم کا سودا کا شاگرد ہونا، ملک الشعرائی کا خطاب شاہ عالم یا آصف الدولہ یا عوام سے پانا، دہلی سے فرخ آباد کا سفر و قیام فرخ آباد، تاریخ ورود فرخ آباد، سفر لکھنؤ، تاریخ ورود فیض آباد تاریخ اور ورود وغیرہ سے متعلق متضاد اور عجیب و غریب بیانات ملتے ہیں۔ جن کے عجیب و غریب ہونے پر اس مقالہ میں تبصرہ کیا گیا ہے اور بتایا ہے کہ اس سلسلے میں قائم کا بیان زیادہ قابل اعتماد ہے اور باقی...

۱۲۰۔ کنور سین:

ہندوستان اور ایران کے باہمی ادبی تعلقات اور اثرات

(باب اول ـ فصل)

(آج کل دہلی ۵۵ اکتوبر ۳۰۔۳۳)

رائے بہادر کنور سین بار ایٹ لا کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا باب اول۔ اس میں قدیم سنسکرت اور پہلوی زبانوں، وید اور ژند اوستا کی باہمی مشابہت اور ہم آہنگی ثابت کی ہے۔

۱۲۱۔ کیوریا ڈوکی

جاپانی ادب

(ماہِ نو کراچی ۵۵ اکتوبر ۴۵۔۴۷)

جاپان کے بعض افسانہ نگاروں اور شاعروں کا جائزہ۔

۱۲۲۔ محمد حسن۔ ڈاکٹر:

انشا کی شاعری

(آج کل دہلی ۵۵ نومبر ۳۔۱۰)

انشا نے عسرت، نا داری اور انتشار کے دن دیکھے تاہم انھوں نے اپنی زندگی کا ڈھرا کھلنڈرے پن کو قرار دیا اور کہیں بھی نچلا بیٹھنا اپنی شان کے خلاف قرار دیا۔ چاہے وہ مشاعرہ ہو

دربار سے وابستہ مصحفی کا معاصر۔ اس سلسلے میں عربی فارسی کے علوم مروجہ پر دسترس کے علاوہ مختلف زبانوں کے جاننے اور موسیقی سے واقفیت ہونے نے انشا کو بڑا فائدہ پہنچایا اور انھوں نے اپنے زمانے کی "داستانِ فصاحت" کو انگیز کر لیا۔ ان کے ہاں نشاط، مزاح اور کھیل کھیلنے کی رسم عام نہیں خاص ہے۔ ان کا حسن و عشق دونوں مادی ہیں۔ اپنے دور کی عکاسی انشا نے بڑے جاندار طریقہ پر کی ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اپنے عہد کے اودھ کو ایک کلچر بنانے میں انشا نے خود کافی حصہ لیا ہے۔

۱۲۳۔ محمد حسن عسکری:

جھلکیاں

(ساقی، کراچی ۵۵، اکتوبر ۳ — ۵)

تنقید کو تخلیقی ادب کی خادم بن کر رہنا چاہئے لیکن تنقید سے ذہنوں کو ڈھالنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ اگر کسی ادیب نے کوئی ایسی بات کہہ دی جو نقادوں کے آقاؤں کو پسند نہیں تو نقاد اس میں کیڑے ڈالنے شروع کر دیتے ہیں اور سیاسی خیالات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ادیب کی عظمت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

۱۲۴۔ مسعود جاوید:

منٹو

(چراغ راہ کراچی ۵۵، اکتوبر ۲۹-۳۲)

منٹو نے افسانہ نویسی کی ابتدا "تماشہ" سے کی جس کا جلیان والا باغ کا المیہ ہے لیکن آہستہ آہستہ ایسی ڈگر پر چل پڑا جس کی وجہ سے اسے فرائیڈ کا مقلد سمجھا جانے لگا۔ تقسیم سے قبل اس نے جو افسانے لکھے وہ زیادہ تر جنسی موضوع پر ہیں مثلاً "پھاہا" "بو" بلاؤز، دھواں وغیرہ ان افسانوں میں بے انتہا لذتیت پیدا ہو گئی۔ وہ افسانے جن میں منٹو نے زندگی کی عکاسی کی ہے خوب ہیں۔ ان کے پڑھنے سے معاشرہ کے ان ناسوروں سے کراہیت ہونے لگتی ہے۔ فسادات کے موضوع پر اس نے جو افسانے لکھے ہیں اس میں بھی منٹو نے معاشرہ کو جنسی جذبہ کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی ہے گو وہ اردو

ٹھنڈا گوشت اس کے کامیاب افسانے ہیں، وہ بالطبع ایک مصلح ادیب تھا اس کا ہر افسانہ اس بات پر شاہد ہے کہ وہ کبھی فن کو مقصد کی خاطر قربان کرنا نہیں چاہتا تھا۔ منٹو کے اکثر افسانے لفظوں بے باکی، آئینہ داری، فکر انگیزی اور ان سب کے پیچھے اصلاحی جذبہ کی شدت کی وجہ سے ایک عرصہ دراز تک انسانوں کو متاثر کرتے رہیں گے۔ تا آنکہ معاشرہ سے تضاد اور منافقت ختم ہو جائے۔

۱۲۵۔ مسیح الزماں۔ پروفیسر:

شبلی موازنے کی روشنی میں

(آج کل دہلی ۵۵ نومبر ۱۲ — ۱۴)

مختلف مثالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ "موازنۂ انیس و دبیر" میں شبلی نے محقق اور ناقد دونوں حیثیتوں سے لغزشیں کی ہیں اور اس میں ان کی تحقیق اور رائے زنی کا وہ بلند معیار نظر نہیں آتا جو ان کے نام کے ساتھ وابستہ ہے۔

۱۲۶۔ مقتدری آفاقی:

فرہنگِ مقتدری (مسلسل)

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۵، اگست ۳۳ — ۴۲)

لغت فارسی افغانی، تلفظ افغانی، فارسی ایرانی اور اس کے انگریزی مبادل۔

۱۲۷۔ موہن سنگھ دیوانہ:

دکنی اردو ادب کا ایک محقق مورخ

(ساقی کراچی ۵۵، اکتوبر ۹ — ۱۶)

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کی علمی و تحقیقی صلاحیتوں اور ان کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے۔

۱۲۸۔ موہن سنگھ دیوانہ:

واردات کیفی

(ساقی کراچی ۵۵ دسمبر ۹ — ۱۲)

پنڈت کیفی کے متعدد اشعار پیش کرتے ہوئے وضاحت کی ہے کہ کیفی نے جن خیالات کا اظہار ان اشعار میں کیا ہے وہ محض ان کے خیالات ہی نہیں تھے بلکہ ان کے حقیقی جذبات و تاثرات کا آئینہ ہے۔

۱۲۹۔ ثاقب انصاری:

دلی کی آخری شمع

(آج کل دلی ۵۵ دسمبر ۸ - ۱۲)

حضرت بیخود دہلوی کی ادبی و نجی زندگی کے مختصر واقعات پیش کرکے آخر میں چند خطوط نقل کئے ہیں۔ ایک داغ کا بیخود کے نام دوسرا سراج الدین احمد اور تیسرا وجاہت حسین وجاہت صدیقی کا ہے۔

۱۳۰۔ نثار احمد فاروقی:

اردو افسانے — موضوع اور مرکزی خیال

(فروغ اردو لکھنؤ، ۵۵ اکتوبر ۲ - ۱۴)

بالفاظ مضمون نگار: "اردو افسانے کے فن میں موضوع کے اعتبار سے جو تبدیلیاں، ابتدا سے آج تک ہوئی ہیں یہ ان کا ایک بہت ہی مختصر سا جائزہ ہے۔"

۱۳۱۔ ندوی مولانا سید سلیمانؒ:

مکتوب سلیمان

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ اکتوبر ۳۰۳ - ۳۱۲)

مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک خط بنام سید عبدالحکیم صاحب دسنوی۔

جولائی و اگست ۱۹۱۷ء میں مدراس میں "محمڈن کانفرنس" منعقد ہوئی مولانا سلیمان ندوی صاحبؒ نے بھی اس کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ اس خط میں مولانا نے اپنے جنوب کے دورے کے تاثرات کو بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے جس میں نہ صرف اس کانفرنس کی تفصیل ملتی ہے بلکہ جنوب کے بڑے شہروں بنگلور، میسور، اور مدراس کے مقامی تفصیلی حالات کا بھی ذکر ہے۔

(۲)

(۵۵ نومبر ۳۸۵ - ۳۹۴)

چھ خطوط جو نجی ہونے کے باوجود مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کی عالم اور بے حد شگفتہ شخصیت کے سبب کئی ایک تہذیبی اور علمی موضوعات سے ان کے تعلق پر روشنی ڈالتے ہیں۔ زمانہ تحریر جون ۱۹۲۳ء سے لے کر یکم فروری ۱۹۲۵ء ہے۔

۱۳۲۔ نسیم۔ الف۔ د:

خواجہ میر دردؔ کا فنِ شاعری

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۵، اگست ۱-۱۸)

خواجہ میر دردؔ نہ صرف اردو کے ایک بڑے شاعر تھے بلکہ اپنے عہد کے وہ ایک بلند پایہ صوفی بھی تھے۔ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ ان کے معین روحانی اور اخلاقی مقاصد کا ترجمان ہے۔ آرٹ کے متعلق ان کا نظریہ "تشریح صوفیانہ" ہے لیکن اس کے علاوہ ایک نمایاں خصوصیت جو ہمیں دردؔ کے کلام میں ملتی ہے وہ ان کے فکر و احساس کی انفرادیت اور شدت ہے۔ ان کا کلام واردات قلبی کا ایک ایسا مرقع ہے جس میں ہماری زندگی کے روزمرہ واقعات کا عکس ہے۔ زیر نظر مضمون میں ان کی شاعری کے مختلف اور خصوصاً مذہبی پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے اور ان کے نظریۂ فن کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۳۳۔ نظیر صدیقی:

نظیر صدیقی (مرحوم)

(ادب لطیف لاہور ۵۵ اکتوبر)

نظیر صدیقی نے اپنے کو مرحوم تصور کرتے ہوئے دلچسپ انداز میں خود اپنے احساسات، اپنی نفسیات اور کردار کی عکاسی کی ہے۔

۱۳۴۔ نقوی ناصر حسین:

انڈیا آفس لائبریری

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۵ نومبر ۲۵-۳۲)

انڈیا آفس لائبریری کا قیام سلطان ٹیپو کے کتب خانے کے ذخائر کو محفوظ رکھنے کی غرض سے ہوا اور بعد میں یہ ذخیرہ بڑھتا رہا۔ دوسرے حضرات نے اسے اور ترقی دی۔ مختلف وجوہات کی بنا پر حکومت برطانیہ اسے انگلستان سے باہر نہیں کرنا چاہتی حالانکہ حکومت ہند اسے غیر منقسم ہندوستان کی ملکیت سمجھتی ہے۔

۱۳۵- نورانی، امیر حسن۔ سید:

اردو کا ایک گمنام ہندو شاعر۔ فرحت لکھنوی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۵ دسمبر ۲۳-۲۹)

فرحت کا نام منشی انبا سہائے تھا۔ ان کے والد بخشی گنگا سہائے لکھنؤ کے روسا میں شمار ہوتے تھے۔ مضمون نگار کو ان کا جو دیوان ملا ہے وہ (۱۸۸۰ء) مطبع انور محمدی لکھنؤ میں چھپا تھا جبکہ ان کی عمر ۱۹ سال کی تھی۔ بعد کا کلام نہ مل سکا۔ اس دیوان کے مطالعے سے پختگی کلام کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے لئے اشعار نقل کئے ہیں۔

۱۳۶- ہاشمی نصیر الدین:

حیدر آباد (دکن)، کتب خانہ عجائب خانہ کی اردو قلمی کتابیں

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ جولائی ۱۹-۲۳)

دگذشتہ سے پیوستہ) اس قسط میں والہ کی مثنوی طالب دموہنی کا خلاصہ دیا ہے اور اس امر کا اظہار کیا ہے کہ تیرہ سے حرودِ الٰہ کی مثنوی دلچسپ ہوگی۔ اس نسخہ کے ساتھ ۳۰ دکنی اسکول کی تصویریں ہیں جن میں لکھنوی معاشرت جھلکتی ہے۔

اس کے بعد پورن سدپرت دسی کندہ کے دو نسخوں کا ذکر ہے۔ ان کے مصنف بھوپت بھومیش ہیں جن کے متعلق معلومات نہیں ملتیں۔ دکن میں مقبول تھے۔ اس میں مذہبی نظمیں ہیں۔ پہلے نسخہ کے ساتھ ۱۴۴ اور دوسرے نسخہ کے ساتھ ۸۱ دکنی اسکول کی تصاویر ہیں۔

آخر میں ایک رسالہ شطرنج کا تذکرہ ہے۔

تینوں ہی مخطوطوں کا تعارف اقتباسات کے ساتھ درج کیا ہے۔

✣ ✣ ✣

آرٹ

۱۳۷- سالک عبد المجید:

اسلامی ہند میں فن موسیقی

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۱۳-۲۳)

اسلامی عہد حکومت میں بادشاہوں نے فن موسیقی کی جتنی ہمت افزائی کی اور اس کی ترقی میں حصہ لیا مختلف مستند تاریخی واقعات و شواہد سے ثابت کیا گیا ہے۔

✣ ✣ ✣

معاشرتی حالات

۱۳۸- امجد علی سید:

مغربی پاکستان کی سفال گری

(ماہ نو کراچی ۵۵ دسمبر ۴۱-۴۴)

مغربی پاکستان کے مختلف مقامات کی سفال گری (مٹی کے برتن وغیرہ) پر تاریخی روشنی ڈالی اور اس کی خصوصیات بتائی ہیں۔ ان پر اسلامی ممالک کا اثر شروع ہی سے پایا جاتا ہے (تزجمہ و تلخیص)

۱۳۹- بھگوت شرن اپادھیائے:

ستدر لال مترجم:

ہندوستانی کلچر

(نیا ہند، الہ آباد ۵۵ دسمبر ۹-۱۸)

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز حیدر آباد کے ڈائرکٹر کے ایک مضمون کا ترجمہ اور خلاصہ۔ مضمون کا عنوان ہے تاریخ آف انڈین کلچر۔ اس میں انھوں نے ہندوستان پر قبل مسیح سے انگریزوں کے آنے تک کے مختلف تہذیبی تمدنی اور لسانی اثرات بیان کئے ہیں۔

۱۴۰- چین کو انگ یو۔ شریمتی:

دنیا بھر کی ماؤں کے نام

(نیا ہند الہ آباد ۵۵ دسمبر ۳۳۹-۳۴۴)

سوئٹزرلینڈ کے شہر لاسین میں دنیا بھر کی ماؤں کی کانفرنس ہوئی تھی مضمون نگار کسی وجہ سے شریک نہ ہو سکی اور انھوں نے یہ مضمون لکھا ہے جس میں ابتدا میں انقلاب سے قبل جس میں عورتوں سے جانوروں جیسے سلوک کی تاریخ پیش کرکے موجودہ چینی عورت کی آزادی اور مساوی حقوق پر اظہار خیال کرتے ہوئے کانفرنس میں شریک ہونے والی ماؤں سے امید ظاہر کی ہے۔ آئندہ

جنگ کی تباہ کاریوں سے خبردار رہیں اور ہر قیمت پر اس تباہ کن اور سرمایہ دارانہ جنگ کو روکنے کی کوشش کریں۔

۱۴۱۔ خلیفہ عبدالحکیم:

انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۷ – ۱۳)

اخلاقی تقاضے دو قسم کے ہوتے ہیں کچھ تقاضے وہ ہیں جو فرد سے کئے جاتے ہیں اور کچھ وہ فرائض ایسے ہیں جن کا تعلق جماعتوں کے باہمی روابط سے ہے۔ ان دونوں تقاضوں کی تفصیل و تشریح بیان کرتے ہوئے، مختلف مذاہب و فلسفہ کی روشنی میں آخر میں لکھا ہے کہ حقیقی موحد وہی ہیں جو وحدت انسانی کے لئے بھی کوشاں ہوں۔ اس کے لئے کمال درجے کی عقل اور کمال درجے کے عشق کی ضرورت ہے۔ لیکن ابھی افراد ہی کو یہ کمال حاصل نہیں ہوا خدا جانے اقوام کی نفسیات کو بدلنے کے لئے کتنا عرصہ اور کس قسم کی مسلسل جدوجہد درکار ہے۔ ملتوں کی جب باہمی تنگ نظری مٹ جائے گی تو انسان صحیح معنوں میں موحد ہو گا۔

۱۴۲۔ رام سروپ:

کمیونسٹ چین میں دماغ شوئی

(تحریک دہلی ۵۵ دسمبر ۱۱ – ۱۴)

کمیونسٹ چین میں دماغ شوئی کے ذریعہ پرانے چین کو برباد کیا جا رہا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا چین عالم وجود میں آ رہا ہے جو پرانے چین سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔ یہ دماغ شوئی تنقید و تنقیدی کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ چنانچہ اس مقالہ میں خود تنقیدی کی نوعیت اور اس کے مقاصد سے بحث کی ہے اور اس کو اجاگر کرنے کے لئے اعتراف ناموں کے کچھ گزشتہ شائع شدہ مثالوں کی حیثیت سے پیش کئے ہیں۔ آخر میں ان ۱۳۲۰ پروفیسروں، سائنسدانوں اور دوسرے ارباب دانش کی فہرست دی ہے جنہوں نے پبلک طور پر اعتراف جرم کر لیا۔

۱۴۳۔ سرور محمد:

تمدنی وحدت

(ماہ نو کراچی سالنامہ نمبر مصطفیٰ ۵۵ – ۱۱ – ۱۴۳)

تاریخ شاہد ہے کہ کئی سے ایک ہزار برس [illegible]

ان مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ ہے سب سے پہلے ایک تجارتی اغراض کے تحت بیان کیا ہے۔ اس کا اجتماعی حصہ کے علاقہ میں جو کہ اب مغربی پاکستان کا علاقہ ہے۔ زمانہ قدیم سے سندھ کی سرزمین بڑی اہمیت کی حامل رہی اور زمانہ قدیم ہی سے مغربی پاکستان کی ذہنی، معنوی اور تہذیبی زندگی کا سرچشمہ ایک ہے۔

مغربی پاکستان اس وقت ایک نئے ماحول کے دوراہے پر کھڑا ہے جس کے اتحاد سے سماجی اور اقتصادی شعبوں میں بڑی اچھی تبدیلیاں اور خوشگوار انقلاب آجائے گا۔ غرض اس مضمون میں پاکستان میں مغربی پاکستان کی اہمیت کو مختصراً واضح کیا گیا ہے۔

۱۴۴۔ مخمور اکبر آبادی:

ملت پاکستان
ایک اخلاقی جائزہ

(العلم کراچی ۵۵ اکتوبر ۷۹ – ۱۰۰)

معاشرہ کی ناقص عادات کا جائزہ لیتے ہوئے قوم سے اپیل کی گئی ہے کہ اچھے اخلاق و عادات اختیار کرے۔

۱۴۵۔ منور لکھنوی:

ہند اور امریکہ کے روحانی روابط

(تحریک دہلی ۵۵ دسمبر ۲۳ – ۲۷)

انیسویں صدی کے آغاز ہی میں ہندو تہذیب کا اثر امریکہ پر پڑنا شروع ہو گیا تھا۔ ہمارے اخلاقی اور دینی خیالات آہستہ آہستہ اہل امریکہ کے دلوں کو متاثر کرنے لگے تھے۔

غرض سوامی وویکانند جی کے ورود پر ان کا والہانہ خیر مقدم کرنے کے لئے زمین تیار ہو چکی تھی۔ امریکہ کے شاعر، ادیب اور فلسفی ویدانت سے ملتے جلتے خیالات کے باعث سرور و معرفت کا مزہ چکھ چکے تھے۔

نفسیات

۱۴۶۔ عسکری محمد حسن:

شخصیت کا ارتقا نفسیاتی الجھنیں

(ساقی کراچی ۵۵ دسمبر ۱۳–۱۶)

انسان کی نفسیاتی الجھنوں پر مختلف زاویہ خیال سے نظر ڈالتے ہوئے شخصیت کو قید کرنے یا اسے فنا کرنے میں انسان کا ماضی اور حال ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں مختلف نظریے بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ نفسیاتی الجھنوں سے ڈرنا یا فرار نہ چاہئے، نفسیاتی الجھنوں میں پھنسنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ آدمی متوازن زندگی کی تمنا کر رہا ہے نفسیاتی الجھن ایک گھٹی ہوئی زندگی کے خلاف احتجاج ہے۔ اگر کوئی اس کے معنی سمجھ لے اور اپنے آپکو سمجھنے کی کوشش کرے تو یہ نئی زندگی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔

سائنس

۱۴۷۔ امین الحسینی سید:

فن سیاق پر ایک سرسری نظر

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ نومبر ۳۶۷–۳۷۴)

فن سیاق کا علم عام اعتبار سے جس قدر خشک اور غیر دلچسپ ہے، اسی قدر فنی لحاظ سے ادق و اہم ہے۔ سیاق ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ ہمیں حساب نویسی کے اصول و قوانین معلوم ہوتے ہیں۔ اس کا موضوع "عدد و رقم" ہے اور اس کا واضع راجہ ٹوڈرمل ہے۔ اس کے مباحث کا نہایت مختصر سرسری اور اجمالی خاکہ پیش کیا ہے۔

فلسفہ

۱۴۸۔ بشیر احمد ڈار:

ابن عربی کا فلسفہ

(ثقافت لاہور ۵۵ دسمبر ۳۱–۴۲)

شیخ محی الدین ابن عربی کے حالات ان کے تصورات و خیالات اور ان کے فلسفہ سے بحث کی ہے۔

۱۴۹۔ عمر فروخ ڈاکٹر:

محمد احمد ڈاکٹر مترجم:

اسلامی علوم اور فلسفہ کا اثر یورپ کے علوم اور فلسفہ پر

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ دسمبر ۴۲۴–۴۴۴)

ازمنہ وسطی میں یورپ کی ثقافت کا مختصر خاکہ پیش کرنے کے بعد اسلامی علوم و فنون یورپ میں زندگی کے ہر ہر شعبہ میں جس طرح اثر و نفوذ کیا اس کی تشریح کی ہے۔

۱۵۰۔ نعیم صدیقی:

صبح کا بھولا

(چراغ راہ کراچی ۵۵ نومبر ۱۶–۲۴)

سی ای ایم جوڈ کی کتاب ایمان کی بازیافت کا تعارف جس میں جوڈ نے اپنے شگفتہ انداز تحریر سے فلسفہ و سائنس اور دوسرے سماجی علوم کی تشریح بڑی خوش اسلوبی سے پیش کی ہے ساتھ ہی جوڈ نے اپنے دور کی الجھنوں، پریشانیوں اور ذہنی اضطراب کے اسباب پر بھی بحث کی ہے۔

+ + +

وفیات

۱۵۱۔ قریشی عبدالرزاق:

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

([illegible] ۵۵ اکتوبر ۱۸–۲۳)

قاضی صاحب کا انتقال درحقیقت پاک و ہند کی علمی و ادبی دنیا کا ایک بڑا سانحہ ہے۔ ان کی موت علم و ادب کے ایک محقق، اسلامی تہذیب و ثقافت کے ایک ماہر کی موت ہے۔ مرحوم علم و ادب اور تہذیب و شرافت کے بہترین نمونے تھے۔ اردو انگریزی اور گجراتی کے علاوہ عربی کے مشہور شاعر تھے۔ آپ کے مقالات و تراجم بہت ہیں لمعات اختر نظموں کا اور سیپارۂ دل غزلوں کا مجموعہ ہے۔ مقالات کے کئی مجموعے شائع اور مرتب کر چکے

تھے۔ حافظ غضب کا پایا تھا۔ نوجوان ادیبوں اور شاعروں کی ہمت افزائی کرتے تھے۔ اخلاق و مروت کے پیکر تھے۔

۱۵۲۔ ندوی نجیب اشرف:

خواجہ حسن نظامی

(نوائے ادب بمبئی ۵۵ اکتوبر ۹۹ — ۱۰۰)

خواجہ حسن نظامی کی ذات میں بیک وقت مختلف خوبیاں جمع تھیں۔ وہ ایک ادیب و انشا پرداز تھے، لیڈر اور اخبار نویس تھے۔ صاحب نسبت صوفی، مبلغ اور تاجر بھی تھے۔ ان کی زندگی جدوجہد اور استقلال کا ایک نہایت عمدہ نمونہ تھی۔ اپنی محنت سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے بڑے اونچے مقام پر پہنچ گئے تھے۔ ان کا پہلا مضمون (۱۸۹۷ء) انڈیا گزٹ میں چھپا اور پہلی کتاب مفلسی کا مجرب علاج ہے۔ تاہم شہرت غدر دہلی سے متعلق افسانوں کے ذریعہ ہوئی۔ ان کی تصانیف کی تعداد [illegible] کی شام (۱۹۵۵ء) کو انتقال فرمایا۔

متفرقات

۱۵۳۔ اسرار احمد سیوہاروی:

فریب عشق

(چراغ راہ کراچی ۵۵ اکتوبر ۴۴ — ۴۸)

عشق کا نام لے کر اس کی پاکیزگی اور روحانیت ظاہر کر کے کس طرح نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو فریب دیا جاتا ہے اور آخر میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے کیا کیا خرابیاں اور برائیاں معاشرہ میں پیدا ہوتی ہیں مذہب و تاریخ کے حوالوں سے ثابت کیا ہے۔

۱۵۴۔ چودھری۔ ایم۔ الیاس:

کراچی سے یورپ اور واپسی

(ساقی کراچی ۵۵ اکتوبر ۲۷ — ۳۹)

سفر یورپ سے واپسی پر مضمون نگار نے مصر میں قیام کیا۔ مصر کی سماجی، معاشرتی اور سیاسی زندگی پر مختصر تبصرہ۔

(۲) (۵۵ دسمبر ۲۳ — ۳۶)

اس قسط میں برطانیہ کی مختصر تاریخ۔ انگریزوں کا کردار ان کی مستقل مزاجی سیاسی، مذہبی اور اقتصادی زندگی وغیرہ پر اظہار خیال کیا ہے۔

۱۵۵۔ خالد کمال:

اہل ہند کی مہمان نوازی

(البلاغ بمبئی ۵۵ اکتوبر ۳۱ — ۳۳)

مغلوں کے دور میں ہندوستانیوں کی مہمان نوازی کا ذکر غیر ملکی سیاحوں کے سفرناموں سے پیش کیا گیا ہے۔

۱۵۶۔ راجگوپال اچاریہ:

تپ دق کا ٹیکہ

(ماہنامہ الہ آباد ۵۵ اکتوبر ۲۳۱ — ۲۴۰)

تپ دق کا ٹیکہ بی۔ سی۔ جی۔ جس کے بارے میں حکومت کی طرف سے کافی اہتمام کیا گیا ہے کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں مضمون نگار نے اختلاف کرتے ہوئے متعدد مثالوں اور شواہد سے ثابت کیا ہے کہ (۱) اس ٹیکہ کی کوئی سائنسی بنیاد نہیں (۲) اس ٹیکہ سے تپ دق ہو کر پھیپھڑے گل سکتے ہیں (۳) آدمی کے جسم میں زہریلے کیڑے داخل کر دینا بہت برا ہے وغیرہ۔

(۲) (۵۵ نومبر ۲۸۷ — ۲۹۲)

بی۔ سی۔ جی ٹیکہ کے بارے میں دو مخالف رائیں جو امریکہ و یورپ کے بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے دی ہیں ان کے حوالے کے ساتھ ایسے متعدد خطوط پیش کئے ہیں جن کے اعزہ یا جن کو خود ٹیکہ لگایا گیا جن میں سے بعض مر گئے یا دق اور دوسری بیماریوں میں مبتلا ہو گئے۔

۱۵۷۔ رانلڈ آکلان:
مترجمہ۔ ابن انشا

میرا سفر

(ماہ نو کراچی "اقتصادیات" ۵۵ نومبر ۲۲ — ۲۵)

مسٹر رانلڈ آکلان صنعتی مشیر کی حیثیت سے بین الاقوامی لیبر آفس کی طرف سے ایک سال کے لئے پاکستان تشریف لائے انھوں نے مغربی پاکستان کے صنعتی حالات کا مشاہدہ کرنے کے لئے تین ہزار میل کا سفر کیا۔ اس مضمون میں تفصیلی روداد کا سرسری تذکرہ ہے۔

۱۵۸۔ ظفر حسن:

ہندوستان کے قدیم مسلم سکہ جات پر ایک نظر

(العلم کراچی ۵۵، اکتوبر دسمبر ۴۹۔ ۶۱)

ہندوستان کے قدیم سکہ جات کی مختصر تشریح کے بعد معزالدین محمد بن سام (۵۹۳ — ۶۰۲ھ ۱۲۰۶ء) کے زمانہ سے لیکر مختلف سلاطین کے مختلف النوع سکوں پر کندہ تحریر قیمت اور تاریخ بیان کی ہے۔

۱۵۹۔ محمد باقر ڈاکٹر:

پریس ان ایران (مسلسل)

(اورینٹل کالج میگزین ۵۵، اگست ۲۷ — ۶۸)

سرزمین ایران سے شائع شدہ جرائد کی تفصیلی فہرست جس میں روزنامے، سہ روزہ، ہفت روزہ اور ماہنامہ وں کا تفصیل سے ذکر ہے۔

۱۶۰۔ محمود احمد پروفیسر:

ہمارے زرعی مسائل

(ثقافت لاہور ۵۵ نومبر ۵۲ — ۵۸)

پاکستان کے زرعی مسائل اور ان کے حل کے بارے میں مختلف تجاویز

تبصرے

۱۶۱۔ سراج الحسن سراج لکھنوی:

سموم و صبا پر ایک نظر

(جام نو، کراچی، ۵۵ نومبر (۱۳ — ۱۷)

جوش ملیح آبادی کے مجموعۂ کلام "سموم و صبا" پر وارد کئے ہوئے ان اعتراضات میں سے جو نگار (ستمبر ۱۹۵۴ء) میں شائع ہوئے، بعض اعتراضات کا رد۔

۱۶۲۔ س۔ع:

افکار غالب (تبصرہ)

(اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۵، اگست ۲۹ — ۳۴)

یوں تو غالب کی شاعری پر بہت کچھ کام ہوا ہے لیکن اس کتاب میں خصوصیت کے ساتھ غالب کے فارسی کلام اور ان کے حکیمانہ افکار سے بحث کی گئی ہے۔

مصنف کتاب ہذا ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے اس کے مواد کو بڑی حد تک سلجھے ہوئے انداز میں پیش کیا ہے۔

۱۶۳۔ مظفر حسین:

شعلۂ خیال پر ایک نظر

(چراغ راہ کراچی ۵۵ نومبر ۲۶ — ۳۰)

نعیم صدیقی اور فیض احمد فیض کی شاعری کا تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے کہ شاعری میں چابک زبانی کام نہیں آسکتی اس کے لئے مناظرے کا میدان ہے۔ ذوق شاعری سے مجبور ہو کر میں نے شعلۂ خیال خریدا تھا پڑھا تو معلوم ہوا میرے ساتھ دھوکا ہوا۔

۱۶۴۔ مجیب پروفیسر:

حیاتِ اجمل

(ہندوستانی ادب حیدرآباد (دکن) ۵۵ ممبر ۱۰ — ۱۳)

ہندوستانی قوم کے ایک بڑے رہنما حکیم اجمل خان کی شخصیت کا ایک جائزہ۔

۱۶۵۔ ادارہ:

بھگوت گیتا منظوم موسومہ بہ نسیم عرفان

(برہان دہلی ۵۵ نومبر ۱۸)

از منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔ تقطیع چھوٹی، صفحات ۱۴۴ مجلد قیمت تین روپئے۔ پتہ:۔ آدرش کتاب گھر دہلی، منور لکھنوی اردو کے مشہور شاعر ہیں۔ نظم نگاری پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے عرصہ ہوا بھگوت گیتا کا اردو میں کامیاب منظوم ترجمہ کیا تھا، جو بہت مقبول ہوا تھا۔ اسی کی نظر ثانی کے بعد بڑے اہتمام سے دوبارہ شائع کیا ہے۔ ترجمہ مصنف کا بڑا قابل قدر ادبی کارنامہ ہے۔

۱۶۶۔ ادارہ:

اردو کی نثری داستانیں

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ دسمبر ۴۷۸)

ڈاکٹر گیان چند۔ حمیدیہ کالج بھوپال تقطیع بڑی ضخامت

۲۰۰ صفحات۔ قیمت ۵ روپے۔ پتہ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔

اس کتاب میں ابتدا سے لے کر انیسویں صدی کے آخر تک کی اردو داستانوں اور قصوں کی تحقیقی و تنقیدی تاریخ تحریر کی گئی ہے۔ ادب اردو کی تاریخ کی تقریباً تمام کتابوں میں ضمناً اردو کی مشہور داستانوں کا بھی مختصر ذکر ہے مگر اس تفصیل اور تحقیق کے ساتھ پہلی مرتبہ ان کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ادبی پہلو سے بھی یہ کتاب امتیازی حیثیت رکھتی ہے انداز بیان نہایت ادیبانہ، شگفتہ اور سلیس ہے۔ اردو میں ایک محققانہ اور بیش قیمت کا اضافہ ہوا ہے۔

۲۴۷۔ ادارہ:

حیات ولی

(معارف اعظم گڑھ ۵۵ و نومبر ۱۹۶۸)

از مولانا رحیم بخش مرحوم دہلوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۷۰۶ صفحات، قیمت چھ روپے، پتہ مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور۔

یہ کتاب شاہ ولی اللہ دہلوی ان کے اسلاف اور اولاد کا تذکرہ ہے جو نایاب تھا اس کے مصنف پرانے مذاق کے بزرگ تھے۔ اس لئے تذکرہ کا پورا انداز کیا ہے اس کتاب سے اس پورے خاندان خصوصاً شاہ صاحب کی علمی حالات اور ان کے علمی و دینی کارناموں کا اچھا اندازہ ہو جاتا ہے حشو و زوائد کے باوجود اس میں بہت سی کار آمد و مفید باتیں مل جاتی ہیں۔

(۲)

کتاب نورس

مرتبہ ڈاکٹر نذیر احمد تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۶۸ صفحات قیمت ۱۲ روپے۔ پتہ۔ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ۔

ابراہیم عادل شاہ اپنی علم دوستی اور علما نوازی میں ممتاز تھا۔ وہ خود بھی شاعری سے خاص ذوق اور موسیقی میں مہارت رکھتا تھا۔ کتاب نورس اس کا نمونہ ہے۔ مختلف راگ راگنیوں میں اس کے اشعار کا مجموعہ ہے گو یہ دکھنی زبان میں ہیں لیکن ہندی الفاظ، ہندوانہ خیالات اور ہندو دیومالا کا اثر غالب ہے مرتب نے مرتب نے اس کے مختلف قلمی نسخے فراہم کر کے ان کی مدد سے یہ نسخہ مرتب کیا ہے۔ مقدمہ اور آخر کے ضمیمے مرتب کی محنت اور دقت نظر کا نمونہ ہیں۔

اڈیٹر:۔ پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی

پرنٹر و پبلشر:۔ فضل اللہ فاروقی نے اجمل پریس پرنسس بلڈنگ ڈاکٹر جے جے اسپتال بمبئی ۳ میں چھپوا کر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ بارنی روڈ بمبئی ۸ سے شائع کیا۔

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی

کے

سلسلۂ مطبوعات کی پہلی کڑی

ولی گجراتی

از

ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی

اس کتاب میں امام غزل شاعر ولی کے سوانح حیات، وطنیت، اس کی علمی قابلیت اور بحیثیت مصلح زبان ولی کی خدمات اور اجتہاد پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

کاغذ عمدہ، کتابت و طباعت دیدہ زیب

قیمت:۔ دو روپیہ چار آنے (ہندوستانی و پاکستانی سکہ) علاوہ محصول ڈاک

انجمن ترقی اُردو (پاکستان)

کی

جملہ مطبوعات اور رسائل

واحد نمائندگان برائے ہند

TELEPHONE · The Writers' Emporium (Private), TELEGRAM ·
26-2886 Limited. "WRIEMPO"

سے حاصل کی جاسکتی ہیں

انجمن کی طرف سے شائع ہونے والے اُردو کے اخبار و رسائل حسب ذیل ہیں

(۱) اُردو (سہ ماہی) (۲) تاریخ و سیاست (سہ ماہی)

(۳) سائنس (سہ ماہی) (۴) معاشیات (ماہنامہ)

(۵) قومی زبان (پندرہ روزہ)

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription:

Inland & Pakistan: Rs. 4 (inclusive of postage)

Foreign: Shilling 8

Vol. 7] April-June 1956 [No. 2

All remittances to be made to:

The Writers' Emporium (Private), Limited

PEOPLES' BUILDING, SIR PHIROZSHAH MEHTA ROAD, BOMBAY 1.

Price per Copy:

Re. 1

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

شائع کردہ

انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی ۱

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام۔
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب۔
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت۔
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱. اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲. گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳. اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع
۴. اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری   اپریل   جولائی   اکتوبر

چندہ سالانہ -	چار روپے	مع محصول ڈاک
ششماہی -	دو روپے	
فی پرچہ -	ایک روپیہ	

ایڈیٹر نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادابھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں :-

رائیٹرس امپوریم پرائیویٹ لمیٹیڈ

پیلس بلڈنگ سر فیروز شاہ مہتہ روڈ بمبئی

پاکستان میں :-

پوسٹ بکس نمبر ۹۴

کراچی ۱

نوائے ادب بمبئی

جلد ۷ — جولائی سنہ ۱۹۵٦ — شمارہ ۳

ٹائٹل کے صفحات اور رسالہ کے پہلے چار صفحات ادبی پرنٹنگ پریس بمبئی نمبر ۸ میں چھاپے گئے

شذرات

گذشتہ اپریل میں حیدرآباد دکن میں جو کل ہند انجمن ترقی اردو کا جلسہ ہوا تھا وہ متعدد حیثیتوں سے بہت کامیاب رہا۔ نہ صرف یہ کہ دہلی و علی گڈھ سے لے کر بمبئی، اور کرنول مدراس کے اردو دوست اصحاب نے اس میں حصہ لیا بلکہ اس کی رہنمائی بڑی حد تک ملک کے حقیقی ادیبوں اور مفکروں کے ہاتھ میں رہی یہی وجہ ہے کہ اس میں مسائل پر اور جن نقطہائے نظر سے اظہار خیال کیا گیا وہ نشستند و گفتند و برخاستند تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ شرکاء نے اپنی اپنی جگہ پر کانفرنس کی تجاویز کو جہاں تک ممکن ہو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کردی۔

کانفرنس میں چار مسئلوں پر خاص طور سے غور کیا گیا، اس میں ذریعہ تعلیم کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے اور اس مسئلہ کو ہم کو اس طرح حل کرنے کی کوشش کرنا چاہئے کہ ہم جہاں اپنی زبان کے علمی، ادبی، تہذیبی مقام کو ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں وہیں، اقتصادی، سیاسی تعلیمی اور سماجی حیثیت سے اردو دوستوں کے لئے عموماً اور آئندہ نسلوں کے لئے خصوصاً مشکلات پیدا نہ کریں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر اردو دوست کی یہی دلی خواہش ہے کہ اس کی زبان ہی اعلیٰ ترین تعلیم وامتحان کا ذریعہ رہے لیکن کیا موجودہ حالات میں یہ ممکن ہے۔؟ ملک کی لسانی تقسیم نے اس کو اور نازک تر بنادیا ہے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے وقت ہم کو بڑے بڑے مرکزی شہروں ہی کو نہیں دیکھنا چاہئے بلکہ ان دیہاتوں اور قصبوں کی طرف بھی جن کی اردو بولنے والی آبادی بہت تھوڑی ہے نظر رکھنا چاہئے اور اگر اعداد و شمار کسی حقیقت کے غماز ہوسکتے ہیں تو ہمکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ چند شہروں کے مقابلہ میں بقیہ مقامات کے لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس سلسلہ میں ہم کو کوئی ایسی میانہ راہ اختیار کرنا چاہئے کہ ہم اپنے بچوں کو مادری زبان، علاقائی زبان اور سرکاری زبان تینوں میں اس کے دوسرے ساتھیوں سے کم نہ ہونے دیں۔ علاقہ بمبئی میں مختلف تجربے کئے جاچکے ہیں اور اب بڑی حد تک ساری ریاست میں ایک ہی اصول پر کام ہورہا ہے دوسرا مسئلہ رسم الخط کا ہے، اس سلسلہ میں ابتدائی تعلیم سے لے کر فن کارانہ طباعت تک کے تمام مرحلے ہماری پیش نظر رہنا چاہئے، خوشی کا مقام ہے کہ کل ہند انجمن ترقی اردو کے جوان سال و جوان حوصلہ موجودہ ناظم نے بلا تاخیر اس

طرف عملی قدم اٹھادیا ہو اور بہت ممکن ہو کہ ہم بہت جلد کسی مستقل نتیجہ پر پہنچ سکیں اس سلسلہ میں ہماری صرف یہ گذارش ہو کہ اس مسئلہ پر غور کرتی ہوی ہم کو ان تمام کوششوں کو جو اس رسم الخط سو متعلق دوسری ملکوں میں ہورہی ہیں پیش نظر رکھیں کہ یہ رسم الخط صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں بلکہ ایشیاء اور افریقہ کو مختلف ممالک میں رائج ہو اور وہاں کو ساری کاروبار اسی رسم الخط میں چلتی ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری کڑی اردو ادب کا وہ روح پرور اور زندگی بخش رخ ہی جس نو اسو ملک کی دوسری زبانوں سی ممتاز کررکھا ہو اور وہ اس کاوہ ادب ہو جس نو اس غلام ملک کو آزاد کرانو میں سب سو زیادہ اور سب سو موثر حصہ لیا ہو۔ آج سو چند سال پہلو، ترقی پسند ادب کی ایک کانفرنس کو موقع پر اس قسم کو ادب کا مجموعہ پیش کیا گیا تہا لیکن اسکو بعد سو پہر اس سلسلہ میں کچھ نہیں کیا جاسکا، مگر اب جبکہ آئندہ سال ہم اپنی پہلی جنگ آزادی کا صد سالہ جشن منارہو ہیں یہ بہت مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہو کہ ہم ملک کو سامنو اس قسم کا ادب پیش کریں۔ کانفرنس نو یہ کام جناب علی سردار جعفری وغیرہ کو سپرد کیا تہا۔ اور وہیں ہماری انجمن اسلام کو صدر نو جو ہماری ادارہ کو بہی صدر ہیں یہ اعلان کردیا تہا کہ اگر یہ مجموعہ مرتب ہوگیا تو انجمن اس کو شائع کرا دیگی۔ خوشی کی بات ہو کہ رسم الخط کو مسئلہ کی طرح اس کام کو بہی ذمہ دار اصحاب نو شروع کردیا ہو۔

کانفرنس کو وقت اور اس کو بعد اردو سو متعلق جو بیانات ذمہ دار رہنماوں اور وزیروں کو ہماری سامنو ہیں وہ اگرچہ بڑی حد تک ہمت افزا ہیں لیکن حال ہی میں لوک سبہا میں اس سلسلہ میں جو کچھ کیا گیا ہو اس سو ہم بو خبر نہیں رہنا چاہو۔

لسانیات نو اب فن کی جگہ بڑی حد تک علم کا درجہ حاصل کیا ہو لیکن ہماری یونیورسٹیوں میں اس کی تعلیم کا جس کی وہ مستحق ہو کوئی بندوبست نہیں تہا، ایم۔اے کو درجوں میں بعض یونیورسٹیوں میں ایک آدہ پرچہ ہوتا تہا، پہر پونہ کو دکن کالج ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نو چند برسوں سو سال میں دو مرتبہ اس کی مختصر تعلیم کا سامان کیا، خوشی کی بات ہو کہ اسی ادارہ نو جو اپنو علمی و تحقیقاتی کاموں کی بین الاقوامی شہرت و اہمیت حاصل کرچکا ہو، اس کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کیا ہو۔ عرصہ تعلیم دو سال ہو اور اس سال سو اس کی تعلیم شروع ہورہی ہو۔

اسی سلسلہ میں لسانیات سے دلچسپی رکھنے والوں کو یہ معلوم کرکے فخر آمیز مسرت ہوگی کہ گذشتہ مہینے ہی جامعہ عثمانیہ کے صدر شعبۂ اردو پروفیسر عبد القادر سروری نے اس موضوع پر ایک بڑی مفید کتاب لکھی اں کی تصنیف ہے، زبان اور علم زبان اس میں زبان عام لسانیات کے ساری مباحث کے علاوہ «اس کے مطالعہ کے جدید ترین پہلو بھی ــــ اس میں شامل کئے گئے ہیں جو غالباً اردو یا کسی ہندوستانی زبان سے پہلی دفعہ روشناس ہو رہے ہیں» مولانا محمد حسین آزاد نے جس کام کو صرف اپنی ذہانت کے بل بوتے پر شروع کیا تھا وہ اب علمی حقیقت کی صورت اختیار کر رہا ہے اور امید کہ اس راہ کے اس دوسرے موڑ کو طے کر لینے والے مسافر منزل مقصود تک پہنچنے میں تاخیر نہیں کرینگے۔

اس سہ ماہی میں ہمارے دو بزرگ ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گئے ان میں سے ایک وہ صدو دو سالہ جوان ہمت بزرگ مولوی بشیر الدین ہی تھے جنہوں نے اپنی طویل زندگی میں آخری لمحہ تک بر سر عمل رہ کر یہ بتا دیا کہ اگر انسان سچی نیت اور نیک ارادہ سے کوئی کام شروع کرے تو یقیناً وہ اسے پورا کرسکتا ہے۔ چنانچہ اٹاوہ میں ان کی تعلیمی مساعی اس کا بین ثبوت ہیں، پھر وہ اردو کے معمر ترین انشا پرداز اور اخبار نویس تھے۔ بلندی اخلاق کا یہ حال تھا کہ جس چیز کو حق سمجھتے اس کو کہنے سے کوئی مصلحت ان کو ، روک سکتی، سب سے بڑھ کر ان کی زندگی اتنی سادہ تھی کہ دیکھ کر رشک ہوتا۔ بڑی سے بڑی صدمہ کے وقت بھی انہوں نے اپنے صبر و وقار کو ہاتھ سے نہیں دیا۔ اب ایسے بے غرض خود فراموش اور غیر ستائش پسند بزرگ پیدا نہ ہونگے۔

جامعہ عثمانیہ کے سابق صدر دینیات، اور صوبہ بہار کے ممتاز عالم و مقرر مولانا مناظر احسن نے بھی اس سہ ماہی میں انتقال فرمایا۔ علم و عمل کے علاوہ ان کی تین چیزوں سے انسان بہت جلد متاثر ہوتا تھا۔ ان کی دیانت، ان کی لذت تقریر اور ان دونوں سے بڑھ کر ان کی غیر محدود و بے طلب محبت، وہ نہ صرف عربی کے عالم فارسی کے فاضل اور اردو کے بے مثل مقرر و مصنف تھے بلکہ مگدھی زبان پر بھی ان کو عبور تھا انہوں نے اس زبان میں بعض بڑی دلچسپ چیزیں لکھی ہیں۔ اللہ پاک ان بزرگوں کو جنت نصیب کرے۔

آزاد بحیثیت محقق

(۲)

(قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹرایٹ لا پٹنہ)

۱۔ اس مقالے کے مطالب کی ترتیب حسب دلخواہ نہیں اور کچھ مباحث نا مکمل ہیں؛ کتابی شکل میں اشاعت کی غرض سے از سرِ نو لکھنے کی نوبت آئی تو ان نقائص کو دور کرنے کی سعی کی جائے گی ۲۔ دیوان ذوق مرتبۂ آزاد آب حیات کے بعد طبع ہوا تھا، لیکن پہلی بار کس سنہ میں چھپا تھا، میں یہ نہیں بتا سکتا۔ سخندان فارس (= سخن) مطبوعہ ۱۹۰۷ء کی تمہید سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب پہلے پہل ۱۸۸۷ء میں "مطبع کے حوالے" ہوئی تھی۔ نگارستان فارس (= نگار) وفات آزاد کے چند برس بعد منطبع ہوئی تھی؛ جناب آغا محمد طاہر، نبیرۂ آزاد کا قول ہے کہ نسخۂ مطبوعہ کا حرف حرف آزاد کے مسودے کے مطابق ہے ص۲۳۶

---

(۱۰۱) "شمس ولی اللہ" آب حیات (= آب) ص۸۸۔ ولی کا نام ولی اللہ ہو یا ولی محمد یا محمد ولی، لفظ "شمس" اس کا جزو نہیں۔

(۱۰۲) مصحفی کے تذکرے میں ہے کہ "سنہ محمد شاہی عہد میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا" آب ص۱۱۴ "... دیوان ... سنہ محمد شاہی میں دلی پہنچے" ص۹۲۔ مصحفی نے "سن دوم" لکھا ہے اور یہ نہیں بتایا کہ دیوان کہاں سے آیا تھا (تذکرۂ ہندی ص۸۰) میں نے تذکرۂ ہندی کے متعدد خطی نسخے دیکھے ہیں۔ سب میں "دوم" ہے، کسی میں "سوم" نہیں۔ ولی عہد محمد شاہی میں نہیں، سنہ ۴۴ عالمگیری میں دہلی گئے تھے۔ (مخزن نکات ص۱۰) اور یقین ہے کہ ان کا دیوان بھی سنہ محمد شاہی سے پیشتر وہاں پہنچا ہو۔ حاتم نے خود اس سے پہلے دیوان کا مطالعہ نہ کیا ہو، یہ البتہ ممکن ہے۔

(۱۰۳) ولی حروف سے ناواقف تھے آب ص۸۹۔ کلیات ولی سے اس کی شہادت نہیں ملتی، حرف کا ... کرتا یا

ولی وفات ولی ۱۱۴۱ھ (ولی گجراتی ص...)، آغاز عہد محمد شاہ ۱۱۳۱ھ۔ یہ قریب یقین ہے کہ وہ عہد عالمگیری میں دہلی گئے تھے، لیکن سنہ کی تعیین کا مدار صرف قائم کے قول پر ہے جو ولی کا معاصر نہیں۔

قطعیت بالکل ساقط ہو جاتا ایسی بات نہیں جس کی بنا پر یہ کہا جاسکے کہ وہ دھنے سے بے خبر تھے۔

(۱۰۴) ولی عربی نہیں جانتے تھے آب ص۹۔ قرائن اس کے بالکل خلاف ہیں (ولی گجراتی ص۸۳)

(۱۰۵) مضمون کا اصلی وطن جاجمؤ "علاقۂ اکبرآباد" تھا آب ص۱۶۔ جاجمؤ ضلع کانپور میں ہے، وطن اصلی جاجمؤ تھا جہاں معظم و اعظم کی جنگ ہوئی تھی۔ یہ اکبرآباد یا گوالیار سے متعلق ہے۔

(۱۰۶) یک رنگ باوجود "کہن سالی" و "کہنہ مشاقی" "آخر عمر" میں مظہر سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ ان کا شعر ذیل اس پر مشعر ہے:

جس کے درد دل میں کچھ تاثیر ہے　　　　گرجواں بھی ہے تو میرا پیر ہے" آب ص۱۰۶

(الف) "جس کے درد الخ" میں مظہر کی طرف اشارہ ہے، یہ کسی طرح ثابت نہیں، ان کے ایک دوسرے شعر میں البتہ مظہر کا ذکر ہے، مگر تلمذ کا ثبوت اس سے بھی نہیں ملتا۔

یک رنگ نے تلاش کیا ہے بہت ولے　　　　مظہر سا اس جہاں میں کوئی میرزا نہیں

(ب) شعرائے اردو کا کوئی تذکرہ نگار یک رنگ سے ذاتی واقفیت کا مدعی نہیں، قرینہ ہے کہ میر کے مستقل طور پر دہلی آنے سے پیشتر ہی ان کی شمع حیات گل ہو چکی تھی۔ سال ولادت و وفات درکنار، کسی تذکرے سے یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ کیا عمر پائی تھی۔ اس صورت میں قطعی طور پر یہ کہنا کہ یک رنگ و مظہر کی عمروں میں کیا تفاوت تھا، ممکن نہیں۔ قرائن البتہ اس پر دال ہیں کہ یک رنگ مظہر سے پانچ چھ برس بڑے تھے (ج) آزاد یہ نہیں بتاتے کہ یک رنگ مظہر سے قبل کس سے اصلاح لیا کرتے تھے (د) تلمذ مظہر کی کوئی قابل وثوق شہادت موجود نہیں، کسی نے یہ لکھا ہے تو "یک رنگ نے تلاش الخ" سے دھوکا کھا کر لکھا ہے (ہ) آرزو کی تنبیہ الغافلین کے جو عبارات صہبائی کی قول فیصل میں منقول ہیں، ان میں سے ایک شاگردی آرزو پر مشعر ہے ص۱۳۹ اور مخزن نکات اس کا مصدق ص۱

(۱۰۷) بل بے ساقی تیری بے پروائیاں　　　　جانیں مشتاقوں کی لب پر آئیاں

آب ص۱۳۳ میں بنام سودا، لیکن، بیدار کا مطلع ہے (تذکرۂ ہندی ص۳۵، مجموعۂ نغز ا ص۱۲۲، انتخاب دیوان از حسرت ص۹)۔ آب میں مصرعوں کی ترتیب صحیح نہیں، "ساقی" بھی غلط ہے، "ظالم" چاہئے۔

(۱۰۸) ہے وفائی کیا کہوں تجھ سا تجھ محبوب کی　　　　تیری نسبت تو میاں بلبل نے گل سے خوب کی

آب ص۱۳۳ میں سودا کی طرف منسوب ہے اور کلیات مطبوعہ جلد ا ص۱۵۹ میں پوری غزل موجود ہے، لیکن کلیات کے معتبر خطی نسخے اس سے خالی ہیں۔ سوز کی جو بہت سی غزلیں سودا کے کلیات مطبوعہ میں داخل ہو گئی ہیں، انھیں میں سے یہ بھی ہے تفاصیل "آوارہ گرد اشعار" کی اس قسط میں ملیں گے جو نقوش لاہور میں شائع ہونے والی ہے۔ یہ غزل دیوان سوز مملوکۂ جناب علی حیدر میں شامل ہے۔

(۱۰۹) جو ستمگر ہیں کبھی وہ پھولتے پھلتے نہیں   سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا

آب ص۱۲۶ میں بنام ناسخ، لیکن، کلیات اس سے خالی ہے۔ شعر سودا کا ہے اور کلیات نوشتۂ ۱۱۹۳ھ میں جو میرے پاس ہے، بشکل ذیل میں موجود ہے:

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں   سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کبھو شمشیر کا

(۱۱۰) غلام ضامن " رتبے کے فاضل" مرزا فاخر، مکیں کے پاس شاگرد ہونے گئے، مگر وہ ان کے " عجز و انکسار" کے باوجود، کج خلقی سے پیش آئے، ناچار یہ شعر پڑھ کر اٹھ کھڑے ہوئے:

مرزا مکین ما نشود چوں بکین ما   کین است جزو اعظم مرزا مکین ما" آب ص۱۴۹

نگار ہیں شعر کی اس شان نزول کو یکقلم نظرانداز کرتے ہوئے کسی سند کے بغیر لکھا ہے کہ نورالعین واقف لکھنؤ جا کر مکیں سے ملا، مکیں لے اس کے کلام پر " اعتراض اور اصلاحیں جا و بیجا کرکے بنیاد لڑائی کی ڈالی" واقف نے اس پر یہ شعر کہا ص۲۲۶۔ اس طریق کار سے پڑھنے والوں کو یہ فیصلہ کرلے میں کہ شعر واقعی کس کا ہے، مطلق مدد نہیں مل سکتی۔ میری تحقیقات کے نتائج حسب ذیل ہیں: غلام ضامن کا ذکر تذکرۂ علمائے ہند، مصنفۂ رحمٰن علی میں نہیں، روز روشن (اواخر مأۃ ۱۳) کے ص۴۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام ضامن، متخلص بضامن فارسی گو، مقیم لکھنؤ معقولات میں مستعد ان زمانہ سے تھے اور اس کتاب کے ص۲۶ سے مستفاد ہوتا ہے کہ انھیں معتمد الدولہ آغا میر، وزیر غازی الدین حیدر و نصیرالدین حیدر سے توسل تھا۔ ضامن نے مکیں (متوفی ۱۲۲۱ھ) کا زمانہ پایا ہوگا، لیکن، آب میں جو حکایت ہے، کسی دوسرے ذریعے سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ دیوان واقف کے مطبوعہ نسخے (لاہوری و نولکشوری) اور اس کے دو مخطوطات جو کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ (م م) میں ہیں، شعر زیر بحث سے خالی ہیں، لیکن یہ بات کہ مکیں نے واقف کے اشعار پر اصلاحیں دی تھیں، عبرت الغافلین (کلیات سودا ۲ ص۳۷۰) سے ثابت ہے اور شعر اس اختلاف کے ساتھ کہ " ما.. بکین ما" کی جگہ " چرا نبود در کمین ما" ہے پھلواری ضلع پٹنہ کی ایک بیاض میں جس پر وصی احمد قادری کی مہر ہے اور جو اواسط مأۃ ۱۳ کی مرتب کی ہوئی معلوم ہوتی ہے، موجود ہے، اور اس کے ساتھ یہ عبارت مرقوم ہے: " ہجو مرزا فاخر مکیں از نورالعین واقف"۔ دیوان انشا (م ۲ ورق ۹۲) کا قطعۂ ذیل بھی اس پر مشعر ہے کہ نورالعین نام کے ایک شخص نے مکین و کین میں تعلق دکھایا تھا:

فاخر مکیں کا نام حسن جو کہیں لاوے دھیان میں   مطعون کر چھوڑوں اسے تب دل کو میرے چین ہو
گر فتح جو لیجئے تجنیس کی تقدیر پر   پورا لعین پڑھے اسے جو شخص نورالعین ہو

(۱۱۱) " سودا کے عہد میں بھی اس مادۂ فاسد (ایہام) کا بقیہ چلا آتا تھا، چنانچہ ایک قصیدے میں

ان بزرگوں (ایہام گویان عہد محمد شاہ) کی شکایت کی ہے"۔ اس "قصیدے" کا یہ شعر بھی آزاد نے دیا ہے:

"سونا جو پرورش شاہ تو پھر ہے موصل رامپور کی جو کٹاری تو کہیں سیتا پھل" آب ص۱۰۸

(الف) آزاد نے مخمس کو قصیدہ کہا ہے، اس کے ۳ بند (پہلا، تیسرا اور آخری) درج ذیل ہیں:

"کمال فن سخن کہتے ہیں اس کو اکمل پرورش لفظ کی منظور ہو جس کو اوّل
پرورش یاں تلک کہ عبارت کو کو کردے مہمل اعتقاد ان کا ہے یوں وہ جو کہی ہیں اجمل
سونا جو پرورش شاہ میں تو ہو موصل"

"ربط باہا جو سخن ہے کوئی مستم اکثر شاہد و دو مہ بن اس کا وہ نہ لادیں مذکور
ربط الفاظ کو معنی سے نہ دیں تا مقدور لف و نشر ان کو مرتب جو ہو کرنا منظور
رام پور کی یہ کٹاری کہیں اور سیتا پھل

"عالم ربط میں مثال سے تو میرا یہ معاش جائے دشنام کہا شعر سن ان کا شاباش
لیکن اب کیونکے انھوں کا نہ کردوں پردہ فاش مبتذل کرنے جب ریختہ میرا تبلاش
مانند ہیں اس فارسی میں وہ جو ہو مستعمل" (کلیات ص۴۹)

(ب) آب میں جو شعر ہے اس کا ایک مصرع بند اول اور دوسرا بند ۳ سے لیا گیا ہے اور دونوں کا متن غلط ہے۔

(ج) اس مخمس کا کہیں سے تعلق ہے، ایہام گویوں سے اس کا کچھ سروکار نہیں (معاصر حصہ ۱ ص۲۷)

(۱۴) "خان آرزو کے مکان پر مشاعرہ ہوتا تھا، سودا ان دنوں میں نوجوان تھے، مطلع پڑھا:

آلودۂ قطرات عرق دیکھ جبیں کو اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پہ سے جبیں کو

"آرزو نے فوراً یہ شعر پڑھا کہ قدسی کے مطلع پر اشارہ ہے:

شعر سودا حدیث قدسی ہے چاہئے لکھ رکھیں فلک پہ ملک
آلودۂ قطرات عرق دیدہ جبیں را اختر زفلک می‌نگرد روئے زمیں را

سودا بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے، خان صاحب کے گلے سے لپٹ گئے اور اس شکریے کے ساتھ خوشی ظاہر کی گویا حقیقۃً خان صاحب نے ان کے کلام کو مثل حدیث قدسی تسلیم کیا ہے" آب ص۱۴۲

(الف) مجموعۂ نغز جلد ۱ کے ترجمۂ آرزو میں ہے: "روزے در مجلس مشاعرہ کہ در خانۂ خان... انعقاد یافت، ... سودا غزل... قدسی را بطور خود مترجم ساختہ، برخواندن ہمت گماشت.. خان تحسین بلیغ فرمود و در اثنائے توصیف بہ بدیہہ بزبان.. جاری نمود کہ: "شعر سودا حدیث قدسی ہے کہ رکھیں چاہئے فلک پہ ملک" مرزا بے اختیار برخاستہ بر سینۂ خان چسپید و تحسین بجا آ و

طلبت کشید" صفحہ ۲ (ب) مجالس رنگیں میں "آلودہ" سے شروع ہونے والے دونوں شعر موجود ہیں اور سودا کے سرقے کی مثال میں پیش ہوئے ہیں ص ۵۔ فارسی شعر کا مصنف کون ہے، رنگین نے یہ نہیں بتایا، صرف یہ کہا ہے کہ کسی استاد کا ہے۔ (ج) مشاعرے کا زمانہ قاسم نے معین نہیں کیا، اور نہ یہ لکھا ہے کہ سودا اس وقت نوجوان تھے۔ یہ آزاد کا اضافہ ہے جس کا انھیں حق نہ تھا۔ آرزو وفات صفدر جنگ (ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ) کے بعد اودھ گئے ہیں، اس وقت در اصل سودا کی عمر ۵۰ کے لگ بھگ تھی اور خود آزاد کے قول کے مطابق بھی (۱۱۲۵ھ سال ولادت آب ص ۱۴۸) ۴۰ برس سے زیادہ کی تھی۔ (د) قاسم نے غزل لکھا ہے، آزاد نے اسے بلا سبب مطلع بنا دیا ہے اور کسی سند کے بغیر یہ فرض کر لیا ہے کہ مجالس کا مطلع وہی ہے جو مشاعرے میں پڑھا گیا تھا (ہ) شعر آرزو کے مصرع ثانی کی ترتیب الفاظ آب میں غلط ہے (و) "مرزا بے اختیار.. کشید" اور "سودا بے اختیار.. کیا ہے" میں بدیہی تفاوت ہے (ز) فارسی شعر قدسی کے دیوان مطبوعہ اور م کے کل مخطوطات دیوان سے غیر حاضر ہے اور آزاد اور ان کے مقلدین کے سوا کسی نے اسے قدسی سے منسوب نہیں کیا۔ (ح) کلیات سودا میں کوئی ایسی غزل نہیں جو قدسی کی غزل کا ترجمہ کہی جا سکے۔ یا تو سودا نے اسے شامل کلیات نہیں کیا، یا قاسم کا بیان ہی غلط ہے۔ (ط) میرا خیال ہے کہ "آلودہ.. را" ان اشعار میں ہے جن کی طرف سودا نے اپنے لامیہ مخمس کے آخری بند (رجوع بہ بحث ۱۱۱) میں اشارہ کیا ہے۔ مجالس سے قبل کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔

(۱۱۳) بحوالہ عبرت الغافلین سودا: "حکیم بو علی خاں، ہاتف بنگالہ میں" آب ص ۱۴۶۔ سودا نے ہاتف کو "حکیم" نہیں لکھا، اور نہ کسی اور نے یہ کیا ہے۔ سودا کے یہاں بنگالہ نہیں بنگلہ ہے (کلیات ۱ ص ۲۷۷) جس سے فیض آباد مراد ہے۔

(۱۱۴) "خود سودا سے زبان بزبان روایت پہنچی ہے کہ جو غزل ("قصیدہ" بقول قاسم) فارسی ان کی ہجو میں.. ندرت کشمیری نے کہی اور مرزا نے اسے مخمس کر کے اسی پر الٹ دیا، اس کے مطلع پر.. آرزو نے مصرع لگا دیے تھے، باقی تمام مخمس مرزا کا ہے" آب ص ۱۷۳۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ آزاد نے یہ روایت خود کسی سے سنی تھی اور اس کا سلسلہ سودا تک پہنچتا تھا، مگر یہ مجموعۂ نغز (۱ ص ۲۷) میں موجود ہے۔ قاسم کی تمہیدی عبارت یہ ہے: "عزیزے صاف گو زبانی.. سودا نقل می کند" مجمع النفائس (م ورق ۱۸۶، ترجمۂ سروری) کی عبارت ذیل میں ندرت ہی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے "شنیدہ ام یکے از اہل کشمیر اصطلاحات قدیمہ و جدیدہ می نویسد۔ جمیع مرکبات سراج اللغہ و چراغ ہدایت را داخل نمودہ بزیر دامن دیانت (؟) پنہاں ساختہ، تا دیگرے

واقف بر آں نشود"۔ انڈیا آفس کے مخطوطات فارسی کی جلد ۱ میں عین عطا نوشتۂ عطاء اللہ، دانشوخان متخلص بہ ندرت کا حال مرقوم ہے جو ۱۱۶۲ھ میں تمام ہوئی تھی اور جس کے دیباچے میں سراج اللغۃ بہارِ عجم کا خاص طور پر بحیثیت ماٰخذ ذکر ہے۔ قاسم نے ندرت کا نام ہدایت اللہ لکھا ہے، لیکن صحیح عطاء اللہ ہی ہوگا اور یہی عین عطا ہے جو آرزو کے عتاب کا باعث ہوئی ہے۔

(۱۱۵) غنچہ سودا کے غلام کا نام تھا آب ص۱۵۴۔ اس کا ثبوت موجود نہیں۔

(۱۱۶) میر، پسر میر عبداللہ آب ص۲۰۳۔ یہ بات اواسط ۱۳۰۰ھ سے قبل کسی نے نہیں کہی۔ ذکر میر ص۶۲ سے ثابت ہے کہ میر کے والد کا نام محمد علی تھا۔

(۱۱۷) میر میر عبداللہ کی پہلی بی بی سے تھے، وہ مرگئیں تو خان آرزو کی بہن سے شادی کی آب ص۲۰۳۔ آزاد کے بیان کی ایک حصے کی تردید کرلی یہ کافی ہے کہ میر کے سوتیلے بھائی جو آرزو کے بھانجے میر سے بہت بڑے تھے (ذکر میر ص۵۹)

(۱۱۸) میر متوفی ۱۲۲۵ھ نے سو برس کی عمر پائی آب ص۲۰۰۔ نوادر الکلام کے اس اقتباس سے جو مقدمۂ کلیات میر نوشتۂ آسی مرحوم میں شامل ہے (ص۸ و ص۹) ثابت ہے کہ وہ ۱۱۳۵ھ میں پیدا اور نوے برس کی عمر میں فوت ہوئے تھے اس کتاب کا اقتباس نہ بھی ہوتا تو ذکر میر اس کی تغلیط کے لئے کافی تھی کہ عمر سو برس کی تھی۔

(۱۱۹) کہن سال بزرگوں سے سنا کہ جب میر محمد تقی نے میر تخلص رکھا تو ان کے والد مانع ہوئے آب ص۲۰۳۔ ذکر میر ص۵۴ و ص۵۵ سے ثابت ہے کہ اپنے والد کی وفات کے وقت میر دس گیارہ برس کے تھے، اس وقت تخلص رکھنا خارج از بحث ہے۔

(۱۲۰) منت کے متعلق یہ معلوم ہوا کہ ان کا وطن سونی پت ہے تو میر نے کہا: "سید صاحب، اردوے معلّٰی خاص دلی کی زبان ہے، آپ اس میں تکلیف نہ کیجئے، اپنی فارسی وارسی کہہ لیا کیجئے" آب ص۲۱۲۔ اس کی کوئی سند موجود نہیں۔ خود میر دہلوی نہیں، اکبر آبادی تھے، اور ان کے متعدد تلامذہ دہلوی نہ تھے۔ منت کا مولد بھی سونی پت نہ تھا، دہلی تھا (عقد ثریا)

(۱۲۱) سعادت یار خاں، رنگین شاگرد ہونے گئے، میر نے کہا: "آپ امیر اور امیر زادے ہیں، نیزہ بازی تیر اندازی کی کثرت کیجئے، شہسواری کی مشق فرمایئے، شاعری دلخراشی و جگر سوزی کا کام ہے، آپ اس کے درپے نہ ہوں" بہت اصرار کیا تو بولے: "آپ کی طبیعت اس فن کے مناسب نہیں، آپ کو نہیں آنے کا، خواہ مخواہ میری اور اپنی اوقات ضائع کرنی کیا ضرور ہے؟" آب ص۲۱۲۔ اس کی بھی سند نہیں، اور خلاف قیاس ہے۔

(۱۲۲) معلوم ہوتا ہے کہ میر۔ کو تاریخ گوئی کا شوق نہ تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس مرثیہ بھی دیوان میں نہیں" آب ص۲۳۵
کلیات مطبوعہ میں مراثی نہیں، لیکن کلیات کے قلمی نسخوں میں بکثرت مراثی ہیں، جن کا مجموعہ جناب
سید مسیح الزماں نے شائع کر دیا ہے ۔ تفاصیل اس مجموعے کے مقدمہ میں ملیں گے۔

(۱۲۳) دعویٰ بڑا ہے سوز کو اپنے کلام کا جو غور کیجئے تو ہے کوڑی کے کام کا

اس شعر کے متعلق لکھا ہے کہ دیوان سوز میں جو مثنوی ہے اس کے آغاز کا شعر ہے آب ص۱۹۷۔ اس
شعر کا مثنوی سے کچھ تعلق نہیں، (معاصر ا ص۱۳۶)

(۱۲۴) کتر سین کا نام آب کے ص۲۱۲ میں دو جگہ میر خاں لکھا ہے، صحیح پیر خاں ہے (مجموعۂ نغز و عیار الشعراء وغیرہ)

(۱۲۵) مائل شاگرد قائم آب ص۲۱۴، لیکن خود قائم نے مخزن نکات میں انھیں قدرت کا شاگرد لکھا ہے ص۹۵
تلمذ قدرت کا ذکر ضروری تھا۔

(۱۲۶) "ایک دن اختلاط میں" فغاں کا کپڑا شجاع الدولہ کے ہاتھ سے جل گیا، یہ رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے"
آب ص۲۲۳۔ آزاد نے حوالہ نہیں دیا، لیکن انھوں نے یہ بات تذکرۂ ہندی سے لی ہے۔ آزاد و مصحفی
کے بیانات میں جو تفاوت ہے تذکرے کی عبارت ذیل سے ظاہر ہوگا: "بملازمت... شجاع الدولہ ...
رسیدہ یکے از مقرباں گردید۔ درہاں نزدے (نزدیکی ؟) روزے نواب وزیر دستش را در عالم
اختلاط از قلس سوختند، آب در دیدہ گردانید و ہیچ نگفت و آخر بایں حرکت آزردہ شدہ،
بطرف عظیم آباد رفت" ص۱۴۰

(۱۲۷) ایک دن شتاب رائے نے از راہ طنز یا سادہ مزاجی فغاں سے کہا: "نواب صاحب ملکۂ زمانی کو احمد شاہ
درّانی کیوں کر لے گیا؟" انھیں ناگوار ہوا، افسردہ ہو کر بولے: "مہاراج جس طرح سیتا جی کو راون
لے گیا تھا اسی طرح وہ لے گیا" آب ص۲۲۶ ملکۂ زمانی محمد شاہ کی بی بی اور اس کی دوسری زوجہ صاحبہ محل
کی خالہ زاد بہن۔ مؤخر الذکر کی بیٹی حضرت محل سے احمد شاہ نے بجبر عقد کیا، تو یہ دونوں اپنی مرضی سے
حضرت بیگم کے ساتھ گئیں۔ (تاریخ عالمگیر ثانی مجہول المصنف م ۴۱۶۲ ص۲۲۰) آزاد کو حقیقت کا علم
نہ تھا، لیکن یہ بات شتاب رائے کے متعلق فرض نہیں کی جا سکتی۔ اس سے قطع نظر، وہ ایک شائستہ
آدمی تھا، شاہی خاندان کی ایک خاتون کے بارے میں ایسی بات شاید ہی اس کی زبان سے نکل سکتی۔

(۱۲۸) ۱۷ میں جو سوال و جواب درج ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ فغاں نے اسی دن سے دربار جانا چھوڑ دیا
آب ص۲۳۔ فغاں و شتاب رائے کی ناچاقی کا حال آزاد کے سوا کسی نے نہیں لکھا۔ اس کی کچھ
اصلیت ہوتی تو عظیم آباد سے تعلق رکھنے والے تذکرہ نگار اس کا ضرور ذکر کرتے۔

(۱۲۹) ترجمۂ فغاں میں میاں جگنو سے متعلق جو شعر ہے (آب ص۲۲۸)، وہ دیوان فغاں کے کسی نسخے میں نہیں

اور آزاد نے شعر کے بارے میں جو حکایت لکھی ہے وہ بھی آب کے سوا کہیں نہیں ملتی۔

(۱۴۰) دیوان "میر حسن اب نہیں ملتا" آب ص۲۰۵ دیوان غزلیات وفات آزاد کے بعد طبع ہوا ہے، لیکن تلاش کرتے تو انھیں بکثرت قلمی نسخے ملتے۔ مجھے پندرہ سولہ نسخوں کے وجود کا علم ہے اور ان میں سے حسب ذیل میری نظر سے گزرے ہیں: کتب خانۂ رضائیہ کے دو نسخے، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا نسخہ، نسخۂ ناقص جدید العہد ملک راقم، نسخۂ م، نسخۂ جناب زکی الحق پٹنہ، عکس نسخۂ برٹش میوزیم۔

(۱۴۱) مصحفی نے "دو تذکرے شعرائے اردو کے لکھے.. ایک.. فارسی کا" آب ص۳۱۱ "تذکرے خوب لکھے ہیں.. اور ان میں اپنے کل شاگردوں کی بھی فہرست دی ہے" ص۳۱۳، ترجمۂ ناسخ میں لکھا ہے کہ "تلمذ مصحفی والی روایت" قابل اعتبار نہیں، کیونکہ انھوں نے اپنے تذکرے میں تمام شاگردوں کے نام لکھ دیے ہیں، ان کا نام نہیں، ص۳۴۶

(الف) آزاد نے عقد ثریا یقیناً اور تذکرۂ ہندی غالباً دیکھا تھا، لیکن ریاض الفصحا ان کی نظر سے گزرا ہو اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ یہ بات کہ دو تذکرے شعرائے اردو کے ہیں۔ سراپا سخن ص۱۹۵ سے ماخوذ ہے، لیکن، ریاض عقد ثریا و تذکرۂ ہندی کا تکملہ ہے اور اسے اردو فارسی دونوں سے تعلق ہے (ب) یہ صحیح نہیں کہ مصحفی کے تذکرے میں ان کے تلامذہ کی فہرست ہے، ان کے تذکروں میں کسی کا ذکر نہ آنے سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ ان کا شاگرد نہ تھا۔ وہ آخری تذکرے کی تکمیل کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد جو شعرا حلقۂ تلامذہ میں داخل ہوئے ہیں، ان کا نام ان تذکروں میں بحیثیت شاگرد نہیں ہو سکتا۔

(۱۴۲)　چالیس برس کا ہے چالیس کے لائق　　تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
　　استاد کا کرتے ہیں امیراب کے مقرر　　ہوتا ہے جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

مصحفی سلیمان شکوہ کے استاد تھے اس علاقے کا خاتمہ ہوا اور چند روز بعد تنخواہ گھٹی تو مصحفی نے یہ اشعار کہے۔ آزاد نے ان کے علاوہ اس زمین کے دو اور اشعار دیے ہیں آب ص۳۱۷ مصحفی سلیمان شکوہ کے استاد نہ تھے، اور یہ اشعار ان کے یہاں سے برطرف ہونے کے بعد بہت بعد کے ہیں، ان کا ان اشعار سے کچھ سروکار نہیں (مصحفی و انشا از راقم، اردو ادب)

(۱۴۳) جرأت نے "زبان فارسی کی طرف خیال بھی نہ کیا" آب ص۲۹۴ انیس الاحبا (نسخۂ م) فارسی گویوں کا تذکرہ ہے جو جرأت کے ایک معاصر نے لکھا ہے، اس میں ان کے فارسی اشعار موجود ہیں، از آں جملہ:

تنہا نہ دل ز عشق تو بیتاب گشتہ است　　چنداں گریستم کہ دلم آب گشتہ است

بے روئے تو اے سرو دلم آرام ندارد — این صبح فراق تو مگر شام ندارد

کس نیست در جہاں کہ دو کس را یکے کند — عشق است اینکہ شعلہ و خس را یکے کند

(۱۲۴) "جرأت نے قصیدہ وغیرہ اقسام شعر پر ہاتھ نہ ڈالا" آب ص ۲۷۴ شاید ہی کوئی قسم شعر جس میں جرأت کے معاصرین کا کلام موجود ہے، ایسی ہو جس کا نمونہ کلیات جرأت میں نہیں، غزل، قصیدہ ترکیب بند، ترجیع بند، مخمس، مثنوی، رباعی، قطعہ واسوخت، ریختی، مرثیہ سب کچھ ان کے یہاں ملتا ہے تین قصیدے جو کلیات مملوکۂ ریاض حسن خاں خیال مرحوم میں جو اب غالباً ان کے بھتیجے جناب احمد حسن خاں کے پاس ہے، شامل ہیں، ان کے افتتاحی مصرع یہ ہیں: "بھلا بشر کی پھر اوقات کا ہو کیونکہ نباہ" "کھلے گی آبلۂ دل کی ایک بار گرہ" "مہ فلک سے زمیں .. مل جا"

(آخری مصرعہ میری بیاض میں ٹھیک نقل نہیں ہوا)۔

(۱۲۵) "مثنوی ماۃ عامل.. اگرچہ وہ بڈھے ہو کر بھی بچوں سے آگے دوڑتے تھے، مگر یہ بھی اوائل عمر کی معلوم ہوتی ہے" آب ص ۲۷۵ یہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں، خود مثنوی سے معلوم ہوتا ہے کہ سعادت علی خاں کی مسند نشینی (۱۲۱۲ھ) بعد کی ہے، اس وقت انشا اپنی عمر کے پانچویں عشرے میں تھے۔

(۱۲۶) آزاد نے نقاط کا قطعہ نقل کیا ہے جس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انشا ۱۲۳۳ھ میں فوت ہوئے تھے آب ص ۲۶۹ یہ قطعہ کہیں اور نہیں ملتا، آزاد کو یہ بتانا تھا کہ انھیں کہاں ملا۔ اس سے قطع نظر، مصحفی کے ایک قطعے سے معلوم ہوتا ہے کہ سال وفات ۱۲۳۲ھ ہے (مصحفی و انشا) میرے نزدیک یہی مرجح ہے۔

(۱۲۷) ناسخ نے پہلے پہل مشاعرے میں غزل پڑھی تو اس وقت منظر و گرم زندہ تھے اور مرزا حاجی، قتیل اور حاجی محمد صادق خاں، اختر نے بڑی قدر دانی کی آب ص ۳۴۷ (بروایت رقمی) منظر کا سال وفات ۱۲۱۷ھ ہے (معاصر حصہ ا ص ۱۵۹)، اس بنا پر ابتدائی غزل خوانی کا زمانہ ۱۲۱۷ھ یا اس سے بھی پیشتر ہے اور یہ قرین قیاس بھی ہے، اس لیے کہ مصحفی کے دیوان ششم کے دیباچے کی تحریر سے قبل ہی ناسخ کی استادی مسلم ہو چکی تھی، لیکن، قریب بہ یقین ہے کہ اختر اس وقت لکھنؤ میں نہ رہتے، اور ہوں بھی تو ان کی عمر اتنی کم تھی کہ ان کی تعریف کا کوئی خاص وزن نہیں ہو سکتا تھا۔ اختر کا سال پیدائش ۱۲۱۰ھ ہے (معاصر ا ص ۱۸۱) "حاجی محمد صادق خاں اختر" میں "حاجی" یا تو طباعت کی غلطی ہے، یا آزاد کا سہو، "حاجی" کہیں اور نہیں ملتا، سب انھیں "قاضی" کہتے ہیں۔

(۱۳۸) تاریخ کے خطوط کسی نے چرا لیے تو تاریخ کہی: "سیاہ باد بجو قلم باد روئے حاسد من" آب صفحہ ۳۶۹
آزاد نے یہ نہیں لکھا کہ اس سے کون سا عدد نکلتا ہے، وہ اگر اس پر غور کرتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ
اس سے ۱۲۸۶ مستخرج ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے ناسخ کی زندگی کے کسی واقعے کا تعلق نہیں ہو سکتا
کلیات (مطبوعہ ۱۲۵۷ء صفحہ ۳۵۲) میں "حاسد من" کی جگہ "آں خائن" ہے اور اس صورت میں ۱۲۳۵ برآمد
ہوتا ہے اور یہی کلیات میں مرقوم ہے۔

(۱۳۹) "پھر چار خط جاتے رہے، تاریخ کہی جز: صد حیف تلف چہار نامہ" آب صفحہ ۳۶۸۔ کلیات ناسخ میں
یہ اور اس سے قبل والی تاریخ یکے بعد دیگرے درج ہے اور اس کے ساتھ بھی ۱۲۳۵ مرقوم ہے۔
مادۂ تاریخ آزاد نے غلط لکھا ہے، قطعہ یہ ہے:

فرسود بکف ہزار خامہ اے وائے　　ہم ریخت بہر دو بال جامہ اے وائے
گفتند چو خط تلف بگفتم تاریخ　　صد حیف تلف چہار نامہ اے وائے

قطعات کی بنا پر یہ کہنا ممکن نہیں کہ ایک ہی واقعے کی دو تاریخیں ہیں، یا ان کا دو مختلف واقعات
سے تعلق ہے۔ "صد حیف تلف چہار نامہ" سے ... نکلتا ہے "صد حیف... اے وائے" سے
۱۰۳۵ مستخرج ہوتا ہے۔ دو سو کی کمی کس طرح پوری ہو سکتی ہے، اس کا پتا نہیں چلتا۔

(۱۴۰) ناسخ کو "قصائد کا شوق نہ تھا، چنانچہ نواب لکھنؤ کی تاریخ و تہنیت میں کبھی کچھ کہا ہے تو بطور قطعہ" آب
صفحہ ۳۵۳ "وہ قصیدہ کہتے تو خوب کہتے مگر... اس طرف توجہ نہ کی" صفحہ ۳۵۴ مگر صفحہ ۳۶۸ میں قصیدے
کا صلہ پانے کا ذکر ہے، اور ان کا ایسا قصیدہ جو کلیات مطبوعہ میں شامل نہیں، جناب مسعود حسن
رضوی کی نظر سے گزرا ہے جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب (متعلق آب) میں لکھا ہے۔ کلیات میں درج
و تہنیت کی ایسی نظمیں موجود ہیں، جن کے ابیات میں کوئی خاص ربط نہیں اور یہ مثنوی یا غزل
کی شکل میں ہیں (صفحہ ۳... صفحہ ۳... وغیرہ)

(۱۴۱) مرزا حاجی "نہایت رسا اور... باتدبیر شخص تھے... سعادت علی خاں اور... رزیڈنٹ کے
درمیان واسطہ ہو کر اکثر مقدمات سلطنت کو رو براہ کرتے تھے، لاکھوں... کی املاک بہم پہنچائی
تھی... اپنے گھر میں بیٹھے اہل عالم کو امیرانہ شان دکھاتے تھے" آب صفحہ ۳۴۵۔ آزاد نہ یہ جانتے ہیں
کہ مرزا حاجی کون تھے اور نہ انھیں اس کی واقفیت ہے کہ ان کے اور ناسخ کے کیا تعلقات تھے۔ ان
کے والد مرزا جعفر کو رزیڈنٹ سے توسل تھا، خود یہ سعادت علی خاں کے زمانے میں چنداں
اہمیت نہیں رکھتے تھے، ان کے بعد البتہ کچھ دنوں ان کا طوطی بولتا رہا۔ کمال الدین حیدر قیصر التواریخ
میں لکھتے ہیں: "نواب (آغا میر) نے... ناسخ... جو مرزا (حاجی) کے راز مقرب خاص تھے

اوہاں کا فروغ و رشد سارا شہر جانتا ہے کہ ان کے گھر سے۔ ساحل ہوا لطیح دیا۔ موافق و متوسل گیا، انھوں (ناسخ) نے بھی ندامت سے ہاتھ اٹھایا اور بظاہر حیلۂ آبرو ریزی حاکم وقت سے جان کر آمد و رفت بالکل مرزا کے پاس آنے کی ترک کی، اس کے سوا اپنا رسوخ سمجھ کر درپے تخریب اپنے ولی نعمی (مرزا حاجی) ہوئے۔" ص ۶۹

(۲۴۲) ہندوستانی الٰہ آباد (بابت جنوری و اپریل ۱۹۴۷ء) میں شیرانی کا ایک مقالہ "دیوان ذوق میں مولانا آزاد کے اضافے" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے آزاد کے لکھے ہوئے کاغذات کی بنا پر جو انھیں آغا محمد باقر سلیمانی، بنیرۂ آزاد سے ملے تھے، یہ دعویٰ کیا ہے کہ دیوان ذوق، مرتبۂ آزاد کی ۱۴ غزلیں جن کے ابتدائی مصرعے ذیل میں درج ہیں، خود آزاد کی طبعزاد ہیں۔ بعض کاغذات کے بلاک بھی مقالے میں شامل ہیں۔ اس مقالے کے مطالعہ کے بعد یہ ممکن نہیں کہ کوئی انصاف پسند شخص ان سے اختلاف کرے: "ہم سے ظاہر و پنہاں جو اس غارت گر کے جھگڑے ہیں" (دیوان طبع ۱۹۳۲ء ص ۱۳۷) "خدا نے میرے دیا سینہ لالہ زار مجھے" ص ۲۲۶ "مرض عشق جسے ہو اسے کیا یاد رہے" ص ۲۲۶ "چشم قاتل ہیں کیونکر نہ بھلا یاد رہے" ص ۲۲۷ "تدبیر نہ کر فائدہ تدبیر میں کیا ہے" ص ۲۲۸ "پھر یہ دواے سنگر پیشتر ایسے نہ ہوتے تھے" ص ۲۲۹ "نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے" ص ۲۲۹ "برق میرا آشیاں کب کا جلا کر لے گئی" ص ۲۳۰ "حد رقم سے وصف جبیں ہے صنم پرے" ص ۲۳۱ "ذکر مژگاں جس کا تیرے روبرو نکلا کرے" ص ۲۳۲ "خم ابرو ترا جب یار نظر آتا ہے" ص ۲۳۲ دکھلا نہ خال ناف تو اے گلبدن مجھے" ص ۲۳۴ "مار کر تیر جو وہ دلبر جانی مانگے" ص ۲۳۵ "نہ دیں گواہی جو داغ کہن نہیں دیتے" ص ۔۔۔ ۱۴ غزلوں کے متعلق تو ثبوت موجود ہے، آزاد کے مرتبہ دیوان ذوق میں خود ان کا اور کلام بھی ہو تو عجب نہیں۔

(۲۴۳) شیرانی اسی مقالے میں جس کا ذکر ۲۴۲ میں آیا ہے لکھتے ہیں: "غزل اول، اس غزل کے واسطے مولانا فرماتے ہیں: "عالم شباب کی غزل ہے۔۔ بادشاہ کو پسند آگئی تھی۔۔ کشش کی مقناطیس بہت ہی لگائی مگر استاد نے کبھی نہیں چھوڑی۔ حکیم احسن اللہ خاں۔۔ بڑے مقرب تھے۔۔ انھیں یہ غزل بہت پسند تھی، حضور کے سامنے انھیں کی زبان سے نکل گئی تھی (دیوان۔۔ ص ۱۳۷)۔ بیانات بالا میں سے ایک پر بھی مہر تصدیق نہیں لگائی جا سکتی۔ مولانا۔۔ عالم شباب کی نو شتہ بتاتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہ کو پسند تھی۔ اس حساب سے۔۔ تخت نشینی کے بعد لکھی گئی ہوگی۔ یہ مان کر کہ پہلے سال جلوس ۱۲۵۳ھ میں لکھی گئی تھی، ذوق کی عمر اس وقت ایک کم پچاس برس کی ہونی چاہیے۔۔ یہ شیب کا زمانہ ہے، نہ شباب کا۔۔ غزل کے مقطعے میں بادشاہ پر صاف حملہ ہے، اگر حکیم

احسن اللہ خاں چاہتے بھی تو بادشاہ تک پہنچانے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ نہ غزل ایسی اعلیٰ پائے کی ہے کہ جس کے واسطے بادشاہ اور ذوق کے درمیان رسا کشی ہوتی، لیکن، بادشاہ مانگتے کہاں سے اور استاد دیتے کہاں سے، جب اس زمانے میں اس غزل کا وجود ہی نہ تھا۔۔ حقیقت یہ ہے کہ اس۔۔ کے مصنف خود۔۔ مولانا ہیں۔۔ اس دعوے کے ثبوت میں وہی کاغذ جس پر مولانا نے۔۔ اس کا مسودہ اپنے خط میں تیار کیا ہے پیش کیا جا سکتا ہے۔۔ س ۔ کو ۹ شعروں کا بلاک جس میں مقطع بھی آ گیا ہے، یہاں شامل کر دیا گیا ہے۔ مقطع میں۔۔ حسب معمول ظفر کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔۔ یہ صرف ۹ شعر کی غزل ہے لیکن ۲۴ جگہ بغور دیکھی و اصلاح اس پر قلم پھیرا گیا ہے اور ہر تبدیلی پہلی تبدیلی سے بہتر و روشن تر ہے۔ اگر اس کو مسودہ نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟" مقطع یہ ہے:

ذوق مرتب کیونکے ہو دیواں شکوۂ فرصت کس سے کریں
باندھے گلے ہیں ہم نے اپنے آپ ظفر کے جھگڑے ہیں

(۴۴) جس ہاتھ میں خاتم لعل کی ہے گر اس میں ہما لطف سرکش ہو
پھر زینت بنے وہ دست موسیٰ جس میں اژدھا گر آتش ہو

آزاد آب حیات میں لکھتے ہیں: ذوق نے نصیر سے اصلاح لینی بند کر دی تھی، لیکن، آمد و رفت جاری تھی کہ ایک دن ذوق نے غزل جا کر سنائی جس کی نصیر نے تعریف کی اور جیسے مشاعرے میں پڑھنے کے لئے کہا۔ مشاعرے میں مطلع ان کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ نصیر نے آواز دی، بھئی، میاں ابراہیم، مطلع بھئی، میاں ابراہیم، مطلع تو خوب کہا" ذوق کا بیان ہے کہ اس وقت مجھے کھٹکا ہوا کہ "مطلع کے سرے پر سبب خفیف کی کمی ہے اور ساتھ ہی لفظ بھی سوجھا" پہلے انھوں نے مصرع اول "جس" کے بغیر پڑھا تھا دوبارہ پڑھا تو اس لفظ کا اضافہ کر دیا۔" اس پر اس قدر حیرت ہوئی کہ انھوں نے جانا شاید پہلے عمداً۔۔ چھوڑ دیا تھا، مگر اعتراض ہوا کہ "یہ بھرنا جائز ہے" ذوق نے جواب دیا کہ "وہ بحریں آسمان سے نہیں نازل ہوئیں۔۔" یہ تقریر مقبول نہ ہوئی مگر پھر منیر مرحوم (پسر نصیر) نے اس پر غزل کہی، ص۴۷۶۔

اس حکایت سے نصیر کی عداوت تو ظاہر ہے لیکن اس میں بڑی قباحت یہ ہے کہ "جس" کا چھوٹ جانا محض عروضی سقم نہ تھا، نظم کی جگہ نثر بھی ہوتی تو اس لفظ کا وجود ضروری تھا۔ آزاد کی نظر اس پر کس طرح پڑی، اس کا پتا نہیں، لیکن دیوان ذوق میں انھوں نے اس واقعے کو دوسری طرح بیان کیا ہے، چاہیے تھا کہ آب کی عبارت بھی بدل دی جاتی اور دیوان و آب دونوں میں صراحتاً بتایا جاتا کہ حکایت کی نئی شکل کہاں ملی اور پرانی پر اسے ترجیح دینے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن، آزاد اس سے قاصر رہے۔ دوسری شکل یہ ہے کہ ترک اصلاح کے بعد آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا کہ ذوق نے ۲ غزلیں جا کر سنائیں، نصیر

نے دوسری کی خاص طور پر تعریف کی اور کہا کہ مشاعرے میں اسے پڑھنا۔ مشاعرہ ہوا تو طرحی غزل سنانے کے بعد ذوق نے نصیر سے کہا: "اجازت ہو تو فرمایش کی تعمیل کر دوں" اور ان کے ہاں کہنے پر دوسری غزل کا پہلا مطلع پڑھا۔ اس کے مصرعے دوم کی ابتدا میں لفظ "پھر" چھوٹ گیا تھا، نصیر نے معمول سے زیادہ تعریف کی اور مطلع پھر سنانے کو کہا تو انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور دوبارہ پڑھا تو لفظ "پھر" اپنی جگہ پر موجود تھا۔ نصیر "خوش ہو گئے" اور لوگوں کو خیال ہوا کہ پھر کا حذف شوخی طبع کی بنا پر تھا، مگر حقیقت یہ تھی کہ "آپ ہی چوٹ کھائی آپ ہی اس کا توڑ کیا۔" ص۱۷۲۔ دونوں شکلوں کے اختلافات حسب ذیل ہیں: (الف) پہلی کے راوی ذوق ہیں، گو آزاد نے یہ نہیں بتایا کہ انھیں بلاواسطہ معلوم ہوئی تھی یا بالواسطہ۔ دوسری کے راوی کا مطلقاً ذکر نہیں (ب) پہلی میں صرف ایک غزل کا ذکر، دوسری میں دو (ج) پہلی میں نصیر سے اجازت اور ان کی فرمایش کی طرف اشارہ نہیں، دوسری میں ہے۔ (د) پہلی میں صراحۃً مرقوم ہے کہ مصرع اول میں لفظ "جس" چھوٹ گیا تھا، دوسری میں مصرع دوم سے لفظ پھر کے حذف ہو جانے کا ذکر ہے اور مصرع اول سے مطلقاً بحث نہیں (ہ) پہلی میں یہ بات نہیں کہ نصیر نے دوسری بار مطلع پڑھوایا تھا، دوسری میں ہے (و) دونوں سے یہ ظاہر ہے کہ نصیر کا مقصد ذوق کو ذلیل کرنا تھا لیکن پہلی میں کوئی بات ایسی نہیں جو اس بنیادی نکتے کے منافی ہو، دوسری میں نصیر کا خوش ہونا اس کے خلاف پڑتا ہے (ز) بحر پر اعتراض اور منیر کا ذوق کی زمین میں غزل کہنا صرف پہلی شکل میں ہے دوسری میں نہیں۔ حکایت کی دونوں شکلیں مصنوعی ہیں۔

(۱۴۵) ذوق کے حال میں جون لفنسٹن کا ذکر آیا ہے، یہ بقول آزاد معاہدہ کرنے کی غرض سے عازم سندھ و کابل ہوئے تھے (آب) ص۴۱۱۔ بکلینڈ کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ، صحیح نام مونٹ اسٹوورٹ الفنسٹن تھا، جون الفنسٹن اس کا باپ تھا ص۱۳۲۔

(۱۴۶) مثنوی باد مخالف "حریفوں کے جلسے میں پڑھی گئی تو بجائے اس کے کہ .. وہاں سے اپنی زیادتیوں کا عذر کرتے، ایک نے عمداً کہا کہ اس مثنوی کا نام کیا ہے، معلوم ہوا کہ باد مخالف، دوسرے نے گلستاں کا فقرہ پڑھا: یکے از صلحا را باد مخالف در شکم پیچید" اور سب ہنس دئے آب ص۵۲۶۔ اس حکایت کی سند موجود نہیں، ایسا ناخوشگوار واقعہ ہوا ہوتا تو غالب مثنوی کا نام بدل دیتے۔ میری رائے میں فرضی حکایت ہے۔

(۱۴۷) "مولوی فضل حق" کی عادت تھی کہ کوئی بے تکلف دوست آتا تو خالق باری کا یہ مصرع پڑھتے: بیا برادر آؤ رے بھائی۔ ایک دن غالب ملنے گئے تو یہی مصرع پڑھ کر بٹھایا۔ اتنے میں "مولوی صاحب کی رنڈی" آکر بیٹھ گئی غالب نے کہا کہ اب دوسرا مصرع بھی فرما دیجئے: "بنشیں مادر بیٹھ ری مائی"

اس کی بھی کوئی سند نہیں اور ظاہراً اختراعات آزاد سے ہے۔

(۱۴۸) غالب کی "غزلوں کا دیوان مع دیوان قصائد کے ۱۲۳۸ھ میں مرتب ہو کر نقلوں کے ذریعہ سے اہل ذوق میں پھیلا اور اب تک کئی دفعہ چھپ چکا ہے" آب ص ۵۲۰ یہ عبارت غلط فہمی پیدا کرنے والی ہے غالب کے کلیات میں صرف قصائد اور غزلیات نہیں، مثنویات، قطعات، رباعیات وغیرہ بھی ہیں کلیات میں قصائد اور غزلیات الگ ہیں تو یہی حال دوسرے اصناف سخن کا بھی ہے۔ زمانۂ ترتیب صحیح ہے یا نہیں، اس سے اس موقع پر بحث نہیں۔

(۱۴۹) غالب کا دیوان اردو ۱۸۴۹ء میں مرتب ہو کر چھپا" آب ص ۵۱۴ اردو دیوان پہلی بار سید محمد خاں کے مطبع میں شعبان ۱۲۵۷ھ مطابق اکتوبر ۱۸۴۱ء میں چھپا تھا۔ ظاہر ہے کہ زمانۂ ترتیب اس سے قبل ہوگا (انتخاب غالب ص ۳۳۹)

(۱۵۰) مجھ میں ایک "فرومایہ" سا شخص اسد تخلص کرتا تھا، اس کا مقطع سن کر اس تخلص سے بھی بیزار ہو گیا:

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب ارے او شیر ہو رحمت خدا کی" آب ص ۵۲۵

مجھ کے اسد کا ذکر کہیں اور نہیں ملتا، وہاں غالب تخلص کا ایک گمنام شاعر البتہ گزرا ہے اگلے تخن، شعر کی صحیح شکل جو تذکرۂ ہندی و مجموعۂ نغز کے علاوہ اردوئے معلی ص ۱۵۸ و ص ۲۷۴ میں موجود ہے، یہ ہے:

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی
مرے شیر شاباش رحمت خدا کی

اس کے مصنف جیسا کہ تذکروں میں ہے اور خود غالب نے بھی لکھا ہے (اردوئے معلی ص ۲۷۵) میر امانی اسد تھے۔ یہ دہلی کے رہنے والے اور سودا کے شاگرد تھے اور ان کی وفات ولادت غالب (۱۲۱۲ھ) سے بہت پہلے ہوئی تھی (تذکرۂ ہندی) یہ کہیں سے ثابت نہیں کہ اس شعر کا سننا تبدیل تخلص کا باعث ہوا تھا۔

(۱۵۱) آب کی اشاعت اول میں مومن کا ترجمہ نہ تھا، اس پر اعتراض ہوا تو آزاد نے اشاعت دوم میں ان کا حال کسی سے لکھوا کر شامل کتاب کیا، مگر انہیں یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی کہ لکھنے والا کون ہے۔ اس صورت میں وہ باتیں جو بے سند درج ہیں، قبول نہ کی جائیں تو منکر پر اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔ ظاہراً آزاد کی نظر میں ہر راوی یکساں طور پر معتبر تھا اور وہ دوسروں سے بھی متوقع تھے کہ اس مسلک کو تسلیم کر لیں۔ انھوں نے جن اصحاب کو صراحتہً معتبر لکھا ہے ان میں وہ بزرگ بھی تھے جن سے انھیں یہ معلوم ہوا تھا کہ گن بیگم اسد کی بیٹی تھی۔

(۱۵۲) آب حیات میں میر انیس کا حال ۱۱۸۷ھ سے ۱۲۹۱ھ تک پھیلا ہوا ہے، لیکن آزاد نے یہ نہیں بتایا کہ وہ کب فوت ہوئے تھے، حالانکہ ان کی رحلت آب کی اشاعت اول بلکہ انطباع کے چند ہی سال قبل ہوئی تھی اور ۱۸۷۴ء (سال وفات انیس) کے اردو اخباروں کے علاوہ دوسری زبانوں کے اخباروں میں بھی اس کی اطلاع چھپی ہوگی۔ (اودھ اخبار میں اس کے متعلق جو کچھ شائع ہوا تھا اس کے تفاصیل معاصر حصہ اول میں ملاحظہ ہوں)۔

(۱۵۳) محمود غزنوی جب ہندوستان آیا اور آم کھایا تو بہت بھایا، مگر نام سن کر کہا سخت ستم ہے کہ ایسا لطیف میوہ اور نام میں یہ فحش، اسے نغزک کہنا چاہیے کہ اسم بامسمّیٰ ہو" سخن ص۲۲۔ اگر محمود نے لفظ آم سنا تھا تو یہ فحش نہیں، کوئی دوسرا نام اسے بتایا گیا تھا اور وہ فحش تھا تو آزاد کو اس امر کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ اس سے قطع نظر، یہ ثابت نہیں کہ نغزک نام محمود کا رکھا ہوا ہے۔

(۱۵۴) "عروض فارسی کی کتابیں ۶۰۰ھ کے پس و پیش لکھی گئیں" سخن ص۲۷۔ قزوینی مقدمۂ المعجم فی معاییر اشعار العجم میں لکھتے ہیں، "چون .. بزرجمہر از شعراے سلطان محمود غزنوی و پسرش.. مسعود کہ مصنف .. او را از عروضیان عجم مے شمرد.. وچون البہرامی السرخسی از شعراے غزنویہ صاحب تالیفات عدیدہ در علم عروض و قافیہ چون کتاب غایۃ العروضیین (یا غایۃ العروضیین)، کہ شمس قیس (مصنف المعجم) .. ظاہراً آں را در دست داشتہ .. و کتاب خجستہ نامہ در علم عروض کہ عوفی در لباب الالباب بدو نسبت می دہد.. وچہ لامام حسن قطان از فحول ائمۂ خراسان و معاصر رشید وطواط کہ واضع دو شجرۂ اخرم و اخرب است براے تسہیل استخراج اوزان بیست و چہارگانۂ رباعی و او را مختصرے بودہ در علم عروض کہ مصنف در ایں کتاب دو شجرۂ مذکورہ از آں نقل می کند و غیر ایں جماعت از فضلا و ائمہ کہ اسماے ایشاں و مؤلفات ایشاں بما نرسیدہ است، ولیکن از سوء اتفاق ایں کتب .. بواسطۂ تواتر انقلابات .. بکلی از میاں رفتہ است"۔

(۱۵۵) "یہ قاعدہ ہے کہ ژند کی ذ جب سر لفظ پہ ہو تو فارسی میں دال پڑھی جاتی ہے" سخن ص۳۲۔ "ژند" (زند) سے اوستائی زبان مراد ہے اور اس زبان یا کسی اور ایرانی زبان [illegible] ہو یا نئی کوئی کلمہ حرف ذال سے شروع نہیں ہوتا۔ اوستائی ذال تو آخر کلمہ میں بھی آتی ہے (کاشا از آفتاب پور داؤد ص۱۹)

(۱۵۶) اجنبا "قند پارسی کی" میں بے حرکت، الف نفی کا ہے سخن ص۵۱۔ اجنبا کی جگہ اجنبان چاہیے [illegible]

قسط سوم و چہارم میں بھی اس سے بحث ہوگی۔

یہ فارسی نہیں، دساتیری ہے۔

(۱۵۷) فارسی قدیم میں اخواستی = بے ارادہ سخن ص۷۵ یہ بھی دساتیری ہے۔

(۱۵۸) اَمیر (کذا) جو کبھی نہ مرے "سخن ص۷۵ غالب نے درفش کاویانی میں امیرہ نامیرندہ لکھا تھا، لیکن جب مطالبہ کیا گیا تو اس کی سند نہ دے سکے۔ فرہنگیں اس سے نا آشنا ہیں اور درفش و سخن کے سوا کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرا۔ واضح رہے کہ درفش میں کسرہ و تشدید نہیں۔

(۱۵۹) فرشاد فارسی قدیم میں تحفہ، نذرانہ، تبرک، سنسکرت میں پرساد" سخن ص۸۴ فارسی میں یہ لفظ میری نظر سے نہیں گزرا، درفش کاویانی میں ہے، مگر اس کا اعتبار نہیں۔

(۱۶۰) انگارہ فارسی میں آگ کا دہکتا ہوا ڈلا سخن ص۸۲ یہ معنی فارسی میں نہیں،

(۱۶۱) ہوا فارسی ہے سنسکرت میں وایو سخن ص۹۲ یہ مسلمات سے ہے کہ ہوا (باد) عربی ہے۔

(۱۶۲) سیب زمینی آلو کو کہتے ہیں، یہ بعینہٖ ترجمہ ہے پوٹے ٹوکا۔ پس معلوم ہوا فرانس کے رستے سے پہنچا ہے" سخن ص۱۱۹ پوٹے ٹو ایک قدیم امریکی لفظ کی تبدیل شدہ صورت ہے جو انگریزی میں مروج ہے۔ سیب زمینی اس کا نہیں، فرانسیسی POMME DE TERRE کا لفظی ترجمہ ہے۔

(۱۶۳) پشوتن کیانیوں کے خاندان میں ایک شاہزادہ ہوا ہے کہ اس نے عمر جاوید پائی ہے بعض لوگ اسے کاؤس کا بیٹا کہتے ہیں" نگار ص۱۱۳ یہ گشتاسپ کا بیٹا اور اسفندیار کا بھائی تھا کسی نے اسے پسر کاؤس نہیں لکھا۔

(۱۶۴) دساتیر کی زبان کے متعلق: "یہ خود اس سے بھی پہلے کی زبان معلوم ہوتی ہے، مملکت کے کسی علاقے کی پراکرت ہے، اس طرح زور پکڑ گئی ہو گی جس طرح یہاں ایک زمانے میں پالی ہو گزری" سخن ص۳ (الف) دساتیر مطبوعہ آزاد کے پاس تھی اور ان کا نسخہ آج کل کتب خانۂ دانش نگاہ پنجاب میں ہے۔ سخندان فارس کے مصنف کو غائر نظر سے اس کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا تھا، مگر، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسے سرسری طور پر کہیں کہیں سے دیکھا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد مستشرقین یورپ نے اس کی زبان اور مطالب کی نسبت جو کچھ لکھا تھا، ظاہراً وہ اس سے بھی ناواقف تھے، حالانکہ سخن میں جا بجا اہل یورپ کی تحقیقات (متعلق ایران قدیم) سے استفادے کا ذکر ہے (ب) دساتیر خود اور اس کے ماننے والے مدعی ہیں کہ اس میں جو صحف اور پند نامے ہے وہ فرامیں نژاد یعنی آسمانی زبان میں ہے، اور ترجمہ و تفسیر اواخر عہد ساسانی کی فارسی دری میں ہے۔ صحف پیمبروں پر نازل ہوئے تھے، جن میں پہلا آباد اور آخری ساسان پنجم ہے۔ یہی ساسان

پنجم دساتیر کا مترجم و مفسر بھی ہے۔ دساتیر کے مطابق آبادیوں کی حکومت .... ۲۰ سال رہی۔ (سفرنگ دساتیر ص ۲۴۹)۔ دساتیر کے ماننے والوں کو یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ اس کا پہلا صحیفہ اس سے بھی پیشتر کا ہے (ج) آزاد نے خردہ اوستا کے متعلق لکھا ہے کہ یہ عہد خسرو سے بھی پہلے کی کتاب ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ متن دساتیر ان کے نزدیک کس عہد کی زبان میں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انھیں اس کی خبر ہی نہیں کہ دساتیر اپنی زبان کی نسبت کیا کہتی ہے اور دساتیر کے بموجب آباد کا زمانہ کب تھا۔ (د) زبان دساتیر کو پراکرت سے تشبیہہ دینا بھی خوب ہے۔

(۱۶۵) اس دعوے کے ثبوت میں کہ تسلط اسلام سے قبل بھی ایران میں شعر کہا جاتا تھا بحوالۂ آرزو لکھا ہے: "سلاطین قدیمہ میں سے فرہوش .. کے دربار میں گروہ کثیر اہل سخن کا حاضر رہتا تھا، ان میں سے شید وش .. نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا۔

زن شاہ است درداؤ رگردا گوز دارد ندارد بیم از کس

اسی کتاب میں .. ہے کہ زبان قدیم میں درو اور شجاعت اور گردا بمعنی سمندر تھا" سخن ص ۲۶۱، (الف) اس سے قطع نظر کہ اثبات دعویٰ میں بارھویں صدی ہجری کے ایک مصنف سے استناد فضول ہے، آرزو کثیر التصانیف شخص تھے، ان کی کتاب کا نام بتاتا تھا، مگر میرا خیال ہے کہ یہ حکایت انھوں نے براہ راست آرزو کی کسی کتاب سے نہیں لی (ب) حکایت مجمع النفائس و ۲ میں بحوالۂ دبستان مذاہب مرقوم ہے لیکن متن شعر مجمع و دبستان میں سخن سے مختلف ہے۔ "درداؤ" بموجب مجمع ایک لفظ نہیں (ج)، مجمع و دبستان دونوں میں فرہوش کو آبادی خاندان کا بادشاہ لکھا ہے۔ اگر یہ آبادی دور کے بالکل آخر میں تھا جب بھی اسے ایک ارب سے زیادہ سال گزرے ہیں۔ (سفرنگ دساتیر ص ۲۶) اس زمانے میں انسان کہاں تھا جو شاعری ہوتی اور اگر تھا تو کیا اس عہد کی وہی زبان ہو سکتی تھی جو "زن شاہ الخ" کی ہے؟

(۱۶۶) سال وفات رودکی ۳۴۳ھ، سخن ص ۲۶۶، لیکن، نگار ص ۸۔ میں تیرھویں صدی ہجری کی مفتاح التواریخ کے حوالے سے ۳۴۳ھ لکھا ہے۔ مفتاح ایسی کتاب نہ تھی کہ اس کی بنا پر تبدیل رائے کی جاتی۔ ظاہرا آزاد نے ۳۴۳ھ محض اٹکل پچو لکھ دیا تھا؛ مفتاح میں مختلف سنہ جو دیکھا تو اسی کو صحیح سمجھے حقیقت یہ ہے کہ دونوں غلط ہیں درست ۳۲۹ھ ہے جو سمعانی کی کتاب (متعلق انساب) میں ہے اور جسے پہلے پہل قزوینی منظر عام پر لائے ہیں۔

(۱۶۷) اے آنکہ طعنہ کردی در شعر رودکی این طعنہ کردن تو ز جہل است و کودکی
آن کس کہ شعر داند داند کہ در جہان صاحبقران نکتہ سخن ہست رودکی

نگارش میں بنام (دقیقی) لیکن نظامی عروضی کا قطعہ ہے (لباب الالباب ۲ ص۷)۔ لباب میں "تو جہل است و کور دلی" کی جگہ "زجہل و زکور دلیست" اور "ملک سخن را" کے عوض "شاعری استاد رود کیست"۔

(۶۸) اسدی طوسی، استاد فردوسی و مصنف گرشاسپ نامہ، وقصائد مناظرہ نے فردوسی کے ۴ برس بعد ۴۶۵ھ میں وفات پائی سخن ص۲۸۳، نگارستان میں اس کا مستقلاً ذکر نہیں، لیکن ترجمۂ فردوسی میں اسے رودکی کا "ہمعصر" بتایا ہے ص۸۱ اور فردوسی کا سال وفات ۴۱۱ھ یا ۴۱۵ھ لکھا ہے ص۱۹۔
(الف) اسدی رودکی کا "ہمعصر" ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ۴۶۵ھ میں (رودکی کے ۱۴۲ سال بعد مطابق سخن) وفات پائے؟ (ب) فردوسی کا سال وفات وہی ہے جو آزاد نے لکھا ہے اور اسدی اس کے ۴ برس بعد مرا ہے تو اس کا سال رحلت ۴۶۵ھ کس طرح ہو سکتا ہے؟
(ج) اسدی تخلص کا ایک شاعر گذرا ہو یا دو، یہ ممکن نہیں کہ گرشاسپ نامہ کا مصنف فردوسی کا استاد رہا ہو۔

(۶۹) بہت سی کہانیاں لوگوں نے بنا رکھی ہیں، بلکہ کتابوں میں بھی ہیں جو "لائق اعتبار نہیں، لیکن چونکہ مؤلف کو لازم ہے جو حال یا لوگوں کا خیال معلوم ہو سب پر ظاہر کرے اور اس کے جھوٹ اور سچ پر رائے دے اس واسطے بطور لطیفہ لکھا جاتا ہے" اس کے بعد آزاد نے لکھا ہے کہ رستم نے بطور شکریہ فردوسی کو دفینے کا حال بتایا۔ اور اس سلسلے میں بعض کا یہ قول نقل کیا ہے کہ دربار محمود سے محرومی پر فردوسی نے رستم کی بھی ہجو کہی تھی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

منش کردہ ام رستم داستاں　　وگرنہ یلے بود از سیستاں

اس پر رستم نے دفینے کا حال خواب میں بتایا نگارستان ص۱۹۔ فرضی حکایات کے بیان کرنے میں مضایقہ نہیں، لیکن، مآخذ کا ذکر لازم ہے، آزاد اسے غیر ضروری سمجھتے تھے۔ ہجو رستم کا ذکر میں نے کہیں اور نہیں دیکھا اور نہ آزاد کا دیا ہوا شعر فردوسی کے نام سے کسی اور جگہ میری نظر سے گزرا ہے۔

(۷۰) محمود نے فصد کھلوائی، عنصری نے فی البدیہہ یہ قطعہ کہہ کر سنایا: آمد آں رگزن مسیح پرست الخ سخن ص۲۵۹ یہ قطعہ عنصری کا نہیں، تفاصیل کے لئے آوارہ گرد اشعار کی دو قسطیں دیکھیے جو خاور ڈھاکہ میں چھپی تھی۔

(۷۱) فرخی نے ترجمان البلاغت "محاسن شعری" میں لکھی سخن ص۵۔ اس میں بہت سے ایسے صنائع بھی ہیں جن کا استعمال نثر میں ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۹ء میں پہلی بار استانبول میں طبع ہوئی۔ یہ نسخہ ۵۰۷ھ کے خطی نسخے پر مبنی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مصنف

فرخی نہیں، محمد بن عمر الرادویانی ہے۔

(۱۶۲) نظامی گنجوی نے ویس ورامین کا قصہ محمود ابن محمد ابن ملک شاہ کے نام سے لکھا تھا، لوگ اسے تصنیف نظامی عروضی کہتے ہیں اور یہ غلط ہے۔ اکثر مصنفوں کی رائے یہ ہے کہ ابتدا کی مشق ہے" نگار ص۶۶ ویس ورامین کو دولت شاہ نے ترجمۂ عروضی میں اس کی طرف منسوب کیا ہے (تذکرہ ص۶۰) لیکن ترجمۂ نظامی گنجوی میں اس بنا پر اس کی تردید کی ہے کہ عروضی عہد ملک شاہ میں تھا اور یہ اس کے پوتے محمود ابن محمد کے زمانے کی ہے ص۱۳۰، اس جگہ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ نظامی گنجوی کے عہد شباب کی تصنیف ہے، یہ سب غلط محض ہے؛ حقیقت "سرد یسنا و تاثیر آں در ادبیات فارسی" مصنفۂ آقائے محمد معین کے اقتباس ذیل سے معلوم ہوگی: "فخر الدین اسعد گرگانی از گویندگان نامبردار سدۂ پنجم ہجری (حاشیہ: معاصر طغرل بک بن محمد بن میکائیل سلجوقی ۴۳۲ - ۴۵۵) و ناظم.. ویس و رامین است۔ این منظومہ چنانکہ در مقدمۂ آں اشارہ کند، بزبان پہلوی تالیف شدہ بود و فخر الدین آں را.. بنظم دری ترجمہ کردہ.. از قرائنے کہ درہمیں مقدمہ درج است، استنباط می شود کہ ایں داستاں را در فاصلۂ سالہائے ۴۴۲ و ۴۴۴ .. منظوم کردہ" ص۴۳۸۔ ویس ورامین فخر گرگانی کے نام سے سخن کی اشاعت سے بہت پہلے کلکتے میں چھپی تھی اور آج سے چند سال پیشتر ایران میں طبع ہوئی ہے۔ دولت شاہ نے اس کے متعلق فاحش غلطی کی ہے، لیکن تیرھویں صدی کے ہندوستانی تذکرہ نگار تک اصل حال سے واقف ہیں (رجوع بہ خلاصۃ الافکار م و مخزن الغرائب م)، نظامی عروضی یا نظامی گنجوی کو اس مثنوی سے کچھ سروکار نہیں۔

(۱۶۳) ظہیر فاریابی کا دیوان "ہمیشہ کمیاب اور عزیز الوجود ہے، کسی شخص کا شعر ہے:

دیوان ظہیر فاریابی   در کعبہ بدزد اگر بیابی" نگار ص۱۵

درویش دہکی نے جامی کی ہجو میں ایک مثنوی کہی تھی جس میں ان پر سرقے کا الزام لگایا تھا، اس کا ایک شعر یہ ہے:

اے باد صبا بگو بجامی   کاے دزد سخنوران نامی

آزاد کا نقل کردہ شعر بھی اسی مثنوی میں شامل ہے (مجمع النفائس مصنفۂ آرزو م و ۱۴۰)۔ درویش کی غرض ہرگز یہ نہیں کہ ظہیر کا دیوان کمیاب ہے، اور یہ حقیقت ہے بھی نہیں، ایک بار ایران میں اور دو بار مختلف طور پر ہندوستان میں چھپ چکا ہے۔ اس کے خطی نسخے بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

(۱۶۴) نجم نشست فلاطون زشرم آب نشد   بحیرتم کہ فلاطون شدہ و شراب نشد

یہ اور اس زمین کا ایک اور شعر نگار ص۲۵ میں بنام ظہیر فاریابی، لیکن دیوان ظہیر کی کل مطبوعہ اشاعتیں ان اشعار سے خالی ہیں، اور بجز آخر دیوان نسخہ... حالی کے مطبوعہ (نولکشوری ص—) اور خطی نسخوں (م میں)

میں موجود ہے۔

(۷۵) آب حیات ص۹۵ میں یہ مصرع امیر خسرو کے نام سے ہے: "نہ بنشستہ چوں در پالکی نہ چرخ کنار آمدہ" لیکن سخن ص۔ میں پورا شعر طغرا کی طرف منسوب کیا ہے۔ صحیح یہی ہے اور یہ شعر کلیات طغرا م ۲۴۰ و میں موجود ہے۔ اس طویل قصہ میں جس کا یہ جزو ہے (۲۷۷ ابیات) ہندی عنصر بہت نمایاں ہے، ورق ۳۲۸ میں ایک شعر جو ہولی سے متعلق ہے درج ذیل ہے:

شد وقت ہولی باختن با رنگ و بو پرداختن   محبوب را چو گلبن ساختن باغ ارم خوار آمدہ

اعتراض آزاد کے طریق کار پر ہے کہ پہلے ایک غلط بات کہی، بعد کو متضاد بیان دیا، لیکن اس کی ضرورت محسوس نہ کی کہ سند پیش کریں۔

(۷۶) سال وفات حرفی ۱۰۰۴ء نگار ص۹۹ اور یہ صحیح ہے، لیکن ص۱۰ میں ہے کہ دشمنوں نے اشعث طامع سے تاریخ نکالی۔ اس سے ۱۹۹ بر آمد ہوتا ہے، یا تو حرفی سے اس کا کچھ تعلق ہی نہیں، یا اس کے ساتھ کوئی اور لفظ تھا جو آزاد نے نہیں لکھا۔

(۷۷) فیضی نے سالہا سال کاشی میں برہمن بن کر علم شاستری حاصل کیا، استاد کو اس کا علم ہوا تو یہ وصیت کی کہ "گائتری منتر اور ۴ بید" کا ترجمہ نہ کرنا، فیضی نے اس پر عمل کیا نگار ص۱۰۱ یہ محتاج ثبوت ہے۔

(۷۸) سرہند شہر پٹنہ میں ایک ہندو بچے پر عاشق ہوا۔ نگار ص۱۹۶، پٹنہ مصحف ٹھٹھہ (دبستان مذاہب نولکشور ص۲۱۴)

(۷۹) نگار ترجمۂ کلیم: "شیدا وغیرہ" کہتے تھے وہ لوگ بڑے خوش نصیب تھے جنھوں نے کلیم کی ملک الشعرائی نہ دیکھی" ص۱۸۵ ایضاً ترجمۂ شیدا "جب "کلیم کے بعد محمد قلی سلیم ملک الشعرا ہوا تو شیدا کہا کرتا تھا خوشا نصیب ان شعرائے مرحوم کے جنھوں نے سلیم کی ملک الشعرائی کا بار نہ اٹھایا" ص۱۸۸ (الف) کلیم کے متعلق جو کچھ مرقوم ہے وہ بے سند نہیں، لیکن یہ قول شیدا کا تھا، "وغیرہ" آزاد کا اضافہ ہے (ب) کلیم کی وفات ۱۰۶۱ھ میں ہوئی، مادۂ تاریخ نگار ص۱۸۷ میں بھی درج ہے، گو سنہ اس کے ساتھ مرقوم نہیں۔ سلیم ۱۰۵۷ھ میں راہی عدم ہوا ہے (معاصرہ ص۱۵۵) اور شیدا اس سے بھی پہلے اس دنیا سے رخصت ہوا ہے: سلیم کا کلیم کے بعد ملک الشعرا ہونا اور شیدا کا اس پر آوازہ کسنا بالکل خارج از بحث ہے۔ سلیم کسی اور زمانے میں بھی اس عہدے پر فائز نہیں ہوا اور خود آزاد نے بھی نگار میں جو اس کا مستقل ترجمہ دیا ہے اس میں اس کا ذکر نہیں۔

(۸۰) کلیم عہد جہانگیر میں وارد ہند ہوا، بعد اس کے ایران گیا اور پھر شاہجہاں کی سلطنت میں آیا۔ "توفیق رفیق طالب آمدہ" تاریخ اس کی کہی" مادۂ تاریخ کے بعد ۱۰۲۸ھ مرقوم نگار ص۱۸۶۔ (الف) "توفیق .. آمدہ" سے ۱۰۲۸ نہیں، ۱۰۲۳ نکلتا ہے، مگر مادۂ تاریخ صرف "توفیق رفیق طالب" ہے،

جیسا کہ قطعۂ ذیل سے جو دیوان کلیم (م ۳۴۳) میں ہے، ظاہر ہے:

طالب ز ہوا پرستی ہند برگشت و سوے مطالب آمد

تاریخ توجہ عراقش "توفیق رفیق طالب" آمد ۱۰۰۱

(ب) ۱۰۷۲ھ جو نگار میں ہے، عہد شاہجہانی نہیں، عہد عالمگیری ہے اور اس وقت کلیم زندہ بھی نہ تھا۔ (ج) "توفیق رفیق طالب" سے ۱۰۲۸ مستخرج ہوتا ہے اور ۱۰۲۸ھ عہد جہانگیری ہے (د) قطعہ سے بالکل واضح ہے کہ مادۂ تاریخ ہندست "عراق" جانے کا ہے، ایران سے ہند واپس آنے کا نہیں۔

(۱۸۱) چو مہر تو دارم چہ حاجت بمُہر مرا مہر داری بہ از مُہر داری

کلیم مُہر دار شاہی تھا، گوشہ نشینی اختیار کی اور یہ شعر لکھ بھیجا نگار ص ۱۸۷۔ کلیم نہیں، طالب آملی مُہر دار شاہی تھا اور یہ شعر اسی کا ہے۔ پوری نظم اس کے دیوان (م ۲۹۴) میں موجود ہے۔ یہ ۶۶ اشعار پر مشتمل ہے اور اس کی بیت اول غیر مصرّع ہے۔ چو مہر الخ ۶۲ و ۱۳ میں ہے۔

(۱۸۲) "کلیم" قدسی کے بعد ملک الشعرا ہوا اور شاہجہاں نامہ میں ہے کہ کلیم ملک الشعرائی کے خطاب سے سرفراز تھا جو.. قدسی آیا۔ اگرچہ حق ملک الشعرائی کا خطاب اس کے لئے تھا، مگر چونکہ نام نکل گیا تھا اس لیے وہی مشہور رہا" نگار ص ۱۸۵۔ ترجمۂ قدسی میں صراحتاً خطاب ملنے کا ذکر نہیں، لیکن آخر میں مرقوم ہے: "شاہجہاں کے ایام سلطنت میں قدسی فوت ہوا، اور بعد اس کے کلیم ملک الشعرا ہوا" ص ۱۹۳ حقیقت یہ ہے کہ کلیم ملک الشعرا ہو چکا تھا کہ قدسی وارد ہند ہوا اور کلیم سے قبل فوت ہوا۔ اس کی ملک الشعرائی خارج از بحث ہے۔ عبارت ذیل عمل صالح کی ہے۔ شاہجہاں نامے کی نہیں: "کلیم بخطاب ملک الشعرائی امتیاز یافت، اگرچہ استحقاق این منصب.. قدسی داشت، اما از پیشتر کہ پیش از رسیدن حاجی (قدسی) او باین خطاب سرفرازی یافتہ بود، تا دم آخر بر و بحال ماند و تغیرے بداں راہ نیافت" (معاصرہ ص ۱۵۳) یہ مصنف عمل صالح کی رائے ہے کہ قدسی کلیم کے مقابلے میں ملک الشعرائی کا زیادہ مستحق تھا، اس کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قدسی کو بھی یہ خطاب ملا تھا۔

(۱۸۳) صائب ۱۰۸۱ھ میں فوت ہوا اور سرخوش نے خبر سنتے ہی تاریخ کہی "صائب وفات یافت" (۱۰۸۱ ہجری) نگار ص ۱۷۱۔ کلمات الشعرا ص ۶۵ میں ۱۰۸۰ھ اور مادۂ تاریخ سے ۱۰۸۱ ہی نکلتا ہے۔ ۱۰۸۱ھ بھی غالباً صحیح نہیں۔

(۱۸۴) عالمگیر موسوی خاں متخلص بہ فطرت و موسوی کی بہن کو باصرار عقد نکاح میں لایا" نگار ص ۲۶۳۔ یہ غلط محض ہے، یہ انیسہ بیگم ہے کہ وہ عالمگیر کا ہم زلف تھا۔ شاہنواز خاں کی بیٹی جو اعظم شاہ کی خالہ تھی اس کے نکاح میں تھی (ترجمۂ انگریزی مآثر الامرا جلد ۲ ص ۲۲۳)

(۱۸۵) موسوی خاں مذکور کے دو تخلصوں کا ذکر کیا ہے لیکن تیسرے تخلص معز کو جو تذکروں (از آں جملہ نکات الشعرا ص۲۷) اور دیوان (م ۳۵۵ و ۵۷) سے ثابت ہے، نظرانداز کر دیا ہے:

"شود امن کند کہیے دمل او معز   داد یم نقد جاں بہ تمنا تمن تمن"

(۱۸۶) ناصر علی ذوالفقار خاں، "سپہ سالار عالمگیر" کی مدح میں "قصیدہ" کہہ کر لے گیا، مطلع ہی پڑھا تھا کہ ذوالفقار خاں نے "ایک لاکھ روپیہ مع خلعت وجواہر" انعام دیا اور کہا کہ آگے نہ پڑھیے، میرا خزانہ ان اشعار کی "قیمت کے لئے کافی نہیں، اور ہاتھی پر سوار کر کے رخصت کیا" مطلع:

اے شان حیدری ز جبیں تو آشکار   نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

کہتے ہیں کہ ناصر علی جب وہاں سے نکلا تو اول انعام کے لئے نواب کے ملازم اور پھر رستے میں لوگ گرد ہوگئے، اس نے بھی ہاتھی ہی پر سے .. تمام روپیہ لٹانا شروع کیا۔۔ مکان پر پہنچ کر اترا تو فیلبان نے کہا کہ میرا انعام مرحمت ہو۔ ادھر ادھر دیکھ کر کہا یہی ہاتھی تمہارا انعام ہے نگارستان ص۱۲۶ (الف) تذکرۂ طاہر نصرآبادی طبع ایران ص۴۳۳ و مجمع النفائس و ہمیشہ بہار (م) میں "جبیں" کی جگہ "نشان" گر خوش گو، آزاد بلگرامی (خزانۂ عامرہ) وغیرہ نے "جبیں" ہی لکھا ہے (ب) وہ نظم جسے آزاد نے قصیدہ کہا ہے دیوان ناصر علی (نظامی و نولکشور) اور خزانۂ عامرہ وغیرہ میں موجود ہے، یہ غلطی اوروں سے بھی ہوئی ہے (مثلاً صاحب ہمیشہ بہار)، لیکن چونکہ یہ ۷ ابیات پر مشتمل ہے، اس پر لفظ قصیدہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ خزانۂ عامرہ، گل رعنا، سفینۂ خوش گو میں اسے غزل کہا ہے۔ مقطع کا مصرع ا یہ ہے: ناصر علی تراز تو خواہد مراد و بس (ج)، ناصر علی و ذوالفقار خاں کی حکایت ہمیشہ بہار (عشرۂ ۲ مائۃ ۱۲) سے قبل کی کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزری، اور اس کی وہ شکل جو آزاد نے پیش کی ہے کہیں اور نہیں ملتی (د) خطاب ذوالفقار خاں ۱۱۰۱ھ میں ملا تھا، اور میر بخشی گری ۴۹ سنہ عالمگیر میں حاصل ہوئی تھی (مآثر الامرا) ناصر کی وفات ۱۱۰۸ھ میں ہوئی ہے (کلمات الشعرا) ظاہر ہے کہ ذوالفقار خاں ناصر علی کے دوران حیات میں "سپہ سالار" نہ تھا (ہ) ہمیشہ بہار میں ہے کہ خلعت، ہاتھی اور "زر نقد خطیر" ید بیضا آزاد بلگرامی م: ایک ہاتھی اور "مبلغ خطیر" خوش گو: ہاتھی، خلعت اور دس ہزار نقد مجمع النفائس: ہاتھی اور ۵ ہزار نقد، خزانۂ عامرہ آزاد بلگرامی: بحوالۂ سفینۂ بیخبر بلگرامی ہاتھی اور ۳۰ ہزار۔ آزاد کہتے ہیں کہ میر کاظم منصب دار اورنگ آبادی مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے متصدیان ذوالفقار خاں سے دریافت کیا تھا، ۳۰ ہزار ملے تھے۔ مخزن الغرائب: ایک لاکھ اور ہاتھی۔ گل رعنا شفیق: ہاتھی، ۳۰ ہزار نقد، خلعت وغیرہ۔ مآثر الامرا: ایک ہاتھی و مبلغ خطیر" نشتر عشق: ۳۰ ہزار اور ہاتھی، ایک قول کے مطابق ایک لاکھ، دوسرے اقوال کے بموجب

پانچ یا دو ہزار۔ مصنف کی رائے ہے کہ جب "بخشی الممالک" اور اشعار پڑھنے سے مانع آئے تو ایک لاکھ ہی صحیح ہوگا۔ میرے خیال میں آرزو کا قول درست معلوم ہوتا ہے؛ ذوالفقار خاں اس زمانے میں بخشی الممالک نہ تھے (و) مطلع سن کر اور اشعار پڑھنے سے روکنا، سفینۂ خوشگو، ید بیضا، مجمع النفائس اور مآثر الامرا میں نہیں؛ غالباً پہلا تذکرہ جس میں یہ مذکور ہے سفینۂ بیخبر ہے جس سے خزانۂ عامرہ میں نقل ہوا ہے ایسی ہی ایک حکایت ایک ایرانی شاعر کے بارے میں جس کا نام اس وقت یاد نہیں آتا میری نظر سے گزرا ہے (ش) ناصر علی نے کیا کیا، اس کا ذکر حاشیہ بہار میں یوں ہے: تمام مبلغ تا بخانہ رسید بذل و ایثار نمود"، خوش گو: "زر خطیر در راہ ایثار کرد، مشت مشت بہر دو طرف فشاند"، مجمع النفائس: "بخانہ آمدہ بمردم تقسیم نمود، فیل بسپاہی مفلس" ید بیضا و مآثر الامرا اس باب میں خاموش ہیں، خزانۂ عامرہ میں ہے کہ جو کچھ ملا تقسیم کر دیا (ش) اسے شان حیدری الخ تذکرۂ طاہر نصرآبادی مطبوعہ میں وارستہ، چگنی۔ معاصر سلیم سے منسوب ہے، اور اس کے ساتھ یہ عبارت ہے: "در مدح ذوالفقار خاں بیگ لربگی قندھار گفتہ" ص ۴۳۶ مگر مخطوطۂ ام میں یہ شعر موجود نہیں۔ (ح) اس شعر کے تذکرۂ نصرآبادی کے مطبوعہ نسخے میں ملنے سے ساری حکایت مشکوک ہو جاتی ہے۔ اس کے متعلق مزید تحقیقات کی ضرورت ہے، مثلاً یہ کہ تذکرہ کب ختم ہوا، شعر الحاقی تو نہیں، دیوان ناصر علی کے معتبر خطی نسخوں میں موجود ہے یا نہیں، شعر زیر بحث کو کسی اور نے وارستہ کی طرف منسوب کیا ہے یا نہیں۔

(۱۸۷) سرخوش کہتا ہے کہ میں، ناصر علی اور بیدل جامع مسجد دہلی کے حوض کے کنارے بیٹھے شعر خوانی کر رہے تھے کہ سرمد پہنچا اور ہنسکر یہ شعر سنایا:

دیر است کہ آوازۂ منصور کہن شد — اکنوں سر تو جلوہ دہم دار و رسن را

دوسرے شعر کی فرمائش ہوئی تو اس نے یہ شعر پڑھا: "سر جدا کرد از تنم شوخیکہ با ما یار بود الخ" اس کے دوسرے ہی دن قتل ہوا نگار ص ۱۹۸، سرمد بقول آزاد ۱۰۷۱ھ میں مقتول ہوا ہے، (نگار ص ۱۹۸) اس وقت تک نہ ناصر علی دہلی پہنچے تھے نہ بیدل۔ مؤخر الذکر کا سال ولادت اور سال ورود دہلی از بہار بقول خود علی الترتیب ۱۰۵۴ھ اور ۱۰۷۵ھ ہے (کلیات م د ۱۸۹)۔ مزید یہ کہ حکایت زیر بحث سرخوش کے کلمات الشعرا سے غیر حاضر ہے۔ شعرا میں غالباً "اکنوں" کی جگہ "من" ہے۔

(۱۸۸) دیوان بیدل میں ایک لاکھ اشعار، مگر ایک شعر کسی کی تعریف میں نہیں نگار ص ۱۸۷۔ کلیات کا جو ضخیم نسخہ میرے پیش نظر ہے ایک لاکھ سے بہت کم اشعار ہیں، اور مدحیہ کلام کثرت سے ہے (رجوع بہ ۱۸۹)

(۱۸۹) مرزا عبدالقادر بیدل آغاز شباب میں اعظم شاہ کے نوکر تھے، کسی امیر نے یہ کہا کہ "ان سے زیادہ

آج کل کوئی شاعر نہیں" شاہزادے نے اظہار تعجب کیا کہ آج تک میری مدح نہیں۔ اس کا ایما ہوا کہ قصیدہ لکھوں" تاکہ زورِ طبیعت معلوم ہو اور بموجب اس کے اضافۂ منصب کیا جائے" یہ فوراً مستعفی ہوگئے" "دوستوں نے بہت سمجھایا مگر قبول نہ کیا، نہ پھر کسی کی نوکری کی، ڈاڑھی مونچھ منڈا کر آزاد ہوگئے" نگار صفحہ ۱۷۵۔ خوش گو جو دوسرے تذکرہ نگاروں کے مقابلے میں بیدل سے بہت زیادہ واقفیت رکھتا تھا۔ اس کا قول ہے کہ بیدل اعظم شاہ کے ساتھ مست (کذا) سال رہے، "جذبہ" غالب ہوا تو بعذرِ مرض مستعفی ہوئے۔ اعظم شاہ نے بیدل کو جو "نشان" بھیجا تھا وہ خوشگو نے ان کے پاس دیکھا تھا۔ اعظم شاہ نے لکھا تھا کہ قویٰ درست ہیں تو استعفا مناسب نہیں۔ خوشگو کہتا ہے کہ بیدل کا جواب رقعات بیدل میں ہے (سفینۂ خوشگو، ترجمۂ بیدل) رقعاتِ بیدل، کلیات بیدل کے خطی نسخوں میں شامل ہے (اس کے سرسری مطالعہ میں مجھے ایک خط اس کے متعلق ملا، مگر اس کا مکتوب الیہ خود اعظم شاہ نہیں)۔ آزاد نے جو وجہ استعفا بیان کی ہے، اور کتابوں میں بھی ہے اور وہ اس کے موجد نہیں، لیکن کلیات بیدل اس کا مکذب ہے۔ اس میں اعظم شاہ کی مدح میں جو منظومات ہیں ان میں ایک قصیدہ بھی ہے جس کی بیت ذیل میں اس کا نام آیا ہے:

"والاست صاحبقراں سلطاں محمد اعظم آں   کز گل مدحش زباں دارد چمن در آستیں" ۱۷۶ و

(۱۹) بیدل ایک دن "قمر الدین خاں وزیر بادشاہ" کے یہاں گئے، وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ "نواب محمد امین خاں" آگئے۔ یہ "چار ابرو کی صفائی کیے" تولا سی لئے بیٹھے تھے۔ نواب نے نام پوچھا اور اس سے مسلمان ہونا معلوم ہوا تو چیں بجبیں ہو کر بولے" ریش دبرت چرا تراشیدی؟" بیدل نے اسی وقت یہ شعر کہہ کے پڑھا:

ریش دبروت خویش تراشیدہ ایم ما   لیکن دل کسے نخراشیدہ ایم ما

محمد امین خاں" رکن بادشاہی" تھے اور" ان کے ہاتھ سے رنج و راحت ظلم و انصاف سب کچھ ہوتا رہتا ہے" وہ اسے طعن سمجھے اور گفتگو بڑھنے لگی۔ قمر الدین خاں ڈرے کہ کہیں کسی کا خون نہ ہو جائے۔ نماز توڑ کر آئے بیدل کا تعارف محمد امین خاں سے کرایا اور بیدل سے کہا: "نواب سے ملاقات کیجئے، وزیر الممالک بہت سخن فہم اور معنی شناس ہیں" نگار صفحہ ۱۷۹ (الف) آزاد نے قمر الدین خاں کو "وزیر بادشاہ" اور محمد امین خاں کو ابتدائے حکایت میں "رکن بادشاہی" اور آخر میں "وزیر الممالک" کہا ہے۔ سلطنت مغلیہ کا قاعدہ تھا کہ ایک وقت میں ایک ہی وزیر ہوا کرتا تھا، گو بعض اوقات کوئی شخص اس کی نیابت پر بھی متعین کیا جاتا تھا۔ وزیر کے بعد میر بخشی کا عہدہ تھا، مگر اسے وزیر نہیں کہا جاتا تھا۔ بیدل کے زمانۂ آخر میں محمد امین خاں وزیر تھا ان کی وفات کے بعد آصف جاہ اور ان کی علیحدگی پر قمر الدین خاں کو یہ عہدہ ملا تھا۔ بیدل نے ان دونوں کی وزارت کا زمانہ نہیں پایا (ب) قمر الدین خاں محمد امین خاں مذکور کے بیٹے تھے۔ آزاد

اس سے بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں (ج)، آزاد نے واقعہ جس طرح بیان کیا ہے، کہیں اور نہیں ملا، تذکرۂ حسینی (ص ۵۱) میں جس کا مصنف بڑا افسانہ دوست ہے، یہ اس طرح درج ہے:
بیدل آصف جاہ کے یہاں گئے تھے کہ وہاں محمد امین خاں پہنچے، انھوں نے ایک "فقیر ریش و بروت تراشیدہ" کو دیکھا تو دریافت کیا کہ کون ہیں۔ آصف جاہ سے معلوم ہوا کہ بیدل ہیں تو "استکراہاً" ان سے پوچھا: "ہمیں را فقیری نامیدۂ کہ ریش و بروت تراشیدۂ؟" بیدل نے جواب دیا: "ریش خود تراشیدہ ام، دل کسے نخراشیدہ ام" (یہ نثر ہے، آزاد کے یہاں نظم) صاحب تذکرہ کا بیان ہے کہ اس پر "خان مزبور.. دست بخنجر گذاشت، مرزا.. ازیں طرف نشتہ بر داشت" آصفجاہ نے صلح کرا دی۔

(۱۹۱) ایک کابلی سوداگر کے سب انار گل گئے، چند دانے جو باقی رہ گئے تھے بطور نذر بیدل کے پاس لایا۔ انھوں نے اسے شعر ذیل لکھ کر دیا کہ نواب لطف اللہ خاں کے پاس لے جائے۔

بخیۂ کفشم اگر دنداں نما شد عیب نیست — خندہ دارد چرخ ہم با ہرزہ گردیہاے من

"نواب اسے حسن طلب سمجھے کہ شاید مرزا کی جوتی ٹوٹ گئی ہے اور نہایت غنیمت سمجھے۔ اسی وقت ایک لاکھ روپیہ بھیج دیا میرزا نے کل روپیہ اسی.. کو دیدیا" (نگار ص۱۸۱) لطف اللہ خاں ابن شکر اللہ خاں (اور اسی سے بیدل کے تعلقات تھے) اتنا دولت مند نہ تھا کہ لاکھ روپے اس طرح بھیج دیتا اور نہ بیدل اتنے فیاض تھے کہ اتنی بڑی رقم سوداگر کو دیدیتے۔ اختراعی حکایت ہے۔

(۱۹۲) آہ سرکردۂ ارباب سخن — از غم آباد جہاں محترم رفت
گفت تاریخ وفاتش ہاتف — میرزا بیدل ازیں عالم رفت

نگار ص۱۸۰ میں یہ قطعہ اسی طرح ہے، لیکن خزانۂ عامرہ م میں "آہ" کی جگہ "سوہ" "ہاتف" کے عوض "آزاد" اور "ازیں" کے بدلے "از" ہے۔ "ازیں" ہو تو ۱۱۹۳ اور "از" ہو تو ۱۱۳۳ نکلتا ہے۔

(۱۹۳) بیدل کا سال وفات ۱۱۹۳ھ ہے نگار ص۱۸۱، صحیح ۱۱۳۳ھ اور یہ متفق علیہ ہے۔ سفینۂ خوشگو میں متعدد تاریخیں ہیں، جن میں سے ایک جو خود خوشگو کی کہی ہوئی ہے، یہ ہے: "یوم پنجشنبہ چہارم ماہ صفر"

(۱۹۴) "بڈھے بڈھے آدمیوں سے جو اس (بیدل) کے قریب زمانے میں موجود تھے، سنا گیا کہ بہت قوی تھا۔" نگار ص۱۸۱۔ آزاد جن کی پیدائش ۱۸۳۰ء کی ہے (نقوش شخصیات نمبر ص ۲۰) ایسے آدمیوں سے نہیں مل سکتے تھے، مگر آزاد کے نزدیک سال وفات ۱۱۹۳ھ ہے اور اس صورت

میں یہ مستبعد نہیں۔

(۱۹۵) بیدل کی قبر پران کا دیوان رکھا رہتا ہے نگار ص۱۸۱ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ زمانۂ آزاد میں یہ کیفیت تھی لیکن، اس سے بہت پہلے وہ مکان جہاں ان کا مزار تھا، "ویران محض" ہو چکا تھا (عقد ثریا ص۱۷)

(۱۹۶) "خان آرزو کے طرفدار، شاہ لدھا بلگرامی نے شیخ کے پاس جاکر بے اظہار نام یہ شعر بہانۂ اصلاح پیش کیا: "بتے دارم کہ باشد از حیا مشاطگی تنگش الخ" (سنگش ؟) شیخ نے مسکرا کر کہا کہ معلوم میشود کہ از کاسہ لیسان حرامزادۂ اکبرآبادیست"۔ نگار ص۲۱۴۔ (الف) سید لطف اللہ عرف شاہ لدھا بلگرامی (آزاد بلگرامی کے پیر) صوفی تھے، مگر ان کا شاعر ہونا ثابت نہیں۔ بتے دارم الخ کا مصنف نہ معلوم کون ہے (ب) شاعر بلگرامی (خال آزاد) کی تبصرۃ الناظرین سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ لدھا کی وفات ۱۱۴۴ھ میں ہوئی تھی (م ص۲۰۳)۔ حزیں، جیسا کہ نگار ص۲۰۳ میں ہے ۱۱۴۶ھ میں وارد ہند ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ ان کا حزیں سے ملنا ممکن نہ تھا (ج) حزیں و آرزو میں علمی و ادبی منازعہ تھا، آرزو نے کبھی دشنام طرازی سے کام نہیں لیا، کوئی وجہ نہیں کہ حزیں گالی گلوچ پر اتر آتے جناب ڈاکٹر انور سہائے انور نے جو آرزو پر ایک بسیط تحقیقی مقالے کے مصنف ہیں، معاصر حصہ ۱ ص۳۹ میں لکھا ہے کہ محسن (میر کا بھتیجا اور آرزو کے بھانجے کا بیٹا، یہ آرزو کا بڑا معتقد تھا) محاکمات الشعرا میں حزیں کا نام ہمیشہ احترام سے لیتا ہے، حزیں کا رویہ وہ رہا ہوتا جو آزاد کہتے ہیں کہ تھا، تو محاکمات میں اس کا ردّ عمل ضرور نظر آتا۔

(۱۹۷) آزاد رجم الشیاطین کے مطالعے کے مدعی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حزیں کی طرف سے آرزو کی تنبیہ الغافلین کا جواب ہے اور اس کے دیباچے میں ان کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہے: "یکے از جرگۂ حرامزادگان اکبرآباد" ص۲۱۳۔ جناب انور کا قول ہے کہ یہ نہ ہندوستان کے کسی کتب خانے میں ہے اور نہ کسی فہرست مخطوطات میں اس کا ذکر ہے۔ گمان غالب ہے کہ لکھی ہی نہیں گیا، حزیں اور آرزو کے جانبدار اور محسن اس سے بے خبر ہیں۔ تنبیہ کی اشاعت کے ۷ برس بعد آرزو نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ کسی ایرانی یا ہندوستانی نے اس کا رد نہیں لکھا (معاصر ۱ ص۳۷) میرے نزدیک یہ متیقن ہے کہ حزیں نے جو آرزو کو اپنا حریف نہیں سمجھتے تھے، تنبیہ کا جواب نہیں لکھا۔ صاحب صبح گلشن (اواخر مادۂ ۱۳) کا بیان ہے کہ رجم سیالکوٹی مل، وارستہ کی جانب سے آرزو کی کتاب کا جواب ہے (ترجمۂ وارستہ)۔ وارستہ آرزو پر اعتراض سے نہیں چوکتا، لیکن وہ ان کا احترام ملحوظ رکھتا ہے۔ اس کا شمار نصیریان حزیں میں بھی نہیں، خود اس نے حزیں پر اعتراض کئے ہیں (بہار عجم ا ص—)۔ وہ اگر تنبیہ کا رد لکھتا بھی تو اس کا نام رجم الشیاطین نہ رکھتا۔ یہ کتاب اگر وجود خارجی رکھتی ہے تو کوئی اور شخص اس کا مصنف ہے۔

(۱۹۸) دربارۂ آرزو بحوالۂ خزانۂ عامرہ: "باپ... اور ماں کی طرف سے محمد غوث گوالیاری سے سلسلۂ خاندان ملتا ہے"۔ نگار صفحہ ۲۱۲۔ خزانۂ عامرہ ص ۹۷ و ۹۸ میں صراحتًہ مرقوم ہے کہ آرزو کے والد کا سلسلۂ نسب کمال الدین خواہرزادۂ چراغ دہلی تک پہنچتا تھا۔ خود آرزو نے بھی یہی لکھا ہے (مجمع النفائس م و ۲۴۴)

(۱۹۹) "محمد شاہ.. خود اس کی ملاقات کو آیا، شیخ .. بوریے پر بیٹھا تھا، کنارہ اس کا اٹھا کر ایک قطعہ الماس بقدر کف دست نکالا اور سامنے رکھ کر کہا:

برگ سبزاست تحفۂ درویش　　　چہ کند بینوا ہمیں دارد

محمد شاہ نے چند مرتبہ کئی لاکھ روپیہ بنام ضیافت دینا چاہا، شیخ نے یہی کہا کہ بسیر ہندوستان آمدہ ام برائے گدائی نیامدہ ام" نگار صفحہ ۲۱۴۔ شجاع الدولہ آصف الدولہ کو ساتھ لے کر ملنے گیا اور اشرفیوں کے دو خوان پیش کئے، حزیں نے "پیش خدمت" کو اشارہ کیا کہ "چیزے برائے سرشار صاحبزادہ بیارید" وہ ویسے ہی ۱۱ خوان اشرفیوں کے لے آیا صفحہ ۲۱۵ بار یابان صحبت میں سے ایک کی زبانی روایت ہے کہ ایک حجرے سے جہاں بالکل روپے نہ تھے، اور یہ بات نوکر کو اچھی طرح معلوم تھی، روپے لانے کو کہا، وہ "چند توڑے" لے آیا صفحہ ۲۱۶ " تیخ .. قناعت اور پاس وضع میں لاثانی تھا۔ دربار محمد شاہی سے بھی اس کی مدد ہوتی تھی۔ امرائے عہد خصوصاً نواب اودھ و مرشد آباد و بہار و بنگالہ وغیرہ اس کی خدمت کرنے .. سعادت سمجھ کر خفیہ سلوک کرتے تھے۔ جہلا.. اسے دست غیب سمجھتے تھے" صفحہ ۲۱۶۔ (الف) محمد شاہ اور حزیں کی ملاقات نہیں ہوئی (عقد ثریا ترجمۂ حزیں) اور ہوتی بھی تو اتنا بڑا ہیرا حزیں کہاں سے لاتے کہ نذر کرتے۔ یہ بات نگار کے سوا کہیں اور نہیں ملتی (ب) "محمد شاہ نے چند . نیامدہ ام" اور "دربار محمد شاہ .. تھے" میں تناقض صریح ہے، مگر آزاد کو اس کا احساس نہیں (ج) حقیقت یہ ہے کہ مختلف ذرائع سے اس کی مدد ہوتی تھی، مگر نہ اتنی کہ اشرفیوں کے ۱۱ خوان نثار کرسکے۔ "دست غیب" کو خود آزاد نہیں مانتے۔ مجمع النفائس میں لکھا ہے کہ "عمدۃ الملک قریب۔ بیست لک دام جیّد از بادشاہ برائے او گرفتہ، پس بجمعیت گذرانید" و ۱۲۳ (د) "نواب.. بنگالہ" مرشد آباد بنگالہ میں شامل ہے، اس لیے آزاد کی عبارت درست نہیں۔

(۲۰۰) نگار بحوالۂ سیر المتاخرین: "بادشاہ نے بہت التجا سے وزارت تک دینی چاہی، مگر.. قبول نہ کی" صفحہ ۲۱۰ (الف) غلام حسین، مصنف سیر بقول خود ۱۱۴۰ھ میں متولد ہوئے تھے (سیر صفحہ ۹۴۰) اور جس وقت حزیں وارد ہند ہوئے، طفل مکتب نشین تھے، اگر وزارت اوائل ہی میں پیش کی گئی تھی، تو ان کی عمر ایسی نہ تھی کہ ذاتی علم سے اس کا ذکر کرسکیں۔ حملۂ نادری کے بعد کی بات ہے، تو اس وقت عمدۃ الملک (عمدۃ الملک وغیرہ کے ذریعے وزارت مکرر پیش کی سیر صفحہ ۹۱۵) خود خواہان وزارت

تھے، بلکہ محمد شاہ نے ان سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ مؤتمن الدولہ اپنے معتمد سے جو عمدۃ الملک کا ہم مذہب اور متوسل تھا، مشورہ کیا تو اس نے یہ جواب دیا: "ہر چند عمدۃ الملک امیر ابن الامیر صاحب جرات صائب تدبیر است، اما آصف جاہ و اعتماد الدولہ را جمیع اقویاے ہند بنظر امید سے بینند و اطاعت آنہا را سرمایۂ حصول مآرب ... خود میدانند۔ باعتماد امثال ما مردم بر ہم زدن اینہا جزم... دولت خواہ مقرون بصلاح نیست" (سیر ص ۱۸۹)۔ (ب) حزیں شاعر اور ذی علم شخص تھے، لیکن نہ خود انتظامی صلاحیت کا اظہار کر چکے تھے اور نہ ان کے خاندان کے ارکان تدبر اور ملک داری کے لیے شہرت رکھتے تھے؛ ایسے شخص کو وزارت پیش کرنا بعید دور از قیاس ہے۔ (ج) حزیں جس وقت دہلی پہنچے ہیں اعتماد الدولہ قمر الدین خاں (آصف جاہ کے رشتہ دار اور سمدھی) وزیر تھے، اور اواخر عہد محمد شاہ تک یہی اس عہدے پر رہے۔ یہ دونوں اس زمانے کے مقتدر ترین امیر تھے، ایک شاعر کے لیے جو ادبی حلقوں سے باہر چنداں شہرت بھی نہیں رکھتا تھا، ان دونوں سے بگاڑ مول لینا دیوانگی ہوتی (د) غلام حسین اور ان کے مقلدین کے سوا اس چپقلش کا کسی نے ذکر نہیں کیا اور میرے نزدیک اس کی کچھ اصل نہیں۔

سنٹرل ریکارڈ آفس کی اردو قلمی کتابیں

(جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی)

(۴)

(۲۰) طبقات الشعرا

نمبر (۸۲۷) سائز (۱۰ × ۶ ½) صفحہ (۲۶۴) سطر (۱۷) خط نستعلیق، کاغذ دیسی،
مصنف قدرت اللہ شوق، تاریخ تصنیف ۱۱۸۸ھ کتابت ۱۲۳۷ھ۔

قدرت اللہ نام شوق تخلص سنبھل کے نواح کے رہنے والے تھے۔ شاعری کی حیثیت سے ان کا نام مشہور نہیں ہوا بلکہ تذکرہ نگاری کے باعث شہرت حاصل کی۔ ان کو بچپن سے شعر و سخن کا شوق دامن گیر تھا اسی شوق کے مدنظر انھوں نے شعرا کے دیوان جمع کئے تھے اس مواد سے انھوں نے یہ تذکرہ قلمبند کیا جو اردو گو شعرا کا تذکرہ ہے۔ مصحفی کے زمانہ میں رام پور میں قیام کرتے تھے۔

آغاز:-

زبان کو حمد سے تیری جو بہرہ مند کیا — میں بہترین سخن پہلے یہ پسند کیا

عزیز ترین کلامیکہ آرائش سر نامہ سخن پیدا ئش دیباچہ ہر نو دکہن تواند شد حمد یست بیحد و ستائش است لا تعداد مر داوری راکہ فہرست قصیدہ موجودات و دیباچہ جریدہ کائنات احسن صفات نظم ساخت۔

یہ بھی اردو شعرا کا ایک تذکرہ ہے جو فارسی میں لکھا گیا ہے۔ اور اس میں مختصر حالات کے ساتھ نمونہ کلام بھی پیش کیا گیا ہے شوق نے کتاب کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے اور چوتھے طبقہ کو پھر پانچ مقالوں میں منقسم کیا ہے امیر خسرو سے لے کر مولف نے اپنے زمانہ تک کے شعراء کے حالات اور نمونہ کلام درج کیا ہے۔ طبقات کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

طبقہ اول شعرائے دکھنی و بعض معاصر	اس میں ۲۲ شعرا کا تذکرہ ہے
طبقہ دوم شعرائے ایہام گو	اس میں ۲۱ شعرا کا حال ہے
طبقہ سوم شعرائے متاخرین	اس میں ۱۷ شعرا کا تذکرہ ہے
طبقہ چہارم بعض نومشاق و تازہ گویان۔	

یہ نسخہ سید محمد علی ملیح آبادی کا لکھا ہوا ہے، انہوں نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔
"سید محمد علی ملیح آبادی نے ایک کرم خوردہ نسخہ سے ۲۲ یوم میں نقل کرکے اپنے خانگی کتب خانہ میں داخل کیا اور اصل نسخہ سے اس کی صحت بوجہ عجلت نہ ہو سکی اور اس کی صحت کسی صحیح نسخہ کے دستیاب ہونے پر منحصر رکھی۔"
یہ بھی واضح رہے کہ اصل نسخہ جس سے اس نسخہ کو نقل کیا گیا ہے وہ رجب سنہ ۱۲۰ھ کا لکھا ہوا تھا جو کرم خوردہ تھا۔ اس کے بعد اس نسخہ کی صحت دار المصنفین اعظم گڈھ کے مملوکہ نسخہ سے کی گئی ہے چنانچہ حسب ذیل عبارت درج ہے۔

دار المصنفین اعظم گڈھ کے نسخے سے مقابلہ وصحت کی گئی۔

اصل مخطوطہ کا اختتام حسب ذیل ہے۔

چوں این نسخۂ طبقات الشعرا، باعانت ایزدی وبرہنمون شوق کہ راہبر جمیع مقاصد است، دلچسپ فرمائش بعض اعزہ کہ فن شعر ریختہ را باوجود دیجانی عزیز از جان می داشتند باتمام رسید۔ وحدت اختتام یافت۔
"بعنوان ملک الوہاب نسخۂ طبقات الشعرا بموجب فرمائش خان برہان دوست محمد خان خلف الصدق خان صاحب نصرت خان حاکم بخط بندہ احقر العباد فیض علی بتاریخ نہم رجب سنہ ۱۲۰ھ بروز پنجشنبہ وقت سہ پہر"
"سید محمد علی ملیح آبادی نے ایک کرم خوردہ نسخہ سے ۲۲ یوم میں نقل کرکے اپنے خانگی کتب خانہ میں داخل کیا اور اصل نسخہ سے اس کی صحت بوجہ عجلت نہ ہو سکی اور یہ صحت کسی صحیح نسخہ کے دستیاب ہونے پر منحصر رکھی۔
فقط ۹ ماہ رمضان سنہ ۱۳۲۷ھ محلہ حسینی علم
محمد علی صاحب کی اس خواہش کی تکمیل زمانہ مابعد اعظم گڈھ کے نسخہ سے کرلی گئی ہے۔"

سوانح عمری

(۲۱) بوستان شہادت

نمبر (۱۱۱۵) سائز (۱۱½ × ۷½) صفحہ (۷۵) سطر (متن ۱۳) حاشیہ (۲۴) خط نستعلیق، کاغذ دیسی
مصنف۔ سید احمد تصنیف سنہ ۱۲۵۴ھ، کتابت ۵۔ صفر ۱۲۹۳ھ
مصنف کا تعلق مدراس سے تھا، ان کے والد کا نام سید درویش تھا علماء کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قاضی بدر الدولہ کے شاگرد تھے۔ شاعر بھی تھے۔ اپنے استاد اور مولانا باقر آگاہ کے تصانیف سے استفادہ کرکے یہ کتاب لکھی ہے۔
مدراس کے اکثر سنی علماء نے واقعات شہادت پر کتابیں لکھی ہیں چنانچہ مولانا باقر آگاہ اور مولوی محمد صبغۃ اللہ

وقاضی ثناء اللہ وغیرہ نے بھی اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں یہ دونوں بزرگ سنی تھے۔

آغاز:-

" حمد وثنا اس خالق بے پروا کو سزاوار ہے کہ جس نے قضا و قدر کے آگے انبیاء اپنے سروں کو تسلیم کر دئے اور جس کی بندگی کے لئے تمامی موجودات سربسجود ہو گئے۔"

اس کتاب میں شہادت حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کے حالات کو چھ فصلوں میں بیان کیا گیا ہے آخر میں فائدہ کے عنوان کے تحت کئی امور لکھے گئے ہیں۔ خاتمہ پر مولف نے اپنا ایک مرثیہ اور مولانا باقر آگاہ کی کتاب ریاض الجنان کا ایک اقتباس بھی شامل کیا ہے۔ مولف کا بیان ہے کہ ۱۲۵۴ھ میں اس نے اس کو شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتاب سے توجیہ کیا ہے اور دوسری کتابوں سے اس میں اضافہ کیا ہے۔

پہلی فصل میں وہ حدیثیں ہیں جو امام حسینؑ کی شان میں روایت کی گئی ہیں۔

دوسری فصل میں اصحاب رسول صلعم جو تعظیم وتکریم امام حسینؑ کی کرتے تھے اس کا تذکرہ ہے۔

تیسری فصل میں امام حسینؑ کا مدینہ سے مکہ کو جانا۔ چوتھی فصل میں کوفیوں کا امام حسینؑ کو خط لکھنا۔ پانچویں فصل میں امام حسینؑ کا مکہ سے کوفے کے لئے روانہ ہونا اور چھٹی فصل میں شہادت امام حسین علیہ السلام کا ذکر ہے۔

اختتام:-

"اور بیہقی کہتا ہے کہ سندان حدیث کے سب کے سب ضعیف ہیں لیکن جب بعض سندان اس حدیث کے بعضے سندوں سے ملایا جاوے تو ایک نوع کا قوت اس کو پیدا ہوتا ہے۔ اور انکار کرنا ابن تیمیہ کا اس حدیث کو فقط وہم ہے۔ واللہ اعلم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔"

خاتمہ:-

"ایک کتاب بوستان شہادت است، کاتب فقیر حقیر کثیف وخیف نصیر الدین پنشنر خوار برائے خواندن برخوردار محی الدین شریف منشی علاقہ نظام الملک بہادر۔ وصفر المظفر تاریخ پنجم بوقت ظہر اتمام رسید ۱۲۹۲ھ اگر کسے دعوی کند باطل است۔"

(۲۲) سوانح عمری نواب محمد اسمٰعیل خاں

نمبر ۱۰۳۵۳ سائز (۱۰ × ۷½) صفحہ (۵۷) سطر (۱۷) خط نستعلیق کاغذ ولایتی

مصنف سید عبدالرزاق، تاریخ تصنیف ۱۹۰۶ء کتابت ۱۹۳۰ء۔ مصنف بہار کے رہنے والے تھے صاحب علم وفن تھے اور تاریخ سے شغف رکھتے تھے۔

آغاز:- "راقم کو نواب محمد اسماعیل خان کی زندگی کے حالات لکھنے کا اس وقت خیال

ہوا تھا جب کہ میجر ولیم ہیگ صاحب بہادر حال رزیڈنٹ حیدر آباد دکن حسن اتفاق سے یہاں برار میں تشریف رکھتے تھے۔ اور برار کی قدیم تاریخ سے آپ کو خاص الفت تھی۔"

اس کتاب میں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے محمد اسمٰعیل خاں بہمنی کے حالات درج ہیں، وہ آصفی دور میں برار کا صوبہ دار تھا۔ اور شجاعت اور دلیری میں نام آور تھا۔ اس نے مرہٹوں کی جنگوں میں داد شجاعت دی تھی۔ اس کتاب میں اسمٰعیل خاں کی اولاد کا تذکرہ بھی ہے۔ محمد صلابت خاں بڑے فرزند تھے۔ جو باپ کے بعد برار کے صوبہ دار بنائے گئے۔ محمد بہلول خاں دوسرے فرزند تھے جو اورنگ آباد کے صوبہ دار بنائے گئے تھے۔

اختتام:-

"محمد اسمٰعیل خاں کے خاندان میں صلابت خاں کے بعد مشہور نواب نامدار خاں اور محمد ابراہیم خاں بالترتیب مسند حکومت پر متمکن ہوئے۔ محمد داور خاں اور محمد یونس خاں اس خاندان کے دو نشانیاں ایلچ پور میں موجود ہیں دونوں بھائی ستودہ صفات ہیں۔ خدا ان نشانیوں کو تادیر قائم رکھے۔ خاندان امارت کی یادگار رہیں۔"

یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔ قلمی نسخہ مطبوعہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہے۔

(۲۳) حالات محبوب علی خاں

نمبر (۱۹۱۷) سائز (۱۴×۹) صفحہ (۲۳) سطر (۱۸) خط نستعلیق کاغذ ولایتی، مصنف نامعلوم تاریخ تصنیف ۱۳۰۷ھ تاریخ کتابت درج نہیں،

آغاز:-

"ولادت میر محبوب علی خاں بہادر پنجم شہر ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ م ہفدہم اگست ۱۸۶۶ء م دوم مہر ۱۲۷۶ ف ہفتم سال شدی ۱۲۸۸ سمت روز جمعہ بوقت شب جس کے صبح میں روز شنبہ تھا عشرت محل شاہی میں تولد ہوئے۔

اس کتاب میں حضور نظام آصف جاہ ششم کے حالات پیدائش سے لے کر ۱۳۲۲ھ تک لکھے گئے ہیں۔ حالات کو صحت کے ساتھ لکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اس میں سیاسی اور ذاتی حالات دونوں شامل ہیں حالات کو سنہ ہجری کے لحاظ سے لکھا گیا ہے۔ ابواب اور فصل میں کتاب تقسیم نہیں ہے۔ اس ضمن میں قطب شاہی دور کی تعمیرات، پرانا پل۔ چار مینار شہر حیدر آباد کے بننے کے تاریخی قطعے بھی درج کئے گئے ہیں، اور آصف جاہوں کے بعض ابتدائی حالات بھی درج ہیں۔

[illegible]
۱۷ر شعبان ۱۰۳۶ھ روز یک شنبہ شب کے [illegible] بجے انتقال [illegible] اور تاریخ ۱۰۳۶ھ روز دو شنبہ [illegible] مسجد میں دفن ہوا۔"

نظم

(۲۴) کتاب نورس

نمبر (۸۱۳۸) سائز (۹×۶) صفحہ (۲۷) سطر (۷) خط نسخ، کاغذ دیسی، جدول طلائی۔

مصنف سلطان ابراہیم عادل شاہ بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کا حکمراں ہے جو ۹۸۸ھ میں مسند نشین ہوا اور جس نے ۴۹ سال کی طویل حکمرانی کے بعد ۱۰۳۷ھ میں انتقال کیا۔ وہ بیجاپور میں مدفون ہے۔

سلطان ابراہیم علوم و فنون کی سرپرستی کی وجہ سے خاص طور پر مشہور رہے اس کے علمی ذوق و شوق اور دلچسپی کے باعث بڑے بڑے علما و شعرا اس کے زمانے میں بیجاپور میں جمع ہو گئے تھے، سلطان خود بھی صاحب علم اور با ذوق شاعر تھا۔ ابراہیم اس کا تخلص تھا۔ فارسی اور دکھنی (قدیم اردو) میں شعر کہتا تھا۔

موسیقی سے اس کو دلی رغبت تھی اس زمانہ کے مشہور گویے بیجاپور میں جمع تھے۔ زیر بحث مخطوطہ بھی اسی ذوق موسیقی کی زندہ یادگار ہے۔

سلطان کو لفظ نورس سے بڑا انس تھا۔ چنانچہ ۱۰۰۸ھ میں نورس کے نام سے اس نے ایک قلعہ بنایا۔ ۱۰۱۳ھ میں شہر نورس پور کے نام سے ایک شہر آباد کیا۔ شاہی مہر پر لفظ نورس کندہ تھا۔ سکہ پر نورس مضروب تھا۔ درباری شاعر عبدالقادر کو نورسی تخلص عطا کیا تھا۔ ہر سال ایک جشن نورس کے نام سے کیا جاتا تھا۔ اسی مناسبت سے سلطان نے اپنی تصنیف کا نام بھی نورس رکھا۔

سلطان کا مرتبہ شعر و سخن میں کافی بلند تھا نورس سے اس کے اعلیٰ تخیل اور فطری شاعر ہونے کا بخوبی ثبوت ملتا ہے جس طرح سلطان محمد قلی کا مرتبہ شعر و سخن کے لحاظ سے نہایت بلند اور ارفع و اعلیٰ ہے اسی طرح بیجاپور کا سلطان ابراہیم بھی اپنی شاعری کے لحاظ سے قابل ستائش قرار پاتا ہے۔

آغاز:-

نورس سور جگ جگت جوتی [illegible] … پوست سرستی ماتا ابراہیم کی دوتی

در مقام دعوت؟

[illegible] … [illegible]

[illegible] … [illegible]

نورس میں چھ راگ، راگنیوں کی تفصیل یا ان کے قواعد و ضوابط اور تشریح اور اقسام وغیرہ درج نہیں ہیں بلکہ بعض راگوں کے تحت گانے کے لئے گیت لکھے گئے ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب (لکھنؤ یونیورسٹی) نے اس کتاب پر تفصیلی کام کیا ہے اور متعدد مضمون قلمبند کئے ہیں۔ ان کی کتاب "تحقیقی مطالعے" میں دو تین مضمون نورس پر موجود ہیں اس کے علاوہ حال میں کتاب نورس کے نام سے اس کو شائع بھی کر دیا ہے۔

اختتام:-

شادی عنبر بتیاں بھرائے شربت گھول امرت پلائے
بادل دمامے بجلیاں بجاوے باجی خالو شاہ بلی آنے پاوے
سہنا نورس کلیاں بدھاوے
ابراہیم گر کنٹھ لگاوے

خاتمہ:-

کمترین شاگرد عبدالطیف مصطفٰی "

عبدالطیف عادل شاہی دور کا مشہور خطاط تھا یہ نسخہ کئی وجوہ سے قابل قدر ہے کیونکہ یہ عادل شاہی کتب خانہ کا نسخہ ہے اور اس پر بادشاہ کی مہر بھی ہے۔ نہایت خوش خط ہے ابراہیم عادل شاہ کا دستخط بھی اس نسخہ پر ثبت ہے۔

اس نسخہ کے پہلے ورق پر حسب ذیل عبارت درج ہے۔

(۱) کتاب نورس نوشتہ اشرف اقدس وارفع ظل اللہ۔

(۲) کتاب نورس دو قلمی عبدالطیف جلد از دیا ترنج و برگ طناب و زنجیرو ملا نوشتہ اوراق چہل جمع کتاب خانہ عامرہ شدہ بتاریخ دو محرم ۱۰۲۲ھ۔

تحقیق نذر ہے کہ سنہ کے ساتھ لفظ (ھ) نہیں ہے۔ صرف ۱۰۲۲ھ لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

آخر پر سلطان کا دستخط (عالم) ہے اور مہر میں حسب ذیل عبارت ہے۔

" مہر ابراہیم عادل تبدیل ۹۸۸"

"نورس" وہ کتاب ہے جس کا مقدمہ فارسی کے مشہور شاعر ظہوری نے قلمبند کیا ہی اور یہ سہ نثر ظہوری میں شامل ہے۔

"نورس" کی تصنیف کے متعلق ڈاکٹر نذیر احمد نے تفصیلی بحث کی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ظہوری کا ورود بیجاپور ۱۰۰۴ھ کے قبل ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کتاب نورس کی تکمیل ۱۰۰۴ھ و ۱۰۰۵ھ کے

درمیان میں وہ لائبریری کے کتابے کے ہوا اس کو اس کام پر متعین کیا گیا تھا ہمارے خیال میں ۱۰۲۰ھ میں اس کتاب کی تصنیف ہونا قرین قیاس ہے۔ کیونکہ لفظ "نورس" کی ابتدا سلطان نے اسی سنہ سے کی ہے۔
نورس کے حسب ذیل قلمی نسخوں کا پتہ چلا ہے۔
(۱) عجائب خانہ حیدر آباد، ایک نسخہ (۲) کتب خانہ سالار جنگ۔ وعجائب خانہ سالار جنگ چار نسخے (۳) کتب خانہ مرزا احسن علی خاں حیدر آباد ایک نسخہ (۴) کتب خانہ آغا حیدر حسین حیدر آباد ایک نسخہ۔
(۵) بمبئی میوزیم (۶) پٹنہ لائبریری ایک نسخہ۔

(۲۵) نورس فوٹو

نمبر (۱۰۸۵) سائز (۶×۹) صفحہ (۷۲) سطر (۷)
یہ نسخہ صدر الذکر کا فوٹو ہے جو دفتر ہذا میں تیار کیا گیا ہے۔

(۲۶) نورس اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ

نمبر (۱۰۲۵) سائز (۹ × ۵½) صفحہ (۴۴) سطر (۹) خط نستعلیق
یہ نسخہ جیسا کہ نام سے واضح ہے پٹنہ کی لائبریری کی نقل ہے جس کو ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے نقل کیا ہے۔

آغاز:-
نورس کا دیپت کنی کن کہے تھے   جم جم جیو آتش خان پیدامت تھے
اصل دکھنی شعر کے نیچے فارسی میں اس کو لکھا گیا ہے۔

اختتام:-
ایک کر پھر اردن دم تن جو کہنی تا سی   غال دیکھی جیو پیو کب ارے منج پاسی

خاتمہ:-
کتبہ العبد الفقیر الحقیر محمد باقر۔ کتبہ ہذا ترجمہ (ڈاکٹر) نذیر احمد ۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء مطابق محرم ۱۳۷۲ھ

(۲۷) کلیات شاہی

نمبر (۱۷۷) سائز (۹×۵½) صفحہ (۲۳۸) سطر (۷) خط نسخ جدول طلائی۔ کاغذ زرافشانی۔
مصنف علی عادل شاہ ثانی۔ تاریخ تصنیف مابعد ۱۰۶۸ھ سنہ کتابت درج نہیں۔
ناقص الاول۔
سلطان علی عادل شاہ ثانی ۱۰۴۸ھ میں تولد ہوا۔ محمد عادل شاہ ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ کا چشم و چراغ

تھا۔ اس کی پرورش اس کی ماں سلطان محمد عادل شاہ کی بڑی صاحبہ کی زیر نگرانی ہوئی۔ یہ خاتون عبداللہ قطب شاہ کی بیٹی اور محمد عادل شاہ کی بیوی تھی سلطان علی باپ کی وفات پر ۱۰۶۶ھ میں تخت نشین ہوا اور ۲۱ سال کی حکمرانی کے بعد تینتیس سال کے سن میں ۱۰۸۳ھ میں اس نے انتقال کیا۔ وہ بیجاپور میں مدفون ہے۔

سلطان کو اس کے اجداد کی طرح علوم و فنون کے ساتھ بڑی دلچسپی تھی شعر و سخن کا خاص مذاق رکھتا تھا اس کے زمانے میں گھر گھر مشاعرے ہوتے تھے۔ قدیم اردو (دکھنی) زبان کے بڑے بڑے شعرا اس کے دربار میں جمع تھے، ان میں سے نصرتی، ہاشمی، مرزا وغیرہ مشہور ہیں، سلطان کو فنون سپاہ گری میں بھی کمال حاصل تھا بہ نفس نفیس کئی معرکے سر کئے تھے مغلوں سے کئی لڑائیاں ہوئی تھیں، سلطان کے مقابلہ میں ان کو کبھی کامیابی نہیں ہوئی۔

اس کو اپنے دادا ابراہیم عادل شاہ ثانی کی طرح شاعری کے ساتھ موسیقی میں بھی دست رس تھا۔ تصوف کا بھی ذوق تھا۔ سید شاہ حبیب اللہ بیجاپوری نے اپنے ملفوظات میں سلطان کی تعریف فرمائی ہے۔ سلطان کے کلیات اور اس کے تفصیلی حالات ہمارے دوسرے مضامین میں درج ہیں۔

آغاز:۔

....

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل — عقل علم اپنی قصہ سکھا یا کہیں
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے — عقل کا جا جوس ہو کھ پہ اچھے یو کرن
عقل لے کوئی چتے نم دھر ہو رکئی — عقل کون اوصات کا لے کے پہنائے برن

اس میں چھ قصیدے، تین مثنویاں، انیس غزلیں، ایک مخمس ایک مثمن ایک مرثیہ، بیس راگ۔ ایک رباعی، چھ فرد، چار گیت، دو فارسی تاریخیں چار دوہرے اور ایک پہیلی شامل ہیں۔ قصیدوں اور مثنویوں کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) قصیدہ حمد میں ہے (۲) نعت پیغمبر اسلام صلعم (۳) منقبت حضرت علیؑ (۴) منقبت دوازدہ امام (۵) تعریف حوض و علی داد محل و باغ (۶) چار درچار تین مثنویوں میں سے ایک مثنوی جو (۷۲) شعر کی ہے خبرنامہ سے موسوم کی گئی ہے، باقی دو چھوٹی مثنویاں۔

فارسی تاریخوں میں ایک شرف برج کی تعمیر سے متعلق ہے جو ۱۰۸۰ھ میں تعمیر ہوا ہے اور دوسری بادشاہ محل کی تعمیر سے متعلق ہے جو سنہ ۱۰۷۹ھ میں تعمیر ہوا ہے۔ زیر بحث مخطوطہ ناقص الاول ہے یعنی پہلا صفحہ نہیں ہے۔

سلطان علی عادل شاہ کے کلام کو جمع کرنے کا کام اس کے ایک مصاحب

ذوق صاحب ابوالمعانی کے سپرد تھا۔ کوئی تعجب نہیں کہ یہ نسخہ وہی ابوالمعانی کا مرتب کیا ہوا نسخہ ہو کیونکہ مولوی کا غذ اور پاکیزہ تحریر اور شان دار خط وغیرہ اس پر دلالت کرتے ہیں جو شاہی نسخہ ہو سکتی ہے

اختتام یہ

میانے ملائے بہر رئیس — اس پاس بہوت [illegible]

(فارسی)

سزد شہ نشین این محل راجو تخت — دہر زہرہ را رہت مکان نور و بخت

فزوں باد عشرت دریں بزم گاہ — کہ باشد ہمیشہ خلائق پناہ

یہ کتاب اس وقت تک شائع نہیں ہوئی ہے، کسی اور نسخہ کا پتہ نہیں چلا اس لیے یہ نسخہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔

(۲۸) مجموعہ فصاحت

نمبر (۹۳۰) سائز (۱۰ × ۵½) صفحہ (۵۹۲) سطر (۱۴) خط نستعلیق کاغذ دیسی، مصنف شاہ تجلی علی تجلی تاریخ تصنیف ۱۲۱۶ھ سنہ کتابت ندارد۔

تجلی علی شاہ نام اور تخلص تجلی۔ امرائے دربار آصفی سے تھے۔ آصف جاہ ثانی میر نظام علی خان مرحوم (۱۱۷۳ھ تا ۱۲۱۸ھ) کے سفر و حضر میں ہمیشہ ساتھ رہتے تھے مسلمہ علمی قابلیت رکھتے تھے۔ دکن کی تاریخ تزک آصفیہ کے نام سے انھوں نے مرتب کی ہے، یہ معتبر اور مستند مانی جاتی ہے۔ شاعری کا خاص مذاق تھا۔ فارسی اور اردو میں شعر کہا کرتے تھے۔ تجلی کی تاریخ اس لئے قابل اعتماد ہے کہ اکثر واقعات انھوں نے چشم دید لکھے ہیں۔ ان کا مرتبہ شاعری کے لحاظ سے بھی بلند ہے۔ ان کے قصائد و غزلیات سے ان کے بلند پایہ شاعر ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ تصوف سے ذوق تھا۔ صوفی کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے تجلی علی شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

آغاز یہ

"معتوشح کلام بلاغت آغاز فصاحت انجام سخن آفریں را سزد کہ نظم توشیح اجرام افلاک و نثر [illegible] خطوط افلاک بہرورے قیام حکمت بالغہ او خاصہ گلگون و رباعی عناصر موجودات مقابل [illegible] [illegible] موزون حکیمی کہ تا [illegible] کارگاہ اضافہ این عالم [illegible] و دخل چنان آراستہ [illegible] عالم ایجاد حضرت بعجز و قصور......"

مجموعہ فصاحت میں مدار سلطنت جاہ اعظم الامراء دیوان آصف جاہ کی مدح میں مختلف شعراء نے جو قصیدے قطعے رباعیں وغیرہ کہی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ کتاب کا بڑا حصہ اردو میں ہے

کچھ فارسی کلام بھی شامل ہے مجموعہ فصاحت میں قصائد اور قطعات کو شعراء کے تخلص کے لحاظ سے ردیف وار ترتیب دیا گیا ہے۔ زیر بحث مخطوطہ پہلی جلد ہے اس میں ردیف الف سے ص تک قصائد وغیرہ شامل ہیں ردیف ض سے ی تک دوسری جلد ہے مگر وہ اس کتاب خانہ میں موجود نہیں ہے۔

اس مجموعہ کی ابتدا ایک طویل دیباچہ سے ہوئی ہے۔ جو فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب اسمٰعیل یار جنگ بہادر کی فرمائش پر مرتب کی گئی تھی۔ اسمٰعیل یار جنگ بھی ایک جاگیردار اور امیر تھے۔

معلوم ہوتا ہے تجلی اس کو مرتب کر رہے تھے اور دیباچہ بھی لکھ دیا تھا مگر کتاب ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کے مرنے کے بعد کتاب مکمل کی گئی ہے۔ اس کے مرتب ہونے کی کئی تاریخیں بھی نکالی گئی ہیں۔ مگر ان تاریخوں کے مصنف کا نام معلوم نہیں ہوتا۔ تاریخ یہ ہے۔

ریاض قصائد	قصائد اعظم	دفتر وصف وزیر قابل
۱۲۱۶ھ	۱۲۱۶ھ	۱۲۱۶ھ

زیر بحث مخطوطہ میں (۷۷) شعراء کا کلام شامل ہے۔ بلحاظ ترتیب ردیف ان کی تعداد ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

الف ۱۹ شعرا۔ ب ۳ شعرا۔ ت ۵ شعرا۔ ث ایک شاعر۔ ج ۵ شعراء
ح ۶ شعرا۔ خ ۲ شعرا۔ د ۲ شعرا۔ ذ ۲ شعرا۔ ر ۴ شعرا۔ س ۳ شعراء
ص ۱۸ شعرا۔ ش ۷ شعرا۔ ص ۲ شعرا۔

جیسا کہ تذکرہ کیا گیا ہے ارسطو جاہ ۱۱۹۵ھ سے ۱۲۱۹ھ تک نواب نظام علی خاں آصف جاہ کے دیوان تھے۔ وہ تادم زیست اس جلیل القدر خدمت کو انجام دیتے رہے۔ غلام رشید خاں نام اور مشیر الدولہ مشیر الملک اعظم الامراء ارسطو جاہ وکیل مطلق دولت آصفیہ کا خطاب تھا۔ ارسطو جاہ کی شخصیت تاریخ دکن میں خاص حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ وہ نازک وقت تھا جب ایک طرف فرانسیسی طاقت برطانوی سلطنت سے متصادم ہو رہی تھی اور دوسری طرف پیشوا اور ٹیپو سلطان سے متعدد معرکے ہو رہے تھے۔ ارسطو جاہ انگریزوں کے طرفدار تھے۔ آصف جاہ اور پیشوا میں جو لڑائی بمقام کردلہ ہوئی اس کی پاداش میں مرہٹوں نے ان کو پونہ میں نظر بند کر دیا تھا مگر یہاں انھوں نے ایسی سیاسی الٹ پھیر کی کہ مرہٹوں کی دو پارٹیوں میں پھوٹ ڈال دی اور انجام کار ملک کا ایک بڑا حصہ نظام کو واپس ملا اور وہ سرخ رو پونا سے واپس آئے۔

۱۲۱۹ھ میں ارسطو جاہ کا انتقال ہوا۔ دائرہ میر محمد مومن، حیدر آباد میں دفن ہیں۔ ارسطو جاہ کی علمی قابلیت مسلمہ تھی۔ عربی و فارسی میں بڑی اچھی مہارت رکھتے تھے۔ علم دوستی و علماء و شعرا کی سرپرستی

کے جوہر سے کمالات تھے۔ شعر و سخن کے ساتھ موسیقی سے بھی دل چسپی تھی، کئی ماہرینِ موسیقی ان کی سرکار میں ملازم تھے۔ پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے ایک کتاب ان کے حالات میں لکھی ہے اسے ادارہ ادبیاتِ اردو نے شائع کیا ہے۔

خاتمہ:-

"باقبال داور کامل جلد اولی از قصائد حمیدہ نواب ارسطو جاہ زاد اللہ عمرہ و

۱۲۱۶

اقبالہ در سال سعد بنیاد ایک ہزار و دوصد و شانزدہ بحصول آہنی یہی (؟) حسن ارقام

۱۲۱۶ ۱۲۱۶

یافت، یارب ایں مجموعہ را تو نامی کن ۔ تمت الحمد اللہ"

۱۲۱۶

اس عبارت میں کئی جگہ جملہ سے تاریخ اختتام (۱۲۱۶) نکالی گئی ہے۔ مجموعہ فصاحت کا ایک مکمل نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں اور ایک نسخہ نواب سالار جنگ کے کتب خانہ میں موجود ہے؛ اب تک یہ کتاب شائع نہیں ہوئی ہے۔

(۲۹) دھرو نیلا

نمبر (۶۴۹) سائز (۱۰×۶) صفحہ ۳۲ سطر (۱۱) خط نستعلیق کاغذ دیسی، مصنف نامعلوم،
تاریخ تصنیف مابعد ۱۲۵۰ھ کتابت ۱۸۵۴ء ۱۹۱۱ سمت۔

آغاز:-

ایک راجا تھا اجودھیا میں عجب — جس سے پاتے تھے جہاں میں فیض سب
تھا وہ راجہ، تھا سبھی کچھ اس کے گھر — کیا جواہر، لال اور کیا مال و زر
فوج بھی گھوڑے شتر تھے بے شمار — لاکھوں پیادہ تھے ہزاروں تھے سوار

اس مثنوی میں ایک فرضی قصہ نظم کیا گیا ہے ایک راجہ تھا، اس کے کوئی اولاد نہیں تھی، رانی نے چاہا کہ اولاد کے لئے دوسری شادی کی جائے، راجا راضی نہیں ہوا آخر دوسری شادی کی اور اس رانی سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، لیلی نام رکھا ایک دوسرے راجہ نے فوج کشی کی مگر لیلی کو پا نہ سکا کیونکہ وہ رام میں واصل ہو گئی۔

اختتام:-

"ہے یہ غفلت بر ملا دے دھرو ملا — نام میں اس کے سبھی کا ہے بھلا

تام یہ ہرگز گدانا ہی نہیں   اس سوا کوئی سہارا [illegible]

خاتمہ:-

الحمد للہ کہ قصہ عجیب و فسانہ غریب بہ اسم دھرو نیلا منی ساکن سدی سمت 1911 [illegible]

(۳۰) انتخاب کلام نظیر

نمبر (۱۱۲۳) سائز (۸½×۶) صفحہ (۵۹) سطر (۱۳) خط نستعلیق، کاغذ دیسی،

مصنف نظیر اکبرآبادی، تاریخ تصنیف ندارد، تاریخ کتابت ندارد۔

نظیر اردو کا وہ مشہور شاعر ہے جس نے عوام کے لئے شاعری کی تھی۔ آگرہ کا رہنے والا تھا اور وہاں ہی انتقال ہوا۔ نظیر کا کلام متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

آغاز:-

چند اشعار مناقب نامن تصنیف از کتاب حضرت سید افتخار علی شاہ قادری سلمہ اللہ تعالیٰ نقل گرفتہ شد۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گر شاہ سر پہ رکھ کر افسر ہوا تو پھر کیا   اور بجز سلطنت کا گوہر ہوا تو پھر کیا
ماہی علم مرتب پر زر رہا تو پھر کیا   نوبت نشان نقارہ در پر ہوا تو پھر کیا
سب ملک سب جہان کا سرور ہوا تو پھر کیا

اس رسالہ میں نظیر کا کچھ کلام جمع کیا گیا ہے۔ جو مختلف نوع کا ہے۔ اس میں غزل مخمس وغیرہ شامل ہیں۔

اختتام:-

دیکھ تو اس کو آنکھ اٹھا کر تیرے میں وہ ظاہر ہے
اول عارف ہوئے کامل دیکھ، قدرت قادر ہے
باطن میں وہ باطن ہے کا ظاہر میں وہ ظاہر ہے
آپ ہی عالم آپ ہی فاضل آپ ہی عارف شاعر ہے
شاہ ہو کر نام سنا کر دنیا میں بریان ہوا
اپنی کو اوس نے آپ ہی دیکھا ظاہر [illegible]

تصوف، اخلاق وغیرہ

(۳۱) تحفۂ دکھنی (تحفۃ النصائح)

نمبر (۴۹۹) سائز (۹×۶) صفحہ (۱۱۰) سطر (۱۵) خط نسخ معمولی کاغذ دیسی۔

مصنف رازی دکھنی، تاریخ تصنیف ۱۱۰۵ھ سنہ کتابت نہ دارد۔

رازی یا راضی اس کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہیں۔ اس کا اصلی نام معلوم نہیں ممکن ہے قطب الدین یا قطب احمد نام ہو، اس کے مرنے کا سنہ بھی معلوم نہیں، البتہ اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں موجود تھا۔ وہ شاہ ابوالحسن کا مرید اور خلیفہ تھا۔ شاہ ابوالحسن اس دور کے ایک صوفی بزرگ اور شاہ حیدر ثانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ وہ شاہ ابوالحسن خاموش کے لقب سے مشہور تھے۔

تحفۂ دکھنی کا نام تحفۃ النصائح بھی ہے، یہ اسی نام کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ رازی نے اس کو اپنے مرشد کے ایما سے دکھنی میں ترجمہ کیا ہے۔

آغاز:۔

"بولوں صفت ہیں بے گنت اس خالق جن و بشر　　نو دھار کر اسمان رکھیا سورج ستارے ہور چندر
دی یو بزرگی عرش کون پنکھے اوڑے بکیا یے نے　　چون برق بر ساچہار سو اپڑے ہزان پایا دگر"

یہ کتاب تصوف اور عقائد کے مسائل پر مشتمل اور شاہ یوسف راجو حسینیؒ (والد خواجہ بندہ نوازؒ) کی فارسی کتاب تحفۃ النصائح کا دکھنی ترجمہ ہے، اس کے پینتالیس باب ہیں چند ابواب یہ ہیں۔ توحید۔ ایمان عقائد۔ عمل و علم و تعلیم۔ نماز۔ زکاۃ۔ روزہ۔ حج۔ تلاوت قرآن۔ نکاح۔ آداب طعام۔ آداب جامہ۔

شاہ یوسف راجو حسینیؒ نے تحفۃ النصائح اپنے فرزند سید محمد گیسو درازؒ کے لئے تصنیف فرمائی تھی۔ دکھنی مترجم نے اشعار کی تعداد، تاریخ ترجمہ وغیرہ کو نظم کر دیا ہے چنانچہ کہتا ہے:۔

بیتاں کیا سب سات سو ہور چار بیں ہور چھے ادک

چالیس پر بھی پانچ ہیں یا ہان تون گن لے گیان دھر
سب سات سو پانچ ہور نود ہجرت ہیواں سال تھا
دسواں ربیع الآخر تھا وقت صبحن دن تھا جمعہ
تحفہ اصل یہ فارسی سب ترجمہ دکھنی ہوا
صاحب سو دیتا دین کے شاہ ابوالحسن فرمان پر
بندیاں میں سب کمتر رہے راضی تخلص قطب کا
تحفہ کیا دکھنی زبان شہ کی رضا لے سیں دھر
بندہ تو سب پر عیب ہے چون شاہ بخشے عیب تو
بندہ نوازی شاہ تو اور عیب ہوئیں سب ہنر

ہجرت دس سو سال ہور چالیس پر بھی پانچ تھے

....

بخشے خدا کاتب کرا اپنی کرم ہور پیار سون
تا سرخرو ہوئیں رہوں جا سب گناہاں در حشر

اختتام:-
اس تحفہ کے تیئں لکھا ہے عاجز ہور پیار سوں
تا خوش ہو را جو شاہ نے راکھیں کرم عاجز اوپر

اس مخطوطہ کے پہلے صفحے پر یہ عبارت لکھی موجود ہے "یہ کتاب بزبانہ دکھنی تحفہ حضرت شاہ راجو قتال"

اس مثنوی کے حسب ذیل قلمی نسخوں کا ہم کو علم ہے۔
(۱) کتب خانہ آصفیہ (۲) کتب خانہ سالارجنگ (۳) کتب خانہ ادارہ ادبیات اردو۔

(۳۳) ریاض العارفین

نمبر (۱۲۸) سائز (۱۴×۹) صفحہ (۳۸۲) سطر (متن ۱۱۔ حاشیہ ۲) خط نستعلیق، کاغذ ولایتی، مصنف۔ محمد اسحاق۔ تاریخ تصنیف ۱۲۶۰ھ، کتابت ۷ رمضان ۱۲۹۲ھ مطابق اکتوبر ۱۸۷۵ء ناقص الاول۔

محمد اسحاق مصنف کے اجداد بیجاپور کے متوطن تھے۔ عادل شاہی حکومت کے خاتمہ پر کرناٹک چلے گئے اور میسور کے علاقہ میں سکونت کرلی، محمد اسحاق کی ولادت ۱۲۳۸ھ میں ہوئی اور بائیس سال کی عمر میں انھوں نے اس کتاب کو تالیف کیا؛ اس کی تالیف کے وقت وہ "مدراس" علاقہ ترچناپلی میں مقیم تھے؛ ان کے چار حقیقی بھائی تھے ان کے ایک دوست محمد یعقوب تھے جن کو فن شعر گوئی میں کمال حاصل تھا مصنف نے ان کے مشورے سے اس کتاب کو تالیف کیا ہے۔

محمد اسحاق کے حالات دکن میں اردو، اور تذکرۂ اردو مخطوطات میں درج ہیں۔ سخاوت مرزا صاحب نے ایک مضمون نوائے ادب، بمبئی جولائی ۱۹۵۱ء میں شائع کیا ہے۔

آغاز:-
... کیا کے فیض کاتب ہیں قلم لوح دل پر حرف دانش کوں رقم
.... عطا اعداد فیض عام سوں گوہر افشاں دیا نیشان کوں ..

پال کر سیپی میں در شاہوار   گوش محبوباں ہیں تو بخشا شہوار

اس مثنوی میں اخلاقیات پر گیارہ ابواب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

گیارہ ابواب کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حلال کمائی (۲) خدا کی عبادت (۳) خوف خدا (۴) تحمل (۵) توکل (۶) عاجزی اور عیب پوشی (۷) زہد (۸) عشق (۹) یادِ حق (۱۰) کراماتِ اولیا (۱۱) مقبولیتِ دعا۔

اختتام:۔

دے خموشی اب زبان کو بات سوں   رکھ قلمدان میں قلم کو ہاتھ سوں

بھیج اپنی زندگی کوں کر نمود   مصطفےٰ کی روح اشرف پر درود

اور مکرم آل اور اصحاب پر   پڑ منقبت اور مثنوی کوں ختم کر

خاتمہ:۔

"تمت تمام شد ماہ رمضان المبارک بتاریخ ہفتم روز ہفتہ بوقت شب مغرب ۱۲۶۲ھ ہجری، مطابق اکتوبر ۱۸۴۶ء عیسوی بمقام حیدرآباد فقیر حقیر کثیف نحیف خادم نادم نصیر الدین حوالدار ساکن شہر محمد پور ضرب ارکاٹ تعلقہ ہرات پورہ کمان داری۔ کتاب ریاض العارفین بواسطہ (۹) فرزند اقبال نشان غلام محی الدین شریف، اگر کسی دعوی کند باطل است۔

یہ کتاب شائع ہو چکی ہے مگر اب نایاب ہے۔ اس کے قلمی نسخے بعض کتب خانوں میں موجود ہیں، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ میں پانچ نسخے، کتب خانہ سالار جنگ میں چار نسخے، اور ادارۂ ادبیات اردو میں اور جامعہ عثمانیہ میں بھی اس کے قلمی نسخے موجود ہیں، قاری محمد سلیم صاحب نے اس کی زبان درست کر کے بمبئی میں سنہ ۱۲۷۷ھ میں طبع کرایا ہے، ایک نسخہ مطبوعہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

(۲۳) نصائح آنحضرتؐ

نمبر (۱۱۲۸) سائز (۱۴×۹) صفحہ (۷) سطر متن ۱۳ حاشیہ ۲۴

خط نستعلیق کاغذ ولایتی، مصنف نامعلوم، تاریخ تصنیف ندارد، تاریخ کتابت ندارد

آغاز:۔

"حضرت رسالت پناہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مدینہ کی مسجد میں بیٹھے تھے تمام اصحاب اور احباب اور مہاجرین انصار جمع تھے تب کتنے ایک بات نصیحت کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ

وسلم حضرت مولا علیؓ کو فرماتے ہیں یا علیؓ مسواک بہت کرو۔"
اس رسالہ میں آنحضرت صلعم کی (۵۵) اخلاقی نصیحتیں درج ہیں۔ یہ "یا علی" سے شروع ہوتی ہیں، اس کے بعد چند ایسی دعائیں لکھی گئی ہیں جو بطور اعمال استعمال کی جاتی ہیں۔

اختتام:-

"قل اعوذ برب الناس، واسطے باد سرخ گلے میں بند نا دفع ہووے گا مجرب ہے یو سارے کلام اللہ کے ہیں۔ سوائے اس میں کچھ خلاف نہیں ہے لیکن سب اپنے زبان کی تاثیر پر موقوف ہے۔ والسلام تمت تمام۔

(۴۴) منصور نامہ

نمبر (۴۴۲۱)، سائز (۶×۹)، صفحہ (۱۱) سطر (۱۷)، خط نستعلیق، کاغذ دیسی، مصنف نامعلوم، تاریخ تصنیف درج نہیں، تاریخ کتابت درج نہیں۔

آغاز:-

"عاشقوں کا کچھ عجیب احوال ہے — بہتر از تقلید قیل و قال ہے
کون کہہ سکتا ہے ان کا ماجرا — درد و غم میں ہے سراسر یہ بھرا
سن کے اون کا درد کچھ بے قیاس — عقل کی جاتی رہی ہوش و حواس"

یہ ایک مثنوی ہے جس میں منصور کے حالات درج ہیں اور تصوف کے بیان میں ہے۔

اختتام:-

جان و مال و آبرو سب کو فدا — کی صلوا دا العشق کی ڈھب سے ادا
کیوں دحاصل ہواوے ایسا حضور — کیوں نہ ہو جاوے فقط اللہ کا نور

(۴۵) مواعظ نادر

نمبر (۱۰۸۳)، سائز (۶½×۱۰)، صفحہ (۳۲) سطر (۱۱) خط نستعلیق، کاغذ ولایتی، مصنف بجو لال تمکین۔ تاریخ تصنیف ۱۲۷۲ھ تاریخ کتابت درج نہیں۔

بجو لال نام اور تمکین تخلص تھا، کایستھ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ حیدرآباد کے مشہور شاعر فیض کے شاگرد تھے۔

آغاز:-

"نظام الملک سخن کا انتظام ملکت معنی کا حمد پروردگار عالم و عالمیات کا ہے کہ جس نے

مشت خاک کو جوہر گویائی کا عطا کیا فلولا وجود انجیب کی شان دین ہے۔ اس کے اپنے فضل عمیم سے عقل و فراست کا دیا ہے۔

ہے وہ اک شائستہ حمد و ثنا کن سے دو عالم کئے جس نے بنا

اس رسالہ میں نواب میر قمر الدین خاں آصف جاہ اول کے ان سترہ نصیحتوں کو جو مرحوم نے اپنے فرزند ناصر جنگ کو بوقت انتقال فرمائے تھے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

اختتام :۔

"رونے کے لئے تمام عمر باقی ہے۔ کام کرنے کا وقت یہی ہے۔ سررشتہ انتظام کا ذکر و کم۔ والسلام۔

دیکھ یہاں سے کہ ہوتے ہیں جدا آج کے دن ہے درد جدائی کا مزا آج کے دن
دیکھا ہے بہت وصل کا جلوہ تو نے اے دیدۂ تر خون بہا آج کے دن

خاتمہ :۔

"شکر اللہ" کاکہ یہ موعظت نامہ حسب استدعائے عزیزان خیرخواہ سرکار آصفیہ کے حسن انجام کو پہونچا۔ اگرچہ قید تاریخ صدر پہ مرتب تسطیر پایا لیکن بہ اصرار بعض احباء ایک دفعہ تاریخ فارسی معنوی بہ تمام و تاریخ جو خاطر میں گزرا یہ ہے۔

قطعہ تاریخ

چوں بہ فرمان آصف جم جاہ شدہ تمکین بہ ترجمہ قادر
نام و تاریخ ایں نصائح خوب گفت ہاتف مواعظ نادر
۱۲۷۲

(اس قطعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے)

مختلف فنون

(۳۶) رسالہ در مسائل نماز

نمبر (۱۲۰۶) سائز (۸½ ۵½) صفحہ (۱۲) سطر (۱۰) خط نستعلیق، مصنف نامعلوم، تاریخ تصنیف قریب سنہ ۔۔ ۱۲ھ، تاریخ کتابت ندارد

آغاز :۔

"چار کرسی چار مذہب در وضو فرض است چار بغسل وسہ تیمم پنج بنا اسلام دارد۔
اولاً ایک صفحہ فارسی عبارت ہے اس کے بعد فارسی کا ایک ایک جملہ لکھ کر اس کی شرح کی گئی ہے

یہ مسائل فقہ یعنی نماز وضو اور تیمم وغیرہ کے متعلق احکام ہیں۔

اختتام:۔

"ایں مسائل فرض آمد یک دس و در شار یعنی یہ مسلمہ فرض آئے ہیں مسلمانوں پر ایک سو اور بتیس پیچ گنتی کے ان سب کو یاد رکھ اور ترک مت کر۔"

تمت تمام شد۔ اس کے بعد دو صفحے عربی میں دُعا لکھی گئی ہے۔

(۳۷) شرح الفاظ و محاورہ تعلقہ داری ضلع اورنگ آباد

نمبر (۷۷۰۶) سائز (۱۰½ × ۷) صفحہ (۲۲) سطر (۱۷) خط نستعلیق، کاغذ ولائتی، مصنف نامعلوم، تاریخ تصنیف مابعد ۱۲۷۵ھ کتابت ندارد۔

آغاز:۔

"قاضی تعاقد ار قضات کا نکاح وغیرہ شرعی کام اس سے تعلق ہے۔ مفتی تابع قاضی فتوی اور روایت بموجب کتاب شریعت کے نکالنا اور قاضی کی معرفت سے سرکار میں دینا۔

اس رسالہ میں ان الفاظ اور اصطلاح کے معنی لکھے گئے ہیں جو ضلع اورنگ آباد میں رائج تھے۔ اگرچہ صرف ایک ضلع کا نام لکھا گیا ہے مگر یہی اصطلاح دوسرے اضلاع میں بھی رائج تھیں۔ الفاظ کو سُرخی سے لکھا گیا ہے اور ان کے معنی سیاہی سے لکھے ہیں۔ نہ صرف عہدہ اور کام کے نام ہی بلکہ کاغذات کے نام بھی ہیں۔ الفاظ تقریباً دو سو ہیں آخر میں چند صفحوں میں سیاست اور انتظام ملک کے متعلق بھی صراحت کی گئی ہے۔

اختتام:۔

"اغراض رعیت کی ہر ایک صورت پرورش اور پرداخت اور مدد و استعانت یعنی دلاسا دلبری واجب سمجھے زمیندار اور پٹیل کا ان پر ظلم نہونے دے تا خوش اور آباد رہیں افزائش لادنی کی کریں۔ جس بادشاہ کا ملک آباد اور رعیت آسودہ و راضی ہے اس سلطنت کو زوال نہیں ہے۔"

(۳۸) شرح چار کرسی

نمبر (۱۲۰۷) سائز (۹ × ۶) صفحہ (۲۹) سطر (۱۳) خط نستعلیق، مصنف تصور، تاریخ تصنیف ۱۲۲۱ھ

مصنف کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئے۔

آغاز:-

نام سے اللہ کے کرتا ہوں میں یدو کار تا برکت دے میری ترقیم میں پروردگار
ہے وہ روزی دینے والا خلق ذی الرواح کا بخشنے والا ہے بندوں کا جو ہوں ایمان دار
راندنے والا ہے اون کو جو ہیں اہل کفر و شرک اور سزا پہنچانے والا اون کو جو ہیں بزہ گار

یہ ایک نظم ہے جو "چار کرسی" نام کی کتاب کی شرح ہے، اس کو مختلف عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے۔ عنوان فارسی میں لکھے گئے ہیں چار کرسی فقہ اور عقائد کے بیان میں ہے یہ اس کی شرح ہے۔

اختتام:-

اب یہ شرح چار کرسی ہے تصور نے لکھا جو پڑھے اس کی دعا کا ہے سدا امیدوار
پڑھنے والے لکھنے والے پر خدا رحمت کرے بخشے عصیان مصنف کو بھی وہ آمرزگار
خاطرنا تریہ ناکھہ مادہ گذرا ہے ایک کز عدد تاریخ کے امر شریعت سے شمار

۱۲ ۲۱ھ

(۳۹) خزائن الامثال

نمبر (۱۲۱۶) سائز (۸ × ۱۲) صفحہ (۹۴۴) سطر (۱۵) خط نستعلیق۔ مصنف حافظ شمس الدین فیض
تاریخ تصنیف ۱۲۷۱ھ کتابت ۱۲۷۸ھ۔

حافظ شمس الدین فیض حیدر آباد کے مشاہیر شعرا سے تھے۔ ۱۱۹۶ھ میں ان کی پیدائش ہوئی اور ۱۲۸۳ھ میں انتقال ہوا۔ ان کے علم و فضل سے تمام دکن فیض یاب ہوا۔ فیض نہ صرف اپنے وقت کے ایک بڑے شاعر اور عالم متبحر تھے بلکہ صاحب باطن بھی تھے۔ تصوف اور سلوک میں ان کو کافی شغف تھا۔ شاعری کے شاگردوں کی طرح مریدوں کا حلقہ بھی وسیع تھا۔ شاعری میں ان کو مشتاق دہلوی سے تلمذ حاصل تھا۔ اور مشتاق خواجہ میر درد کے شاگرد تھے۔

کتاب ناقص الاول ہے دو صفحے نہیں ہیں۔

آغاز:-

"مغفور جناب حافظ تاج الدین مشتاق شاگرد با لواسطہ حضرت خواجہ میر درد غفر اللہ" لہما کی زبان سے سنا تھا اور اساتذہ کے دوران میں دیکھا پایا مع نظائر سب کو جمع کیا اور بقید حروف تہجی مع الترتیب لکھا اور اس مجموعہ کے دو نام رکھے ایک دستور الشعراء۔ دوسرا خزائن الامثال۔ یہ ابتدائی تاریخ ہے۔ وہ اختتام کا سال ناظروں سے امید ہے کہ بھول چوک پر نظر دھریں۔"

اس کتاب میں مصنف نے اردو زبان کے کہاوتوں اور ضرب الامثال کو ایک جگہ جمع کیا ہے اور نظیروں

ضمن میں مستند شعرا کے اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

اختتام:۔

"یار شاطر نہ بار خاطر

بقول میر:۔ مبہم رکھا کرو شطرنج ہی کی بازی

کاش دمیر بار ہے خاطر گر یار شاطر ہے"

خاتمہ:۔
خاتمہ بہ انجام رسید مبیضہ اول کتاب خزائن الامثال و دستور الشعراء من مؤلفات حضرت مولانا و سیدنا و مرشدنا مولوی حافظ میر شمس الدین محمد فیض در سنہ ۱۲۷۸ ہجری روز سہ شنبہ غرہ جمادی الاولی راقم این کتاب محمد غوث الدین الحیدرآبادی دکن اللہم اغفر لمولفہ وراقمہ وناظرہ وسامعہ آمین یارب العالمین بحرمتہ سید المرسلین صلعم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔۔"

یہ نسخہ مولف کی زندگی میں لکھا گیا ہے اور کاتب مولف کا شاگرد تھا۔ اس لئے یہ نسخہ اہمیت رکھتا ہے۔ اور بہت صحت کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

(۴۰) رسالہ علم ہیئت

نمبر (۱۹۸۱) سائز (۱۰×۶ ½) صفحہ (۸۲) سطر (۱۵) خط نستعلیق۔

مصنف نامعلوم، تاریخ تصنیف مابعد ۱۳۰۰ھ کتابت ۱۴ صفر ۱۳۲۸ھ

آغاز:۔

یہ ایک سوال نامہ ہے بیچ علم ہیئت کے کہ وہ اجرام فلکی کی خاصیتوں کی تفصیل پر مشتمل ہے۔

باب تمہید

سوال:۔ علم ہیئت کیا ہے۔؟

جواب:۔ علم ہیئت وہ علم ہے کہ اس میں اجرام فلکی کی صورتوں اور حرکتوں اور باریوں اور گنتیوں اور عرض و طول اور مفاصلوں اور گردشوں اور طریقوں کا بیان ہے۔"

جیسا کہ کتاب کے نام اور آغاز عبارت سے واضح ہے یہ علم ہیئت کا رسالہ ہے اس میں سوال و جواب کے طریقہ پر علم ہیئت کی صراحت کی گئی ہے۔ نہ صرف قدیم معلومات کا ذکر ہے بلکہ ۱۳۳۸ھ تک جو جدید معلومات علم ہیئت میں ہوئے ہیں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ کتاب کو (۲۶) ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اختتام:۔

"سوال کیا علم ہیئت کامل ہو چکا ہے

جواب۔ اس عالم کی ترقی اور اظہار ہیشہ ہوتا جاتا ہے جس طرح اور ہر ایک عالم [illegible] مصنوعات کی عجائبات کا انتہا نہیں اور ایک گھانس کے تنکے میں اس سے زیادہ عجیب کام ہیں کہ کوئی جستجو کر کے معلوم کر سکے پس عالم بعید کے نوادرات کا کیا ذکر اس کی بازجوئی میں بجز کی عقل کوتاہ اور پراگندہ ہوتی ہے۔"

خاتمہ:۔

"تمام ہوا یہ رسالہ ہیئت میں بتاریخ چودھویں ماہ صفر سنہ بارا سو ہجری مطابق چودھویں ماہ جولائی سنہ اٹھارہ سو تیس عیسوی بخط میر نجف علی۔"

آخر میں ایک صحت نامہ تین صفحوں کا درج ہے۔

(۱۴۱) مسکرات و سمیات

نمبر (۳۰۴ نون) سائز (۱۳ × ۸) صفحہ (۳۵) سطر (۱۳) خط نستعلیق، کاغذ ولایتی۔

مصنف:۔ نامعلوم تاریخ تصنیف مابعد ۱۲۹۱ف تاریخ کتابت درج نہیں۔

آغاز:۔

"محصول مسکرات ان اشیاء پر لیا جاتا ہے جو خود نشی ہوں یا جن سے نشی چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ یہ اشیاء شراب سیندھی گل مہوہ افیون گانجہ بھنگ وغیرہ ہیں۔"

اس رسالہ میں آبکاری کے قواعد اور آمدنی اور اخراجات وغیرہ کا تذکرہ ہے ۱۲۸۱ف سے ۱۲۹۱ف تک یعنی دس سال کا آمدنی وصول اور باقی رقم کا تختہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

اختتام:۔

سنہ ۱۲۹۱ ف کے اعداد پر ہوا ہے۔

مطالبہ سال حال دس لاکھ سے زیادہ ہے اور وصول طلب معہ بقایا ۱۴ لاکھ سے زیادہ ہے۔

(۱۴۲) یادداشت مولوی یوسف الدین

نمبر (۳۳۴) سائز (۱۳ × ۹) صفحہ (۴۴) سطر غیر معین خط نستعلیق، مصنف مولوی یوسف الدین [illegible]

تاریخ تصنیف مابعد سنہ ۔۔ ۱۲۰ تاریخ کتابت درج نہیں۔

آغاز:۔

[illegible]

ان کی تفصیل میں تحفہ حسب الاحوالہ مانے جاتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کو بلانا ہو تو بی اے کی ڈگری یافتہ کو بلوایئے کہ لائق لوگوں کا عدد بڑھے۔   آپ کا خادم
یوسف الدین۔

اس یادداشت میں اولاً کلکتہ، ڈھاکہ، پٹنہ، الہ آباد، علی گڑھ اور لکھنؤ کے مسلمان لڑکوں کی فہرست دی گئی ہے اس کے بعد حیدرآباد کی تعلیم کو ترقی دینے کے لئے بعض تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ صنعتی تعلیم کی جانب توجہ کرنے کی طرف زیادہ زور دیا گیا ہے۔

اختتام:-

(۷) یہ چند مراتب زبانی عرض کرنے کے قابل تھے آسانی کے خیال سے تحریراً گذارش کی۔ اگر اس کے متعلق کچھ اور شبہات باقی ہوں تو مجھے بلوا بھیجئے میں حاضر ہو سکتا ہوں۔ آپ کا بہی خواہ
محمد یوسف الدین"

یوسف الدین صاحب نے یہ یادداشت کس کے لئے لکھی ہے بظاہر معلوم نہیں ہوتا ہے خیال یہ ہے کہ مدار المہام وقت یا ناظم تعلیمات کے لئے لکھی گئی ہوگی۔ افسوس ہے کوئی تاریخ اور سنہ درج نہیں ہے۔

(۴۳) مکتوبات امراء دکن جلد اول

نمبر(۲۴۹۶) سائز (۱۲ × ۸) صفحہ (۱۴۹) سطر غیر معین۔
مصنف مختلف اصحاب، تاریخ تصنیف از سنہ ۔۔ ۱۳۰۰ھ، تاریخ کتابت درج نہیں۔
آغاز:-
" راجہ صاحب مشفق مہربان کرم فرمائے مخلصان راجایان راجہ مہاراجہ، راجہ نارائن پرشاد نریندر بہادر"

اس جلد میں امراء، معززین و اکابرین حیدرآباد کے خطوط جمع کئے گئے ہیں جو مہاراجہ نریندر بہادر پیشکار حیدرآباد کو لکھے گئے ہیں یہ اس زمانہ کے خطوط ہیں جبکہ آصف جاہ سادس میر محبوب علی خاں کو اختیارات کے ساتھ مسند نشین نہیں کیا گیا تھا انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر تھی۔ اس کمیٹی کے چند رکن تھے ان میں سینیر رکن نریندر بہادر تھے اس مجموعہ میں ایک سو بارہ اصلی خطوط شامل ہیں جو مختلف امور کے متعلق ہیں۔ سیاسی بھی ہیں اور معاشی بھی تاریخی مواد بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان خطوط میں بعض فارسی ہیں اکثر بعض اردو بلکہ پہلا خط خورشید جاہ کا ہے اور آخری خط کے کاتب نصیر جنگ۔

"اوراقِ پارینہ"

ایک نایاب قلمی بیاض

(۲)

ابوالفضل سید محمود قادری ایم۔اے (عثمانیہ) ریسرچ اسکالر
(انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی)

نوائے ادب کے گذشتہ شمارہ میں ایک قلمی بیاض سے جو پروفیسر نجیب اشرف صاحب ندوی کی ملکیت ہے ہم نے دو نظمیں پیش کی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس بیاض کے بارے میں پوری تفصیل بھی بیان کردی گئی تھی۔ ارادہ ہے کہ اس بیاض کا تمام اردو کلام مسلسل پیش کردیا جائے، اس سے ایک طرف تو یہ فائدہ ہوگا کہ قدیم اردو شاعری کا ایک نامعلوم حصہ ناظرین تک پہنچ جائے گا اور دوسرے لسانیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے بھی کچھ نہ کچھ مواد فراہم ہوجائے گا۔

"نظم"

"صفحہ ا":-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) تجھ داس دیکھ جیون — جلو دی اپس ہووی
(۲) انی تم اپنی سنتی — خلق تماشا جووی
(۳) نت اوبہ تجھا پانچوگون — دائم جلاوی جیماطی
(۴) پن بہار کو تمہو جی — ہردی بھی سو کانتی
(۵) ایسا انکو کا دکھڑا — جی تم آپن لیاوی
(۶) کھانا پینا نپانی — سکھ سون کدی نکاوی
(۷) جگو دی اپسن ناری — تجھ کا سو مامرا کچھی

(٨) جي پير پڌري سو ڦوٽي — ماتان ڪسي نا ڪهي
(٩) سنجهي اپس کي منجهي — پن پهيد کو نجاني
(١٠) هر بات مي غرم نبي — دلمي غرب نا ني
(١١) حڪم اضيل ڪاري — نخهر کا سو عيب کهولي
(١٢) نوسه گهلائي نعمت — تو ني بر اسو بولي
(١٣) ايڪ تل شر مرز آهي — ڪهتي نه لاج آوي
(١٤) ساچا نبولي مهڪيتي — اولاد بر سو جاوي
(١٥) جي اصيل اپ عاقل — ٿسڪون آ اند توي
(١٦) جيسا قسم بخت مي — وريسا نباه سو توي
(١٧) جتون تسون چلاوي غرگون — دکهاءِ ي سون سو چاني
(١٨) خد مت گري پيا کي — آيسي پيرت سو پائي
(١٩) اني ڪم اصيل سي کهر نا — بيدن پري سو بهو جي
(٢٠) جي ذات کي ڪمينا — رشو اپنا نسو جهي
(٢١) طيه هوءِ ي ذات اصلي — وي ديڪ گهر سو لائي
(٢٢) عاقل ڪهي سو ثابت — گهر مون پڪا سو پائي

یہ نظم عاقل کی ہے، دوسری نظموں کی طرح اس کی زبان بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ گیارھویں صدی سے پہلے کا شاعر ہے مصنفِ "مجموعۂ نغز" نے ایک عاقل کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس کا جو کلام دیا ہے اس کی زبان حاتم کے عہد کی زبان معلوم ہوتی ہے[58]۔ ممکن ہے یہ کوئی اور عاقل ہو۔

اس نظم کا موضوع "بیوی کا انتخاب" ہے، اس میں شاعر نے بتلایا ہے کہ کسی قسم کی عورت سے شادی کرنی چاہئے، کس طبع کی عورت ہماری بہترین شریکِ حیات ثابت ہو سکتی ہے، اور کس قماش کی عورت انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔

نظم کی زبان بہت قدیم ہے، شاعر کے بیان میں کوئی ندرت نہیں ہے اور نہ ہی نظم کسی بلند تخئیل کی

---

۵۸ دیکھتا ہے جو کوئی شہر جہاں آباد کو — وہ تو کب کہتا ہے ویراں رسم نوایجاد کو
قید کچھ یاں تو نہیں اور چھوٹ سکتے بھی نہیں — واہ وا اس دام کو اور آفریں صیاد کو

(مجموعۂ نغز ص ۳۸۱)

پیداوار، سیدھے سادے انداز میں شاعر نے اپنے مافی الضمیر کو ادا کیا ہے۔

اس نظم میں اردو کی قدیم اور جدید صورتوں میں جو واضح فرق ہے رسمِ الخط، تلفظ اور دوسری باتوں میں جو اختلافات ہیں تشریح کی غرض سے درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ نون غنہ :۔

(ا) جہاں ہم لاتے ہیں وہاں ترک کیا گیا ہے مثلاً

منی = من میں ، دلی = دل میں ، می = میں۔

(ب) جہاں ہم ترک کرتے ہیں وہاں موجود ہے مثلاً

کیجین = کیجئے ، کوں = کو ، کسکوں = کس کو

۲۔ ہائے مخلوط :۔

(ا) جہاں ہم لاتے ہیں وہاں ترک کیا گیا ہے مثلاً

لکا = لکھا ، دیٹ = دیکھ

سکسوں = سکھ سے ، بی = بھی

سمجی = سمجھی ،

(ب) تقدیم و تاخیر مثلاً۔

کھڑاپا = کڑھاپا ، مھک = مکھ ، بھار = باہر ، کھڑنا = کڑھنا ، نبھوجی = نبوجھی

۳۔ "ي" کا استعمال :۔

(ا) اضافہ کی شکلیں مثلاً

جیوں = جوں ، لیاوے = لائے ، تیوں = توں ، لیوے = لے۔

(ب) حذف کی شکلیں مثلاً

پیرت = پریت ، ازلہ ایذا (یہاں ایذا میں "ذ" کی جگہ "ز" استعمال کیا گیا ہے)

(ج) "ي" کی "ۓ" سے تبدیلی مثلاً

باتں = باتیں

(د) "ي" کی "ہ" سے تبدیلی مثلاً

دی = دہ

۴۔ "و" کا استعمال :۔

(ا) اضافہ کی شکلیں مثلاً

موودی = موسے، جادے = جالے، جیو = جی، چلادے = چلالے۔ انو = ان،
جلادے = جلالے، لیادے = لالے، سموے = سمے۔

(ب) حذف کی شکلیں مثلاً۔
جکم = جوکم

(ج) تقدیم و تاخیر مثلاً
جکووی = جو کوئی۔

۵۔ "ا" کا استعمال:۔
(و) اضافہ کی شکلیں مثلاً
نراکھے = نہ رکھے، چالے = چلے۔

۶۔ لفظ کی درمیانی "ی" کی "ء" سے تبدیلی مثلاً
دائم = دایم، پانی = پائی، پامیلے، لائیے = لاییئے۔

۷۔ لفظ کے درمیانی "و" کی "ء" سے تبدیلی مثلاً
جکوءی = جوکوئی۔

۸۔ لفظ کے آخری "ہ" کی بجائے "ا" کا استعمال مثلاً
تماشا = تماشہ، کینا = کینہ۔

۹۔ لفظ کی آخری "ے" کو عربی کی طرح گول "ۃ" لکھنا مثلاً
توسہ = توشہ

۱۰۔ لفظ کے کسی درمیانی حرف کو مشدّد لکھنا مثلاً
خلّق = خلق

۱۱۔ مد (~) کا استعمال:۔
مد (~) کا استعمال بہت کم کیا گیا ہے بعض جگہ حروف پر چھوٹا سا "ا" موجود ہے اور بعض جگہ صرف "زبر" سے مد کا کام لیا گیا ہے مثلاً
اپ = آپ، اَپس = آپس۔

۱۲۔ حروف "ک" اور "گ" کے املا میں کافی بے احتیاطی برتی گئی ہے بعض جگہ اگر "گ" لکھنا مقصود ہو تو "ک" پر دوسرا مرکز موجود ہے اور بعض جگہ "ث" کے نیچے تین نقطے بجائے اوپر کے دوسرے مرکز کے موجود ہیں، بعض مقامات پر "گ"

کا املا اس طرح ہے :-

بچھر = گھر،

اس نظم میں ایک جگہ "گ" کا املا "ط" کے نیچے چار نقطے دے کر بھی لکھا گیا ہے۔

طپر = گر

۱۳- یائے معروف اور یائے مجہول کا استعمال اکثر جگہ غلط ہے۔

۱۴- ہائے مخلوط کا مرکز کہیں بھی موجود نہیں ہے بعض جگہ ہائے مخلوط کے نیچے تین نقطے دے گئے ہیں اور اسی کو اس کا مرکز سمجھا گیا ہے۔

متروک اور مشکل الفاظ کے معنیٰ۔

چھاطی = چھاتی

پن = پتّر۔

جی = جو۔

نپانی = نہ پانی

بچرب = گرب،

از اندیوی = ایذا نہ دے۔

ساچا = سچ

قسم = خصم

خذمت = خدمت

رشوا = رسوا

دخرا = دکھڑا، مصیبت۔

بچھر واس = گھر بسائی۔ شادی بیاہ

انی = یعنی، اور

سیتی = سے

جووی = دیکھے۔

ھردی = دل

بجتی = جوتا

انیجہ = لال، رنگ

سکون ـ سکه سے

گرب ـ غرور

کدی ـ کبھی

ناری ـ عورت

مام ـ بھرم

پری ـ پڑی ـ

مکتی ـ منه سے ـ

خصم ـ شوہر

انا ، ایذا ـ تکلیف ـ

دخرا ـ دکھڑا ـ

سوں ـ کیا

بیدن ـ درد ، رنج

کبوجی ـ بوجھنا ، سوجھ بوجھ ،

نسوجی ـ نہیں سجھائی دے ـ

رشوا ـ رسوائی ، بدنامی ـ

کرموں ـ قسمت ، اعمال نامہ

نبوجی ـ نہیں بوجھی ،

"غزل" ٣

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصرع سهیه :-

(1) اي دل عشق ختم نه ٿئي — هيري ٻهئي آتش جلي

(2) ورد حسن ٽ ب نه يار تو — دو نين پيئي پاڻي چلي

(3) مور موڙون صمي ميان ارتي — من نان فينا سروي

(4) مسلمان ڪنڌ ڇهاڳي — بد خيو مجنون ڪومئي

(5) در سيني من سيناپ هي — رالفي نه تو جون ناپ هي

(6) پيت جيد عشق سپاڪ هي — واه ڪيئون بلوڻ مجنون ڪلي

(۷) نَہ حسبہَ نَہ طاقت — نَہ مُہر عادت ہی تجھی
(۸) زتین شعلۂ آتش کیوں تجی — بیچارہ عاشق جلیتے
(۹) ہوشم زبسہ پکہ یختہ — غیشم بجات امیختہ
(۱۰) کو کند حسن دیہ ریختہ — سنمسار ردیکہو کیوں چلی

ابھی ہم نے ناظرین کی خدمت میں ایک ایسی غزل پیش کی ہے کہ اگر ہمارا نظریہ درست ہو تو وہ اپنی جگہ ایک بڑی اہمیت کی حامل ہوگی۔ یہ غزل خواجہ حسن کی ہے اور شاعر نے اس کے مقطع میں اپنا تخلص بھی حسن استعمال کیا ہے۔

خواجہ حسن اور امیر خسرو نہ صرف یہ کہ ہم عصر اور ہم ذوق تھے بلکہ ان کی رفاقت اور محبت کے واقعات نے افسانوی رنگ تک اختیار کر لیا تھا۔ اس لئے اردو کے ہر محقق کے سامنے یہ سوال تھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ اس وحدتِ ذوق کے باوجود خواجہ حسن نے اردو کی طرف مطلق توجہ نہ کی ہو۔

اگر ہم اس غزل ہی کو مثال کے طور پر لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کی زبان اپنے عہد کی غماز ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فارسی اور ہندی الفاظ کا دروبست اور امتزاج ہمیں فوراً خسرو کے کلام کی یاد دلاتا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں بھی سوائے خواجہ حسن کے کسی اور حسن کا تذکرہ موجود نہیں۔ ان ساری باتوں اور کلام کے داخلی اور خارجی عناصر کو دیکھنے کے بعد اگر ہم اس غزل کو خواجہ حسن سے منسوب کریں تو زیادہ غلط نہ ہوگا۔

اب ہم یہاں اردو کی قدیم و جدید صورتوں میں جو واضح فرق ہے، اسم املا تلفظ اور دوسری باتوں میں جو اختلاف ہے پیش کرتے ہیں:-

۱- نونِ غنہ:-

(الف) جہاں ہم ترک کرتے ہیں وہاں موجود ہے مثلاً

تجھوں = تجھ سے، سوں = سو،

۲۔ ہائی مخلوط:۔

(ا) جہاں ہم لاتے ہیں وہاں ترک کیا گیا ہے مثلاً

سبی = سب ہی، تج = تجھ، لکوں = لکھوں۔

(ب) تقدیم و تاخیر مثلاً

تُہجی = تجھے

۳۔ "ی" کا استعمال:۔

لفظ کی درمیانی "ی" کی "ء" سے تبدیلی مثلاً

کئوں = کیوں

۴۔ "و" کا استعمال:۔

(ا) اضافہ کی شکلیں مثلاً

جیو = جی

۵۔ لفظ کی آخری "ت" کو عربی کی طرح "ۃ" لکھنا مثلاً

شعلہ = شعلہ، ریختہ = ریختۃ، یہ = یہہ۔

۶۔ مد (ﺽ) کا استعمال بہت کم جگہ موجود ہے بعض صرف "زبر" سے مد ﺽ کا کام لیا گیا ہے مثلاً

اَتش = آتش، امیختۃ = آمیختۃ

۷۔ ک اور گ کا املا سابقہ نظموں میں جس طرح لکھا ہے اسی طرح اس نظم میں بھی موجود ہے اور اسی طرح ہائی مخلوط کا املا بھی۔

مشکل اور متروک الفاظ کے معنی:۔

پتی۔ سے
درسینی من۔ درسینۂ من، میرے سینہ میں (اضافت)
زلفی نہ تو۔ زلفینِ تو، تیری زلفین (اضافت)
بھیتر۔ اندر
تلملے۔ بے چین، بے تاب
سہسار۔ سنسار۔

اس بار ہم اسی ایک نظم اور ایک غزل پر اکتفا کرتے ہیں اور جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی لکھا ہے کہ یہ آخری غزل جو خواجہ حسن کی ہے بڑی اہمیت کی حامل ہے اور ممکن ہے آئندہ اردو ادب کی تاریخ لکھنے والوں کو اس سے کچھ روشنی حاصل ہو۔ ۱۲

تبصرے

(تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے)

تاریخ بال کنڈہ

از منشی فیض الدین صدیقی۔ صفحات ۱۲۰ قیمت ۱ے
پتہ ادارۂ ادبیات اردو، خیریت آباد، رفعت منزل حیدرآباد (دکن)

ریاست حیدرآباد (دکن)، اپنی سیاسی، ثقافتی، تاریخی اور مختلف دوسری حیثیتوں سے ایک خاص اہم مقام کی مالک رہی ہے۔ اس ریاست کا تقریباً ہر چھوٹا بڑا مقام اپنے اندر گوناگوں حیثیت سے خاص دلچسپی کا حامل ہے، تاریخ نویسی کے ذوق و شوق نے اب بہت سے ایسے مقامات کی تاریخی، مذہبی اور ادبی اہمیت کو روشنی میں لانا شروع کر دیا ہے۔ جو اب تک گمنامی اور عدم توجہی کی تاریکی میں چھپے تھے۔ اسی میں "تاریخ بال کنڈہ" بھی ہے۔ یہ مقام ضلع نظام آباد کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ اس میں بہت سے تاریخی واقعات کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ مؤلف کتاب ہذا اسی قصبہ کے باشندے ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات پر اُن کی وطن دوستی کا جذبہ بہت نمایاں ہو گیا ہے۔ اس کتاب کے آخری حصہ میں اسی قصبہ سے تعلق و توسل رکھنے والے اہل دل اور صاحب باطن باکمال بزرگوں کے حالات، کشف و کرامات کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ غرض یہ ریاستِ حیدرآباد کے اہم تاریخی مقامات کے سلسلے کی ایک چھوٹی سی کڑی ہے اور آئندہ تاریخ نگاروں کے لئے ایک اچھا مواد فراہم کرتی ہے۔

حسرت کی سیاسی زندگی ۔۔۔ چند جھلکیاں

از عبد القوی دیسنوی۔ صفحات ۲۷،
قیمت ۸؍

پتہ: رائٹرس امپوریم لمیٹڈ پیوپلس بلڈنگ فیروزشاہ مہتا روڈ بمبئی ۱

اردو شاعری کے دورِ جدید میں ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے حسرت کو ایک نمایاں رتبہ حاصل ہے۔ ان کی شخصیت کی ہمہ گیری میں ان کے مذہبی، سیاسی اور معاشی رجحانات ایک دوسرے میں کچھ اس طرح مُدغم ہو گئے ہیں کہ ہمارے لئے یہ ناممکن ہو جاتا ہے کہ حسرت کی شخصیت کے رنگارنگ زاویہ ہائے فکر و نظر پر الگ الگ روشنی ڈالیں۔ حسرت ایک مثالی اور انفرادی شخصیت کے حامل تھے۔ جہاں تک ان کے

سیاسی مسلک کا تعلق ہے ہم عام طور سے انھیں آزادی کا متوالا اور اپنے عہد کا ایک بڑا مجاہد تصور کرتے ہیں۔ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے حسرت کو مختلف منزلوں اور نہ معلوم کن کن راستوں سے گذرنا پڑا ہے۔ اور اس کا مطالعہ خود ایک دلچسپ موضوع بن سکتا ہے لیکن اس کتاب میں اس اہم بات پر پوری توجہ نہیں دی گئی ہے اور اسی طرح حسرت کی منفرد شخصیت اور ان کی فطرت کے الوکھے پن کو اور زیادہ اجاگر کیا جاسکتا ہے پھر بھی تو محترم مصنف نے بڑی محنت سے اس کا مواد جمع کیا ہے اور ایک سلجھے ہوئے انداز میں اُسے پیش کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے۔

ادب اور نظریہ

از آلِ احمد سرور۔ صفحات ۲۹۶، قیمت ۸/-
ادارۂ فروغ اردو لکھنؤ

اردو ادب میں تنقید نگاری کا فن کچھ زیادہ قدیم نہیں، اس سلسلے میں ہم بڑی حد تک مغرب کے خوشہ چین ہیں لیکن اس مختصر عرصہ میں اس فن میں بڑی ترقی ہوئی ہے۔ تنقید کا اصل مقصد آرٹ کا ہمدردانہ تجزیہ اور اس کی کمی کی تکمیل ہے، اس لئے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہمدردانہ اور صداقت پرور تعمیری تنقید کے بجائے ہر ناقد اسے اپنی رنگین عینک سے دیکھتا ہے، اس کا لازمی نتیجہ فن کار کی پست ہمتی اور شرمساری میں ظاہر ہوتا ہے۔ مختصراً تنقید نگاری نہ تو بُت تراشی ہے اور نہ ہی بت شکنی، اعتدال پسندی اس کا واحد طریقۂ کار ہے۔ یہ بات ہمارے موجودہ تنقید نگاروں میں پروفیسر آل احمد سرور کے ہاں نمایاں ہے۔ اگرچہ بعض اوقات وہ بھی شخصیاتی الجھاؤ میں پڑ جاتے ہیں لیکن ان کے نفسیاتی تجزیے اور منظر و پس منظر کے اظہار کی لوچ کہیں بھی کسی جانبداری کی غمّاز نہیں بنتی، غرض فن کارانہ اعتدال کو وہ کبھی نہیں چھوڑ پاتے۔

زیرِ نظر کتاب میں اردو کے بعض ممتاز اہلِ قلم اور ان کی ادبی تخلیقات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور یہ بحث ان کے اسلوبِ بیان اور حُسنِ ادا سے زیادہ دل کش و دلچسپ بن گئی ہے (س۔ م۔ ق)

معارف القرآن

از ڈاکٹر محمد احمد صدیقی، صفحات ۱۲۸۔ "۵×۷"
قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

ملنے کے پتے:۔ مصنف (۲) کتابستان الہ آباد (۳) منیجر اسرار کریمی پریس الہ آباد۔

مصنف الہ آباد یونی ورسٹی میں عربی و فارسی کے استاد ہیں۔ انھوں نے اس رسالہ میں قرآن سے متعلق مختصر طور سے کافی مفید معلومات جمع کر دی ہیں۔ قرآن کی تاریخی حیثیت، وحی، نزول قرآن، ناسخ منسوخ، جمع قرآن اور اس قسم کے دوسرے متعدد عنوانوں کے تحت رسالہ کو زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنایا گیا ہے۔

مصنف کی محنت اور کاوش قابل ستائش اور معلومات افزا ہے۔ دینیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے

لئے کافی مفید ہے۔

رموزِ نظم | مولفہ ایس جالب مظاہری، صفحات ۱۴۱۔ سائز "۵×۸½" قیمت ایک روپیہ

ناشر۔ ہندوستانی پرچار سبھا۔ ایڈن والا مینشن چوپاٹی بمبئی ۷۔

علم عروض اور صنائع و بدائع پر مولف نے یہ رسالہ ترتیب دیا ہے۔ اس میں شاعری سے متعلق تمام اصول و ضوابط پر طلبہ کی عام ضرورتوں کے پیش نظر طلبہ کے لئے مختصر اور دلچسپ انداز میں بحث کی گئی ہے بحروں کی مثالوں کے سلسلہ میں اشعار کا انتخاب ایسا ہے کہ اس مشکل اور غیر دلچسپ فن میں بھی مولف نے دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ اور طلباء کی دحشت کم ہو جاتی ہے اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں اور سیکھنے والوں کے لئے یہ کارآمد اور مفید کتاب ہے۔

پیسہ اور پرچھائیں | از ڈاکٹر محمد حسن، صفحات ۲۴۴ سائز "۷×۴½" قیمت دو روپے آٹھ آنے

ناشر۔ ادارۂ فروغ اردو ۳ امین آباد پارک لکھنؤ۔

اردو داں طبقہ اس وقت تک ڈاکٹر محمد احسن کو ایک اچھے تنقید نگار کی حیثیت سے جانتا تھا اب اس مجموعہ کے ذریعہ وہ ہماری تحقیقی دنیا میں داخل ہو رہے ہیں ڈرامہ لکھنا بڑا کٹھن ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ انھوں نے یہاں بھی اپنا مرتبہ قائم رکھا ہے۔

چنانچہ ان میں کا ایک ڈرامہ "پیسہ اور پرچھائیں" ہندوستان کے بہترین ڈراموں میں پہلا انعام حاصل کر چکا ہے۔ یہ ڈرامے ابتدا میں آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکے ہیں۔ ان میں سے تین غیر ملکی زبانوں سے منتخب کئے گئے ہیں اور ان کا انتخاب ڈاکٹر صاحب موصوف کے ذوق صحیح کا غماز ہے۔ بقیہ سات ڈرامے تاریخی اور سماجی مسائل پر ہیں۔

ہمارے یہاں اسٹیجی ڈراموں کی خواہ وہ ایک ایکٹ کے ہوں یا متعدد ایکٹوں کے ہوں بڑی کمی ہے، کیا ڈاکٹر صاحب اپنی خداداد صلاحیت اور حسن ذوق سے کام لیتے ہوئے اس صنف ادب کے خالی خزانہ کو اپنے جواہر پاروں سے مالامال کرنے کی طرف توجہ کریں گے۔

تاریخ ادبیات عربی | از سید ابوالفضل ایم۔ اے عثمانیہ۔ صفحات ۲۹۸۔ سائز "۵×۳½" ۔ قیمت تین روپے

ناشر:۔ سب رس کتاب گھر۔ رفعت منزل۔ خیریت آباد۔ حیدر آباد (دکن)

اس مختصر سی کتاب میں مولف نے عربی زبان و ادب کی ہزار سال سے زیادہ کی تاریخ قلم بند

کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے بڑی محنت اور کاوش سے تاریخ ادب عربی کا مطالعہ کرنے کے بعد سمندر کو کوزہ میں سمونے کی کوشش کی ہے عربی زبان و ادب کی تاریخ سمجھنے کے لئے یہ مختصر لیکن اہم کتاب ممد و معاون ہوگی کتاب میں بعض جگہ غلطیاں رہ گئی ہیں۔ آئندہ اشاعت میں انھیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ابن الحریری و مقاماتہ | مولفہ ڈاکٹر محمد احمد صدیقی۔ پروفیسر عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی۔ صفحات ۲۳۲۔ قیمت ۹ روپے

ملنے کا پتہ درج نہیں۔ مصنف سے مل سکتی ہے۔

یہ کتاب فاضل مرتب کا وہ مقالہ ہے جس پر انھیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی۔ ابن حریری عربی آسمان ادب کا وہ درخشندہ ستارہ ہے جس کی چمک سے عربی ادب کی ایک خاص صنف "مقامات" روشن و تابندہ رہے گی۔ افسوس کہ ایسے ادیب اور ایسے فاضل اجل پر ابھی تک کوئی جامع کتاب نہیں تھی جس سے اس کے حالات زندگی، اس کی شاعری، اس کی نثر نگاری، اس کی مقامات نویسی پر مفصل حالات معلوم ہوتے۔ اس کے علاوہ مقامات حریری کا ادب عربی میں بڑا مقام ہے۔ اس کی مقبولیت اور عالم گیر تتبع تقلید، ایسے بہت سے موضوع ہیں جن سے ہمارا ادبی و تنقیدی دامن خالی ہے۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے ان تمام امور پر مختصر مگر جامع طور سے بحث کی ہے۔ عربی ادب میں یہ کتاب ایک بیش بہا اضافہ ہے۔ ترتیب کتاب میں فاضل مرتب کی کاوش قابل داد ہے کہ انھوں نے عربی، فرانسیسی اور انگریزی کی ۲۳ کتابوں سے چھان بین کرکے اسے مرتب کیا ہے اس طرح مقامات حریری سے متعلق مشرق و مغرب نے مختلف زاویہ ہائے نظر سے جیسی رائیں قائم کی ہیں ان کے بارے میں بھی قارئین کے سامنے مفید معلومات پیش کردی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ خود ہندوستان میں مجموعی حیثیت سے ہندوستان سے متعلق یا بعض شہروں سے متعلق بھی مقامات لکھے گئے ہیں۔ عربی ادب سے یہ ذوق و شغف قابل ستائش ہے اور شاید اس پر خلوص خدمت کے صلہ میں قضا و قدر نے ان کے لئے اس سعادت کا موقع پیدا کردیا کہ ہز مجسٹی سلطان ابن سعود نے مصنف کو اس کتاب کے پیش کرنے کی عزت بخشی۔ "ف"

"معمار" | از مائل ملیح آبادی۔ صفحات ۳۳۶، قیمت للعہ، ادارۂ فروغ اردو لکھنؤ۔

"معمار" شمالی افریقہ کے پس منظر پر ایک رزمیہ تاریخی ناول ہے۔ مصنف نے اس میں مسلمانوں کی اسپین اور دوسرے یورپی ممالک پر فتح کے تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ ان کے

کردار، ان کی مذہبی رواداری، بہادری، اخوت، اور اپنے مذہب سے والہانہ عقیدت اور شیفتگی کی داستانوں کو کچھ اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ پروپیگنڈہ کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں عیسائیوں کے یہودیوں پر مظالم، ان کے مذہبی رہنماؤں کا ظلم و تشدد، اور حکومتی معاملات تک میں ان کی جا و بے جا مداخلت کی کامیاب عکاسی کی گئی ہے۔

کردار نگاری ناول کے اہم اجزاء میں سے ایک ہے، اس ناول میں محض چند کردار ہیں ایسے نظر آتے ہیں جو کردار نگاری کے ارتقاء کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ باقی بے رنگ ہیں یہاں تک کہ ناول کے ہیرو "یوسف" اور ہیروئن "سحر" کے کردار جو در اصل اس ناول کی جان ہیں آخر تک بھی کچھ پھیکے ہی نظر آتے ہیں۔ اکثر جگہ مافوق الفطرت واقعات سے بھی کام لیا گیا ہے جو ہماری نظر میں ایک تاریخی رزمیہ کے لئے کچھ زیادہ مناسب نہیں۔

"ساقی" سالنامہ ۱۹۵۶ء

صفحات ۴۰۸، قیمت للعہ
ساقی بک ڈپو، کراچی ۵

"ساقی" اردو زبان و ادب کا ایک موقر ماہنامہ ہے، تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان میں صحت مند ادب کی اشاعت اس کا مسلک رہا اور اب یہی کام وہ تقسیم کے بعد پاکستان سے انجام دے رہا ہے۔ اس رسالہ کی مابہ الامتیاز خصوصیت اس کے خاص نمبر اور سالنامے ہیں جو گذشتہ پچیس چھبیس برس سے مختلف اوقات میں شائع ہوتے رہے ہیں۔

اس دفعہ کا سالنامہ بھی اپنی پچھلی روایات کا حامل ہے، اس شمارے میں جہاں ہمیں اردو ادب کے ممتاز فنکاروں کے مضامین ملتے ہیں وہیں ہمیں چند ایسے لکھنے والے بھی نظر آتے ہیں جن کی مساعی کو دیکھ کر ان سے مستقبل سے متعلق اچھی توقعات قائم کی جا سکتی ہیں۔ یہ سالنامہ ہمارے اردو کے صحافی و علمی ادب میں ایک اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ (س۔م۔ق)

ضمیمہ

مَقالہ نُما

مرتّبین

عالی جعفری، فضل اللہ فاروقی ، سید جمیل الدین ، ابو الفضل قادری

ضروری نوٹ:- مقالہ نُما میں شائع شدہ مضامین کی نقل حسب طلب (خوشخط شکستہ میں) دو آنے فی صفحہ کی اجرت پر مہیا کی جا سکتی ہے تاہم کسی مضمون کی نقل ایک روپیہ سے کم اجرت پر فراہم نہیں کی جائے گی۔ (مرتبین)

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱۔ابوالحسن ندوی سید:

دعا

(۲)

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ فروری ۱۹-۳۲)

شرنفس، محبت دنیا سے پناہ، اخلاق حسنہ حُبّ الٰہی، وغیرہ سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں ان کا ترجمہ اور تشریح۔

۲۔ابوالحسن علی ندوی سید:

حقیقی فلاح و بہبود کا راستہ

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ مارچ ۱۳-۱۸)

۲۴ فروری ۱۹۵۶ء کو امین الدولہ پارک کی تقریر جس میں اپیل کی گئی ہے کہ ہمیں آزادی تو مل گئی لیکن ہمارے اخلاق نہیں سدھرے، وہی ہوا و ہوس وہی خدا سے تغافل، وہی، دھوکہ فریب، غرض جب تک کہ ہم اپنے اخلاق کو بلند نہیں کریں گے صحیح انسانیت پیدا کرنے کے لئے پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستہ پر نہ چلیں گے اس وقت سکون دراحت اور امن وچین نہیں نصیب ہو سکتا۔ اور نہ حقیقی مسرت نہ برائی سے نجات و آزادی حاصل ہو سکتی۔

۳۔ادارہ:

شمائلِ نبویؐ

(فاران کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۱۹۱-۱۹۶)

شمائل نبوی کے بارے میں ترمذی سے ایک ترجمہ۔

۴۔السباعی شیخ مصطفیٰ:

سنت رسولؐ شریعت کا ماخذ ہے

(فاران کراچی، سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۱۲۹)

قرآنی احکام وکلیات کے بعد اگر استنباط احکام و تدوین قانون اسلام کے تعلق سے کوئی چیز ہے تو وہ سنتِ رسول انام صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ سنت سے مراد قرآن شریف کے منشا اور دین کے نظام اور شریعت کے مقاصد کا وہ فہم ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو نوازا تھا۔

۵۔اشرف محمد:

اکرام مسلم

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ فروری ۳۳-۴۵)

اسلام نے باہمی اخوت، غمگساری، محبت، وغیرہ کی جو تعلیم دی ہے اور اس سلسلہ میں قرآن واحادیث میں جو تعلیمات پیش کی گئی ہیں وہ آیتیں، احادیث، ان کا ترجمہ اور تشریح۔

۶۔اشرف محمد:

نماز

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ مارچ ۲۶-۳۹)

اسلام میں نماز کی اہمیت۔ اس کے بارے میں قرآن واحادیث اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات صحابہ کرام کے نماز سے متعلق متعدد واقعات پیش کر کے نماز کی اہمیت وخصوصیت واضح کی ہے۔

۷۔امین احسن اصلاحی:

سنت خلفائے راشدین

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ فروری ۳۱-۳۹)

ترجمان القرآن شمارہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں مضمون نگار کا ایک مضمون حدیث سے متعلق چند سوالات کی وضاحت کے لئے شائع ہوا تھا۔ اسے پڑھ کر ایک صاحب نے یہ دریافت کیا کہ سنت کو معلوم کرنے کے کیا ذرائع ہیں۔ خلفائے راشدین کے تعامل کو بھی گنوایا ہے اور دلیل میں علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین پیش کیا ہے۔ یہ قول کہاں سے ماخوذ ہے، اور آج کل خلفائے راشدین کی اصطلاح سے ذہن خلفائے اربعہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ کیا خود آنحضورؐ کا یہی مفہوم تھا؟ نیز کیا خلفائے راشدین کے الفاظ اس دور میں اسی طرح مستعمل تھے۔ انھیں سوالات کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔

۸۔ بلخی افتخار احمد:

قرآن شہادت دیتا ہے کہ سنتِ رسولؐ دین میں حجت ہے

(فاران کراچی سیرت نمبر ۷۵ جنوری ۲۲۵ء ۔ ۲۳۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی خود قرآن تھی ایسی صورت میں سنتِ نبویؐ میں سے ایک بھی چیز فرمانِ خداوندی کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ زیر نظر مضمون اپنے سلسلے کی آخری قسط ہے جس میں معترضین پر یہ واضح کیا گیا ہے کہ حضور اکرمؐ کی زندگی کلیتہً قرآنی روشنی اور حکم خداوندی کی تکمیل میں سر ہوئی یہ کہنا کہ سنت رسولؐ دین میں حجت ہے کہاں تک حق بجانب ہے!

۹۔ نفی محمد امینی:

عروج و زوال کے الٰہی قوانین

(۴)

(برہان دہلی ۷۵ جنوری ۔۴۔ ۵۴)

فروری، مارچ ۱۰۹۔۱۱۷
۱۲۳۔۱۲۴)

ایمانی قوت یہ ایک ناقابلِ تسخیر طاقت ہے اور یہی وہی ہے جو ایمان کے لئے اپنی ہر چیز قربان کر دے۔ زیر نظر مضمون میں مختلف مظاہر ایمانی کا جس سے ہماری انفرادی اور سماجی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے، بحث کی گئی ہے

(۵)

ایمان کے مرکزیت کیلئے اطاعت اور اتحاد ضروری ہے۔ قرآنی تنظیم کے لئے صحابہ کرام کی زندگی نظر کے سامنے رہے۔ ایمان کا تقاضا پیہم حرکت اور مسلسل سعی و عمل ہے، ایمان اخلاقی مدرسہ اور نفسیاتی تربیت گاہ ہے۔ مومنین کی نفسیاتی کیفیت اور ان کی اخلاقی حالت ان کے اعمال و اخلاق کی فہرست۔ ان تمام امور کو منظر رکھتے ہوئے قرآنی آیات کا ترجمہ اور تشریح۔

(۶)

عروج و بقا کا دوسرا اصول عمل صالح ہے۔ عمل صالح سے متعلق قرآن نے جو بنیادی باتیں مثلاً اس کی بنیاد روح کی تہذیب اور نور ایمانی پر ہے اس سلسلہ میں مفصل تشریح و تفصیل۔

۱۰۔ جعفر شاہ ندوی:

فرمانِ رسولؐ

(ثقافت الاسلام راولپنڈی ۷۵ مارچ ۱۰۔۱۲)

نماز مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے اور نماز کے بارے میں قرآن و حدیث میں کثرت سے احکام آئے ہیں۔ ایک نماز ایسی بھی ہو سکتی ہے جس سے کوئی فائدہ اور نفع پڑھنے والوں کو نہ ہوگا۔ اسی بےنفع نماز کے بارے میں حدیث نبویؐ اور متعدد مثالوں سے اس کی تشریح۔

۱۱۔ جعفر شاہ ندوی:

تین طلاقوں کا مسئلہ

(ثقافت لاہور، ۷۵ مارچ، ۱۵۔۲۱)

مسئلہ طلاق کے بارے میں ایک بحث۔

۱۲۔ جعفری رئیس احمد:

حضرت علیؓ کا ایک خطبہ

(ثقافت لاہور ۷۵ مارچ ۴۱۔۴۴)

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک خطبہ جس میں آپ نے عام انسانوں کو نیکی، سچائی، اور عبدیت کی تلقین فرمائی ہے۔

۱۳۔ حمید اللہ محمدؒ ڈاکٹر:

جہاد و غزوات

(فاران کراچی، سیرت نمبر ۷۵ جنوری ۴۴۔ ۷۴)

کسی صحابی نے ایک دن آقائے نامدار صلعم سے پوچھا کہ، اللہ کی راہ میں کون ہے؟ فرمایا صرف وہ جو اس لئے لڑائی کرے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو۔ خدا کی راہ میں لڑائی کے یہ معنی نہیں کہ کمزور کو مقابل دیکھ کر جی للچائے اور اسے دبوچ لے۔ اسلام نے اپنے پیرووں پر جہاد فرض کیا ہے جس کے اصطلاح میں لفظی معنی کشمکش کے ہیں جو بہت

وسیع مفہوم رکھتا ہوا اور جس میں بزور بازو اصلاح کرنا فرض
اس مضمون میں جہاد کے بارے میں مختصر طور پر بحث کی گئی ہے

۱۴۔ ڈیننگ۔ الفریڈ۔
مترجم۔ ادارہ۔

مذہب اور قانون کا باہمی رشتہ

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ جنوری ۳۳-۴۶)

مضمون نگار، ملکۂ برطانیہ کی کورٹ آف اپیل کے ایک جج ہیں۔ اس مضمون میں انھوں نے مختلف دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ مذہب کو بنیاد بنائے بغیر کوئی دستوری قانون یا اجتماعی تعمیر ممکن نہیں، اگر مذہب کی کارفرائی غائب ہو گئی اور قوانین کی خدائی بنیادوں کو منہدم کر دیا گیا تو کوئی قانونی نظام بھی کامیابی سے نہیں چل سکتا۔ آخر میں لکھا ہے صداقت اور انصاف تک رسائی نیکو کاری اور دینداری کی وساطت ہی سے ہو سکتی ہے۔ سچائی اور انصاف کی پہچان روح ہے اور روح کو زندگی اور جلا مذہب کے طفیل ہی ملتی ہے۔

۱۵۔ عبدالقادر عودہ شہید:
مترجم۔ ادارہ:

اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ جنوری فروری ۵۱-۵۸، ۵۹-۵۹)

(۴) اسلام نے مسلمانوں کے لئے جو نظام عمل مرتب کیا ہے۔ اس کی بعض اہم دفعات، جیسے اسلام میں ذلت گوارا نہیں۔ ہجرت، اسلام ظلم سے مصالحت نہیں کرتا، جہاد فرض ہے۔ جہاد کے لئے دائمی تیاری۔ اجر جہاد۔ اعدائے اسلام سے موالات حرام ہیں اس سلسلہ میں قرآنی آیات پیش کرتے ہوئے وضاحت و تشریح

(۵)

ابتدائی قسطوں میں اسلام اور قانونی نظام سے متعلق قرآنی آیات و شہادات سے وضاحت کرنے کے بعد اس قسط میں مسلم حکومتوں، مسلمانوں کی راہ ترقی میں رکاوٹوں ان کے اسباب و علل کا جائزہ لیا گیا ہے کہ اسلام کی ترقی میں کون کون سی طاقتیں رکاوٹیں بنی ہوئی ہیں۔ اور اب اسلام کا یورپین سامراجی طاقتوں سے آخری معرکہ ہے۔

۱۶۔ عتیق الرحمٰن:

سنت رسول اللہ کے معنی اور اتباع سنت کی صحیح پوزیشن

(الفرقان۔ لکھنؤ ۵۶ مارچ ۴۰-۵۴)

منکرین حدیث کے رسالہ طلوع اسلام میں ایک مضمون اتباع سنت کی صحیح پوزیشن ہمارے نزدیک کیا ہے جس کی طرف ہم شروع سے دعوت دیتے چلے آ رہے" کے عنوان سے شائع ہوا تھا مضمون نگار نے اس مضمون کو نقل کرنے کے بعد اس پر مفصل تبصرہ کرتے ہوئے پرویز صاحب کے دلائل و خیالات کی تردید کی ہے۔

۱۷۔ فضل قدیر ندوی:

تفسیر

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۶ مارچ ۷-۱۰)

صبر و ثبات، اتحاد اور خشیت الٰہی سے متعلق آیات ترجمہ اور تفسیر۔

۱۸۔ قاضی اطہر مبارکپوری:

جانور اور اسلامی تعلیمات

(البلاغ بمبئی ۵۶ مارچ ۱۰-۱۹)

اسلام میں جانوروں کے ساتھ رحم، محبت، ایذا رسانی سے ممانعت وغیرہ کے بارے میں جو احکامات ہیں احادیث کی روشنی میں ان کی تشریح و وضاحت۔

۱۹۔ مجیب رضوی مترجم:

محمد صاحب کی کچھ حدیثیں

(۱)

(نیا ہند الٰہ آباد ۵۶، فروری مارچ ۱۴۹-۱۴۹)

میل، محبت، ہمدردی، مروت، انصاف وغیرہ سے متعلق احادیث کا ترجمہ۔

(۲)

ان احادیث کا ترجمہ جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے عالم کی مذمت کی ہے جو اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ نہ پہنچائے اور عالم ہوتے ہوئے بھی عمل نہ کرے، آپس میں محبت پیار۔ مزدوری اور قرض کے بارے میں متعدد احادیث۔

۲۰۔ محمد منظور نعمانی:

عبادتِ نبوی

(ماران کراچی، سیرت نمبر ۵۹ جنوری ۱۶۹-۱۸۴)

عبادت کیا ہے؟ عبادت کا موضوع و مقصد کیا ہے؟ حضور اکرم صلعم کا فطری ذوقِ عبادت اور آپ کی عبادت کی تفصیل کیا تھی؟ زیرِ نظر مضمون میں اس سے بحث کی گئی ہے۔

اسد محمد منظور نعمانی:

معارف الحدیث

(مسلسل)

(الفرقان لکھنؤ ۱۰ جنوری ۵۶ ۵-۱۱)

اچھے اخلاق اور برے اخلاق کے سلسلہ میں غیظ و غضب اور غصہ سے متعلق متعدد احادیث مع متن و ترجمہ و تشریح۔

(مسلسل)

اچھے اور برے اخلاق، مثلاً غصہ، جلد بازی، غرور و تکبر، تواضع و خاکساری کے بارے میں احادیث نبوی ان کا ترجمہ اور تشریح۔

۲۱۔ محمد منظور نعمانی:

دنیا اور آخرت کے بارے میں ہمارا رویّہ

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ جنوری ۲۳-۳۵)

پہلی جنوری کو مدیر الفرقان کی تبلیغی جماعت کے اجتماع پر بھوپال میں تقریر جس میں دنیا اور آخرت سے متعلق متعدد مثالوں سے دنیا کے عارضی قیام اور آخرت کی ابدی اور دائمی زندگی کی حقیقت بیان کرنے کے بعد مسلمانوں سے اپیل کی کہ ہمیں ایسے کام اور ایسے اعمال کی طرف توجہ دینی چاہئے کہ آخرت کی زندگی میں بھی اجر کے مستحق قرار پائیں اور عذاب دائمی سے نجات۔

۲۳۔ محمد منظور نعمانی:

عبادت نبوی

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ فروری ۵-۱۸)

ابتدا میں عبادت کی لفظی و معنوی تشریح اور اس کا فلسفہ بیان کرنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت، نماز، دن اور رات کی نماز وغیرہ کو مفصل طور سے بیان کیا ہے۔

۲۴۔ محمود احمد:

سود کا مسئلہ

(ثقافت لاہور ۵۶ فروری ۳۳-۴۲)

ہمارے موجودہ معاشی نظام میں اکثر و بیشتر ایسے عوامل کارفرما نظر آتے ہیں جن کی بنیاد سود پر قائم ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں اسلامی احکام کی روشنی میں سود کے مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ہمارے معاشی نظام کی عمارت سود کے بغیر بھی اسی طرح قائم رہ سکتی ہے جس طرح کہ سود کے ساتھ اس وقت قائم اور موجود ہے۔ اور سود ہمارے معاشی نظام کی برقراری کے لئے ناگزیر نہیں ہے۔

۲۵۔ مظہر الدین صدیقی:

مقامِ انسانیت

(۲)

(ثقافت لاہور ۵۶ فروری ۲۴-۳۲
مارچ ۲۲-۳۱)

اسلام نے انسان کا جو تصور پیش کیا ہے وہ بالکل ایک نیک سرشت، اصلاح پسند اور تعمیری ذوق کا حامل ایک نمائندہ کردار ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں مذہب اسلام کی روشنی میں مقامِ انسانیت سے بحث کی گئی ہے۔

(۳)

مذہب اور قرآن کی روشنی میں انسان
اور اس کی دنیاوی زندگی کے تفصیلات کا ایک جائزہ۔

۲۶۔ مودودی سید ابوالاعلیٰ:

نبوتِ محمدی کا عقلی ثبوت

(فاران کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۲۰۔۲۱)

زمانۂ جاہلیت میں عرب قوم کی زندگی جس تاریکی سے گذر رہی تھی وہ ایک کھلی حقیقت ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں مختلف واقعات و حقائق کی روشنی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یقیناً وہ محمد ہی ہیں اور خدا کے برحق رسول ہی ہیں جو اس قسم کے حالات سے گذر کر بھی صداقت پر فتح پاتے ہیں۔

۲۷۔ مودودی ابوالاعلیٰ:

تفہیم القرآن
(۴۔۵)

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ جنوری فروری ۹۔۳۲، ۱۲۔۲۴)

سورۃ النور کی تفسیر۔

۲۸۔ مودودی ابوالاعلیٰ:

رسائل و مسائل

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ جنوری فروری
۵۹۔۶۶
۶۰۔۶۷)

اس عنوان کے تحت مختلف سوالات جیسے احادیث دجال طلاق قبل از نکاح، اللہ کے حقوق اور والدین کے حقوق سے متعلق سوالات کے جوابات۔

(۲)

اسلامی جمہوریت اور ملازمین حکومت کی حیثیت ناقابلِ توجہ حوادث حیات، حدیث اور توہین صحابہ۔ نظریۂ نسخ آیت مع بقائے حکم پر استدراک، ان سوالات کے جوابات۔

۲۹۔ ندوی محمد حنیف:

مسئلہ خلقِ قرآن کا تاریخی پس منظر

(ثقافت لاہور ۵۶ فروری ۱۳۔۱۶)

دورِ عباسیہ میں عربی عصبیت کو ختم کرنے کی غرض سے کیا کچھ نہیں کیا گیا یہی حال قرآن شریف کے مسئلہ خلق کا ہوا اور زبردستی کی ایسی فتنہ سامانیاں اور باہمی بحث و مناظرے کھڑے کر دئے گئے کہ جس کی وجہ سے یہ مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ ہو گیا لیکن اس زمانہ کے آئمہ کبار ہی تھے جنہوں نے پامردی سے مخالف حالات کا مقابلہ کیا۔ زیرِ نظر مضمون میں اسی کی ایک مختصر سی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

۳۰۔ ندوی محمد حنیف:

صحابہؓ کا طریق افتاء و اجتہاد

(ثقافت لاہور ۵۶ مارچ ۳۷۔۴۰)

افتاء و اجتہاد میں لفظ "معنیٰ" کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اس سلسلے میں ایک عام آدمی بڑی غلطیاں کر جاتا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں مختلف مثالوں کے ذریعہ مختلف چیزوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے اور بتلایا ہے کہ اس سلسلے میں کس کا طریق کار مناسب اور ٹھیک ہے۔

۳۱۔ نسیم احمد فریدی مترجم،

ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندی مکتوبات کے پیرائے میں
(۴)

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ جنوری ۱۳۔۲۱)

مکتوب (۱۰۶) مولانا بہ خوردار کابلی کے نام جس میں، اطاعت الٰہی، بدعت سے اجتناب اعمال نیک کی تشویق، بیعت و طریقۂ بیعت کی وضاحت کی گئی ہے۔

مکتوب (۱۱۰) عبدالحکیم کے نام مواعظ نصائح اور بیعت صالحین۔ یحییٰ معاذ رازی قدس سرہ کا مقولہ کہ ان تین اصناف سے اجتناب کرو (۱) علماء غافلین

(۴) قراۃ العینین (۳) مثنوی جالین۔ ایک کی وضاحت مختلف انداز سے کی گئی ہے۔

(۵) (۵۶) مارچ (۱۲-۲۵)

مکتوب ۷۸ مولانا محمد امین لاہوری کے نام اس میں پانچ سوالات کے جوابات ہیں جن میں پانچویں سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ صوفیا کے مسلمات سے ہے کہ اسلام حقیقی جو کہ اطمینان نفس کے ساتھ مربوط ہے زوال و نقص سے محفوظ ہوتا ہے ... مکتوب ۱۱۹ مخدوم زادہ شیخ عبدالاحد کے نام جس میں "سالک ادائے نماز کے وقت کس چیز کی طرف متوجہ ہو جواب دیا گیا ہے ان کے علاوہ شیخ ابوالقاسم، بہتت خاں، محمد معصوم اور محمد اشرف کے نام۔

۳۳۔ نظامی خلیق احمد پروفیسر:

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ

اور اس کی تاریخی اہمیت

(فاران کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۲۸-۱۵)

اگر حضور اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبۃ الوداع کے بارے میں یہ کہا جائے کہ آسمان نے روز و شب کی ہزاروں کروٹیں بدلی ہیں لیکن احترام انسانیت کے لئے اس سے زیادہ پُر درد اور پر خلوص آواز نہیں سنی تو یقیناً اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔

۳۳۔ نعیم صدیقی:

قیامت کب آوے گی — اور کیسے؟

(چراغ راہ کراچی ۵۶ فروری ۶-۱۵)

آج کے جدید سائنسی دور میں جہاں مختلف نئی نئی دریافتیں ہو رہی ہیں اور نئی نئی چیزوں کے بارے میں سوچا جا رہا ہے وہاں قیامت کا مسئلہ بھی زیر بحث ہے زیر نظر مضمون میں مادی نقطۂ نظر سے سائنس کی روشنی میں قیامت کب اور کیسے ہوگی بحث کی گئی ہے (باقی)

۳۴۔ ہاشمی سید عبد القدوس:

رسول اللہ صلعم کی معاشی زندگی

(فاران کراچی، سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۳۰-۱۴۸)

زیر نظر مضمون میں مختصراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی اور اس کے دوسروں پر اثرات کو واضح کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حضور کے معاشی اصلاحات کے بارے میں بھی معلومات فراہم کئے گئے ہیں۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۵۔ ابوالحسن علی ندوی سید:

دعا

(سیرت نبویؐ کی اہم باب)

(فاران کراچی، سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۷-۲۲)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں جو کمالات جمع تھے ان کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ عبدیت کاملہ و نبوت جامعہ زیر نظر مضمون میں قرآنی آیات کی روشنی میں دعا کو سیرت نبویؐ میں کیا مقام حاصل ہے اور خود دعوت نبویؐ کی تاثیر و تسخیر میں اس کا کتنا بڑا حصہ ہے اور خود حضور نے عبدیت کے اس شعبہ کو عروج و ترقی کی کس حد تک پہنچایا بحث کی گئی ہے۔

۳۶۔ اصغر کاشی پوری:

مجاز اور ان کی فن کارانہ عظمت

(جام نو کراچی ۵۶ مارچ ۱۳-۲۰)

مجاز کی شاعری اور ان کی فن کارانہ عظمت کا ایک جائزہ۔

۳۷ - احسان احمد مرزا:

اقبال سہیل میری نظر میں

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ مارچ ۱۸۰-۱۹۷)

اقبال سہیل کی شاعری پر سیر حاصل بحث اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا ایک اجمالی خاکہ۔

۳۸ - اخلاق احمد دہلوی:

مجاز کے بعد کی رات

(ادب لطیف لاہور، ۵۶ جنوری ۱۱-۱۶)

مجاز کے بعد والی رات مضمون نگار اپنے حلقۂ تعارف میں جس سے بھی ملے اسے مجاز کے انتقال کی خبر سے متاثر پایا۔ بستر پر لیٹے تو مجاز کے ساتھ گزری ہوئی شامیں یاد آگئیں، مجاز کی، محفل کو زعفراں زار بنا دینے والی، باتیں یاد آگئیں اور پوری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ یہاں ان بیتی ہوئی شاموں اور ان گزری ہوئی ملاقاتوں کی روداد سنائی گئی ہے۔

۳۹ - ادارہ:

بہادرانِ اسلام
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۶ مارچ ۱۵)

صحابی نبی کریم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کے حالات زندگی۔

۴۰ - اطہر پرویز:

اسرار الحق مجاز
چند یادیں

(شاہراہ دہلی مجاز نمبر ۵۶ مارچ ۷۷-۸۲)

مجاز سے اپنی دوستی اور ملاقاتوں کا ذکر خاص طور سے رانچی کے پاگل خانہ سے نجات حاصل کرنے کے بعد مجاز جب دلی آئے اور اس کے بعد مجاز کی موت نے آج ادیبوں اور شاعروں کو جھنجھوڑ دیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اردو کا ہر فنکار اپنے آپ سے ایک سوال پوچھ رہا ہے صرف ایک سوال میں اسے دہرا کر زخموں سے کھیلنا نہیں چاہتا..... وہ اس طرح کیوں مرا، اسپتال کے جنرل وارڈ میں..... کیا ایک فن کار کی موت اسی طرح ہوتی ہے؟ یہ موت تنہا مجاز کی موت نہیں، میر اور غالب کی ایک اور موت ہے آج ہم ایک غالب کو حیات ثانیہ دے رہے ہیں اور ایک غالب کو مار رہے ہیں۔ یہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

۴۱ - اعجاز صدیقی:

"لیلیٰ کے خطوط" سے "آثار ابوالکلام آزاد" تک

(شاعر بمبئی، ۵۶ مارچ ۲۴-۲۷)

قاضی عبد الغفار مرحوم کی زندگی کے حالات، ان کی شخصیت پر روشنی اور ان کے ادبی کارناموں پر تبصرہ۔

۴۲ - امین احسن اصلاحی:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں

(فاران کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۲۴-۴۳)

انسان کی گھریلو زندگی ہی سے زیادہ تر اس کے کردار کا پتہ چل سکتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی اور مختلف واقعات کو لے کر آپ کی سیرت پاک پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴۳ - بنارس محمد:

افغان کا وطن اور مذہب

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۶ مارچ ۳۳-۳۸)

فیض الاسلام اگست ۱۹۵۵ء میں رنگا رنگ یادوں کے تحت حرشی صاحب کے مضمون میں سید جمال الدین افغانی کا بھی ذکر ہے محمد حسین خاں صاحب نے افغانی کو شیعہ کہا تھا۔ یہ مضمون اسی خیال کی تردید میں ہے کہ افغانی شیعہ ہرگز نہیں تھے۔

۴۴۔ جاں نثار اختر:

میرا دوست میرا مہمان

(شاہراہ دہلی، مجاز نمبر ۵۶ مارچ)

دسمبر ۱۹۴۸ء میں مجاز مشاعرہ کے سلسلہ میں گوالیار آئے۔ اور اپنی بہن صفیہ کے گھر قیام کیا۔ اسی دوران قیام کی مختلف یادیں۔ جو زیادہ تر گھریلو قسم کی ہیں جن سے مجاز کے مزاج اور انداز طبیعت پر روشنی پڑتی ہے۔

۴۵۔ جعفر شاہ ندوی:

ایک مجتہد عصر کی یاد

(ثقافت لاہور ۵۶ فروری ۹ ۴-۵۴)

پٹنہ عظیم آباد کی خانقاہ عمادیہ کے سجادہ نشین بزرگ حضرت مولانا شاہ ظہور الحق قدس سرہٗ کی خدا پرستی ریاضت اور ان کی تصنیفات کا ایک جائزہ اور خصوصاً ادائیگی نماز کے سلسلے میں زبان کا مسئلہ کہ آیا نماز مادری زبان میں ادا کی جانی چاہیے یا عربی زبان میں، اس پر تفصیلی بحث۔

۴۶۔ جوش ملیح آبادی:

ایک شعلۂ غم

(شاہراہ، دہلی ۵۶ مارچ ۷-۸)

مجاز کی موت پر اپنے تاثر کا اظہار کیا ہے، زمانے کی ناقدر شناسی کا شکوہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ مجاز کی موت جوش کے واسطے ایک ایسا شعلۂ غم چھوڑ گئی ہے جو ان کے سینے کے اندر اس وقت تک جلتا رہے گا جب تک کہ سانس چلتی رہے گی۔

۴۷۔ حامد حسن قادری اکبر:

سیرت پاک کی چند جھلکیاں

(فاران کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۱۲-۱۶)

ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی کی ایک مختصر تقریر جو پاکستانی سفارت خانہ ... میں منعقد ایک محفل میلاد خیر الانام کے موقع پر مسلمانوں کی ایک کثیر جماعت کے سامنے کی گئی جس میں سیرت پاک کے بعض اہم واقعات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

۴۸۔ حمیدہ سالم:

جگن بھائی

(شاہراہ دہلی مجاز نمبر ۵۶ مارچ ۱۵-۲۴)

مجاز کی بہن حمیدہ سالم نے مجاز کے بچپن سے لے کر موت تک کے حالات بہت دلچسپ انداز میں بیان کئے ہیں اور مجاز کی گھریلو زندگی پر معلومات پیش کی ہیں۔

۴۹۔ راہی بلند شہری:

ہوگئی بزم میکدہ خاموش

شاعر رومان اختر شیرانی مرحوم کی زندگی اور شاعری پر ایک نظر

(جام نو کراچی، ۵۶ فروری، ۱۲-۲۴)

اختر شیرانی اردو کے تنہا رومانی شاعر ہیں۔ انھوں نے قدیم روایات کو برقرار رکھتے ہوئے جدید روایات کی بنیاد ڈالی۔ عورت سے تخاطب کا انداز انھوں نے اختیار کیا اردو شاعری اس سے بیگانہ تھی۔ ان کی زیادہ تر نظمیں کسی نہ کسی حادثے یا واقعہ سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں اس لئے اثر رکھتی ہیں۔ مزاج میں انتہا پسندی تھی۔ ثبوت میں ان کی مے پرستی بھی پیش کی جا سکتی ہے اور سلمیٰ پرستی بھی۔

۵۰۔ رشید اللہ۔ خانزادہ:

اسلامی تاریخ کا بہادر سورما

(فیض الاسلام، راولپنڈی ۵۶ مارچ ۱۹-۲۱)

غازی صلاح الدین ایوبی کے کارناموں اور حالات زندگی کا مختصر جائزہ۔

۵۱۔ زبیری محمد حسین:

سرسید کے عقائد و اعمالِ مذہب

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۳۳-۳۸)

سرسید کے خطوط کی روشنی میں ان کی مذہبی زندگی کا ایک جائزہ جس میں مضمون نگار نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سرسید مذہب اسلام کے سچے پیرو اور معتقد تھے اور انھوں نے ایک سچے مسلمان کی زندگی گذاری حالانکہ اب بھی بعض ایسے حضرات

موجود میں جو تعلیم جدید سے آراستہ ہونے کے باوجود بھی سرسید کی مخالفت کرتے ہیں۔

۵۲۔ سبط حسن وغیرہ:

یاروں کے خطوط

(شاہراہ، دہلی ۵۶ مارچ ۱۱-۱۴)

سبط حسن، سلام مچھلی شہری، انسراج رہبر اور واجدہ تبسم کے خطوط جن میں مجاز کی موت پر اظہار تاثر ہے۔

۵۳۔ سخاوت مرزا:

عارف باللہ قاضی سید محمود بحری قدس سرہٗ

(گزشتہ سے پیوستہ)

(نوائے ادب بمبئی ۵۶ جنوری ۷-۴۰)

پچھلی قسط کے بعد اس قسط میں بحری کے کلام میں صنعتوں کا استعمال محاورے، نادر تشبیہات وغیرہ کی مثالیں پیش کیں اور مثنوی من لگن کا تنقیدی و تحقیقی تعارف مسائل تصوف کے ذکر کے ساتھ مع امثال پیش کیا ہے۔ آخر میں کتابیات کی فہرست شامل ہے۔

۵۴۔ سعید اختر نعمانی:

مجاز چچا

(شاہراہ دہلی مجاز نمبر ۵۶ مارچ ۸۷-۹۰)

مضمون نگار نے اپنے چچا مجاز سے متعلق ان کی شرافت نفس، انسان دوستی ان کے لطائف و بذلہ سنجی اور ان کی شراب نوشی سے متعلق متعدد واقعات و مشاہدات پیش کئے ہیں۔

۵۵۔ شوکت تھانوی:

مجاز کو آخری سلام

(ادب لطیف، لاہور ۵۶ جنوری ۹-۱۰)

مجاز کی شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کی مے نوشی حاضر جوابی، بذلہ سنجی، اور خوش گفتاری کی طرف اشارے کیے ہیں اور لکھا ہے کہ وہ انجمن شعر و ادب میں ایک خوشگوار

جھونکے کی طرح آئے اور جس طرح آئے اسی طرح گزر گئے
مگر اپنے نہ مٹنے والے نقوش چھوڑ گئے

۵۶۔ ظ۔ انصاری:

اونچی آواز کی سوچ بچار

(شاہراہ دہلی مجاز نمبر دہلی ۵۶ مارچ ۵۷-۶۱)

مجاز نے تو سیاسی اور فکری رنگ کی شاعری میں بھی اپنی نوائے شوق کے لئے ایک دھیمی دھیمی دھرتان پیدا کرلی تھی "نوجوان خاتون سے" "آوارہ" ایک جلا وطن کی واپسی فکر، خواب سحر اور عشرت تنہائی جیسی نظمیں، اس حقیقت کی گواہ ہیں۔ رہا ایسی شاعری کا معاملہ جس کا نمونہ "مزدوروں کا گیت" "انقلاب" "ہمارا جھنڈا" یا "اُمنگ" تو ہیں تو ان نظموں کی بدولت مجاز نہ تو مجاز بنے اور نہ ان سے کم کر دینے سے نمائندہ شاعری کا کوئی جزو کم ہوتا ہے۔ ان کے لہجہ میں تاثر کی کیفیت، بیان میں غنائی شاعری، اور موضوع میں حسن و سرمستی کا رچاؤ، یہی بنیادیں تھیں گہری تاثیر کی جو مجاز کے لئے مارہ معصروں کو حاصل نہیں ہوتی۔

۵۷۔ عبدالحق:

نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی

(اردو کراچی ۵۶ جنوری ۱-۳۳)

نواب عمادالملک سید حسین بلگرامی کی زندگی اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کی واقعاتی روشنی میں وضاحت اور ان کے علمی اور ادبی کارناموں کا تفصیل سے ذکر۔

۵۸۔ عبدالحمید:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند مغربی سیرت نگار

(فاران کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۱۰۵-۱۱۲)

حضور اکرم ہی کی وہ واحد شخصیت ہے جن کے بارے میں بہت کچھ سوچا اور لکھا گیا اور آئندہ بھی سوچا اور لکھا جاتا رہے گا لیکن پھر بھی ہم آپ کی ہمہ گیر شخصیت کے بارے

میں کسی بھی پہلو کو نمایاں کرنے سے قاصر ہیں زیرِ نظر مضمون میں محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند مغربی سیرت نگاروں نے جو نذرِ عقیدت پیش کرنے کی کوشش ہے اس کا مختصراً ذکر ہے۔

۵۹۔ عبد الرؤف سید اورنگ آبادی:

شیخ الاسلام مولانا معز شمس بلخی نوشۂ توحید

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ مارچ ۲۱۱-۲۲۳)

"شیخ الاسلام مولانا حسین معز شمس بلخی المعروف بہ نوشۂ توحید و مسند پر کو حید علم معارف یگانۂ روزگار سلوک و تصوف میں ممتاز اور شریعت و طریقت و حقیقت و معرفت حقیقت و مجاز، ظاہر و باطن میں ایک جامع باکمال بزرگ گذرے ہیں۔" آپ کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری کا ہے زیرِ نظر مضمون میں آپ کی پیدائش، زندگی، درس و تدریس، ارادت و وسعت و خلافت، روحانی تربیت، بصیرت علمی و مرتبۂ روحانی، تصنیف و تالیف، مکتوبات اور فارسی شاعری کے بارے میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔

۶۰۔ عبد اعلی:

علامہ مارمے ڈیوک پکتھال

(البلاغ بمبئی ۵۶ مارچ ۲۰-۲۲)

مارمے ڈیوک پکتھال کی خود نوشت سوانح حیات سے مختصر حالات، اسلام لانے کی وجہ، مصر کا قیام، ہندوستان میں آکر بمبئی اور حیدرآباد میں قیام اور انتقال کا مختصراً ذکر۔

۶۱۔ عرشی صاحب:

رنگا رنگ یادیں

(فیض الاسلام۔ راولپنڈی ۵۶۔ مارچ)

بلوچیوں اور بلوچستان کے تاریخی تہذیبی اور جغرافیائی حالات۔

۶۲۔ فراق گورکھپوری:

باتیں

(شاہراہ، دہلی ۵۶ مارچ ۵-۶)

بتایا ہے کہ پہلی بار مجاز کی نظم نظر سے گزری تو کیا محسوس ہوا پھر دوسری نظم کا ذکر ہے پھر تیسری "آوارہ" کا جس پر دس گیارہ سطروں میں تبصرہ کیا ہے۔ اس کے بعد مجاز کی وہ باتیں دہرائی ہیں جو کبھی ہنسائی تھیں اور اب جن کی یاد کبھی ہی بہلاتی ہے کبھی آبدیدہ کر دیتی ہے۔

۶۳۔ فیض احمد فیض:

انقلاب کا مطرب

(شاہراہ دہلی ۵۶ مارچ ۵۱-۵۳)

فیض احمد فیض کی وہ تحریر جو "شب تاب" میں "دیباچہ سے پہلے" کے عنوان سے چھپی اور جس کا یہ ٹکڑا بہت مشہور ہوا "مجاز انقلاب کا ڈھنڈورچی نہیں انقلاب کا مطرب ہے۔"

۶۴۔ قادری محمد ایوب:

مولانا علی احمد خاں اسیر

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۳۹-۶۰)

بریلی کی وہ قابلِ قدر اور مشہور شخصیت جس نے دورِ اکبری کے مشہور مورخ و وقائع نگار ملا عبد القادر بدایونی المتوفی ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء کے حالاتِ زندگی ترتیب دیئے وہ مولانا علی احمد خاں اسیر بدایونی تھے۔ زیرِ نظر مضمون میں ان کی پیدائش، توطن، تعلیم و تربیت، ملازمت، ادبی نشست ادبی خدمات اور ان کی زندگی کے دیگر بیشتر واقعات پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

۶۵۔ قاضی اطہر مبارکپوری:

شمس الائمہ سرخسی اور اصول سرخسی

(البلاغ بمبئی ۵۶ فروری ۲۵-۳۴)

محمد بن محمد ابن سہیل ابوبکر شمس الائمہ سرخسی کے حالاتِ زندگی اسلامی دنیا سے ان کے علمی کارناموں اور تصانیف کا تعارف۔

۶۶۔ گلراجانی جیٹھ مل پرشورام:

مشہور صوفی شاہ عبد اللطیف

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جنوری ۳۴-۳۶)

سندھ کے مشہور صوفی شاہ عبد اللطیف کے مختصر

حالات ان کی شاعری سے انتخاب ان کا ترجمہ اور تشریح۔

۶۷۔ "م"

بزرگان دین

(فیض الاسلام راولپنڈی ۷۶ء مارچ ۳۳-۱۴۰)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے تجدیدی کارناموں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس عہد کے پس منظر کو سامنے رکھا جائے، ہمایوں کے دور کے غیر اسلامی واقعات و حالات تاریخی کتابوں سے پیش کئے ہیں۔

۶۸۔ مجتبیٰ حسین:

مغنیٔ آتش نفس

(ادب لطیف لاہور ۷۶ء مارچ ۱۰-۳۵)

مجاز کی شخصیت اور شاعری کے مختلف پہلو مضمون نگار کے شخصی تجربات بعد مجاز سے اپنے تعلقات کی آمیزش کے ساتھ — ایک تفصیلی جائزہ۔

۶۹۔ مجنوں گورکھپوری:

بڑا شاعر، معصوم ہستی

(شاہراہ دہلی، ۷۶ء مارچ ۹-۱۰)

اس اظہار خیال کے بعد کہ "مجاز کی شاعری بڑی تربیت یافتہ اور مہذب ہے۔ اس کے اشعار میں جو وزن اور وقار اور شائستگی اس ہمواری کے ساتھ ملتی ہے وہ اس کے دور کے کسی دوسرے اردو شاعر میں نہیں ملتی۔" لکھا ہے: "مجاز سے زیادہ حلیم اور شریف ہستی اس کی نسل میں مجھے کوئی نہیں ملی۔ مجاز کی موت ایک بہت بڑے شاعر اور ایک نہایت معصوم ہستی کی موت ہے"

۷۰۔ مرزا احسان احمد:

اقبال سہیل میری نظر میں

(معارف اعظم گڈھ ۷۶ء فروری ۹۸-۱۴۴)

اقبال سہیل نے غیر معمولی دماغ پایا تھا لیکن چونکہ طبیعت میں استقلال نہیں تھا اس لیے کوئی شایان شان یادگار نہ چھوڑ سکے۔ اگر ان کے مزاج کی وارستگی حائل نہ ہوتی تو وہ علم و ادب کے افق پر سہیل نہیں بلکہ آفتاب بن کر چمکتے۔ سہیل مرحوم کو جملہ اصناف سخن پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ ان کی نعتیں اردو شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتی ہیں۔

۷۱۔ ممتاز حسین:

کیا جنون کر گیا شعور سے وہ

(شاہراہ دہلی، ۷۶ء مارچ ۳۹-۴۱)

مجاز کی شاعری بیک وقت رومانوی بھی ہے اور انقلابی بھی۔ اس کے شعور میں دور حاضر کی وہ آگہی موجود تھی جو فریب رنگ و بو کو سمجھتی ہے۔ اس کی کوئی بھی غزل یا نظم عشق و محبت کے واردات سے متعلق ایسی نہیں ہے جس میں اس کا یہ انقلابی شعور موجود نہ ہو۔ اس کی زبان حسین ہی نہیں قابل رشک بھی ہے اس کا اسلوب منفرد ہی نہیں بے داغ بھی ہے اس میں ذہانت بھی ہے اور شعریت بھی ہے۔ وہ ترقی پسند شاعر ہی نہیں تھا بلکہ ترقی پسندی کا پرچم اسی نے سب سے پہلے لہرایا تھا۔

۷۲۔ مودودی ابوالاعلیٰ:

بارگاہِ رسالت کے عقیدتمندوں سے

(فاران کراچی سیرت نمبر ۷۶ء جنوری ۱۰-۱۱)

عالم اسلام میں ربیع الاول کا مہینہ بہت مبارک و مسعود سمجھا جاتا ہے اور حضور اکرم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر درود و سلام بھیجے جاتے ہیں۔ مودودی صاحب نے زیر نظر مختصر مضمون میں عقیدتمندان رسالتمآب سے عقیدت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول نامدار کی گذارش کی ہے۔

۷۳۔ نعیم صدیقی:

سب سے بڑا تاریخ ساز صلی اللہ علیہ وسلم مخالفتوں کے طوفان سے گذرتے ہوئے

(فاران سیرت نمبر کراچی ۷۶ء جنوری ۲۹-۱۰۰)

زیر نظر مضمون میں پیدائش رسول مقبول صلی اللہ

علیہ وسلم سے لے کر آنحضرت کی زندگی کے مختلف واقعات کا نفسیاتی تجزیہ کرتے ہوئے حقائق کی روشنی میں حضور اکرم کی زندگی کو ایک مثالی کردار اور نائب خدا کے روپ میں انسان کامل کی حیثیت میں پیش کیا ہے۔

۷۴۔ نعیم صدیقی:

محسن انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم)

مخالفتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ فروری ۴-۱۵)

(مدنی دور) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے اس حصہ سے بحث کی گئی ہے جب کہ آپ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے ابتدا میں مدینہ کی اخلاقی و مذہبی فضا سے بحث کی ہے اس کے بعد اسلامی تحریک سے متعلق مختلف ادوار کا جائزہ لیا ہے۔

۷۵۔ وقار عظیم:

مطرب بزم دلبراں

(شاہراہ دہلی مجاز نمبر ۵۶ مارچ ۷-۲۲)

مجاز آج ہم سے رخصت ہو گیا۔ مجاز نے نوع انسان کی پرستاری کو اپنا شعار بنایا تھا۔ ہم چند یادوں کے سرمائے کو سینے سے لگائے اسے آہستہ آہستہ اپنی مخصوص شان بے نیازی سے ایک دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا کی طرف جاتے دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے کہ زندگی کے کٹھن سے کٹھن سفر کو اسی آہستگی اور اسی شان بے نیازی سے آسان بنا لینا مجاز کی عادت تھی۔

تاریخ و سیاسیات

۷۶۔ بھوپندر ناتھ دت:

دھرم اور راجنیتی

(نیا ہند، الہ آباد ۵۶ فروری ۴۴-۱۷)

مذہب اور حکومت کے تعلقات پر زمانہ قدیم کی ہندوستانی تاریخ مذہب و سیاست سے بحث کرتے ہوئے آخر میں کہا ہے کہ ہماری ترقی کی تعمیر دھرم پر نہیں ہے ہم لوگ بھگوان کے سوچے ہوئے کوئی خاص الخاص جیو نہیں ہیں ہم لوگ دنیا کی دوسری قوموں کی طرح ہیں اسی لئے ہماری حکومت نے دنیا کی دوسری قوموں کے برابر ترقی کے راستہ پر گامزن ہونے کے لئے لا مذہبی حکومت قائم کی ہے۔

۷۷۔ بیگم نسیم اشفاق:

کیا اورنگ زیب متعصب تھا۔؟

(جام نو کراچی ۵۶ جنوری ۳۵-۴۹)

اورنگ زیب عالمگیر کا تعصب ایک محاورہ بن چکا ہے خواہ وہ اپنی جگہ صحیح ہو یا غلط۔ زیر نظر مضمون میں تاریخی حقائق کی روشنی میں ہر چیز کا نفسیاتی تجزیہ کرکے اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اورنگ زیب غیر متعصب تھا۔

۷۸۔ تیجا سنگھ:

سکھ اور ان کا قومی سنگھٹن

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جنوری ۱۹-۲۱)

سکھ مذہب کی تاریخ، پنتھ، گردوارے، ان کا مقصد اور کام۔

۷۹۔ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر:

اسلام اور جمہوریت

(ثقافت لاہور ۵۶ فروری ۷-۱۲)

آغاز اسلام کے انقلاب نے حیات انسانی میں ایک ایسی نمایاں تبدیلی پیدا کی جس کا رخ جمہوریت کی طرف تھا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد قدیم روایات پھر ابھر آئیں اور خلافت سلطنت میں تبدیل ہو گئی۔ زیر نظر مضمون میں اسلام اور جمہوریت کے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ آج کا مسلمان اسلامی جمہوریت پر کاربند ہونے سے ایک افراتفری اور انتشار کے دور سے دوچار ہے۔

۸۰۔ خلیفہ عبدالحکیم:

اسلام اور جنگ و امن

(ثقافت لاہور ۵۶ مارچ ۷ - ۱۴)

انسانی زندگی کا احترام اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے۔ اسلام جنگ کی اس وقت اجازت دیتا ہے جب کہ معاشری نظام میں انتشار اور بدامنی پیدا ہو جائے اور فرد اپنے جائز حقوق کی حفاظت نہ کر سکے تو اپنی مدافعت کی خاطر جنگ کی جا سکتی ہے غرض مذہب اسلام میں جنگ کا تصور کیا ہے زیر نظر مضمون میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

۸۱۔ خورشید احمد فارق:

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط
۲۔ محاذ عراق و عجم

(مسلسل)

(برہان دہلی ۵۶ جنوری ۶ - ۱۶)
(۵۶ فروری و مارچ ۷۰-۸۰، ۱۳۳-۱۴۴)

خطوط نمبر ۶۲ - ۷۴۔

حضرت عمرؓ کے وہ خطوط جو انھوں نے اپنے ماتحتین و دیگر حکام کے نام سرکاری حیثیت سے نظم و نسق ملکی کی خاطر تحریر فرمائے۔

ابتدا میں محاذ عراق و عجم کا نقشہ پھر ان جنگوں سے متعلق حضرت عمر نے جن افسران فوج عثمان بن حنیف ولید بن عقبہ، سعد بن وقاص، مغیرہ بن شعبہ، ابوموسیٰ اشعری۔ اور ان کے علاوہ دوسرے افسروں کے احکامات وغیرہ۔

(۳)

اسی محاذ کے سلسلہ میں خاقنین کے مجاہدوں قاضی شریح۔ فیدی سابور کی فوجوں اور اسلامی افسران فوج اور باشندگان کوفہ کے نام خطوط۔

۸۲۔ ڈاکٹر بشیر احمد:

سرسید اور نظریۂ تخلیقِ آدم

(ثقافت لاہور ۵۶ مارچ ۲۲ - ۳۶)

ہبوطِ آدم کے بارے میں سرسید کا نظریہ اور تخلیقِ کائنات کے مقصد پر ایک سرسری نظر۔

۸۳۔ رحیم محمد دہلوی:

تزکِ بابری

(۴)

(برہان دہلی ۵۶ جنوری ۳۰ - ۴۰)
(فروری مارچ ۹۷-۱۰۸، ۱۵۳-۱۶۲)

("مسلسل") سلطان احمد مرزا کا انتقال، سلطان ابو سعید مرزا کی تخت نشینی، سلطان احمد مرزا کی زندگی کے مختلف حالات اور واقعات، اس کی جنگوں کا حال، اس کے زیر نگیں ممالک اور اس کی اولاد کے بارے میں تفصیلی معلومات کے ساتھ ساتھ ان تمام حالات کا ذکر جس کی وجہ سے سلطان محمود مرزا کی حکومت کا سمرقند میں خاتمہ ہوا۔

(۵)

سلطان مسعود مرزا کی شادی۔ حسن یعقوب کی غداری فرار اور موت۔ سلطان محمود مرزا کا انتقال، اس کے مختصر حالات زندگی اور طرز معاشرت، اس کی اولاد، خسرو شاہ، محمود زماں وغیرہ کا ذکر۔

(۶)

محمود خاں سے ملاقات۔ والدہ کے مزار کی زیارت جنگلیوں سے خراج کی وصولی، شیخ ذوالنون کے ان ایلچی کی بے عزتی۔ ۹۰۱ھ کے واقعات خصار پر سلطان حسین کا حملہ۔ مسعود مرزا کا فرار۔ حمزہ سلطان کی فتح، سلطان حسین کی بزدلی، خسرو شاہ کا قندز پر حملہ اور کامیابی نہ ملنا، سلطان حسین اور خسرو شاہ کی صلح وغیرہ اور سمرقند پر حملہ ان کے علاوہ اور دوسرے واقعات۔

۸۴۔ رزاقی شاہد حسین:

یونانی جمہوریت کا ارتقاء

(ثقافت لاہور، ۵۶ فروری ۵۵-۶۳)

یونان کی قدیم چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں جو قدیم یونان کی شہری مملکتوں کے نام سے مشہور ہیں، جمہوری نظام حکومت اور جمہوری تفکر کی ترقی میں بہت نمایاں حصہ لیے ہے۔ زیر نظر مضمون میں یونانی جمہوریت کے ارتقائی منازل اور … عہد تبدیلیاں ہوئیں اس سے بحث کی گئی ہے۔

۸۵۔ رزاقی شاہد حسین:

ایتھنز اور اس کا جمہوری نظام

(ثقافت لاہور ۵۶ مارچ ۵۱-۶۲)

جمہوری نظام اور جمہوری افکار کی جن ترقیوں کی بدولت قدیم یونان کو تاریخ عالم میں ایک ممتاز مرتبہ حاصل ہوا اور جو آگے چل کر مختلف اقوام کی تہذیب و تمدن کی اساس تھیں ان کا سب سے بڑا مرکز ایتھنز تھا۔ زیر نظر مضمون میں ایتھنز کی عہد بہ عہد تبدیلی و ترقی اور اس کے مختلف نظام حیات و آئین حکومت پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

۸۶۔ سالک عبدالمجید:

ہند کے مسلمان فاتحوں کی فوجی برتری

(ثقافت لاہور ۵۶ فروری ۱۷-۲۳)

ہندوستان پر بیرونی حملہ آور مسلمان جو اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن انھوں نے ہندوستانی افواج پر جن کی تعداد بعض صورتوں میں تو لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اس وجہ سے فتح پائی کہ وہ جدید آلات حرب اور فن جنگ سے خوب واقف تھے۔

زیر نظر مضمون میں ہندوستان پر محمد بن قاسم سے لے کر بابر تک کے زمانے تک جو مختلف جنگیں لڑی گئیں اس کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

۸۷۔ سعید احمد:

صدیق اکبرؓ سے حضرت علیؓ کی بیعت

(برہان دہلی ۵۶ فروری ۸۱-۹۶)

حضرت علیؓ کی بیعت خلافت سے متعلق عام طور سے جو یہ مشہور ہے کہ انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کی بیعت چھ ماہ بعد کی۔ اس مسئلہ پر بخاری اور مسلم کی متعدد احادیث جو حضرت عائشہؓ اور امام زہری سے مروی ہیں روایت۔ اصل مع ترجمہ پیش کرتے کے بعد ان پر اور اس وقت حضرت ابوبکرؓ و علیؓ کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے متعدد دوسری اہم روایات کو پیش کرتے ہوئے آخر میں طبری کی دو روایتوں کو پیش کر کے فیصلہ کیا ہے کہ اصل یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی کشیدگی کی اصل وجہ حضرت فاطمہؓ کا تکدر طبع تھا۔ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے میراث کے متعلق آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی پڑھ کر سنا دیا تو اب ان کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی کہ میراث کے معاملہ کو اپنی رنجش کا سبب قرار دیں۔ اس بنا پر صلح صفائی کا وقت آیا تو حضرت علیؓ نے کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ صرف امر خلافت میں ان کی بات نہ پوچھنے کا گلہ کیا یہ وہی بات ہے جس کو نکتہ بعد الوقوع کہتے ہیں۔

۸۸۔ سندر ریڈی:

گاندھی اور لینن

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جنوری ۳۰-۳۳)

گاندھی اور لینن کا مقصد ایک تھا یعنی انسان انسان سب برابر ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ذات، مذہب اور دولت کی دیوار انسانوں کے بیچ میں حائل نہ ہو لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے طریقے دونوں کے جدا تھے۔ لینن کا یہ خیال تھا کہ چاہے سادھن اچھے ہوں یا برے، پاک ہوں یا ناپاک، ہنسا کے ہوں یا اہنسا کے بہر حال مقصد کو حاصل کرنا ہی چاہئے جس طرح سے بھی ہو۔ لیکن گاندھی جی کا یہ خیال تھا کہ آدرش اور سادھن میں گہرا تعلق ہے اس

لئے دونوں کو الگ نہیں کرنا چاہئے بلند مقاصد کو اونچے
ذرائع اور اصولوں ہی سے حاصل کرنا چاہئے۔

۸۹۔ عبدالرشید خواجہ:

مقتلِ غوری

(برہان دہلی ۵۶ جنوری ۱۷۔۲۹)

سلطان شہاب الدین غوری کو کس نے اور کہاں قتل کیا اور کس مقام پر اس کی تدفین ہوئی اس تعلق سے تاریخی واقعات میں کافی تضاد اور اختلاف ہے۔ زیر نظر مضمون میں چند واقعاتی تفصیلات کی روشنی میں اس مشکل مسئلہ کو حل کرنے اور صحیح نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۹۰۔ عبداللہ سید ڈاکٹر:

انگریزی کے بیس سال اور

(ادب لطیف لاہور ۵۶ مارچ ۴۔۷)

پاکستان کے دستور میں ملک کی قومی زبانیں دو قرار دی گئی ہیں۔ بنگلہ اور اردو مگر انگریزی کی موجودہ سرکاری حیثیت بھی بیس سال تک باقی رہے گی۔ زیر نظر مضمون میں اسی پر بحث کی گئی ہے اور انگریزی زبان کے موجودہ موقف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۹۱۔ عنایت اللہ شیخ ڈاکٹر:

تاریخ اسلام کا مطالعہ

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ فروری ۸۵۔۹۷)

قومی تاریخ کا علم نہایت ضروری ہے۔ تاریخ اسلام کی اہمیت کے پیش نظر اس فن کو نا اہل لوگوں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑا جائے بلکہ اہتمام کیا جائے کہ اپنے قوم میں ابتدا ہی سے تاریخ کا صحیح ذوق پیدا ہو اور تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ انھیں تاریخی بصیرت بھی حاصل ہو۔ اسلام نے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے ارتقا میں نمایاں حصہ لیا ہے اس لیے تاریخ اسلام کا مطالعہ ہندوستان کی دوسری قوموں کے لیے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے۔

۹۲۔ فاروقی مصباح الاسلام:

مسودۂ دستور پر تبصرہ

(چراغ راہ کراچی ۵۶ فروری ۲۸۔۳۴)

حکومت پاکستان کے نئے دستور پر سیر حاصل بحث ہے اور بعض قوانین و دفعات سے اختلاف کیا گیا ہے۔

۹۳۔ قاضی اطہر مبارک پوری:

دار ارقم بن ابی ارقمؓ

مکہ مکرمہ میں اسلامی ثقافت کا سب سے بڑا مرکز

(البلاغ بمبئی ۵۶ مارچ ۲۵۔۳۴)

دار ارقم، جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابتدا میں چند مسلمانوں کو لے کر پناہ گزیں ہوا کرتے تھے، اور اسلامی تعلیم دیا کرتے تھے جس دار ارقم سے اسلامی تاریخ کے اہم واقعات وابستہ ہیں اس کی تاریخ، اور اب سعودی حکومت کی طرف سے اس مکان کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور اسے اسلامی ثقافت کا ایک مرکز بنایا جائے گا۔

۹۴۔ محبوب رضوی:

مکتوب نبویؐ اور قیصر روم کا اعتراف

(برہان دہلی ۵۶ مارچ ۱۴۵۔۱۵۲)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کو دعوت اسلام دیتے ہوئے ایک خط لکھا، خط پاکر قیصر نے دربار منعقد کیا اور عربی قافلہ جو بغرض تجارت بیت المقدس کے قریب غزہ میں مقیم تھا وہاں سے ابو سفیان کو بلاکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوالات و جوابات اور اسلام کے سچے ہونے کا اعتراف سیرت عمر میں علامہ ابن جوزی نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ قاصد رسولؐ حضرت دحیہ کو قیصر نے اپنے محل میں بلاکر ایک

کمرہ میں ۳۱۳ لگی ہوئی تصویروں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ تمہارے پیغمبر کی کون سی تصویر ہے پھر دوسری تصویر کو پوچھا کہ یہ کس کی ہے حضرت دحیہ نے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کی اور تیسری حضرت عمرؓ کی، قیصر نے کہا کہ تورات کی پیش گوئی کے مطابق انہیں دونوں حضرات کے ہاتھوں اسلام کو ترقی ہوگی۔

۹۵۔ مرزا اسمٰعیل:

ہندستان! میل ملاپ کا سنگم

(نیا ہند، الہ آباد ۵۶ جنوری ۱-۵)

ہندوستان کی مختلف قوموں کے درمیان کلچرل اور تہذیبی تعلقات کا جائزہ۔ عہد قدیم سے لیتے ہوئے بیان کیا ہے کہ باہر سے قومیں آتی رہیں ان کے کلچر اور تہذیب یہاں کے کلچر اور تہذیب میں گھل مل کر کافی اثر انداز ہوئی۔ موجودہ دور میں بھی چاہئے کہ ساری قومیں گھل مل کر انسانی تہذیب و تمدن کو آگے بڑھائیں۔ اور پھر اسی طرح انسانیت باقی رہ سکتی ہے۔

۹۶۔ معین الحق سید ڈاکٹر:

تاریخ اسلام کے ازسر نو لکھنے کی ضرورت

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۹-۲۰)

اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے سالانہ اجلاس میں پڑھا گیا ایک مقالہ جس میں ڈاکٹر صاحب نے فن تاریخ نویسی کی ابتدا، ارتقاء کے ساتھ مسلمانوں نے اس فن میں جو تبدیلیاں کیں اور اس کی وسعت اشاعت میں جو حصہ لیا، تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ بعض مورخین نے جن بعض تاریخی واقعات کے ساتھ تعصب سے کام لیا ہے ان کو ازسر نو لکھا جائے۔

۹۷۔ مہندر:

چین اور بھارت کا سانسکرتک میل جول

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جنوری ۳۷-۴۰)

ہندوستان اور چین کے دوسری صدی عیسوی سے اب تک کے تہذیبی تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔

۹۸۔ وشو مبھر ناتھ پانڈے:

ہند اور ایران کا کلچری میل جول

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ مارچ ۱۱۹-۱۳۰)

ہندوستان اور ایران کے تہذیبی اور کلچرل تعلقات کا آریوں کی آمد سے موجودہ دور تک جائزہ لیا ہے کہ دونوں میں مذہبی ایکتا۔ زبان اور ادب، تصوف اور ویدانت ہند ایرانی کلا ان سب میں کتنی یکسانیت اور مماثلت رہی ہے۔

۹۹۔ یوسف مرزا محمد:

اسلام کا فلسفۂ تاریخ
حدیث مجددین ملت کی روشنی میں

(برہان دہلی فروری، مارچ ۵۶ — ۱۱۴-۱۲۵، ۱۷۵-۱۸۳)

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ نسل انسانی کی تاریخ لیکن اپنے مخصوص معنوں میں اس کا آغاز بعثت نبوی سے ہوتا ہے۔ اس تاریخ اسلام کا ایک خصوصی فلسفہ ہے جسے اسلامی تعلیمات میں تجدید دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ فلسفۂ تاریخ اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے حدیث نبوی "اللہ تعالیٰ اس امت کے ہر سو سال کے اختتام پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو امت کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔" اس حدیث کی روشنی میں سب سے پہلے دور بنوامیہ کو مثال کے طور پر پیش کیا ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں اموی ملوکیت نے اسلام کو کتنا نقصان پہنچایا۔

(۲)

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز اگرچہ اموی خاندان میں بڑے عیش و نعم کے ساتھ پروان چڑھے لیکن انھوں نے اسلامی نظام کی ہی اصلاح نہیں کی بلکہ انھوں نے مفکرین کی اس مایوسی کو بھی بدل دیا کہ اسلامی تعلیمات سے مستنبط سیاسی نظم صرف خلافت راشدہ ہی تک محدود تھا دوسری صدی میں خلافت عباسیوں کے ہاتھوں میں آئی تو الحاد و زندقہ بڑی تیزی

بڑھنے لگا حدیث سے اعراض ہی نہیں بلکہ استخفاف شروع ہوگیا۔ روشن خیالی اور آزاد خیالی بڑھتی جا رہی تھی۔ یونانی فلسفہ بڑھنے لگا۔ اس صدی کے آخر میں امام شافعی اس صورت حال کے ازالہ کے لئے مامور ہوئے، تیسری صدی میں معتزلہ کا زور بڑھا۔ امام ابوالحسن اشعری خود معتزلی تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں کو فتنہ اعتزال کے سدباب کے لئے مقرر فرمایا۔ اور اس طرح حدیث نبوی کی برابر تصدیق ہوتی رہی۔

تنقید، ادب، لسانیات

۱۰۰۔ ل۔ ا:

بنگال میں ڈرامائی روایت

(ہندستانی ادب حیدرآباد (دکن)، ۵۶ مارچ ۴۷)

بنگال اور وہاں کے ڈراموں کے بارے میں مختصر معلومات۔

۱۰۱۔ اثر محمد علی رامپوری:

رام پور کے چند مشاعرے

(ہمایوں، لاہور ۵۶ فروری ۷۵-۷۷)

یہ بتانے کے بعد کہ داغ کیونکر اپنے شاگردوں کے کلام پر اصلاح دیتے تھے لکھا ہے کہ ایک مشاعرے میں ایک خاتون متخلص بہ حیا نے اپنی غزل چق کے اندر سے پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد مرزا حیا دہلوی کی باری آئی ان کی غزل کا ایک شعر تھا:

لن ترانی نہیں کرتے بہت عاشق سے
نکل آ پردے سے آواز سنانے والے

مضمون تو معرفت کا تھا لیکن آپڑا تجاز میں۔ مرزا حیا نے مصرعہ ثانی کی تکرار اس انداز سے کی کہ حیا کو پردہ سے باہر آنا پڑا۔

۱۰۲۔ ارشد حافظ رشید احمد:

قدیم عربی ادب میں بہاریہ مضامین

(العلم کراچی، جنوری تا مارچ ۱۹۵۶ ۴۳-۴۹)

اس بات کو سن کر لوگوں کو تعجب ضرور ہوگا کہ عرب کے صحرا نشین اور بدو شاعروں کے اشعار میں بھی موسم بہار کے تذکرے موجود ہیں۔ زیر نظر مضمون میں قدیم اسلامی دور کے چند عربی شعراء کے بہاریہ اشعار کے نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ یہاں کے بہاریہ شعری کارناموں کا بھی سرسری ذکر بھی آگیا ہے۔

۱۰۳۔ اصغر بٹ:

اسٹیج کے لئے ڈرامہ نویسی

(ماہ نو کراچی ۵۶ جنوری ۵۳-۵۶)

جدید اسٹیج کے اعتبار سے ایک ڈرامہ نویس کے لئے یہ امر باعث مشکل بن گیا ہے کہ وہ اسٹیج ڈرامے کس قسم کے لکھے اس وجہ سے کہ موجودہ صورت میں نیا اسٹیج ہال کے بیچوں بیچ آگیا ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسٹیج کے ڈراموں کی کینیک اور موجودہ اسٹیج کی فنی خوبیوں اور عیوب کو پیش کیا گیا ہے۔

۱۰۴۔ اطہر فاروقی:

نقد و نظر

(جام نو، کراچی ۵۶ فروری ۱۱-۱۲)

اگر ہمارے ادب کو ہماری زندگی کا ساتھ دینا ہے اور اس کے ساتھ چلنا ہے تو ایک طرف قدیم سے توانائی حاصل کرنا اور دوسری طرف جدید قدروں کو اپنانا ضروری ہے۔

۱۰۵۔ باری خاں:

کلیم الدین احمد اور اردو تنقید

(جام نو کراچی سالنامہ ۵۶ ء ۴۷-۴۹)

زیر نظر مضمون میں کلیم الدین احمد کے تنقیدی نظریات اور ان کی روشنی میں ان کی لکھی ہوئی تنقیدوں کو پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کی تنقید بجائے خود اردو کے تنقیدی سرمائے کے اچھے نمونے ہیں۔

۱۰۶۔ برنی انعام عظیم:

ناسخ اور تذکرہ نویس

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۲۱-۳۲)

شیخ امام بخش ناسخ کی سوانح حیات کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں بہت اختلاف ہے۔ زیر نظر مضمون میں خود ناسخ کے کلام کی روشنی میں ان کی سوانح حیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۰۷۔ ابتہید الاسلام سید:

چاند نگر کا شاعر

(ادب لطیف، لاہور، ۵۶ جنوری ۱۹-۲۷)

ابن انشا طرز ادا میں انفرادیت کا قائل، غیر مانوس الفاظ کے استعمال کی طرف مائل اور مکمل فضا پیش کرنے میں منفرد ہے۔ یہ اچھی نظم کہہ سکتا ہے اچھی غزل نہیں کہہ سکتا۔ اس کے ہاں ایک واضح سماجی شعور موجود ہے مگر اس کے بیان کا اکھڑپن اور سپاٹ انداز کھلتا ہے۔ اگر یہ ریاض کرے اور بیان کی جادوگری کا فن سیکھ لے تو نئی نسل کے شعرا میں ممتاز مقام حاصل کر سکتا ہے۔

۱۰۸۔ چیٹرجی سرت چندر:

جدید بنگالی ادب

(ہندستانی ادب حیدر آباد (دکن)، ۵۶ مارچ ۲۲-۲۴)

بنگالی ادب کے بارے میں ایک سرسری جائزہ۔

۱۰۹۔ حنیف احمد نقوی:

غالب کے خطوط کی نفسیات

(شاعر بمبئی ۵۶ مارچ ۲۸-۳۱)

غالب کے اردو خطوں کی بعض مشہور و معروف خصوصیات "غالب کے خطوط کی نفسیات" کے عنوان سے پیش کی گئی ہیں۔

۱۱۰۔ رام ناتھ:

فصاحت و بلاغت کی معراج

(نقوش کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۱۵۵-۱۶۲)

صداقت ایک ایسی ناقابل تسخیر طاقت ہے جس کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا اسی نظریہ کے تحت زیر نظر مضمون میں داعیٔ اسلام حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ حضور اکرم کے خطوط، خطبات اور عام روزمرہ کی باتوں کو سامنے رکھ کر آپ کے کلام فصاحت التیام سے بحث کی گئی ہے۔

۱۱۱۔ سلام سندیلوی:

رباعیات فراق گورکھپوری

(جام نو کراچی سالنامہ ۵۶ء ۳۵-۴۵)

رباعی گوئی میں فراق کا رتبہ بہت بلند ہے خصوصاً انھوں نے اردو رباعی میں ہندی اور سنسکرت الفاظ کو جو اردو کے ساتھ استعمال کیا ہے اپنی آپ نظیر ہے اور اس تعلق سے ہمیں فراق کی انفرادیت تسلیم کرنا پڑتی ہے زیر نظر مضمون میں فراق کی رباعیوں کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔

۱۱۲۔ سلام سندیلوی:

رباعیات سرمد

(ہندستانی ادب حیدر آباد (دکن)، ۵۶ فروری ۸-۱۴)

سرمد کی رباعی گوئی کے بارے میں ایک معلومات آفریں اور تحقیقی مضمون۔

۱۱۳۔ سندر لال مترجم:

شیخ سعدی کی کریما

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جنوری ۶-۱۹)

کریما کا مکمل ترجمہ۔

۱۱۴۔ سیٹھو پلے۔ آر۔ پی پروفیسر:

قدیم تامل ادب کی روایات

(ہندستانی ادب حیدر آباد دکن) ۵۶ مارچ

تامل ادب کی نشو ونما کی ابتدائے تاریخ کے مختصر خدوخال۔

۱۱۵۔ شکیل الرحمٰن:

چینی زبان

(شاعر بمبئی، ۵۶ء مارچ ۱۷-۲۱)

مختصراً چینی زبان کی تاریخ بیان کی ہے اور

اس زبان کی بعض خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔

۱۱۶۔ضیاء احمد بدایونی پروفیسر:

فارسی شعراء اور نعتِ رسولؐ

(فاران کراچی سیرت نمبر ۵۶ جنوری ۹۹۔۱۰۳)

نعت گوئی ایک مشکل فن ہے اور اس میں ایک سرمو لغزش کی گنجائش کہاں؟ لیکن اکثر نعت لکھنے والے ان پابندیوں کا خیال نہیں کرتے جو سراسر حضور اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گستاخی ہے۔ زیر نظر مضمون میں ان ہی چیزوں سے بحث کرتے ہوئے مختلف فارسی کے نعت نگار شعراء کے کلام کے نمونے سند رہ گیا

۱۱۷۔غضنفر:

سنسکرت ادب

(اردو کراچی ۵۶ جنوری ۳۳۔۶۷)

قدیم زبانوں میں سنسکرت کی بڑی اہمیت ہے۔ زیر نظر مضمون میں سنسکرت زبان و ادب کے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اور اس کی افادیت و اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے

(باقی)

۱۱۸۔فریدی نور احمد:

خواجہ فریدؒ کی ایک کافی

(ماہ نو کراچی ۵۶ جنوری ۱۰۔۱۱ ۱۳)

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ شاہ غلام فریدؒ ایک باکمال درویش گذرے ہیں جنھوں نے نہ صرف اردو اور فارسی میں طبع آزمائی کی ہے بلکہ اپنی مادری زبان ملتانی کے ملک الشعراء مانے جاتے ہیں۔

زیر نظر مضمون میں آپ کے کلام سے ایک بند جو صوفیانہ رنگ کا ہے۔ معانی و مطالب کے ساتھ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے اور حضرت موصوف کی شاعرانہ عظمت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۱۹۔فکر تونسوی:

مجاز کی ایک نظم

(شاہراہ دہلی ۵۶ مارچ، ۴۵۔۵۰)

مجاز کی ایک نظم "تنہائی" کی تشریح۔

۱۲۰۔فیض الرحمٰن اعظمی:

مجاز کی شاعری

(شاہراہ دہلی ۵۶ مارچ ۵۴۔۵۶)

مجاز کی شاعری غنائی شاعری ہے۔ خواہ کیسا ہی موضوع اور کیسا ہی خیال ہو وہ غنائیت کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا وہ انقلاب کی دعوت دیتے ہوئے بھی گرجتا نہیں گاتا ہے۔ مجاز کی کامیاب انقلابی نظموں میں "آوارہ" کو خاص وقعت حاصل ہے اور اس کی بعض نظمیں ندرت بیان اور جدت استعارات و تشبیہات کے لحاظ سے بڑی پایہ کی ہیں۔

۱۲۱۔کاظمی تمکین۔سیدا

ملکۂ اودھ کی شاعری

(جام نو ۵۶ جنوری ۳۱۔۳۴)

اودھ کے آخری تاجدار واجد علی شاہ اختر کی بیوی اعظم بہو کے کلام فصاحت الیتام کے بارے میں معلومات آفریں تحقیق اور دیوان۔عالم سے کلام کے مختلف نمونوں کو بھی پیش کیا ہے۔

۱۲۲۔لی شو:

ھوئی عوام کی اکادمی

(ہندستانی ادب حیدرآباد (دکن) ۱۲۔۱۴)

ھوئی عوام ہمارے ملک کی بڑی قومی اقلیتوں میں سے ایک ہیں۔ پیکنگ میں ھوئی عوام کی اکادمی ۱۹۲۹ء میں قائم ہوئی زیر نظر مضمون میں اسی اکادمی کے بارے میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔

۱۲۳۔ ممتاز حسین:

حالی بہ حیثیت نقاد

(ماہ نو کراچی ۷۵ جنوری ۳۔۷)

حالی سرسید تحریک کے اہم رکن تھے اور ان کی تحریر و تقریر اس تحریک کے اغراض و مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے وقف تھی اس لئے جب تک ہم سرسید تحریک کے اغراض و مقاصد اور حالی کے تاریخی رول کا علم نہ ہو ان کے فلسفۂ تنقید کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ حالی کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ وہ آج بھی ہم میں بطور رجحان کے زندہ ہیں، وہ ہماری سماجی اور ذہنی تاریخ کا جزو بن چکے ہیں زیر نظر مضمون میں حالی کے تنقیدی رجحانات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۱۲۴۔ مہر غلام رسول۔

غالب کا تصور جنت و دوزخ

(ماہ نو، کراچی ۷۵ فروری ۷۔۱۰)

غالب کے بعض اشعار اور ان کی تشریح کی مدد سے غالب کے تصور جنت و دوزخ کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

۱۲۵۔ نذیر احمد ڈاکٹر:

عہد جہانگیر کا ایک اہم منصب
یعنی
تقی اوحدی اصفہانی صاحب عرفات العاشقین
(۲)

(معارف اعظم گڑھ ۷۵ فروری ۱۲۵۔۱۴۶)

اس قسط میں تقی اوحدی کی تصنیفات کی فہرست دی ہے بعض فہرست نگاروں کی غلطیوں کی طرف اشارے کئے ہیں اور "عرفات العاشقین کے بارے میں یہ بتانے کے بعد کہ یہ تذکرہ بہت کمیاب ہے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں تقی اوحدی کی شاعری سے بحث کی ہے۔

۱۲۶۔ نذیر احمد ڈاکٹر:

کچھ کتاب "نورس" کی بابت

(معارف اعظم گڑھ ۷۵ مارچ ۱۹۸۔۲۱۰)

"نورس" ابراہیم عادل شاہ (۹۸۸۔۱۰۳۷ھ) کی نظموں کا مجموعہ ہے۔ یہ بادشاہ بیجاپور کے عادل شاہی خاندان کا چھٹا حکمران گزرا ہے۔ کتاب "نورس" کو مصنف نے اپریل ۱۹۵۵ء میں شائع کیا جس پر ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے ایک طویل تبصرہ لکھتے ہوئے اس کتاب کی بہت سی خامیوں کو واضح کیا ہے۔ فاضل مصنف نے ان خامیوں اور اعتراضات کا مدلل جواب زیر نظر مضمون میں پیش کیا ہے۔ (باقی)

۱۲۷۔ ہاشمی نصیر الدین:

دکھنی حکمراں اور دیسی بولیوں کی سرپرستی

(نوائے ادب بمبئی ۷۵ جنوری ۴۱۔۵۳)

مقالہ نگار نے ادارہ نوائے ادب کی درخواست پر بمبئی کی ایک علمی مجلس کے سامنے تین مقالے پڑھے تھے۔ دو نوائے ادب میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تیسرا مقالہ ہے جس میں دکھنی حکمرانوں کی مقامی بولیوں سے دلچسپی اور سرپرستی کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

۱۲۸۔ ہاشمی نصیر الدین:

شعرائے اردو کا ایک نایاب تذکرہ
یعنی
مجموعہ انتخاب شاہ کمال

(اردو کراچی ۷۵ جنوری ۷۶۔۹۱)

قدیم شعرائے اردو کا ایک نایاب تذکرہ جس کا تعلق زیادہ تر حیدرآباد سے ہے اس پر فاضل مقالہ نگار کی تحقیقی توجہ۔

معاشرتی حالات

۱۲۹۔ الطاف گوہر:

مغربی اور مشرقی پاکستان میں ثقافتی اشتراک

(ماہ نو کراچی، ۵۶ فروری ۲۹-۳۰)

یہ بتایا ہے کہ گذشتہ چند سالوں میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے جغرافیائی فاصلے کو ثقافتی قرب میں گم کرنے کے لئے پاکستان کے ادبی اور ثقافتی اداروں اور جماعتوں نے کیا کام کیا۔

۱۳۰۔ فواد فخرالدین ڈاکٹر (انڈونیشیا)

ترجمہ:- خلیل حامدی۔

حضورؐ نے انسانی معاشرت کو کیا دیا؟

(فاران سیرت نمبر کراچی ۵۶ جنوری ۴۳-۴۸)

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے ظہور نے دنیا کو ایک نئی تہذیب اور ایک نئے تمدن سے روشناس کیا اور ہمارے آگے ایک ایسے نظام کو پیش کیا جس کی اساس اعلیٰ انسانی اخلاقیات پر قائم ہے۔ زیر نظر مضمون میں حضور اکرم کا عمل اور آپ کے اسوۂ حسنہ کا مختصراً جائزہ لیا گیا ہے۔

اقتصادیات

۱۳۱۔ قریشی محمد ابصار حسین:

پسماندہ ممالک میں اقتصادی ترقی کے چند پہلو

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۱۰۶-۱۱۷)

جنگ عظیم کے بعد سے پسماندہ ممالک میں اقتصادی ترقی کا شعور بڑھتا جارہا ہے زیر نظر مضمون میں پسماندہ ممالک کی اقتصادی ترقی کے امکانات اور وسائل سے مفصل بحث کی گئی ہے۔

تعلیمات

۱۳۲۔ الطاف علی بریلوی سید:

انگریزی تعلیم کے اجزاء مختصر جائزہ

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۹۹-۱۰۵)

انگریز یا کمپنی کی حکومت میں ملکی زبان فارسی اور فقہ اسلامی بطور قانون حکومت رائج تھی ۱۷۸۱ء میں اسلامی تعلیم کے لئے کلکتہ میں ایک اعلیٰ پیمانہ پر مدرسہ بھی قائم کیا گیا۔ ۱۷۹۲ء میں بنارس میں بھی ایک سنسکرت کالج کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۷۹۲ء میں مسٹر چارلس گرانٹ نے جو کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز کے قابل ترین ممبر بھی تھے، ہندوستان میں انگریزی زبان کی ترویج و تعلیم کے مسئلہ کو اٹھایا۔ زیر نظر مضمون میں انگریزی زبان کی ہندوستان میں تعلیم کی ابتداء اور ترقی اور اس تعلق سے ہندوستانیوں کے رد عمل کا جائزہ

۱۳۳۔ ہمدانی انعام عظیم:

پاکستان میں تعلیم

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۶۱-۷۱)

حکومت پاکستان کے شعبۂ اطلاعات وزارت تعلیم کی مرتبہ رپورٹ جس میں پاکستان میں تعلیمی ترقی کا خاکہ پورے اعداد و شمار کے ساتھ۔

۱۳۴۔ حسن الاعظمی:

عربی زبان پاکستان میں انگریزی کی جگہ لے سکتی ہے

(العلم کراچی ۵۶ جنوری تا مارچ ۸۰-۸۲)

حکومت پاکستان نے اپنے منشور میں دو سرکاری زبانوں کا اعلان کیا ہے (۱) اردو (۲) بنگالی لیکن زیر نظر مضمون میں اس امر کو ثابت کرنے کی کوشش

کی گئی ہے کہ ان دونوں زبانوں کی بجائے انگریزی کو
سرکاری زبان قرار دے دیا جائے تو بہتر ہوگا اور اس
سلسلے میں مقالہ نگار نے بہت سے دلائل بھی پیش کئے ہیں

۱۳۵۔ رفیع الدین ڈاکٹر:

اسلامی نظامِ تعلیم کا مفہوم

(ثقافت لاہور ۶ ۵ فروری ۴۴ ـ ۴۸)

انگریزی نظام تعلیم کی برکت سے ہمارے دلوں میں جو اسلامی تصورات موجود ہیں کمزور ہوتے جارہے ہیں اور موجودہ صورت میں نہ تو ہم اسلامی تصورات ہی کے حامل ہیں اور نہ ہی پوری طرح مغربیت کو اپنا سکے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اسلامی نظام تعلیم اور اس کے مقاصد کو واضح کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔

فلسفہ

۱۳۶۔ یوسف محمد مرزا:

اشاعرہ اور فلسفہ یونان"

(معارف اعظم گڈھ ۶ ۵ مارچ ۱۶۵ ـ ۱۷۹)

کلام اور فلسفہ میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ علم کلام کے دو فریضے ہیں۔ اثبات عقائد اور دفع شبہات۔ اساطین اشاعرہ خواہ وہ متقدمین میں ہوں یا متاخرین علوم فلسفہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے ان کی فلسفہ دانی کسی طرح فلاسفۂ اسلام کی فلسفہ دانی سے کم نہ تھی۔ زیر نظر مضمون میں امام ابوالحسن الاشعری اور ان کے متبعین کی تصانیف سے الحاد و دہریت کی بڑھتی ہوئی رو جس حد تک رکی اس کا تفصیل سے ذکر ہے۔

وفیات

۱۳۷۔ قریشی عبدالرزاق:

مولانا حافظ اسلم جیراج پوری

(نوائے ادب بمبئی ۶ ۵ جنوری ۵۹ ـ ۶۰)

مولانا جیراج پوری (اعظم گڈھ) کے رہنے والے تھے وہ ایک عالم باعمل ہی نہیں تھے بلکہ علمی حیثیت سے تحقیق و تصنیف میں بھی ان کا درجہ خاصہ بلند ہے۔ حیات حافظ، حیات جامی اور تاریخ الامت وغیرہ کا مصنف ایک بلند ذوق ادیب و نقاد ہی نہیں بلکہ زبردست مورخ اور شاعر بھی تھا۔ مسئلہ وراثت پر ان کی تصنیف خاصی اہمیت رکھتی ہے۔ ان کے علاوہ ان کے تحقیقی مضامین اصحاب علم و فضل کے لئے بھی دعوت فکر و نظر کا سامان مہیا کرتے تھے۔ یہ مسلم یونیورسٹی کے ایک کامیاب استاد تھے۔ بعد میں جامعہ کی تاسیس سے اس میں پڑھانے لگے اور آخری سانس تک اس کی خدمت کی۔ ان کی ایسی نیک ہستیاں بہت کم ہوتی ہیں۔

نوّے سال کی عمر میں وفات پائی۔

۱۳۸۔ قریشی عبدالرزاق:

اقبال احمد سہیل

(نوائے ادب بمبئی ۶ ۵ جنوری ۵۷ ـ ۵۸)

اقبال احمد سہیل، شبلی کے ممتاز شاگرد، علی گڑھ یونیورسٹی کے قابل فخر طالب علم، اعظم گڑھ کے کامیاب وکیل اور اردو و فارسی شعر و ادب کے ذہین متعلم ہی نہیں بلکہ فارسی و اردو کے بلند پایہ شاعر تھے۔ علمی و ادبی ذوق و شوق انتہا درجہ کا تھا۔ سیاست میں بھی حصہ لیا۔ جون پور کے محمد حسن کالج نے اپنی ایک خاص اشاعت سہیل نمبر میں ان کے کلام کو محفوظ کر دیا ہے۔ تاہم کافی ضائع ہو گیا اور اب بھی خاصا کلام غیر مطبوعہ ہے۔ سب کو اکٹھا کرنے کی ضرورت ہے۔

مضامین بھی مختلف رسالوں میں بکھرے ہوئے ہیں جن کا شائع کرنا ادبی خدمت ہوگی۔ شبلی سے انھیں عقیدت اور سید سلیمان ندوی سے بڑی محبت تھی۔

۱۳۹۔ قریشی عبدالرزاق:

بیخود دہلوی

(نوائے ادب بمبئی ۶ ص جنوری ۵۴)

سید وحید الدین احمد نام، بیخود تخلص، دہلی کے ایک بہت پرانے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دستور زمانہ کے مطابق گھر پر ہی اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم اپنے زمانہ کے اکثر علماء، فضلا کی صحبت حاصل کی۔ کمسن بیخود کو غالب "یارچہ" کہتے تھے۔ یہ داغ کے رنگ کے استاد غزل گو شاعر تھے۔ زبان و فن دونوں پر عبور تھا۔ دو مجموعے درشہوار بیخود اور گفتار بیخود شائع ہو چکے ہیں۔ بہت سا کلام غیر مطبوعہ ہے۔ ننگ و ناموس کے نام سے ایک اچھا ناول بھی لکھا تھا۔ طبیعت باغ و بہار تھی گر کبھی کبھی بہت غصہ میں آجاتے تھے۔ شعر و ادب کے علاوہ پیراکی، پہلوانی اور بنوٹ کے ماہر شہسواری و کبوتر بازی اور کنکوے بازی میں طاق تھے۔ بقول شاہد احمد دہلوی جن بھوت اتارنے میں بھی شہرت رکھتے تھے۔ بے خود کی موت سے بزم دلی کی آخری شمع بھی بجھ گئی۔

۱۴۰۔ قریشی عبدالرزاق:

پنڈت کیفی

(نوائے ادب بمبئی ۶ ص جنوری ۵۵۔۵۶)

پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی ۱۸۶۶ء میں پیدا ہوئے سن شعور کو پہنچ کر اپنے عہد کے اردو کے جید ادیبوں اور شاعروں کی صحبت پائی، بہتوں سے تعلقات پیدا کئے اور مجروح، آزاد اور حالی سے فیض یاب ہوئے ان کی تصانیف زبان و ادب خصوصاً لسانیات اردو سے متعلق بڑی قیمتی ہیں۔ ڈرامے بھی لکھے۔ شعر کی دنیا میں بھی بلند مقام حاصل کیا۔ پنڈت جی بڑے انسان اور اردو زبان و ادب کے سچے عاشق اور مخلص خدمت گذار اور اردو تہذیب کی عدیم المثال شخصیت تھے۔ اپنی زندگی کے تقریباً ۷۰ سال اردو کی خدمت میں گذارے۔ ۹۱ سال کی عمر میں (۱۹۵۶ء) انتقال فرمایا۔

۱۴۱۔ قریشی عبدالرزاق:

مجاز

(نوائے ادب بمبئی ۶ ص جنوری ۵۹)

اسرار الحق مجاز ردولی کے رہنے والے تھے مگر لکھنؤ کی سکونت سے لکھنوی مشہور ہوئے۔ لکھنؤ اگرد اور علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ بی۔ اے کے بعد آل انڈیا ریڈیو کے رسالہ آواز کی دو سال ادارت کی۔ پھر اپنی مشہور بے نیازی کے سبب اسے ترک کر دیا۔ بعد کی دو ایک ملازمتوں کا بھی یہی حشر ہوا۔ اس خلا اور بے کاری نے زندگی تلخ کر دی۔ مگر مجاز گلۂ آشنا یا شکوۂ دوراں سے ہمیشہ دور رہے۔ مجاز نے اپنی بلند شاعری کے ذریعہ ترقی پسند شعراء میں ایک ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ ان کی شاعری پروپیگنڈہ کبھی نہ بنی۔ انھوں نے پرانے جام میں نئی شراب پیش کی۔ ان کی شراب بڑی رنگین، بڑی باکیف اور بڑی خیال انگیز تھی۔ ان کا پہلا مجموعہ آہنگ کے نام سے چھپا، پھر شب تاب کے نام نام شائع ہوا اور کچھ اضافے کے بعد ساز نو کی صورت میں پیش ہوا۔

۱۴۲۔ قریشی عبدالرزاق:

ہوش بلگرامی

(نوائے ادب بمبئی ۶ ص جنوری ۵۸۔۵۹)

سید ناظر الحسن ہوش بلگرام، ضلع ہردوئی (یوپی) کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد سے پائی۔ عربی و فارسی کی کتابوں کے مطالعہ کے بعد ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔ مگر اسکول کی چہار دیواری سے آگے نہ بڑھے۔ ڈاکٹر سید علی بلگرامی، سید حسین بلگرامی، اور نظم طباطبائی کی صحبتوں سے بڑا فیض اٹھایا۔ حیدر آباد سے ذخیرہ نامی (۱۸۔۱۹۱۵ء) معیاری ادبی رسالہ نکالا

تھا۔ حیدرآباد کے علاوہ رام پور بھی رہے مگر اس کے بعد پھر جو حیدرآباد گئے تو متعدد معزز عہدوں پر سرفراز رہے۔ یوں تو بہت سے مضامین لکھے مگر ۱۹۲۶ء میں عروس ادب کے نام سے ان کا ایک مجموعہ شائع ہوا تھا۔ میر حسن کے رنگ (سحر البیان) میں ایک مثنوی اور ایک مجموعۂ شعر الموسوم بہ سرود غم یادگار ہیں۔ بجد لطافت پسند اور دلکش آدمی تھے۔

تبصرے

۱۴۳۔ ع۔ س:

تعارف و تبصرہ

(الفرقان لکھنؤ ۷۵ جنوری ۷۔۴۔ ۵۴)

ہندوستان میں مذہب اسلام پر نظر ثانی کی ضرورت۔ آصف فیضی صاحب نے یہ مقالہ انگریزی میں امریکہ میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس کے لئے لکھا تھا یہ اسی کا ترجمہ ہے۔ مقالہ میں عبارت کے الجھاؤ، بے ربطی، خیالات کی بے ترتیبی اور غیر منطقی طرز بیان کے باعث سخت الفاظ کا سبب ہے۔ تبصرہ نگار نے مقالہ کے بنیادی خیالات پر تفصیلی تنقید کرتے ہوئے آخر میں فیضی صاحب کے ایک جملہ "ہندوستان میں قانون نے مسلم پرسنل لا کے تار و پود میں، شریعت پر بھرپور حملہ کیا ہے اور کرتا رہے گا، اور صاحب مقالہ نے مسلمانان ہند کو ایک بہت قریبی خطرہ سے واضح الفاظ میں خبردار کردیا ہے۔

۱۴۴۔ ل۔ ب:

لطائف السعادت

(اردو کراچی ۵۶ جنوری ۱۰۰)

مرتبہ ڈاکٹر آمنہ خاتون۔ ملنے کا پتہ ۲۳۹۱ فن عیدگاہ میسور۔ قیمت پانچ روپے۔

یہ مختصر کتاب اردو کے نامور شاعر انشاءاللہ خاں کی تالیف ہے۔ یہ کتاب اب تک نایاب تھی۔ آمنہ خاتون نے برٹش میوزیم لندن سے اس کا فوٹو گراف حاصل کر کے ترجمے حواشی اور دیگر متعلقہ معلومات کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ یہ دراصل نواب سعادت علی خاں کے ۵۰ لطیفوں کا مجموعہ ہے انشا کے متعلق ضروری معلومات بڑی تحقیق سے جمع کی ہیں۔ بعض تذکرہ نویسوں اور آزاد نے انشا کے بارے میں جن حالات اور خیالات کا اظہار کیا ہے ان کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر غلط بیانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا اصل مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس الزام کو رفع کیا جائے جو آزاد اور دیگر اصحاب نے نواب سعادت علی خاں اور انشا کے خلاف عائد کیا ہے۔

۱۴۵ ت حسین:

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں

(اردو کراچی ۵۶ جنوری ۱۰۱)

مولفہ ضیاءالدین احمد برنی۔ ناشر تعلیمی مرکز کراچی۔ کتاب کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے۔ موجودہ اڈیشن میں قابل مولف نے اہم اضافے کئے ہیں۔ مونس الارواح از جہاں آرا بیگم کا ترجمہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے یہ مختصر سا تذکرہ خاصا دلچسپ اور معلوماتی ہے جس کو تحقیق و جستجو کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے جہاں آرا بیگم کی زندگی کے متعدد گوشے سامنے آجاتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی کتاب مفید ہے اور پڑھنے والوں کے لئے دلچسپی کا باعث۔

۱۴۶۔ غضنفر:

تاریخ ادبیات عربی

(اردو کراچی ۵۶ جنوری ۹۶)

مولفہ سید ابوالفضل ایم، اے عثمانیہ، ناشر سب رس کتاب گھر رفعت منزل خیریت آباد حیدرآباد قیمت ۳ روپے۔

عربی ادب کی تقریباً ڈیڑھ ہزار سال کی تاریخ اس کتاب میں قلم بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے نہایت مفید معلومات کا ذخیرہ ہے کتابت کی غلطیاں بری طرح کھٹکتی ہیں، گو مختصر

ہونے کے باوجود کتاب کے مفید ہونے میں شک نہیں اور عربی ادب کے دلدادہ لوگوں کو اس کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔

۱۴۷۔ "س":

حیوانات قرآنی

(برہان دہلی ۵۶ جنوری ۶۱)

از مولانا عبدالماجد دریابادی، صفحات ۱۶۸۔ قیمت مجلد دو روپے۔ پتہ:۔ مکتبۂ ندوۃ المعارف بنارس۔

قرآن مجید میں جہاں عالم کائنات کی مختلف چیزوں کا ذکر ہے چرند، پرند حشرات الارض وغیرہ کا بھی ذکر ہے۔ مولانا نے اس کتاب میں تمام حیوانات کو ایک جگہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا ہے اور ہر حیوان کے وہ افعال و خواص جو قرآن مجید میں مذکور ہیں ان کی تشریح و توضیح کی ہے۔ کہیں کہیں علم الحیوانات کی جدید تحقیقات سے بھی کام لیا گیا ہے۔ یہ کتاب اس طرح مفید معلومات کا عمدہ مجموعہ بن گئی ہے۔

۱۴۸۔ "س":

ذکر غالب

(برہان دہلی ۵۶ جنوری ۶۳)

از جناب مالک رام صفحات ۲۸۴۔ قیمت تین روپے۔ ناشر مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ۔ دہلی۔

جناب مالک رام غالبیات کے مشہور فاضل ہیں اور ان کی یہ کتاب بھی غالب کے قدر شناسوں کے حلقہ میں بڑی مقبول ہے۔ جہاں تک مرزا کی لائف کا تعلق ہے یہ کتاب سچ مچ خیر الکلام ما قل و دل کا مصداق ہے۔ لائق مصنف نے کتاب کے اس تیسرے اڈیشن میں کچھ اضافے بھی کئے ہیں اور جدید تحقیقات کی روشنی میں اپنے بعض قدیم استنباطات و خیالات کا از سر نو جائزہ بھی لیا ہے امید کہ مرزا کے قدردان اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

۱۴۹۔ "س":

حسرت کی سیاسی زندگی

(برہان دہلی ۵۶ مارچ ۱۹۱)

از جناب عبدالقوی صاحب دسنوی صفحات ۲۷۔

قیمت ۸ر

ناشر۔ رائٹرس امپوریم لمیٹڈ۔ پیرپلیز بلڈنگ فیروز شاہ مہتہ روڈ بمبئی ۱

حسرت موہانی شاعر ہونے کے علاوہ بہت اونچے درجے کے سیاسی لیڈر بھی تھے۔ لیکن ان کی سیاست پر بہت سے دور آئے اور گزر گئے اور اس راہ میں کبھی ان کو کسی ایک مقام پر ٹھہرنا نصیب نہیں ہوا۔ عبدالقوی صاحب نے اس مقالہ میں مولانا مرحوم کی سیاسی زندگی کے مختلف پہلو دکھائے ہیں اس مقالہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ حسرت کی شاعری اور سیاست دونوں ایک دوسرے سے بالکل بے جوڑ اور بے تعلق نہیں تھے۔ زبان صاف اور شگفتہ ہے۔

۱۵۰۔ "س":

گنج طلسم

(برہان دہلی ۵۶ مارچ ۱۹۱)

از شاہ نعمت اللہ ولی۔ مرتبہ و مترجمہ ڈاکٹر ایم حفیظ سید، صفحات ۸۰، قیمت ۸ر پتہ۔ سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد (دکن)

حضرت شاہ نعیم الدین نعمت اللہ ولی گولکنڈہ کے مشہور صاحب طریقت بزرگ ہیں جنھوں نے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں گویا اب سے پونے چار سو برس پہلے وفات پائی۔ موصوف نے ایک طویل مثنوی لکھی تھی جس میں معرفت و طریقت کے اسرار و رموز اور اخلاقی نکات و حِکَم پر داد سخن گوئی دی تھی۔ اردو زبان کے نامور فاضل اور محقق ڈاکٹر حفیظ سید صاحب کو تصوف کا بھی بڑا اچھا ذوق ہے انھوں نے اس مثنوی کو ایڈٹ کیا اور اردو

میں ترجمہ کیا ہے۔ شروع میں صاحب مثنوی کے حالات پر ایک مختصر مقدمہ ہے۔ مثنوی پر صاحب دل کے پڑھنے کے لائق ہے،

۱۵۱۔ "م":

اسلام کے علاوہ مذاہب کی ترویج میں اردو کا حصہ

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ مارچ ۲۳۷)

از ڈاکٹر محمد عزیر لکچرار شعبہ اردو مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

ناشر۔ انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ۔

ہندوستان کے تمام مذاہب کے متعلق اردو میں اتنا لٹریچر موجود ہے جو ان مذاہب سے واقفیت کے لئے بالکل کافی ہے، ڈاکٹر محمد عزیر نے کئی سال ہوئے اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کے لئے مقالہ لکھا۔ یہ کتاب کئی ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ان کے مذہبی و تمدنی اثرات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کا ایک نتیجہ اردو زبان بھی ہے۔ اس کے بعد مختلف ابواب میں ہندوستان کے مذاہب اور فرقوں کے اصول و عقائد ان کی مذہبی کتابوں اور مذہبی تعلیمات کا مختصر حال ہے ان مذاہب کے اردو تراجم ان کی شرحوں اور ان پر مستقل تصانیف کا ذکر ہے۔ آخر میں ان مذاہب کے اردو اخبارات و رسائل کی فہرست ہے۔ یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کی عام مشترک اور مقبول زبان اردو ہی ہے۔ یہ کتاب اردو کے مخالفین کا ایسا مدلل جواب ہے کہ جس کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ یہ کتاب ہندوستان کے مذاہب کی تاریخ کی حیثیت سے بھی نہایت مفید ہے۔

۱۵۲۔ "م":

آتش

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ مارچ ۲۴۰)

سید ظہیر احسن ایم۔ اے لکچرر شعبہ اردو فارسی، سچا سند کالج اورنگ آباد ضلع گیا۔ ناشر اقبال بکڈپو پٹنہ ۴۔ قیمت ۲ روپے

یہ کتاب آتش کے حالات اور ان کی شاعری پر ہے مصنف نے پہلے آتش کے زمانہ کے سیاسی، معاشرتی، اور اخلاقی حالات لکھے ہیں، غزل کی تعریف۔ لکھنؤ میں آتش کے کلام کی خصوصیت اس کے بارے میں ناقدین کی رایوں آتش و ناسخ کا موازنہ، اور ان کے مشہور تلامذہ وغیرہ سے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ مصنف ہونہار نوجوان ہیں۔ لکھنے کی خاصی صلاحیت ہے مگر ابھی نومشق ہیں۔ تحریر میں خامیاں ہیں بہت سی غیر ضروری بحثیں بھی آگئی ہیں۔ تاہم یہ کتاب فائدہ سے خالی نہیں۔

اڈیٹر:۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی
پرنٹر پبلشر:۔ فضل اللہ فاروقی نے اجمل پریس پرنسس بلڈنگ ناکہ جے جے اسپتال بمبئی ۳ میں چھپواکر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ ڈاکٹر دادابھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱ سے شائع کیا۔

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription:

Inland & Pakistan. Rs.4 (inclusive of postage)

Foreign: Shillings 8 " "

Vol. 7] July-September 1956 [No. 3

All remittances to be made to:

The Writers' Emporium Private Limited,

PEOPLES' BUILDING, SIR PHIROZSHAH MEHTA ROAD, BOMBAY 1.

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کا سہ ماہی رسالہ

نوائے ادب

شائع کردہ

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ بمبئی ۱

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

(بمبئی یونیورسٹی سے ملحق)

کے

اغراض و مقاصد

۱. ایم اے کی تعلیم کا انتظام
۲. پی ایچ ڈی اور دوسرے تحقیقاتی کام کرنے والوں کی اعانت۔
۳. تحقیقاتی کام کرنے والے اداروں اور جامعوں سے تعاون
۴. ایک جامع کتب خانہ کا قیام
۵. مختلف کتب خانوں کے اردو کے مخطوطات کی فہرست کی ترتیب
۶. نایاب مخطوطات و مطبوعات کی اشاعت
۷. اردو سے متعلق ایک علمی و تحقیقاتی سہ ماہی رسالہ کا اجراء۔

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

کے

سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کی خصوصیات

۱ اردو زبان و ادب سے متعلق مختلف پہلوؤں پر بحث و تحقیق۔
۲ گجرات و دکن کی غیر مطبوعہ اردو تصانیف کی اشاعت
۳ اردو سے متعلق تحقیقاتی کاموں کی اطلاع
۴ اردو کے علمی و ادبی رسائل کے مضامین کی تلخیص و اشاعت۔

رسالہ سال میں چار بار شائع ہوگا

جنوری اپریل جولائی اکتوبر

چندہ سالانہ - چار روپے مع محصول ڈاک

نششاہی - دو روپے

فی پرچہ - ایک روپیہ

ایڈیٹر نجیب اشرف ندوی

ترسیل مضامین و خط و کتابت

ڈائرکٹر

انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

۹۲. دادا بھائی نوروجی روڈ

بمبئی ۱

خریداری و ترسیل زر

ہندوستان میں -

رائیٹرز امپوریم پرائیوٹ لمیٹڈ

جیلس بلڈنگ سر فیروز شاہ مہتہ روڈ بمبئی

پاکستان میں:-

پوسٹ بکس نمبر ۹۴

کراچی ۱

نوائے ادب بمبئی

جلد ۷ | اکتوبر ۱۹۵٦ | شمارہ ٤

قابل کو صفحات اور رسالہ کو پہلو چار صفحات ادبی پرنٹنگ پریس، بمبئی نمبر ۸ میں چھاپ کر

شذرات

ملکی انتظامات کے سلسلے میں ریاستوں کی جو جدید تقسیم کی گئی ہے اس نے بعض ریاستوں میں اردو سے متعلق نئے حالات پیدا کر دیئے ہیں انہیں ریاستوں میں مدھیہ پردیش، اندھرا، کرناٹک اور بمبئی کی ریاستیں ہیں۔ اب تک بمبئی کی ریاست کنڑ، مراٹھی، گجراتی اور اردو بولنے والوں کی مخلوط آبادی پر مشتمل تھی اور اگرچہ ۱۹۴۷ء کے بعد سے اردو علاقائی زبان نہیں رہی تھی پھر بھی یہاں کی حکومت نے اس کے ساتھ جائز و منصفانہ برتاو باقی رکھا۔ اب نئے تقسیم کے ماتحت ہماری ریاست سے اگرچہ کنڑ کا علاقہ الگ ہوگیا ہے لیکن دوسری طرف مدھیہ پردیش، برار اور حیدرآباد کے مراٹھی اور سوراشٹر اور کچھ کے گجراتی ضلعے شریک کرلئے گئے ہیں۔ ہماری ریاست میں یوں تو بمبئی کے علاوہ بہت سے ضلعے اور علاقے ایک بڑی حد تک اردو زبان اور اس کی پیدا کردہ ثقافت کے مرکز رہے ہیں لیکن ایک طرف کاٹھیاواڑ اور دوسری طرف مراٹھی علاقوں کی شمولیت نے اردو کے دائرہ کو زیادہ وسیع کر دیا ہے اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ حیدرآباد کی ریاست کی سرکاری زبان اردو تھی اس لئے وہاں کے علمی، تعلیمی اور عدالتی کام سب کے سب اردو میں ہوتے تھے اس علاقہ کا اچانک ایک ایسی ریاست میں شریک ہونا جو بنیادی حیثیت سے صرف دو زبانوں کو ریاست کی سرکاری زبانیں مانتی ہے اب غور طلب مسئلہ بن گیا ہے چنانچہ ریاست حیدرآباد کے مرہٹ واڑہ کے اردو دوستوں نے اسی پر غور کرنے کے لئے ستمبر کے آخری ہفتہ میں ایک کانفرنس منعقد کی تھی اس کانفرنس کی ایک اہم تجویز یہ تھی کہ جس طرح اندھرا حکومت نے تعلیمی و عدالتی کاموں کو پانچ سال تک اردو میں باقی رکھنے کی ضمانت دی ہے اسی طرح بمبئی کی حکومت بھی کم از کم اس علاقہ کے لئے یہ مراعات منظور کرلے۔ اب ضرورت ہے کہ بمبئی ریاست کے تمام اردو دوست جمع ہو کر موجودہ صورت حال کی روشنی میں اردو کے مقام اور اس کی توسیع و ترقی کے مسئلوں پر عملی حیثیت سے غور کریں۔

ہمارے ادب میں اکبرالہ آبادی مختلف حیثیتوں سے ممتاز درجہ کے مالک ہیں۔ پرانے شاعروں اور ادیبوں میں وہ پہلے شخص ہیں جن کی زندگی ہی میں ان کی ذہنی تخلیق پر

بے شمار مضامین نکلے ہوں۔ لیکن ان کی وفات کے بعد رسمی ماتم کا شور برپا ہوا اور اس کے بعد سناٹا چھا گیا ۔ چند سال پہلے پاکستان میں بزم اکبر کے نام سے ایک مجلس قایم کی گئی۔ اس ادارہ کی کوششیں بھی دو تین کتابوں کی اشاعت سے زیادہ نہ بڑھ سکیں، اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب کی طرح اکبر کی طرف بھی توجہ کی گئی ہے، الہ آباد میں حال ہی میں بزم اکبر قائم ہو رہی ہے اور کوشش یہ کی جا رہی ہے کہ ان کے دولتکدہ «عشرت منزل» کو قومی و تاریخی یادگار قرار دے دیا جائے، اس تحریک کا سب سے خوش آئند پہلو یہ ہے کہ اس کے پرجوش کارکنوں میں ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگ شریک ہیں۔ امید ہے کہ یہ بزم ان کی غیر مطبوعہ تصانیف کی اشاعت کی طرف بھی متوجہ ہو خود اکبر پر ایک تصنیف کی اشد ضرورت ہے ۔

انجمن ترقی اردو (ہند) نے حال ہی میں اردو ہندی ڈکشنری کے نام سے ایک لغت شائع کیا ہے، لغت دراصل فارسی اور عربی کے ان الفاظ کے ہندی معنوں پر مشتمل ہے جو اردو میں رائج ہیں، اس کو اردو ہندی لغت کہنا زیادہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اردو صرف ان چند ہزار فارسی اور عربی لفظوں کا نام نہیں ہے ۔ بلکہ وہ ہندوستان کی وہ مشترک عام زبان ہے جو ہر حیثیت سے خالص دیسی ہے اور عربی و فارسی کے الفاظ صرف مذہب، حکومت، علوم و فنون، ثقافت وتمدن کے خاص مفہوم کے ظاہر کرنے کے لئے باہر سے لئے گئے ہیں۔ ناگری پرچارنی سبھا کی شائع کردہ لغت «شبد ساگر» میں ان الفاظ کی بڑی تعداد موجود ہے اور اس حیثیت سے وہ ہندی کے بھی الفاظ ہیں۔ بہتر ہوتا کہ لغت کا نام فارسی۔ عربی۔ ہندی لغت ہوتا۔

آہ کہ شبلی کی بزم ادب تحقیق کی آخری شمع بھی ٤ اکتوبر کی رات کو ہمیشہ کے لئے بجھ گئی مولانا عبد السلام ندوی ایک ادیب، ایک نقاد، ایک مورخ، ایک سیرت نگار، ایک شاعر اور ایک بڑے بلند پایہ انشا پرداز ہی نہ تھے بلکہ انسانیت و اخلاق کی حیثیت سے بھی ان کا درجہ بہت بلند تھا دارالعلوم ندوہ میں تعلیم پائی وہیں مدرس ہوئے پھر کلکتہ میں الہلال کے دفتر میں کام کرتے رہے اور جب سید سلیمان ندوی پونہ سے پروفیسری چھوڑ کر شبلی کے دارالمصنفین کے خواب کو عملی جامہ پہنانے

کے لئے پونہ سے اعظم گڑھ آئے تو یہ بھی بہت جلد وہاں پہنچ گئے اور اس وفاداری اور خاموشی سے ادارہ کی خدمت انجام دیتے رہے کہ مرتے دم تک اس آستانہ کو نہ چھوڑا ۔ ان کی سعادت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ اسوۂ صحابہ، اسوۂ صحابیات اور شعرالہند کے مصنف کی ابدی آرام گاہ بھی سیرت النبی، الفاروق اور شعرالعجم کے مصنف کے پہلو میں ہے ۔

اللہ پاک اپنے جوار رحمت میں انہیں ابدی راحت و آرام عطا فرمائے

شذرات دوسری بار ٹائپ میں چھپ رہے ہیں طباعت اور اشاعت کتب کی ترقی کا انحصار بہت کچھ ٹائپ کے استعمال پر ہے اس لئے اب ہم مقالہ نما کا حصہ بھی ٹائپ میں چھاپنا چاہتے ہیں۔

ٹائپ کے انتخاب کے سلسلے میں ہم نے بہت سے مختلف نمونے دیکھے اور اخیر میں یہی ٹائپ سب سے بہتر نظر آیا اردو ٹائپ میں جو کمزوریاں پائی جاتی ہیں وہ اس میں بہت کم ہیں ہم اپنے قارئین سے گذارش کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں ہمیں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں

*
**

آزاد بحیثیت محقق

(۳)

(قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹرایٹ لا پٹنہ)

قسط ثالث کی ترتیب مطالب بالکل بے قاعدہ ہے اور اس میں کچھ باتیں مجمل رہ گئی ہیں۔
قسط اول و دوم کے کچھ اغلاط کی تصحیح ذیل میں کی جاتی ہے: قسط ۱ ص۵ سطر ۲ صاحب مدنی = مدنی۔
ص۹ سطر ۱۴: (کذا) خارج کیا جائے، سطر ۷ ابناد = بنا۔ ص۱۶ سطر ۱۲ بروزفال = بروزن فال۔
ص۱۸ سطر ۷ نغز ۲ ص۔ = نغز م ۲۲۶، سطر ۱۸ کے آخر میں اضافہ: "باد صبا نے اہل چمن میں
اس چہرے کی چلائی بات" صفحہ ۵۵، سطر ۲۴ ص۔ = ص۴۴۵۔ ص۱۹ سطر ۴ ادبی = رومی۔
ص۲۱ سطر ۴ دسوخیکہ = رسوخیکہ۔ ص۲۲ سطر ۱۵ = "۲۲۳ سنہ یا" خارج ص۲۳ سطر ۱۱
خواجہ = خواجو، سطر ۱۴ گرکو یہ = گیرکو۔ ص۲۴ سطر ۱۰ انزے جے نکم = از جائے حکیم، سطر ۱۰
برگر = برگیر۔ ص۲۵ سطر ۱۴ آچکی تھی = آچکے تھے۔ قسط ۲ ص۱۰ سطر ۹ کی ایک.. کرلی = کی تمدید
کے لیے ص۱۱ سطر ۱۳ (نزدیکی؟) = (نسخہ م میں "نزدیکی" اور یہی صحیح)۔ ص۱۴ سطر ۴ خامن = خائن
سطر ۹ پہروبال = پروبال۔ ص۱۷ سطر ۷ اکتاب = کتاب، ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی ص۱۹
سطر ۱۶ اقطاز = قطان۔ ص۲۰ سطر ۶ پرساد = پرساد۔ ص۲۱ سطر ۲۳ ۳۱۶ سنہ = ۳۲۹ سنہ، سطر ۲۳
سمغانی = سمعانی۔ ص۲۳ سطر ۵ بناد = بنا، سطر ۲۶ ص۔ = ص۲۲۲۔ ص۲۴ سطر ۳ ص۔ = ص۲۴۲،
سطر ۹ اشعت = اشعث۔ ص۲۵ سطر ۷، بہر = بہرام، سطر ۲۵ انیس بیگم = البتہ مسلّم ص۲۸
۱۸ اہل = اہل عرش۔ ص۲۹ سطر ۲۵ سنہ = ۱۲۴۵ سنہ ص۳۰ سطر ۱ مستبعد = مستبعد

توضیحات و اضافات (۱۹) آب اشاعت ثانی میں سودا کی عمر ایک جگہ ستر اور دوسری جگہ پچھتر مرقوم ہے
اشاعت اول میں دونوں جگہ پچھتر ص۱۵۱ و ص۱۴۷ (۴۹) خود درد نے علم الکتاب (م، ۶۳) میں لکھا ہے کہ ان کا پدری سلسلہ
بوساطت خواجہ نقشبند امام حسن عسکری پر منتہی ہوتا ہے، اور اپنے جد مادری کا نام میر سید محمد حسینی قادری بتایا ہے،
(۹۳) آب اشاعت امیں ناسخ و دبیر کا واقعہ یوں مرقوم ہے: "شیخ.. کا بڑھاپا تھا اور.. ضمیر.. کی مرثیہ گوئی جوانی
پر تھی.. دبیر.. ایک مصرع میں استاد کی اصلاح سے ناراض ہوئے، شیخ.. کے پاس جاکر کہا کہ میں نے یہ کہا ہے

اور استاد نے اس طرح اصلاح دی ہے۔ شیخ.. نے کہا کہ.. درست بنایا ہے۔ مرزا.. نے فرمایا کہ کتاب میں اس لفظ کے معنی یہی ہیں جو میں عرض کرتا ہوں۔ شیخ.. نے کہا کہ نہیں، جو تمھارے استاد نے بنایا اسی طرح درست ہے۔ مرزا.. نے پھر کہا کہ آپ کتاب ملاحظہ فرمائیں۔ شیخ.. لکڑی لے کر مارنے کو اٹھے اور کہا کہ مبتدی لڑکا ہو کر استاد کی تردید میں کتاب دکھاتا ہے۔ ارے کتابیں دیکھتے دیکھتے ہم آپ کتاب ہو گئے ہیں تو کتاب کو کیا جانے! مرزا.. ڈر کر بھاگے۔ شیخ.. کو اتنا جوش تھا کہ چند قدم تعاقب کیا، مگر وہ نوجوان لڑکے تھے، بھاگ گئے" ص۳۷۴ (۱۳۱) آزاد نے تذکرۂ ہندی دیکھا ہوگا مگر قریب بیقین ہے کہ آب کی تصنیف کے وقت ان کے سامنے نہ تھا (۱۳۶) آب اشاعت ا میں نشاط کا قطعہ نہیں۔ ص۱۸۱ کے حاشیے میں مسطور ہے کہ "معلم ڈٹاسی ایک تذکرہ نویس فرانس کے ہیں، ان کی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۳۳ھ ہجری میں فوت ہوئے" دتاسی کی تاریخ ادبیات جلد ۲ ص۳۰ میں یہ ہے کہ انشا کی وفات شورش ۱۸۵۷ء سے پیشتر ہوئی۔ (۱۴۴) دساتیر پر میرا ایک مقالہ جلد شائع ہوگا۔ خود دساتیر کے مطابق آبادیوں کی سلطنت کب تک رہی اس کا صحیح حال اس سے معلوم ہوگا۔ اس کے مطابق جو زمانہ سفرنگ میں ہے وہ کم ہے (۱۷۰) مرتب فرہنگ اسدی طبع ایران نے کتاب کے کل نسخوں کے (جو انھیں ملے) مندرجات کہیں کہیں درج کرنے کا التزام کیا ہے، لیکن "آمد آن رگزن الخ" جو فرہنگ اسدی طبع یورپ میں موجود ہے، مقدم الذکر سے غیر حاضر ہے۔ دیوان مسعود سعد سلمان طبع جدید ص۶۳۵ میں بھی یہ قطعہ ہے۔ (۱۷۳) دیوان ظہیر کی اشاعت کلکتہ صرف ایک بار چھپی، اشاعت ایران کے متعلق میں قطعی طور پر کچھ کہنے سے قاصر ہوں، اشاعت لکھنؤ ایک سے زیادہ بار طبع ہوئی ہے (۱۹۴) میرا مدعا ہے کہ آزاد ۱۱۹۳ھ کو صحیح سال وفات سمجھے، اور اس صورت میں یہ کہتے ہیں کہ ان کی ملاقات ایسے لوگوں سے ہوئی جو بیدل کے قریبی زمانے میں نہ تھے، انھیں قباحت محسوس نہ ہوئی۔ وہ ۱۱۳۳ھ کو صحیح سمجھتے تو یہ کہنے کی جرات نہ کرتے (۱۹۰) ڈاکٹر انور کی نظر سے محاکمات الشعرا کے چند ابتدائی اوراق گزرے تھے اور ان کا بیان انھیں پر مبنی ہے (معاصر ا ص۳۹) دیباچے کے بعض حصص کی نقل انھوں نے براہ کرم مجھے بھی بھیجی تھی۔

---

(۲۰۱) آزاد کی عام روش ہے کہ اشعار دیکھ کر حکایات وضع کر لیتے ہیں۔ کلیات میر میں ایسے اشعار جن میں مختلف فرقوں کے نوجوانوں یا لڑکوں کا ذکر ہے، بہت ہیں، جن میں سے بعض یہاں پر نقل کیے جاتے ہیں:

کیفیتیں عطار کے لونڈے میں بہت تھیں   اس نسخے کی ہم کو نہ رہی کوئی دوا یاد   ص۲۶۲
میر کیا سادے ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب   اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں   ص۵۰۲

سجدہ کریں ہیں سن کر اوباش سارے اس کو　　سید پسر وہ پیارا ہے گا امام بانکا ص۱۱

ترش رو بہت ہے وہ زرگر پسر　　پڑے ہیں کھٹائی میں مدت سے ہم ص۲۸۹

وہ دھوبی کا کم ملتا ہے میل دل اودھر ہے بہت　　کوئی کہے اس سے ملنے میں تجھ کو کیا ہم دھولیں ہیں ص۵

آزاد نے عطار بچے سے متعلق اشعار دیکھے (غنیمت ہے کہ سید پسر وغیرہ کے بارے میں جو اشعار ہیں، ان پر ان کی نظر نہیں پڑی)، تو پہلے یہ لکھا: "معلوم ہوتا ہے کہ.. طبیعت کبھی کبھی شگفتہ بھی ہو جاتی تھی، چنانچہ ایک عطار کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے، وہ نوجوان تھا اور خوش پوشی کا اسے شوق تھا، چنانچہ اس کا دل خوش کرنے کو فرماتے ہیں: "کیفیتیں الخ" آب اشاعت ا ص۲۳۸ ("میر کیا سادے الخ" حاشیے میں بدون عبارت نثر)، لیکن، اس سے جی بھر گیا تو اشاعت ثانی میں ان کے قلم سے یہ نکلا: "محلے کے بازار میں عطار کی دکان تھی، آپ بھی کبھی کبھی اس کی دکان پر جا بیٹھتے تھے۔ اس کا نوجوان لڑکا بہت بناؤ سنگار کرتا رہتا تھا۔ میر.. کو برا معلوم ہوتا تھا، اس پر فرماتے ہیں "کیفیتیں الخ" کسی وقت طبیعت شگفتہ ہو گئی ہو گی جو فرماتے ہیں "میر کیا سادے الخ" ص۲۲۱۔

(۲۰۲) سخن ص۹۷ میں عبارت ذیل کے متعلق بتایا گیا ہے کہ گلستان میں ہے۔ "چہ جوامرزادہ مردمانند کہ سنگہا را بستہ اند و سگہا را گشادہ" مجھے شبہہ ہوا تو میں نے ایک نولکشوری نسخہ اور وہ نسخہ جو کلیات سعدی مرتبہ فروغی طبع ایران میں شامل ہے دیکھا؛ اور یہ عبارت ان میں نہ ملی۔ اگر کسی نسخے میں کسی صاحب کی نظر سے گذری ہو، تو براہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔

(۲۰۳) آبرو کے "شعر جب تک پیر مکھن، پاکباز کے کلام سے چھڑے نہ جائیں تب تک مزا نہ دیں گے، اس لیے پہلے ایک شعر ان کا ہی لکھتا ہوں" آب ص۹۷۔ آزاد نے آبرو کا صرف ایک شعر ایسا دیا ہے جس میں "مکھن میاں" کو یاد کیا ہے، اور ان کا سجع جو آبرو نے کہا تھا، وہ اس کے علاوہ ہے۔ آبرو و پاکباز کے تعلقات کیسے ہی کچھ نہ رہے ہوں، آبرو کے کلام سے لطف اٹھانے کے لیے پاکباز کے اس شعر کا دیکھنا جو آب میں ہے، قطعاً غیر ضروری ہے اور صرف رعایت لفظی کا شوق عبارت بالا کے لکھے جانے کا ذمہ دار ہے۔ اس سے قطع نظر، پاکباز کو "پیر مکھن" کسی نے نہیں لکھا "میر مکھن" صحیح ہے (فہرست اشپرنگر ص۲۷۵)

(۲۰۴) ولی کا دیوان پیرس اور لندن میں چھپ گیا ہے آب ص۹۳۔ جہاں تک لندن کا تعلق ہے، آزاد کا قول غلط ہے، پیرس نسخہ دتاسی کا مرتب کردہ ہے اور ۱۸۳۳ء میں طبع ہوا تھا۔

(۲۰۵) صاحب نوطرز مرصع کا نام میر محمد عطا حسین خاں ہے آب ص۲۵ دیباچہ نوطرز مرصع (غالباً نامکمل) تذکرۂ مسرت افزا میں نقل ہوا ہے، اس میں نام میر محمد حسین عطا خاں ص۱۴۴، خود صاحب تذکرہ نے صرف

حسین عطا خاں لکھا ہے ص۱۴ ۔

(۲۰۶) نوطرز مرصع ۱۷۹۸ء = ۱۲۱۳ھ عہد آصف الدولہ میں ختم ہوئی آب ص۲۵ ۔ آصف الدولہ کی موت ربیع الاول ۱۲۱۲ھ = ستمبر ۱۷۹۷ء میں واقع ہوئی۔ ۱۷۹۸ء = ۱۲۱۳ھ عہد آصف الدولہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس سے قطع نظر، یہ کتاب سودا کے دوران حیات میں مکمل ہو چکی تھی (اردو نثری داستانیں از ڈاکٹر گیان چند جین ص۱۴۶)

(۲۰۷) میر امن نے ۱۲۱۷ھ میں باغ و بہار لکھی، وہ انھیں دنوں میں اخلاق محسنی کا ترجمہ کیا۔ "ساتھ ہی جان گلکرسٹ.. نے انگریزی میں قواعد اردو لکھی"، ۱۲۱۸ھ میں پریم ساگر اور بیتال پچیسی وجود میں آئیں "لیکن اس نقارۂ فخر کی آواز کو کوئی دبا نہیں سکتا کہ میر انشاء اللہ خاں پہلے شخص ہیں جنھوں نے ۱۲۲۲ھ میں قواعد اردو لکھ کر ایجاد کی ٹہنی میں ظرافت کے پھول کھلائے" آب ص۲۶ ۔ اس موقع پر ان امور سے بحث نہیں، دکھانا صرف یہ ہے کہ گلکرسٹ کی قواعد اردو ۱۲۲۲ھ سے قبل ہی لکھی جا چکی تھی اور آزاد کو اس کا اقرار ہے تو یہ کس طرح لکھا کہ انشا پہلے قواعد نگار ہیں۔ یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا کہ انشا سے پہلے کسی نے قواعد میں ظرافت کی آمیزش نہیں کی۔ اگر یہ مراد ہے کہ اردو بولنے والوں میں ان سے پہلے قواعد کی کتاب کسی نے نہیں لکھی، تو یہ المعنی فی بطن الشاعر کا مصداق ہے۔

(۲۰۸) آب ص۹۰ میں ولی کو شاہ گلشن کا مرید لکھا ہے۔ نور المعرفت میں مرید نہیں شاگرد ہے۔ آزاد کے بیان کی تصدیق نہیں ہوتی۔

(۲۰۹) احسن ایہام گو معاصر آبرو کا نام محمد احسن لکھا ہے آب ص۱۰۶ ، لیکن خود آب میں یہ مصرع نقل ہوا ہے:
"یہی مضمون خط ہے احسن اللہ" اور دیباچۂ دیوانزادۂ حاتم کا جو خلاصہ درج ہے اس میں بھی احسن اللہ ہے ص۱۱۱ ۔ تذکروں سے قطع نظر کر کے مزید ثبوت کے طور پر دیوان تاباں کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

"آبرو یک رنگ تا جی احسن اللہ اور ولی   ریختہ کہتے نہ تھے تاباں مرے سودا کی طرح" ص۱۵

(۲۱۰) "شاہ حاتم نے بڑی کوشش کر کے ان رنگ آمیزیوں (ایہام) سے اردو کو پاک کیا چنانچہ ان کے حال میں معلوم ہوگا" آب ص۸۱ حاتم خود ایہام بند اور مقلدین آبرو میں تھے، لیکن جب مظہر و سودا وغیرہ ایہام کے مخالف ہوئے تو انھوں نے بھی اس صفت کو برتنا بند کر دیا۔ یہ اس معاملے میں بھی مجتہد نہیں، مقلد ہیں۔ دیوانزادۂ حاتم کے دیباچے کا جو خلاصہ آب ص۱۱۱ میں ہے اور (مکمل دیباچے میں بھی) ایک لفظ ایہام کے خلاف نہیں، اور خود آزاد نے بھی ان کے ترجمے میں حاتم کی مخالفت ایہام کا مطلقاً ذکر نہیں کیا۔

(۲۱۱) خیال ان انکھڑیوں کا چھوڑتے مرنے کے بعد از بھی   دلا آیا جو تو اس میکدے میں جام لیتا جا" آب ص۱۴۳
آزاد نے اسے سودا کے نام سے لکھا ہے، لیکن سوز کا شعر ہے" (آوارہ گرد اشعار" اگست ۱۹۵۶ء کا ماہ نو کراچی)

(۲۱۲) جرأت کے باپ کا نام حافظ امان لکھنے کے بعد، یہ تحریر کیا ہے کہ "ان کے خاندان کا سلسلہ راے امان محمد شاہ سے ملتا ہے، اور امان کا لفظ اکبری زمانے سے ان کے خاندان کے ناموں کا خلعت چلا آتا ہے" آب ص ۲۳۶ "امان" نہیں "مان" چاہیے۔ مفید المخلص مصنفہ شاہ غلام علی (شاہ عزیز اللہ دہلوی متوفی ۱۲۸۴ھ کی اولاد سے تھے) کے ایک قدیم نسخے میں یہی ہے۔ آب میں ایک گلی کا نام راے مان کا کوچہ لکھا ہے (ص ۲۳۶) یہ بھی "مان" کا مصدق ہے۔ آزاد نے راے مان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ پڑھنے والا یہ گمان کر سکتا ہے کہ حافظ مان کے باپ یا دادا تھے، لیکن یہ دونوں بقول شاہ غلام علی حقیقی بھائی تھے اور حافظ مان نے نادر گردی میں شاہ غلام علی کے اجداد میں سے کسی کے یہاں پناہ لی تھی (مفید المخلص ورق)

(۲۱۳) ناسخ ۱۲۵۴ھ میں چونسٹھ پینسٹھ برس کی عمر میں مرے (آب طبع ا ص ۳۶۳) لیکن طبع مابعد میں، ہے: "لوگ کہتے ہیں ۶۴، ۶۵ برس کی عمر تھی مگر رغمی سلمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تقریباً سو برس کی عمر ہوگی۔ اکثر عہد سلف کے معرکے اور نواب شجاع الدولہ کی باتیں آنکھوں سے دیکھی بیان کرتے تھے" ص ۳۵۳ یہ پتا نہ چلا کہ آزاد دونوں میں سے کسے ترجیح دیتے ہیں، ان راویوں کو جن کا نام وہ نہیں بتاتے یا رغمی کو۔ رغمی اور آزاد زمانۂ پیدایش کو دیکھتے ہوئے آصف الدولہ و سعادت علی خاں کا وقت بھی "عہد سلف" کہا جا سکتا ہے اور اس کے لیے مطلقاً ضروری نہیں کہ ناسخ کی عمر "تقریباً ۱۰۰ برس" تسلیم کی جائے۔ رہے شجاع الدولہ تو وہ اواخر ۱۱۸۸ھ میں فوت ہوئے ہیں، اور ان کے آخری زمانے کی باتیں وہ شخص بھی چشم دید بیان کر سکتا ہے، جو ان کی موت کے وقت چار پانچ سال کا تھا۔ رغمی کوئی خاص بات اس زمانے کی بتاتے اور وہ ایسی ہوتی کہ ایک کمسن بچہ ان کا راوی نہیں ہو سکتا تو اور بات تھی۔ میری راے میں نہ چونسٹھ پینسٹھ ٹھیک ہے، نہ "تقریباً سو برس"۔ مصحفی نے ریاض الفصحا میں ناسخ کی عمر ۴۲ سال لکھی ہے اور یہ بتایا ہے کہ ۲۰ سال سے شعر کہتے ہیں۔ مصحفی نے دیوان کے دیباچے میں (رجوع بہ ۷۰) جو ۱۲۲۴ھ میں مسطور ہوا تھا، اعتراف کیا ہے کہ یہ طرز خاص کے موجد ہیں اور میں خود اور آتش و عیشی ان کے مقلد ہیں۔ اگر ناسخ کا ترجمہ ریاض کے سال آغاز یعنی ۱۲۲۱ھ میں یا اس کے کچھ ہی بعد سپرد قلم ہوا ہے، تو ناسخ کی پیدایش ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ ٹھہرتی ہے۔ مصحفی کا بیان صحیح ہے تو یہ آخری حد ہے، ولادت اس سے پیشتر کی نہیں ہو سکتی، رغمی کا قول صحیح ماننے میں یہ خرابی ہے کہ یہ مصحفی کے ہم عمر (عمر ۱۰۰ مانی جائے، تو بڑے) اور انشا و رنگیں و قتیل سے کئی سال بڑے قرار پاتے ہیں۔ اس بنا پر کہ ریاض کا اختتام ۱۲۳۶ھ میں ہوا ہے، یہ کہا جائے کہ ۱۲۲۱ھ کے چند سال بعد ان کا ترجمہ قلم بند ہوا تھا، تو ناسخ کو اس مرتبے پر پہنچنے کے لیے کہ مصحفی سا کہنہ مشق شاعر جو سادہ گوئی کو پسند کرتا ہو، ان کے کلام کی مقبولیت دیکھ کر ان کے تتبع پر مجبور ہو، کافی وقفہ نہیں ملتا (دیباچۂ دیوان ۶)۔ میری راے میں یہ بہت قرین قیاس ہے کہ یہ ۱۱۸۴ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے، اس حساب سے انھوں نے ۷۰ برس کی عمر پائی۔

(۲۱۴) "دیوان ... میں غزلوں تاریخوں کے سوا اور قسم کی نظم نہیں" آب ص۲۵۳ کلیات ناسخ (مطبع محمدی و مطبع ...) میں کئی سو اشعار کی ایک مذہبی مثنوی موجود ہے، جو ان نول کشوری نسخوں سے جو میری نظر سے گزرے ہیں، غیر حاضر ہے۔ یہ مثنوی بیس پچیس سال قبل الگ سے کتابی شکل میں بھی چھپی تھی۔ کلیات مطبوعۂ مطبع محمدی سے متعلق اطلاع جناب سید مسعود حسن رضوی سے ملی ہے۔

(۲۱۵) "اس عہد تک لکھنؤ بھی آج کا لکھنؤ نہ تھا۔ ذوق کا یہ مطلع جب وہاں پڑھا گیا۔

خبر کر جنگ نوفل کی تو مجنوں اہل ہاموں کو
کبادہ تا چیا کھچوائے شاخ بید مجنوں کو

سب نے اسے بے معنی کہا۔ شیخ صاحب (ناسخ) نے جنگ نوفل کا واقعہ اور کبادہ کھینچنے کی اصطلاح بتائی، پھر سب نے تسلیم کیا، لیکن یہ امر نہ کچھ دلی والوں کے لیے موجب فخر ہے نہ لکھنؤ والوں کے لیے باعث رنجش، آخر دلی بھی ایک دن میں شاہجہاں آباد نہیں ہو گئی تھی، میر تقی اور مرزا رفیع پیدا ہوتے ہی میر اور سودا نہیں ہو گئے" آب ص۳۷۱ اگر جس وقت یہ شعر لکھنؤ گیا ہے ذوق کی عمر ۲۵ سال کی تھی تو یہ سعادت علی خاں کا آخری زمانہ تھا، اور وہاں قتیل سا فارسی داں موجود تھا جو ہندوستان گیر شہرت کا مالک تھا اور جس کے مقابلے کا کوئی ایران شناس اس زمانے میں دہلی میں نہ تھا۔ رہے علما بمعنیٔ مصطلحہ تو اس وقت مفتی غلام حضرت، مرزا حسن علی (صغیر) محدث، سید دلدار علی، ظہور اللہ فرنگی محلی، احمد انوار الحق، عبد الوالی، نور الحق وغیرہ موجود تھے اور بحر العلوم لکھنوی زندہ تھے گو ان کا قیام وہاں نہ تھا۔ عہد سعادت علی خاں میں ہوس شاگرد مصحفی نے لیلی مجنوں کا قصہ بطور مثنوی لکھا جس میں نوفل کی جنگ کا حال بھی شامل ہے (نول ۱۸۸۵ء ص۳۰) واضح رہے کہ اس موضوع پر نظامی کی جو مثنوی ہے اس میں بھی اس جنگ کا مذکور ہے۔ کبادہ "کمان بسیار نرم کہ آنرا چند جا چاک زنند تا از زور بفید و نہایت نرم گردد اعم از آنکہ چلۂ آں رودہ باشد کہ ایں در مشق تیراندازی بکار آید و خواہ ... از زنجیر باشد کہ در ورزش کشتی گیراں بکار آید و کمان فولاد نیز ہمیں است و در عرف ہندوستان لیزم گوید ... محسن تاثیر: ... در پنجۂ کشاکش گردوں کبادہ" (بہار عجم جلد ا ص۲۹) ۔ یہ بات کہ لکھنؤ میں ناسخ کے سوا نہ کسی کو جنگ نوفل کا حال معلوم تھا اور نہ کوئی کبادہ کھینچنے کی اصطلاح سے واقف تھا، مضحکہ خیز ہے۔

(۲۱۶) ولی کا دیوان دلی پہنچا تو "گیت موقوف ہو گئے، قوال معرفت کی محفلوں میں انھیں کی غزلیں گانے بجانے لگے، ارباب نشاط یاروں کو سنانے لگے" آب ص۹۲ یہ سب الہامی باتیں ہیں، ان کا ثبوت موجود نہیں۔ "موقوف ہو گئے" خاص طور پر قابل توجہ ہے۔

(۲۱۷) "۱۲۴۵ھ و ۱۸۲۸ء میں اسد اللہ الغالب کی رعایت سے غالب تخلص اختیار کیا" آب اشاعت ۲ ص۵۰،

ایضاً اشاعت [illegible] ۔ [illegible] ۱۸۴۵ء کے مطابق نہیں، یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک ہی واقعہ (تبدیلِ تخلص) دو مختلف زمانوں میں کیونکر ظہور میں آیا۔ تبدیلِ تخلص ان دونوں سنوں سے قبل کی بات ہے، چنانچہ بھوپالی نسخۂ دیوان میں غالب تخلص کی غزلیں ہیں۔

(۲۱۸) معتمد الدولہ آغا میر ناسخ کے "با اخلاص شاگرد" تھے آب ص۳۵۲ ، ۱۸۳۱ء میں انھوں نے قصیدے کا صلہ سوا لاکھ روپیہ دیا، ناسخ مرزائی صاحب کے حوالے کر دیا؛ یہ سمجھ کر کہ روپے ناسخ ہی کے گھر میں ہیں، چور نے نقب لگائی اور ناکام ہو گیا، ناسخ نے تاریخ کہی :

دزد در خانۂ ناسخ چو زدہ نقب امشب   نہ زر و سیم نہ بد مس خجل آمد بیروں
بہر تاریخ مسیحی چو بریدم سر دزد   دزد از خانۂ مفلس خجل آمد بیروں

آب ص۳۴۸ "معتمد الدولہ اور ان کے بیٹے ہمیشہ خدمت کو حاضر رہا کرتے تھے" ص۳۵۲ (الف) آغا میر شاعر ہی نہ تھے، شاگردی کا کیا سوال ہے۔ ان کے بیٹے البتہ شاعر تھے (ب) آزاد نے صراحتہً نہیں لکھا، لیکن صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک لکھنؤ کا واقعہ ہے (ج) آغا میر ۱۸۲۸ء میں یا اس کے کچھ ہی بعد معزول ہو کر روانۂ کانپور ہو چکے تھے۔ ۱۸۳۱ء میں وہ لکھنؤ میں تھے کہاں کہ ناسخ کو قصیدے کا صلہ دیتے۔ خود ناسخ بھی اس زمانے میں وہاں نہ تھے۔ کہنے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انعام کانپور میں ملا اور روپے مرزائی صاحب کو لکھنؤ بھیجے گئے، مگر سوال یہ ہے کہ اس کا ثبوت ہی کیا ہے کہ سوا لاکھ روپے ملے، محض آزاد کا بیان، تو اس کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے۔ قصیدے پر انعام ملا ہوگا مگر اتنی بڑی رقم خلاف قیاس ہے۔ مزید یہ کہ انعام لکھنؤ میں ملا ہوگا جب وہ وزیر تھے۔ مرزائی صاحب کے یہاں امانتہً روپے رکھوانا کہیں سے ثابت نہیں۔ (د) قطعۂ تاریخ کا کوئی تعلق زرِ انعام سے نہیں۔

(۲۱۹) وارداتِ درد کی شرح علم الکتاب ہے جس میں ۱۱۱ رسالے نالۂ درد، آہ سرد، دردِ دل، سوزِ دل، شمعِ محفل وغیرہ ہیں آب ص۱۸۵ علم الکتاب م کو میں نے جا بجا سے دیکھا ہے، یہ رسائل نہیں، ابواب پر منقسم ہے، باب کے واسطے درد نے لفظ "وارد" استعمال کیا ہے۔ دردِ دل وغیرہ کا اس کتاب سے کچھ سروکار نہیں، یہ غلط محض ہے کہ یہ اس کے مختلف اجزا کے نام ہیں۔

(۲۲۰) تن آب ص۳۴۳ میں لکھا ہے کہ ناسخ فیض آباد میں پیدا ہوئے، لیکن حاشیے میں مرقوم ہے کہ زغمی کہتے ہیں کہ باپ کے ساتھ لاہور سے آئے تھے۔ زغمی امین اللہ طوفان کے بیٹے تھے جو ناسخ کے دوست تھے۔ تذکرۂ ابن طوفان میں جو اواسطِ مائۃ سیزدہم کا لکھا ہوا ہے صراحتہً مذکور ہے کہ ناسخ کی ولادت فیض آباد میں ہوئی تھی مھ۔ میرا خیال ہے کہ یہ تذکرہ زغمی نہیں ان کے بھائی کی تصنیف ہے، بہرحال، اس کا مصنف ناسخ کے دورانِ حیات میں جو کچھ کہتا ہے وہ اس پر جو زغمی بقول آزاد کم و بیش نصف صدی بعد کہتے ہیں، ترجیح رکھتا ہے۔

(۲۲۱) ص۲۵۱ و ص۲۵۲ میں ناسخ کے حیدر آباد بلائے جانے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس کی سند پیش نہیں کی۔ اس صورت میں کوئی وجہ نہیں کہ اسے قبول کیا جائے۔

(۲۲۲) ناسخ کے پٹنہ کنے (آب ص۳۵۲) کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا ثبوت موجود نہیں۔

(۲۲۳) "سودا کا کلیات ہر جگہ مل سکتا ہے۔ حکیم سید اصلح الدین خاں نے ترتیب دیا تھا اور اس پر دیباچہ بھی لکھا تھا" آب ص۱۵۲۔ کلیات شورش ۱۲۷۰ھ سے کچھ قبل پہلی بار دلی میں چھپا۔ اس کا آغاز دیباچۂ ظہور علی سے ہوتا ہے، اس کے بعد قصیدۂ شاگرد سودا مع عبارات نثر ہے اور اس کے بعد عبرت الغافلین۔ کلیات نظم سے پیشتر اصلح الدین کا دیباچہ ہے جو سودا کے دوران حیات میں حوالۂ قلم ہوا تھا۔ مطبوعہ کلیات اصلح الدین نہیں، بلکہ غلام احمد کا مرتب کیا ہوا ہے۔

(۲۲۴) کلیات سودا میں ۲۴ مثنویاں ہیں آب ص۱۵۲۔ کلیات مطبوعہ میں جو چھوٹی بڑی مثنویاں ہیں ان کی تعداد ۲۴ سے زیادہ ہے۔ ان میں سے کئی در اصل سودا کی نہیں، مثلاً مثنوی سرما قائم کی ہے اور لاٹھی سے متعلق مثنوی ممتاز کی ہے۔ مفصل بحث آیندہ۔

(۲۲۵) "ایک دیوان غزلوں کا ہے جو ان کے سامنے رائج ہو گیا تھا، دوسرا تتمہ ہے کہ پیچھے مرتب ہوا" آب ص۳۸۹ "زاغ سے آتش کے ایسے گرم و پسندیدہ اشعار سنے گئے جو کلیات مروجہ سے غیر حاضر ہیں۔ سبب یہ کہ آتش ایک صاحب کے مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے اور غزلیں پڑھ کر انھیں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ وفات آتش کے بعد شاگرد دیوان مرتب کرنے لگے تو بہت سی غزلیں انھیں سے ملیں "عمداً" یا ان کی بے اعتنائی سے بعض اشعار دیوان میں نہ آئے۔۔ وہ شاگرد۔۔ ناسخ کے تھے، اس لیے بدگمانی لوگوں کو گنہگار کرتی ہے" ص۳۹۶۔
(الف) آتش کے ایسے اشعار جو کلیات مروجہ میں درج نہیں، ممکن ہے کہ ہوں، لیکن ناسخ کا کوئی شاگرد اس کا ذمہ دار نہیں۔ صرف آتش ہی کا کلیات ایسا نہیں جو کل کلام مصنف پر حاوی نہیں، ایسے بہت سے کلیات موجود ہیں (ب)، آتش ۱۲۶۳ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ ان کا کلیات خود ان کا تصحیح کیا ہوا ۱۲۶۱ھ میں مطبع محمدی نے چھاپا تھا اور یہ دو دواوین پر مشتمل ہے۔ خواجہ عشرت نے آب بقا میں کلیات کی اشاعت ثانی (مطبع علوی ۱۲۶۸ھ) سے یہ عبارت نقل کی ہے: "اگرچہ سابقاً روبروے مصنف قالب طبع یافتہ بود، حالا بار دیگر بسعی موفور۔۔ غزلیات بقیہ مادر دیوان اضافہ نمودہ مع قطعات وفات مصنف ترتیب دادہ" ص۱۸۔ خیال آتا ہے کہ اشاعت ۲ بھی میری نظر سے گزری ہے، لیکن اس کا امکان ہے کہ یہ حافظے کا دھوکا ہو۔ بہرحال میں نے دونوں اشاعتوں کا مقابلہ نہیں کیا کہ یہ پتا چل سکے کہ اشاعت ۲ میں زائد کلام کتنا ہے۔ (ج) آزاد ان معاملات سے بالکل بے خبر ہیں، اور مشاعرے کے متعلق جو کچھ ان کے قلم سے نکلا ہے، ان کے اختراعات سے ہو تو عجب نہیں۔

(۲۲۶) "ہر زبان کے اہل کمال کی عادت ہے کہ غیر زبان کے بعض الفاظ میں اپنے محاورے کا کچھ نہ کچھ تصرف کر لیتے

ہیں" آب صفحہ ۱۵۹، اس کی مثالیں جو دی ہیں ان میں یہ شعر بھی ہے:

ساقی ہمیں کو تری دیکھ کے گوری گوری　　شمع مجلس میں ہوئی جاتی ہے تھوری تھوری

اس شعر میں کئی بدیسی لفظ ہیں، لیکن کوئی ایسا نہیں، جس میں سودا نے تصرف کیا ہو۔ "تھوڑی" دیسی لفظ گوری کا قافیہ آیا ہے، تو یہ سقم قافیہ ہے اور اس کو اکفا کہتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ یہ شعر غیر زبان میں سودا کے تصرفات کی مثال میں پیش ہوا ہے۔

(۲۲۷) دخت رز سے کہا میخانے میں شب رندوں نے　　آج تو خوب ہی نشتکے تری سوکن کو لگے

آب صفحہ میں اس شعر کی تعریف ہے اور اسے احسان دہلوی سے منسوب کیا گیا ہے۔ مخزن فوائد مولفہ نکہت دہلوی (دختِ کویرن) احسان کا یہ قطعہ ہے:

دُخت رز کہتی ہے سبزی تو مجھے لگتی ہے زہر　　ہائے تم چاہنے اس سوت کو یرن کو لگے

ساقیا اس کی تشفی میں بہر کیف یہ کہہ　　بس کئی ایسے ہی نشتکے تری سوکن کو لگے

دیوان احسان میں تو نہ آب والا شعر ہے نہ مخزن والا قطعہ، لیکن مجھے یاد ہے کہ مرزا فرحت اللہ بیگ مرحوم نے احسان پر جو مقالہ لکھا تھا، اس میں قطعہ موجود ہے، اور آزاد پر اعتراض بھی ہے۔

(۲۲۸) "سیامک جسے اہل ایران شت وخشور وخشوراں، برگزیدۂ یزداں، خدیو جہاں، شاہنشاہ پیشداد کہتے ہیں" سخن صفحہ ۴۶ زرد شتی روایات اور شاہنامۂ فردوسی کے مطابق سیامک نہ نبی ہے نہ بادشاہ۔ دساتیری اسے نبی مانتے ہیں، لیکن، اس کی بادشاہی کا دساتیر میں بھی ذکر نہیں۔ دساتیر و شاہنامہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ باپ کی زندگی ہی میں قتل ہوا تھا۔ پیشدادی خاندان کی ابتدا ہوشنگ سے ہوتی ہے اور دساتیری اسی کو وخشوراں وخشور یعنی پیمبر پیمبراں کہتے ہیں۔ لفظ شت صاحب دساتیر کا اختراع ہے۔

(۲۲۹) "زرتشت نے روما سے علوم حاصل کیے تھے اور اضلاع شام سے خروج کیا تھا" سخن صفحہ — یہ لایعنی باتیں ہیں شام و روما سے زرتشت کو کبھی کچھ سروکار نہیں رہا۔ زردشت کے حالات پر جو کتاب جیکسن نے انگریزی میں لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۲۳۰) "سال گذشتہ کی ایک تصنیف سے منکشف ہوا کہ زرتشت ساسانیوں کے عہد میں سنہ عیسوی سے تقریباً ۵۰۰ برس پہلے ہوا ہے اور اس کی تصنیف اوستا تھی۔۔ کہتے ہیں کہ اس کے ۲۰ باب تھے، ۱۹ گم ہو گئے، ایک وندیداد باقی ہے۔ جن لوگوں نے اکیسواں باب بھی کہا ہے وہ غلطی ہے۔ پیغمبر اسلام کے فضائل و معجزات سن کر اس قسم کے صفحے پیچھے لکھے گئے اور اوستا کا اکیسواں باب کہلائے" سخن صفحہ ۳۲ خدا جانے آزاد کن ماخذ سے کام لیتے ہیں، مشکل سے ایران قدیم کے متعلق کوئی صحیح بات ان کے قلم سے نکلتی ہے۔ دینکرد سے یہ ثابت ہے کہ اوستا کے ۲۱ دفتر تھے (آزاد نے دفعہ ۲۳۰ کی نسبت جو کچھ لکھا ہے وہ کسی یورپی کی تصنیف میں میری نظر سے نہیں گزرا، کسی

غیر معتبر ہندوستانی نے لکھا ہو تو لکھا ہو)۔ ان میں سے وندیداد مکمل موجود ہے، باقی یا تو بالکل ضائع ہو گئے یا ان کے کچھ اجزا موجود ہیں۔

(۲۳۱) خردہ اوستا" کا ترجمہ ہے اور دیباچے میں لکھا ہے کہ ساسان پنجم نے کلام الٰہی سے دری میں ترجمہ کیا" سخن ص۲۹۔ اصل و ترجمہ کا نمونہ: "مس دودہ فیروزگر بادمینوئی خورشید امرگ رایو مند خرو ہمند اروند اسپ ہمت دہیخت دہورشت" = "بزرگ وفیروز مند بادمینوئی خورشید بے مرگ خالص نوہند خردمند قوی اسپ بہ نیک نیت نیک گفتار نیک کردار نماز بردن" (سخن ص۔۔) ڈاکٹر محمد معین "مزدیسنا و تاثیر آں در ادبیات پارسی" میں لکھتے ہیں: "آذربد مہر اسپند، موبد موبداں زمان شاپور دوم مؤلف این کتاب بوده است۔ دوآں برائے نماز وادعیہ واقعات روز و ایام متبرک ماہ و اعیاد مذہبی سال و دیگر مراسم و اوقات خوش و ناخوش کہ در طی زندگانی پیش آید.. مطالب و ادعیۂ آں از اوستائے بزرگ استخراج شدہ است جز آنکہ بمناسبت دعا و نماز ہر موقع در آغاز و انجام تصرفاتے کردہ اند و بعدہا نیز بشمار این ادعیہ افزودند ۔۔ ہمہ مندرجات خردہ اوستا بزبان اوستائی نیست بلکہ قسمت بزرگے از آں بزبان پازند و متعلق بازمنۂ متاخر است۔ بسیارے از نسخ خطی خردہ اوستا دارائے دعاہائے میباشند کہ در نسخ دیگر نیست" ص۲۳۲۔ ساسان پنجم دساتیر کا فرضی مترجم و مفسر (بزبان دری) ہے، اور ترجمہ و تفسیر دساتیر میں عربی کا ایک لفظ نہیں آیا، آزاد کو یہ نہ سوجھا کہ اس کے ترجمۂ خردک اوستا میں عربی الفاظ خالص، نور، اور قوی کہاں سے آگئے۔ ساسان مذکور خسرو پرویز کا معاصر بتایا گیا ہے (دساتیر)، یہ عربی الفاظ اس عہد کی کسی ایرانی کتاب میں نہیں ملتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ملا فیروز نے دساتیر شائع کی تو ان کی طرح کچھ اور زردشتی بھی اس فریب میں آگئے کہ یہ ایرانیوں کی آسمانی کتاب ہے، اور اس کے بعد خردہ اوستا کے جو بعض فارسی تراجم بمبئی میں شائع ہوئے، ان میں دساتیر کے اقتباسات بھی تھے؛ اور ناشر نے ان کے متعلق لکھا تھا کہ اصل کا ترجمہ ساسان پنجم نے کیا تھا۔ آزاد یہ سمجھے کہ ساری خردہ اوستا ساسان ہی کی ترجمہ کی ہوئی ہے۔ خردہ اوستا کا ترجمہ آقائے پور داؤد نے بھی کیا ہے اور یہ چھپ گیا ہے۔ اس کے مقدمے میں بھی خردہ اوستا کی اصل سے بحث ہے (ص۲۶)۔ آقائے موصوف کی خردہ اوستا میں "خورشید نیایش" کی جو عبارت پازند ہے وہ آزاد کی نقل کردہ عبارت سے مختلف ہے ص۱۰۱۔

(۲۳۲) ناصر علی کے چند اشعار جو سرخوش کو بیاض فطرت میں ملے بعض ان میں سے لکھے جاتے ہیں (سخن ص۲۱۲) کلمات الشعرائے سرخوش ص۲۶ میں ناصر علی کے منتخب اشعار سے قبل یہ عبارت درج ہے "این چند شعر خوش کردۂ میر معز.. (فطرت)، وغیرہ اعزۂ صاحب کمال است"، ظاہر ہے کہ یہ پتا چلانا ممکن نہیں کہ فطرت کے منتخب کردہ اشعار کون سے ہیں اور دوسروں نے کون سے اشعار چنے تھے۔ بیاض فطرت کا ترجمۂ ناصر علی میں کہیں نام بھی نہیں آیا۔

یہ امو۔ در کنار، سخن ص۱۶۲ میں ناصر علی کے جو اشعار ہیں وہ کلمات سے غیر حاضر ہیں۔

(۲۳۳) آخر گل اپنی صرف درمیکدہ ہوئی پہنچے وہاں ہی خاک جہاں کا خمیر ہو

یہ شعر گلشن بیخار، مصنفۂ شیفتہ میں جہاں دار کے نام سے ہے۔ مگر دیوان ذوق مرتبۂ آزاد میں بھی تبدیل بعض الفاظ موجود ہے (ص۹۲)۔ اس سلسلے میں امور ذیل شایان توجہ ہیں: (الف) گلشن بیخار ذوق کے دوران حیات ہی میں دو تین بار آغا محمد باقر، پدر آزاد کے مطبع میں چھپا تھا۔ اور یقین ہے کہ ذوق کی نظر سے بھی گزرا ہوگا۔ اگر شیفتہ نے سہواً ذوق کا شعر جہاندار سے منسوب کر دیا تھا، تو اسی زمانے میں اس کی تصحیح ہو جاتی۔ ذوق کے اشعار پر اہل مطبع کی خاص توجہ رہی تھی، چنانچہ بہت سے اشعار جو شیفتہ نے نہیں لکھے تھے؛ اہل مطبع نے اپنی طرف سے شامل تذکرہ کر دیے ہیں۔ تفاصیل کے لیے راقم کا مقالہ "گلشن بیخار" ملاحظہ ہو، جو نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے (ب) ظہیر و انور وغیرہ نے جو دیوان ذوق مرتب کیا تھا اس سے یہ شعر غیر حاضر ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ذوق کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

(۲۳۴) ولی کی ایک "مثنوی مختصر معرکۂ کربلا کے حال میں ہے" آب ص۹۳ کلیات ولی میں صرف دو مثنویاں ہیں، اور ان میں معرکۂ کربلا کا ذکر در کنار اس کی طرف اشارہ تک نہیں۔

(۲۳۵) ایران میں ملیدے کو چنگالی کہتے ہیں سخن ص۲۴۲ یہ صحیح نہیں، برہان قاطع جلد ہم مرتبۂ ڈاکٹر محمد معین ص۶۶۵ میں ہے: "چنگال .. نان گرمی را گویند کہ با روغن و شیرینی در یکدیگر مالیدہ باشند و آنرا چنگالی (صرف ایک ن) نیز گویند"

(۲۳۶) "بعض الفاظ فارسی کے اول میں الف اصلی ہے، بعض میں زائد۔ کیا عجب .. کہ .. جس لفظ کا پہلا حرف ساکن سنا ہو، اپنے تلفظ کی آسانی کے لیے اول ایک الف متحرک لگا دیا ہو، وہ زائد مشہور ہو گیا۔ جیسے اشکم شکم، اشتر شتر دونوں طرح بولتے ہیں۔ آج کون کہہ سکتا ہے کہ ان میں کہاں الف اصلی ہے اور کہاں عرب کا عطیہ ہے" سخن ص۲۴۶ اشکم و اشتر دونوں میں الف اصلی ہے، (حاشیۂ برہان قاطع جلد ۱ ص۱۳۸ و ص۱۴۰)۔ الف زائد بھی ہوتا تو اس کا عربوں سے کیا واسطہ؟

(۲۳۷) "عربی لفظوں سے فارسی طور پر اشتقاق .. فہم سے فہمیدن .. شم سے شمیدن" سخن ص۲۲۶ فارسی میں شمیدن ایک مصدر ضرور ہے، لیکن، اس کا عربی شم سے کچھ تعلق نہیں۔ (رجوع بہ برہان قاطع وغیرہ)

(۲۳۸) "ایک صاحب نے ان کے سامنے کو کہا کہ شراب پینی سخت گناہ ہے۔ آپ نے سن کر کہا کہ بھلا جو پیے تو کیا ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ادنیٰ بات یہ ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ مرزا نے کہا کہ آپ جانتے ہیں، شراب پیتا کون ہے؟ اول تو وہ کہ ایک بوتل اولڈ ٹام کی باسامان سامنے .. ہو، دوسرے بے فکری، تیسرے صحت۔ آپ فرمایئے کہ جسے یہ سب کچھ حاصل ہے اسے اور کیا چاہئے جس کے لیے دعا کرے" آب ص۵۳۰ خود غالب

نے یہ لطیفہ اس طرح لکھا ہے: "ایک مولوی وعظ میں شراب کی مذمت کر رہے تھے، فرمانے لگے ادنیٰ برائی یہ۔۔ کہ جب تک اس کی بو۔۔ منہ سے آتی ہے، دعا نہیں قبول ہوتی۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب آدمی۔ شراب جب پیے گا کہ ۳ باتیں۔۔ میسر ہوں گی، پہلے تندرستی، پھر دولتمندی پھر خاطر جمعی۔ اب آپ انصاف کریں جب یہ تینوں۔۔ موجود ہوئیں ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اس کی تمنا۔۔ اور اس کے ملنے کے واسطے دعا کرے" (انتخاب غالب ص۳۹)

(۲۳۹) "فارسی لفظوں کو عربی لفظوں کے قالب میں ڈھال لیتے ہیں مثلاً۔۔ باس فریب،۔۔ جام ملبب" سخن ص۲۲۸ ملبب اردو میں میر حسن وافسوس وغیرہ کے یہاں ملتا ہے، لیکن عام طور پر مروّج نہیں، بعض غیر محتاط ہندوستانی فارسی گویوں نے بھی اسے استعمال کیا ہے، لیکن نہ تو محتاط ہندوستانی فارسی گو اسے برتتے ہیں اور نہ کسی ایرانی کے یہاں پایا جاتا ہے۔ اسے مثال میں پیش کرنا نہ تھا۔

(۲۴۰) اہل زباں نے۔۔ بعض الفاظ عربی میں۔۔ ساکن کو متحرک باندھا۔۔ ناصر خسرو: "اگر سہوے بود زروے عفو کن الخ" معو و قرن از کرمت در دو جہاں بردہ نواست الخ" سخن ص۲۲۹ دوسرا شعر اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا اسے ناصر خسرو کا سمجھے گا، لیکن وہ انوری کا ہے، اور وہ مصرع جس میں قرن آیا ہے دراصل اس طرح ہے: "وائے دو قرن از کرمت بردہ جہاں برگ و نوا" (کلیات انوری م ۶ ۲ و ۱۲)۔ قرن صحیح بندھا ہے۔

(۲۴۱) آرزو کے ایک شعر پر حزیں معترض ہوئے، اس کی خبر آرزو کو ملی، وہ بہت خفا ہوئے حزیں کے پاس "اول تو کس وناکس کو بار نہ تھی، عمائد و اراکین اگر جاتے تھے تو بپاس آداب زیادہ گفتگو بھی نہ کر سکتے۔۔ چہ جائے مباحثہ اور وہ بھی اعتراض اس کے کلام پر۔ اس واسطے جس جلد گر کی دکان دکان شیخ کی کتابیں جاتی تھیں، وہاں۔۔ آرزو نے راہ نکالی۔ اتفاقاً شیخ نے اپنی کسی کتاب۔ کے ورق پر ایک غزل لکھی تھی اور اس کے گرد ایک سانپ کھینچا تھا۔ لطیفہ۔۔ یہ۔۔ کہ گویا یہ خزانہ اور سانپ۔۔ اسے حفاظت۔۔ آرزو نے اول اس کے مطلع ہی پر اعتراض کیا کہ سانپ کا سر کچلنا چاہیے اور چند اعتراض اور بھی لکھے تاکہ شیخ کی نظر سے گذرے بعد ازاں۔۔ شاگردوں کو زبانی اس کے اشعار پر اعتراضات بتانے شروع کیے۔۔ بلکہ شیخ کے دیوان کے رد میں۔۔ تنبیہ الغافلین لکھی اس میں۔۔ ۴ شعروں پر اعتراض۔۔ ہے" نگار ص۲۱۲، تنبیہ الغافلین لکھنا صحیح (تعداد اعتراضات ۔۔۔ ہ ۔ ث ہوگی)، باقی سب کچھ بازاری گپ۔ آرزو نے مجمع النفائس میں حزیں کے یہاں ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ خدا جانے آزاد آرزو کو کیا سمجھتے ہیں ان کا شمار عمائد دہلی میں تھا اور انھیں خطاب خانی بھی ملا تھا۔

(۲۴۲) فاریاب علاقۂ ترکستان میں ہے نگار ص۴۱۹ معجم البلدان جلد ۳ ص۸۴۲ میں فاریاب سے متعلق یہ عبارت ہے:
"مدینۃ مشہورۃ بخراسان من اعمال جوزجان۔۔ و من فاریاب الی بلخ ستۃ مراحل"

(۲۴۳) قصۂ مہر و وفا ظہیر فاریابی کی تصنیف ہے نگار ص۱۵۔ مہر و وفا رشیدی سمرقندی کا ہے (تذکرۃ الشعرائے دولت شاہ طبع یورپ ص۱۱۱)۔

(۲۴۴) آرزو حنفی تھے اور میر شیعی اور اس پر نازک مزاج غضب، بعوض کسی مسئلے پر بگڑ کر الگ ہو گئے" (حاشیہ: "میر کلو عرش ... سے معلوم ہوا") آب اشاعت ا ص۲۱۹، "آرزو... ہو گئے" (حاشیہ: میر کلو عرش... سے معلوم ہوا") آب اشاعت ا ص۲۱۹ "آرزو... ہو گئے" (حاشیہ ندارد) اشاعت ۲ ص۲۰۳ حاشیے میں ایک ضروری بات تھی، جو ظاہراً بے سبب حذف ہوئی۔ مگر یہ بات کہ بگاڑ اختلاف عقائد کی وجہ سے ہوا ذکر میر سے ثابت نہیں۔ اس سے کچھ اور اسباب کا پتا چلتا ہے۔

(۲۴۵) "لگا کے برف میں ساقی صراحی مے لا		جگر کی آگ بجھے جلد جس سے وہ شے لا"

آب ص۲۷ میں جو حکایت اس کے متعلق درج ہے اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔

(۲۴۶) جامی بہارستان میں سلمان ساوجی کی بہت تعریف کرتے ہیں، "مگر یہ کہتے ہیں کہ سرقہ کرتا تھا اور خصوصاً کمال اسمٰعیل کی چوری بہت کرتا تھا" نگار ص۱۳۶ بہارستان (کلیات جامی م ۱۸۰): "وی را معانی خاصہ بسیار است و بسا اوقات و بسیارے از معانی استادانہ بہ تخصیص کمال اسمٰعیل در اشعار خود ایراد کردہ چوں آں در صورت خوبتر و اسلوب مرغوبتر واقع شدہ محل طعن و ملامت نیست" و ۴۵۶۔ اس کے بعد جامی کا وہ قطعہ ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ شاہد معنی کو پہلے سے بہتر لباس پہنایا جائے تو اچھا ہے۔

(۲۴۷) دیوان ذوق مرتبۂ آزاد ص۲۵۵ میں سکندر کی رباعی جو تذکرۂ قاسم م و ۱۳۷ میں ہے، بہ تبدیل بعض الفاظ درج ہے۔ یہ انور وغیرہ کے مرتبہ دیوان میں نہیں اور آزاد کے سوا کوئی اسے ذوق کی ملک نہیں سمجھتا:

اے زاہدو کیا تم سے جھگڑا کر لوں میں		ناحق کو دل اپنا یہ کروں کیوں خوں میں
میخوارہ و بت پرست کہتے ہو مجھے		ہوں میں ہوں جو کچھ کہ ہوں میں ہوں میں

(۲۴۸) "تناسخ کا مسئلہ اُن (ایرانیوں) میں بھی تھا، چنانچہ جو شخص بے گناہ کو مارے اسے دوسری ولادت میں اس کا عذاب اٹھانا پڑتا تھا" سخن ص۱۰ آب ص۱۳ میں بھی ہے کہ "تناسخ کا مسئلہ دونوں (ہندو اور ایرانی) میں یکساں تھا" زردشتی قیامت کے قائل ہیں، تناسخ سے انھیں کچھ سروکار نہیں۔ تناسخ دساتیری عقیدہ ہے، اس سے مفصل بحث اس مقالے میں ہوگی جو دساتیر پر لکھا جا رہا ہے۔

(۲۴۹) سخن ص۱۰ ہے (۲۴۸) میں جو عبارت نقل ہوئی ہے، اس کے بعد یہ الفاظ آتے ہیں: "ہمارے تصوف نے اس خیال کو زندہ کیا:

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام		ہم چو سبزہ بارہا روییدہ ام

کلیات رومی ص۲۴۳ میں ایک غزل ہے جس کے ۳ شعر یہ ہیں:

اے پسر اندر سپہر ہفتمیں بالملائک سالہا گر دیدہ ام
گر بگویم شرح جان خویش را ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام
تو میر سندم ز حال زندگی ہم چو سبزہ بارہا رودیدہ ام"

مسلمانوں میں تناسخ فرقہ گزرا ہے، لیکن صوفی تناسخ کو نہیں مانتے۔ رومی کے اشعار میں توحید وجودی کا بیان ہے۔ آزاد نے شعر جس طرح دیا ہے، مشہور اسی طرح ہے، مگر شہرت صحت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔

(۱۵۰) سیامک پسر کیومرث سخن صنہ، دساتیر و شاہنامہ میں اسی طرح، لیکن اصلی زردشتی روایت کے بموجب اس کا پوتا اور دختر زادہ تھا (بندہش) مسلمان مورخ بھی اس سے ناواقف نہ تھے۔ حمزہ اصفہانی تاریخ ملوک الارض (طبع کلکتہ) میں لکھتا ہے: "سیامک بن مشی بن کیومرث (صنہ ۲) اس کتاب میں دختر کیومرث کا بھی ذکر ہے۔

(۱۵۱) "اجرام آسمانی کی عظمت واجب اور تغیرات عالم میں انھیں مؤثر سمجھتے .. دبستان مذاہب میں ۷ سیاروں کی صورتیں لکھی ہیں" سخن صنہ۔ دبستان میں اس سلسلے میں جو کچھ مرقوم ہے اس کا تعلق زردشتیوں سے نہیں، دساتیریوں سے ہے (مقالۂ دساتیر میں مفصل بحث ہوگی)

(۱۵۲) آزاد کے بیان کے مطابق عہد اکبر شاہی (آغاز ۱۲۲۱ھ) میں منت ظفر کے یہاں جایا کرتے تھے، آب صا۱۴، لیکن یہ ماۃ سینۂ ہم کے عشرۂ اول ہی میں راہی عدم ہو چکے تھے (معاصر ۸ صہ)

(۱۵۳) آب صہ۱۴ میں بے سروسامانی کے عالم میں عازم لکھنؤ ہونے، گاڑی میں زبان کے بگڑ جانے کے متعلق گفتگو، مشاعرے میں شرکت یہ سب مصنوعی باتیں ہیں۔ میر آصف الدولہ کے بلائے ہوئے گئے۔ تھے اور اخراجات سفر انھیں پیشگی مل گئے تھے۔ قطعہ بھی جو صنہ۲۰ میں میر کی طرف منسوب ہے، نہ کلیات میر میں ہے اور نہ کسی اور کتاب میں۔ میں ان امور سے نقوش میں بالتفصیل بحث کر چکا ہوں۔

(۱۵۴) انشا مرشد آباد سے دہلی آئے آب صنہ۲۶۔ یہ غلط محض ہے۔ مرشد آباد سے کئی جگہ ہوتے ہوئے فیض آباد پہنچے اور وہاں کئی سال مقیم رہے، اس کے بعد لکھنؤ جانا ہوا ہوگا، (تذکرۂ میر حسن و سفینۂ ہندی وغیرہ)

(۱۵۵) آتش کے "کلام میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو دلی اور لکھنؤ کی زبان میں پورب پچھم کا فرق دکھاتے ہیں۔ دلی والے اندھیری کہتے ہیں اور انھوں نے اندھیاری باندھا ہے" آب .. صہ۳۹۴۔ اندھیارا یا اندھیاری خاص لکھنؤ کا لفظ نہیں، تاباں کہتا ہے: "کچھ نظر آتا نہیں جب رات اندھیاری ہوئی" (دیوان صہ۱۸۹) میر کا مصرع ہے "جو جلتے رہے کہ اندھیاری" (کلیات صہ۳)

(۱۵۶) "اکثر بزرگ پرانے پرانے مشاق .. فراق .. ، قاسم، .. شکیبا، .. عظیم بیگ، اور .. محب .. ، حافظ عبدالرحمن خاں احسان وغیرہ موجود تھے، سب ان کے دعوے سنتے تھے اور بعض موقع پر اپنی بزرگی سے ان کی طنزوں کی برداشت کرتے تھے مگر خاموش نہ رہ سکتے تھے" صہ۔ نصیر کا سال پیدائش معلوم

نہیں، لیکن قرائن کہتے ہیں کہ ۱۱۷۱ھ اور ۱۱۷۵ھ کے مابین پیدا ہوئے۔ مصحفی نے ریاض الفصحا میں ان کی عمر ۶۰ سے متجاوز بتائی ہے اور لکھا ہے کہ دہلی میں میں خرم کے یہاں جو مشاعرے کیا کرتا تھا، ان میں "چندے" شریک ہوا کیے اور اس زمانے میں ان کا کلام مبتدیانہ تھا۔ یہ بات ۱۱۹۸ھ یا اس سے بھی قبل کی ہے (سال ورود لکھنؤ ۱۱۹۸ھ)۔ اوروں سے قطع نظر، احسان کو جوان کے مقابلے میں بزرگ و کہنہ مشق دکھایا گیا ہے یہ مطلقاً بے اصل ہے۔ وہ ۱۲۲۶ھ میں فوت ہوئے ہیں اور ان کی ولادت ۱۱۸۳ھ یا اس کے لگ بھگ ہوئی تھی

(مزید بحث آیندہ)

(۲۵۷) افراسیاب نے بیٹے کے اغوا سے سیاوش کو قتل کرا دیا ص۲۰۹ سیاوش کے قتل میں افراسیاب کے بیٹے کو دخل نہ تھا، بہکانے والا اس کا بھائی گرسیوز تھا (شاہنامۂ فردوسی جلد ا نول ص۲۷۵ و ما بعد)

(۲۵۸) اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ "پہلوی ۔ ایران میں ایسی ہے جیسے ہندوستان میں کوئی مہذب پراکرت اور ایک پہلو اس کا عرب سے بھی ملا ہوا ہے" سخن ص۳۸ ۔ آزاد نے "ردائے ویراف" کی جو عبارت نقل کی ہے اس میں "مین" آیا ہے، آزاد کہتے ہیں کہ یہ عربی ہے؛ بعض دوسرے الفاظ کے متعلق بھی یہی کہا ہے۔ پہلوی کا عربی سے تعلق نہیں اور نہ یہ کسی واقف کار نے لکھا ہے۔ لفظ "مین" جسے آزاد عربی سمجھتے ہیں، ہزوارش ہے؛ اس کی بحث ان انگریزی کتابوں میں آچکی تھی، جو سخن سے قبل تصنیف ہوئی تھیں، لیکن آزاد جو ایران کی قدیم زبانوں کے مورخ اور ان کے تعلقات باہمی کو دکھانے والے ہیں، اس سے قطعاً بے خبر ہیں کہ ہزوارش کیا ہے ہزوارش کا بیان ہوگ دار مستتر، وسٹ اور داؤد وغیرہ کی تصانیف میں ملاحظہ ہو۔

(۲۵۹) مینوخرد کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ زرتشتیوں کے کسی ایسے فرقے کی کتاب ہے جو دیوتاؤں اور موثر و توانا روحوں کو بھی یزداں کہتا تھا" سخن ص۲۹ ۔ زرتشتیوں کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو "دیوتاؤں" کو مانتا ہو، ان کے نزدیک اہورا مزدا خالق کل ہے۔ آزاد کو دھوکا اس سے ہوا کہ پہلوی میں یزت (جمع یزتاں) فرشتوں کی ایک قسم ہے جس کا رتبہ امشاسپند سے کم ہے۔ مینوخرد میں دیوتاؤں کو ہرگز یزداں نہیں کہا گیا، فرشتوں کو کہا گیا ہے۔

(۲۶۰) انیس کی زبان سے ذوق کے بارے میں "میاں سید میر کے بعد پھر دلی میں ایسا شاعر کون ہوا ہے؟" اضافۂ آزاد "بزرگوں سے زباں بزباں خواجہ میر درد کے لیے یہی نام ان کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس عہد کے لوگ انھیں میاں خواجہ میر کہتے تھے" ص۴۷۵ ۔ آب ص۱۸۶ میں مرقوم ہے کہ "سید انشا نے بھی لکھا ہے کہ خواجہ میر اثر مرحوم" (طبع اول ص۱۹۱ میں بھی یہی)۔ لطف یہ کہ آب ص۱۸۵ میں چھوٹے بھائی کا نام محمد میر لکھا ہے۔ اظہار رائے کی ضرورت نہیں، مگر حقیقت کا بیان لازم ہے۔ درد کا نام خواجہ میر اور اثر کا محمد میر تھا۔

(۲۶۱) غالب ۱۸۲۸ء میں کلکتہ گئے! آب ص۳۰۵ غالب بتاریخ ۱۹ر فروری ۱۸۲۸ء (راہ میں کئی جگہ ٹھہرتے ہوئے) کلکتہ پہنچ چکے تھے (ذکر غالب طبع ۳ ص۴۵)

(۲۶۲) ص دلی میں میر... نے ایک مثنوی کہی، اپنے تئیں اژدہا قرار دیا اور شعرائے عصر میں سے کسی کو چوہا کسی کو سانپ، کسی کو بچھو، کسی کو کنکھجورا وغیرہ وغیرہ ٹھیرایا... اس قصیدے کا نام اجگرنامہ قرار دیا اور مشاعرے میں آکر پڑھا" آب ص۲۱۱۔ اسے ص۲۱۲ میں مثنوی کہا ہے اور نام پہلے اژدرنامہ اور اس کے بعد اجگرنامہ لکھا ہے۔ مثنوی کو قصیدہ کیوں کہا، سمجھ میں نہ آیا۔ یہ دعوی بھی محتاج ثبوت ہے کہ اس کا نام میر نے اجگرنامہ بھی رکھا تھا۔

(۲۶۳) خسرو کے حال میں جتنی حکایتیں آب میں درج ہیں، محض بازاری گپیں ہیں، بعض کا ذکر سابق میں آچکا ہے، بقیہ کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے: چار پنہاریوں کی حکایت ص۴۷، سلطان جی کے ہمان کا واقعہ ص۴۸، دھنیے کا معاملہ۔ بعض اوقات داستانوں کا پیش کرنا بھی بے محل نہیں ہوتا، مگر یہ سمجھ کر کہ داستان ہے۔ بازاری گپوں کو روایات صحیحہ کا مرتبہ دینے والا منصف محققین میں محسوب نہیں ہوسکتا۔

(۲۶۴) خسرو کا جو کلام آب میں ہے، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جسے ان کی طرف منسوب کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود ہو۔ صنعت ملمع والی غزل تو میرے خیال میں شیرانی نے ثابت کر دیا ہے کہ ان کی نہیں۔

(۲۶۵) رنگین کے بیان کے مطابق آزاد نے جو انشا کے سہ رنگ دکھائے ہیں ان کا آغاز اس طرح کیا ہے: "خان موصوف کہا کرتے تھے" (آب ص۲۹۶) مگر یہ بتانے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ خود آزاد کو وہ باتیں جو اس کے بعد انھوں نے لکھی ہیں، کس سے معلوم ہوئیں۔ بہرحال، جو واقعات بیان کیے ہیں ان میں سے یہ تو صحیح ہے کہ انشا آخر عمر میں مخبوں ہو گئے تھے، اور کسی کا ثبوت موجود نہیں۔ "کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں الخ" یہ غزل جو آزاد کی نظر میں انشا کے زمانۂ آخر کی ہے، مصحفی کے تذکرۂ ہندی میں جس کا اختتام ۱۲۰۹ھ میں ہوا ہے اس کے کچھ اشعار موجود ہیں۔

(۲۶۶) تربوز والی حکایت میں آزاد نے انشا سے کہلوایا ہے "ظالم کی قید میں ہوں، سوا دربار کے گھر سے نکلنے کا حکم نہیں" ص۲۹۶۔ آزاد نے ص۲۹۷ میں بھی ایک منظوم فارسی رقعے کے متعلق لکھا ہے کہ "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت گھر سے نکلنا بند تھا" اس کے آخری اشعار یہ ہیں:

هنوز قید نداری چو سرو آزادی ... بہر کجا کہ دست می کشد سرا فرازی
تو سر بمہر نۂ ہمچو نامۂ شاہان ... اگرچہ فرقۂ مخصوص مطلب رازی
بایں جریمہ کہ حاضر بخدمتت نشدم ... توقع اینکہ ز چشم خودم نیندازی
بدون حکم وزیر الممالک اے آغا ... چساں کنم حرکت نوکریست یا بازی

نماز روزہ معافست عذر اگر باشد | بگو برائے چہ دیگر بہ شکوہ پردازی
بعید نیست پے سیر اگر بخانۂ من | قدم گذاری گاہے ز لطف بنوازی

قید ہونے کا مدار اسی نظم پر ہے، مگر اس میں قیود ملازمت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ بات کہ سعادت علی خاں نے انشا کو دربار کے سوا کہیں اور جانے کو منع کر دیا تھا، کہیں سے ثابت نہیں۔ اور خلاف قیاس ہے۔

(۲۶۷) انشا کے " دیوان فارسی کا یہی حال ہے باتوں ہی باتوں کا مزا ہے، جس غزل کو دیکھو دو ایرانی ہیں کہ کھڑے باتیں کر رہے ہیں اور فقط مسخرا پن، مضمون کو دیکھو تو کچھ بھی نہیں" آب صـ۲۷۴ دیوان فارسی کلیات مطبوعہ میں شامل ہے۔ (صـ۲۷۳ تا صـ۳۰۳) اس میں ایک مصرع بھی ایسا نہیں جس میں مسخرا پن ہو۔ شاعری کا پایہ کچھ بلند نہیں، لیکن یہ غلط ہے کہ کوئی مضمون ہی نہیں، محض باتیں ہی باتیں ہیں چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مشرب رندانہ میداریم و میچو شیم ما | با شمیم تند مے چوں خم ہم آغوشیم ما صـ۲۷۴
حق محیط از شش جہت باشد ہنوز آگہ نیم | تا مقابل باکہ ایم و باکہ ہمدوشیم ما
کیستیم و از کجا شد اتفاق آمدن | ما نمیدانیم انشا خود فراموشیم ما
چناں افگندہ آہم در تزلزل عرش اعظم را | کہ و ہم صور اسرافیل شد عیسی مریم ما
وارستگی نگر کہ بقید ننگ نیست | ایں جا بسان نکہت گل، ہیچ رنگ نیست صـ۲۷۷
گام نخستیں وحشتم از سدرہ بالا تر زند | سوزد فروغ نور اگر جبریل آنجا پر زند صـ۲۸۳
از بہر قطع ساختن از ما سوائے دست | چوں لائے نہی صورت مقراض عالیم صـ۲۹۵

(۲۶۸) آزاد کا بیان ہے کہ انشا نے غزل ذیل: " اک طفل دبستاں ہے فلاطوں مرے آگے الخ" اس مشاعرۂ دہلی میں پڑھی تھی جس کا ذکر آب صـ۲۶۴ میں ہے، اس کا حال انھوں نے تقریباً سب کا سب تذکرۂ قاسم سے لیا ہے، لیکن اس غزل کے متعلق اس میں ایک لفظ بھی نہیں۔ کسی دوسرے ذریعے سے بھی آزاد کے قول کی تصدیق نہیں ہوتی۔

(۲۶۹) مقتیل کے رقعوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۲۵ھ میں وہ (انشا) موقوف ہو کر خانہ نشین ہوئے تھے، مگر معلوم نہیں ہوتا کہ یہی آخری خانہ نشینی تھی یا اس کے بعد پھر بھی بحال ہوئے تھے" آب صـ۲۶۹ موقوفی کا صحیح سنہ میرے اس مقالے میں ہے جو " کچھ انشا کے بارے میں" کے عنوان سے نوائے ادب میں شائع ہو چکا ہے۔ برطرفی کے بعد بحالی کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔

(۲۷۰) " راقم کے پاس جو ان (مصحفی) کے دیوان میں ان میں سے۔ ایک پر دیوان ہشتم لکھا ہے اور ایک دیوان اور ہے اس میں سید انشا کے جھگڑے بھی ہیں، یہ آٹھواں ہوگا کہ سب سے اخیر ہے" آب صـ۳۱۱ بیشک مصحفی کے آٹھ اردو دیوان ہیں، مصحفی و انشا کے معارضے سے متعلق جو اشعار ملتے ہیں وہ دیوان

سوم یا چہارم میں ہیں، اور یہ جھگڑا ۱۲۲۲ھ یا اس سے کچھ قبل ہی ختم ہو گیا تھا۔ مصحفی کا آٹھواں دیوان جس کا ایک نسخہ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ میں ہے، ان کی زندگی کے آخری ایام کی تصنیف ہے، اور اس میں غالباً سنہ ۱۲۳۶ھ کے بعد کے اشعار ہیں؛ انشا اس کے قبل ہی فوت ہو چکے تھے، اور اس کا مصحفی و انشا کے جھگڑوں سے کچھ سروکار نہیں۔ آزاد کا قیاس کہ جو دیوان (دیوان ہفتم کے علاوہ) ان کے پاس تھا اور جس میں "انشا کے جھگڑے" ہیں وہ دیوان ہشتم ہو گا، داد طلب ہے۔ جسے وہ آٹھواں دیوان سمجھے تھے، فی الواقع دیوان سوم ہے اور اس کی غزلیں آب میں موجود ہیں۔

(۲۷۱) "یہ سمجھ لو کہ جن الفاظ پر ہم لوگوں کے بہت کان کھڑے ہوتے ہیں، یہی ان کے اوائل عمر یا جوانی کے کلام میں، منشی احمد حسن .. میر .. کے شاگرد رشید تھے، ان کی زبانی ڈپٹی کلب حسین خاں .. فرماتے تھے کہ اکثر الفاظ جو میر .. پہلے دوسرے دیوان میں کہہ گئے ہیں وہ چوتھے پانچویں میں نہیں ہیں، جو دوسرے تیسرے میں ہیں وہ پانچویں چھٹے میں نہیں، بہرحال اخیر عمر میں ان کی زبان کا وہ انداز ہو گا جو کہ .. انشا مصحفی جرات کی زبان کا ہے" آب صفحہ ۱۳۶ احمد حسن نام کے کسی شاگرد میر کا نام تذکروں میں نہیں ملتا، لطف یہ کہ انھیں شاگرد رشید کہتے ہیں اور تخلص تک نہیں بتاتے۔ مختلف دواوین کی زبان میں اختلاف کی نسبت ذاتی تحقیقات کے نتائج پیش کرنے تھے ایک مجہول الاحوال شخص کی رائے درج کرنا لاحاصل ہے۔

(۲۷۲) "خان آرزو وہی شخص ہیں جن کے دامن تربیت سے ایسے شایستہ فرزند پرورش پاکر اٹھے جو .. اردو کے اصلاح دینے والے کہلائے .. یعنی مرزا جانجاناں، مرزا رفیع، میر تقی، خواجہ میر درد وغیرہ" صفحہ ۱۲۱ اس موقع پر مجھے صرف مظہر سے بحث ہے، وہ ہرگز ان لوگوں میں شمار نہیں کیے جا سکتے جو آرزو کی آغوش تربیت میں پلے ہیں، آرزو مجمع النفائس (م) میں ان کا ترجمہ اس طرح لکھتے ہیں: "جانجاناں، مظہر تخلص، آنچہ از زبانش مسموع است آنست کہ نام اصلی جانجاں است، و والدش محمد جان نام داشت، نظر بر آں بجانجاں موسوم گردانیده، حالا بجانجاناں شہرت گرفتہ۔ از عنفوان (کذا) کہ والدش ودیعت حیات سپرده بفقر و فنا مشغول است، چنانچہ در خدمت بزرگے از سلسلۂ نقشبندیہ داخل طریقہ گشتہ، بعد ازاں کسب فضائل صوری و معنوی نموده، الحال کہ عمرش به پنجاه (ایک لفظ غائب) ہمیشہ در استحکام مراتب صوفی گری ساعیست، بلایں ہمہ از شور عشق ظاہری گاہے خالی نبود، با وجود تقید مذہب کمال توسع مشرب دارد۔ در دقت فہم و ذکائے طبع یکتائے لیل و نہار بلکہ بے مثل روزگار است حدت طبیعت و جودت بمرتبہ دارد کہ بمصداق ایں مصرع است "دو کہ سخن نگفتہ باشی بسخن رسیده باشی" از ابتدائے تو مشقی با فقیر کمال اخلاص و ارتباط بود۔ بیشتر گاہ گاہے ریختہ کہ شعر آمیختہ ہندی و فارسی است، بطریق خاصہ می گفت، حالا خلاف زبی خود دانستہ ترک گفتہ۔

بعضے از تلامذۂ خود را تربیت بسیار کردہ حتی کہ بعضے میگویند خود گفتہ داد، واللہ اعلم۔ ہر چند شعر دون مرتبہ
" اوست در ینولا انتخاب اشعارش نوشتہ می شود" اگر آرزو کو مظہر کی تربیت میں دخل ہوتا تو وہ
اس کا ذکر ضرور کرتے۔ وہ "نیکی کن و بدریا انداز" کے قائل نہیں۔ خوش گو کے متعلق اسی کتاب میں لکھتے
ہیں: "ایں عاجز ہم در تربیت او بتقصیر از خود راضی نشدہ و نیست" پیام اکبرآبادی غالباً ان کی شاگردی
کے منکر تھے، آرزو ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں: "در اکبرآباد با فقیر خیلے محشور بود باہم نشستیم
و شعری گفتیم۔ در یں ضمن اگر امدادے ہم ازیں عاجز بظہور میرسید دور نبود، و یک دو رسالہ دیگر (کذا) نیز
پیش فقیر خواندہ مجمع) تنبیہ الغافلین میں مظہر نے ضمنی طور پر اپنے ریختہ گو تلامذہ آبرو، مضمون و یک رنگ
کا ذکر کیا ہے، مظہر ان میں بھی شامل نہیں، (قول فیصل ص ــ)

(۲۷۳) "مصحفی نے بڑھاپے میں پھر شادی کی تھی" انشا نے اپنی ہجو میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے آب ص ۳۱۱
بڑھاپے کی شادی کا ثبوت موجود نہیں، یہ بات خود مصحفی کے بیان سے جو ڈاکٹر ابواللیث صدیقی
کی کتاب (متعلق مصحفی) میں نقل ہوا ہے ثابت ہے کہ جس زمانے میں مصحفی و انشا میں جھگڑا ہوا ہے، اس
سے بہت قبل ان کی زوجہ کی وفات ہو چکی تھی اور اس وقت تک انھوں نے کوئی دوسری شادی نہیں
کی تھی۔ یہ بھی واضح رہے کہ معارضے کے وقت مصحفی کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔

(۲۷۴) شجاع الدولہ نے سودا کو طلب کیا تھا تو خط میں "برادر من مشفق مہربان من" لکھا تھا آب ص ۱۵۸:
ہوا خواہان مکین چوک میں سودا کو ذلیل کرنا چاہتے تھے کہ سعادت علی خاں کی سواری آ نکلی اور وہ اپنے
ساتھ ہاتھی پر بٹھا کر لے گئے۔ "آصف الدولہ حرم سرا میں دسترخوان پر تھے، سعادت علی خاں اندر گئے
اور کہا کہ بھائی صاحب، بڑا غضب ہے، آپ کی حکومت اور شہر میں یہ قیامت! آصف الدولہ نے
کہا کیوں بھئی، خیر باشد انھوں نے کہا کہ مرزا رفیع جس کو بادا جان نے برادر من اور مشفق مہربان کہہ کر خط
لکھا، آرزوئیں کر کے بلایا اور وہ نہ آیا آج وہ یہاں .. ہے اور اس حالت میں .. کہ اگر اس وقت
میں نہ پہنچتا تو شہر کے بدمعاشوں نے اس .. کو بے حرمت کر ڈالا تھا" ص ۱۶۷ یہ بات کہیں سے ثابت
نہیں کہ شجاع الدولہ نے سودا کو خط لکھا تھا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کا سوال ہی نہیں پیدا
ہوتا کہ القاب مذکورہ کا ثبوت ہے یا نہیں۔ سعادت علی خاں اور آصف الدولہ کی گفتگو آزاد کے
اختراعات سے ہے ("سودا اور مکیں" معاصر ۱ ص ۸۲) نزاع سودا و مکین کے قبل ہی سے سودا اودھ
کے درباری شاعر تھے۔

(۲۷۵) احمد بخش خاں، الٰہی بخش خاں، معروف کے برادر بزرگ اور سرپرست تھے لیکن آزاد نے ان کی
آپس کی گفتگو اس طرح لکھی ہے کہ یہ گمان ہوتا ہے وہ معروف ہی کو عمر میں بڑا سمجھتے تھے۔ احمد بخش خاں

کہتے ہیں: "یہ لوگ اس طرح کا بوجھ اٹھائیں تو چھاتی تڑق جائے" چھوٹے بھائی مسکرا کر بولے کہ "ہاں تو آپ کی چھاتی میں بھی آیا ہوگا" بڑے بھائی نے "شرما کر آنکھیں نیچی کر لیں۔ پھر چھوٹے بھائی نے اس طرح نصیحت کی "آخر امیر زادے ہو، خاندان کا نام ہے، یہی کہتے ہیں، مگر اس طرح نہیں کہا کرتے" اس گفتگو کے متعلق آزاد نے لکھا ہے کہ اس طرح باتیں کرتے تھے، جس طرح بچے بزرگوں سے کہتے ہیں۔ آب ص۱۹۹۔ یہ مسلمات سے ہے کہ احمد بخش خاں عمر میں بڑے تھے اور معروف ان کے وظیفہ خوار تھے۔ بڑے چھوٹے بھائی میں اس قسم کی گفتگو جیسی آب میں درج ہے، حد درجہ خلاف قیاس ہے۔ واضح رہے کہ معروف ان اشخاص میں بھی نہ تھے، جو بالکل تارک دنیا ہو گئے ہوں اور جن کی ولایت ان کے معاصرین میں مسلم ہو۔

(۲۷۶) سودا اور شاہ عالم کے تعلقات منقطع ہوئے تو سودا نے مخمس شہر آشوب "کہا میں آج یہ سودا سے کیوں ہے ڈانواں ڈول" کہا "بید رد ظاہربین کہتے ہیں کہ بادشاہ اور دربار.. کی ہجو ہے غور سے دیکھو تو.. اپنے وطن کا مرثیہ کہا ہے" آب ص۱۵۰ سودا کے مربی عماد الملک تھے جن کے تعلقات شاہ عالم سے ان کے زمانۂ ولیعہدی میں اچھے نہ تھے اور یہ انھیں کے ڈر سے دہلی سے بھاگے تھے۔ نظم زیر بحث کا کچھ تعلق شاہ عالم سے نہیں، عالمگیر ثانی کے عہد میں لکھی گئی ہے۔ اس کی شان نزول جو آزاد نے بتائی ہے، فرضی ہے۔

(۲۷۷) تصنیف مخمس (۲۷۶) کے ذکر کے بعد: "مرزا دل شکستہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہے۔ قدرداں موجود تھے کچھ پرواہ نہ ہوئی، ان میں اکثر رؤسا و امرا خصوصاً مہربان خاں اور بسنت خاں خواجہ سرا تھے وہی بسنت خاں جن کی تعریف میں قصیدہ کہا ہے: "کل حرص نام شخصے سودا یہ مہربان ہوا الخ" ان لوگوں کی بدولت ایسی فارغ البالی سے گزرتی تھی کہ ان کے کلام کا شہرہ.. شجاع الدولہ نے لکھنؤ میں سنا تو کمال اشتیاق سے "برادر من شفیق مہربان من" لکھ کر خط مع خرچ سفر بھیجا" آب ص۱۵۰ بسنت خاں خواجہ سرا شاہ عالم کے عہد سے قبل کے امرا میں ہے۔ مہربان خاں فرخ آباد میں احمد خاں بنگش کے یہاں ایک بڑے عہدے پر ملازم تھے اور جیسا کہ تذکرۂ قائم (ترجمۂ مہربان خاں رند) سے ثابت ہے سودا عماد الملک کی معیت میں فرخ آباد گئے تو وہاں ان سے توسل پیدا ہوا۔ سودا و عماد الملک کے تعلقات سے آزاد قطعاً بیخبر ہیں اور یہی حال بعض دوسرے مرتبان دہلی کا ہے، حالانکہ کلیات مطبوعہ کا سرسری مطالعہ بھی ان کے علم کے لیے کافی ہوتا۔

(۲۷۸) شجاع الدولہ نے سودا کو طلب کیا (۲۷۷) تو انھیں دہلی چھوڑنا گوارا نہ ہوا "جواب میں فقط اس رباعی پر حسن معذرت کو ختم کیا:

سودا پے دنیا تو بہر سو کب تک آوارۂ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اس سے نہ کہ دنیا ہووے بالفرض ہوا یہی تو پھر تو کب تک"

دہلی کے قدرداں مرگئے تو "چندروز" فرخ آباد جا کر رہے، وہاں سے شجاع الدولہ کے پاس گئے۔ وہ بہت اعزاز سے ملے، لیکن بے تکلفی سے یا طنزاً رباعی مذکور کا ذکر کیا اور اسے پڑھا۔ "سودا بپاس وضعداری پھر دربار نہ گئے، یہاں تک کہ شجاع الدولہ مرگئے" ص۱۵۱

(الف) نامر کہتا ہے کہ سودا فرخ آباد میں تھے کہ "شقۂ خاص" طلب میں پہنچا، سودا نے رباعی "سودا پے دنیا الخ" لکھ کر بھیج دی، جس سے شجاع الدولہ گراں خاطر ہوئے۔ میری رائے میں اس رباعی کا شجاع الدولہ سے تعلق مطلق ثابت نہیں اور نہ اس کی سند موجود ہے کہ شجاع الدولہ نے دہلی یا فرخ آباد سے سودا کو طلب کیا تھا، مگر فرخ آباد سے بلوانا بعید از قیاس نہیں۔ (ب) نامر لکھتا ہے کہ ضاحک نے سودا کے قصیدے کو اس طرح الٹا کہ ان کی ہجو ہوگیا، اسے سن کر سودا فیض آباد پہنچے۔ (ان دونوں میں کیا گذری یہ میرے مقالے "میر ضاحک دہلوی" میں درج ہے)۔ شجاع الدولہ گراں خاطر تھے مگر اس کے باوجود بمقتضائے جوہر شناسی اچھی طرح پیش آئے۔ فیض آباد جانے کی یہ وجہ شایان پذیرائی نہیں۔ فرخ آباد میں قدردانی کا سامان نہ رہا یا کم ہو گیا تو سودا بطلب۔ یا بے طلب فیض آباد گئے اور شجاع الدولہ کے درباری شاعر ہوئے۔ مدحیہ نظمیں متعدد کلیات میں موجود ہیں۔ آزاد کا بیان غلط محض ہے۔

(۲۷۹) آزاد کو اس پر تعجب ہے کہ مجموعۂ سخن (تالیف لکھنؤ) میں سودا کا عالم شباب میں وارد لکھنؤ ہونا مذکور ہے آب ص۲۲۱۔ حیرت اس پر ہے کہ آزاد کو اس کی خبر نہیں کہ صاحب مجموعۂ سخن سے بہت پہلے شیفتہ دہلوی یہی لکھ چکے ہیں (گلشن بیخار ص)، اس سے قطع نظر، یہ واقعی غلط ہے کہ عالم شباب میں لکھنؤ پہنچے۔

(۲۸۰) "تذکرہ شعرائے اردو کا.. نایاب ہے" آب ص۲۱۱ "تعجب ہے کہ.. سودا نے ان کے اشعار .. کو سعدی شیرازی کے نام پر لکھا ہے" ص۵۴، اور ص۲۲۱ میں مرقوم ہے کہ تذکرۂ سودا میں " اس زلف سیہ فام الخ" آرزو سے منسوب ہے۔

(الف) "نایاب" اگر "ناپید" کے معنی میں ہے تو آزاد کو یہ بتانا تھا کہ تذکرۂ سودا کے وجود کا علم کس طرح ہوا اور وہ باتیں جو اس کے حوالے سے لکھی ہیں انھیں کہاں ملیں۔ اگر اس سے "کمیاب" مراد ہے تو یہ اطلاع دینی ضرور تھی کہ کہاں ہے تاکہ دوسرے بھی اس سے مستفید ہو سکیں (ب) حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں انھیں تذکرۂ قاسم میں ملیں، لیکن نہ معلوم کس وجہ سے انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا (ج)، قاسم نے کسی جگہ صراحۃً یہ نہیں لکھا کہ تذکرۂ سودا میری نظر سے گزرا ہے اور صرف دو جگہ (وہی باتیں جو آب میں ہیں) اس کا حوالہ دیا ہے۔ میرے نزدیک یہ تذکرہ وجود خارجی سے محروم ہے۔

(۲۸۱) نکات الشعرا شائق شعر کے لیے بہت مفید ہے اس میں شعرائے اردو کی بہت سی باتیں اس زمانے کے لوگوں کے لیے دیکھنے کے قابل ہیں مگر وہاں بھی اپنا انداز قائم ہے۔ دیباچے میں فرماتے ہیں کہ یہ اردو کا پہلا تذکرہ ہے (عبارت حاشیہ "یہ بھی میر۔ کا دعویٰ ہے ورنہ اس سے پہلے بھی تذکرے مرتب ہو چکے ہیں") اس میں ایک ہزار شاعر کا حال لکھوں گا، مگر ان کو نہ لوں گا جن کے کلام سے دماغ پریشان ہو۔ ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا۔ ولی.. کے حق میں فرماتے ہیں "وے شاعریست از شیطان مشہور تر" (اس کے بعد کتربن کے ردِ عمل کا ذکر) آب ص۱۱۲

(الف) یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ ادبیات اردو کا مورخ ایسے تذکروں سے واقف ہو جو نکات سے قبل مرتب ہو چکے تھے، اور ان کا نام نہ بتائے (ب) ولی کے متعلق جو بات لکھی ہے وہ نکات کے خطی اور مطبوعہ نسخوں میں جو میری نظر سے گزرے ہیں یا جن کے متعلق میں نے معلومات فراہم کیے ہیں، نہیں ہے، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ آزاد نے تذکرۂ قاسم سے لی ہے۔ قاسم نکات کے متعلق بھی صراحۃً نہیں لکھتا کہ میں نے اسے دیکھا ہے، اور کہیں اور اس کا حوالہ نہیں دیتا۔ قریب بہ یقین ہے کہ خود اس نے اس کا مطالعہ نہیں کیا اور سنی سنائی بات سپرد قلم کر دی ہے، مگر اس کا امکان ہے کہ میر نے ولی کے بارے میں یہ لکھا ہو کہ "وے شاعریست از شیطان مشہور تر" اور لوگوں کو برا معلوم ہوا تو انھوں نے اسے تذکرے سے خارج کر دیا۔ (ج) نکات کے موجودہ نسخوں میں کم و بیش ۱۰۰ شاعروں کا ذکر ہے، لیکن آزاد ہزار لکھتے ہیں اور خود میر کا قول (اپنے الفاظ میں) اس سلسلے میں نقل کرتے ہیں، حالانکہ میر نے کوئی ایسی بات سپرد قلم نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ آزاد نے یہ بات کہ نکات میں تقریباً ۱۰۰ شاعروں کا ذکر ہے فہرست اشپرنگر ص۱۷۶ میں دیکھی اور اس پر قناعت نہ کرکے ۱۰۰ کو ۱۰ سے ضرب دے کر حاصل ضرب پیش کر دیا۔ یہ بات انھیں نہ سوجھی کہ احمد شاہی عہد میں (زمانۂ تصنیف نکات) اردو کے ہزار شاعر کہاں سے آئے۔ "مگر ان کو.. پریشان ہو" نکات کی عبارت: "مطمع ناقص مصروف انہم نیست کہ از احوال اکثر آنہا ملال اندوز گردد" (فہرست اشپرنگر ص۱۷۶) مگر یہ عبارت شعرائے دکن سے متعلق ہے (ج) "ان ہزار میں ایک بیچارہ بھی طعنوں اور ملامتوں سے نہیں بچا" حد درجے غیر ذمہ دارانہ بیان ہے۔

(۲۸۲) "اہلی شیرازی کے شعر پر مصرع لگا کر مثلث کا ایجاد اپنی زبان میں دکھاتی ہیں" آب ص۲۳۰ (اس کے بعد اس شعر کی تضمین "امروز یقیں شد کہ ... اری سراہلی الخ" اور اس کے معاً بعد یہ مثلث: کیا کہوں میں عاشق و معشوق کا راز و نیاز ناقہ را میراند لیلیٰ سوئے خلوت گاہ ناز ... در رہ حدی می خواند و مجنوں می گریست" کلیات ولی طبع ۱۹۴۵ء ص۲۸۹ میں مثلث موجود ہے۔ میر کے ہمعصر میر ضیا دہلوی، استاد میر حسن کا ایک مثلث میں نے دیکھا ہے جو ان کے دیوان میں جو میں مرتب کر رہا ہوں ملے گا۔ "ناقہ را میراند الخ" اہلی نہیں، آصفی کا شعر ہے (دیوان م ۹)

(۲۸۳) "ایک رسالہ خود اس کی تصنیف سے میرے ہاتھ آیا۔ سب کے کلام لغو سمجھ کر اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔ یہ .. بدخشاں میں لکھا گیا .. تاریخ ہفت اقلیم میں بھی خلاصہ اس کا مندرج ہے" نگار ص ۲۴۔

آزاد نے جس رسالے کا خلاصہ پیش کیا ہے وہ محض جعلی ہے (ملاحظہ دیوان ناصر خسرو طبع جدید مقدمہ و تاریخ ادبیات جلد ۲ از براؤن)۔ یہ رسالہ آتش کدۂ آذر میں بھی نقل ہوا ہے جو ہندوستان میں پہلی بار ۱۲۴۹ھ میں چھپا تھا۔ ہفت اقلیم تاریخ کی کتاب نہیں۔

(۲۸۴) بلغار (روس) میں گذر ہوا، سفر میں نہایت تکلیف اٹھائی چنانچہ اس قطعے سے کہ شاعرانہ ہے مگر اشارہ اس کا پایا جاتا ہے:

همه جور من از بلغاریانست　　　که با دائم همی باید کشیدن
گنه بلغاریان را نیز هم نیست　　　بگویم گر تو بتوانی شنیدن
خدایا این بلا و فتنه از تست　　　ولیکن کس نمی آرد چخیدن
همی آرند ترکان را ز بلغار　　　ز بهر پردهٔ مردم دریدن
لب و دندان آن خوبان چون ماه　　　بدین خوبی نبایست آفریدن
که از عشق لب و دندان ایشان　　　بدندان همی باید گزیدن

اس سے میں قسط ۴ میں بحث کروں گا کہ ناصر خسرو بلغار گیا تھا یا نہیں، اس موقع پر یہ دکھانا ہے کہ اس قطعے سے ہرگز یہ ثابت نہیں کہ وہاں گیا تھا اور سفر میں تکلیف اٹھائی تھی۔ وہ حسینان بلغار کی وجہ سے اس کے دل پر جو گزری تھی، اس کا ذکر کر رہا ہے اور یہ حسین وہ ہیں جو بلغار سے ایران لائے گئے ہیں۔

(۲۸۵) "صاحب آتش کدہ صاف اس (عرفی) کے کلام کو برا کہتا ہے اور ناپسند کرتا ہے اور اس پر سنداً چند شعر مثنوی کے درج کیے ہیں" نگار ص ۹۹۔ آذر کی عبارت یہ ہے: "در مراتب کمالات گوے سبقت از معاصرین ربودہ دیوانش بنظر رسیدہ، ہر چند کہ طریقۂ تازہ کہ خارج از طریقۂ شعرائے ماسبق بودہ اختیار کردہ اما اتفاقاً بسیار خیالات خوب و عبارات مطلوب دارد۔ در باب استعارہ اصرار بسیار دارد بحدیکہ مستمع از معنی مقصود غافل می شود۔ از آنجملہ مثنوی در برابر مخزن الاسرار کہ بسیار بد گفتہ .. مثنوی ناتمامے در خسرو و شیرین داشتہ اگر عیب استعارۂ خنک بسیار نداشت، بد نگفتہ بود۔ قدرے معقول از آنجا نوشتہ شد و قصائد و غزل و رباعی نیز آنچہ بطریق استادان صاحب فن بود نوشتہ می شود" (آتش کدہ طبع کلکتہ ص ۲۶۵)

(۲۸۶) محاورات عربی کے فارسی تراجم کے ذیل "چشم بریدہ از آس" بھی ہے سخن ص ۲۳۴ یہ ممکن ہے صحیح ہو، لیکن جب ساسانِ پنجم کی عبارت میں "بترش دید" موجود ہے، تو آزاد کو جو اسے معاصر خسرو پرویز سمجھتے ہیں یہ کہنے کا حق نہیں۔

(۲۸۷) "کوئی نہیں کہتا کہ میں نے اس (رودکی) کا دیوان دیکھا۔ ایران .. میں جہاں دیکھا وہاں چند معمولی قصیدوں کے سوا کچھ نہ تھا، ان میں بھی بعض قصیدے قطران کے ہیں" (سخن ص ۲۶۶)۔ میرا خیال ہے کہ دیوان رودکی

ایران میں سخن کی اشاعت سے پیشتر معرض طبع میں آ چکا تھا۔ بہرحال، مجمع الفصحا میں اس کا ذکر ہے اور یہ آزاد کے ماخذ میں ہے۔ مطبوعہ نسخے اور ان خطی نسخوں کا جو ملتے ہیں یہ حال ہے کہ اس میں بعض نہیں، تقریباً کل قصائد قطران کے ہیں۔ رودکی کا بہت کم کلام اس میں ہے۔ اس سے مفصل بحث سرڈینی سن کے ایک مقالے اور احوال و اشعار رودکی مصنفۂ آقائے سعید نفیسی میں ہے۔

(۲۸۸) جرات "۱۲۱۵ھ میں لکھنؤ پہنچے" اور سلیمان شکوہ کے ملازم ہوئے آب ص۲۳۷۔ جرات ۱۱۹۸ھ میں جب مصحفی وارد لکھنؤ ہوئے ہیں، وہاں موجود تھے ("مصحفی و جرأت" از راقم، معاصر حصہ ۲) اور مصحفی کے تذکرۂ ہندی کی تکمیل (اس کا زمانہ ۱۲۰۹ھ) سے پیشتر سلیمان شکوہ کے نوکر ہو چکے تھے۔

(۲۸۹) ایک شخص نے جو ایران سے تازہ تازہ آیا تھا، شاہجہاں کی عمارت اور اس کی تعریف میں صائب کے قصیدے کا ذکر کیا جس میں یہ شعر ہے۔

چوں لباس غنچہ تنگی می کند بر دوش گل　　　برشکوہ ایں عمارت پرنیان آسماں

فطرت نے اس کے سامنے اس کی قباحت ظاہر کی، "سرخوش جس نے اس کی صحبت سے شاگردوں کی طرح فیض پایا تھا، کہا کہ "چوں لباس غنچۂ ناشگفتہ تنگی می کند الخ" میر نے سن کر کہا کہ اب ٹھیک ہوا" نگار ص۱۷۹ سرخوش نے کلمات الشعرا میں لکھا ہے کہ فطرت نے صائب کے سامنے مصرع اکا قبح دکھایا اور وہ "تامل بسیار" کے بعد قائل ہو گئے تھے (ص۹۸) کلمات میں یہ نہیں کہ عمارت کس کی تھی اور کسی شخص نے جو ایران سے آیا تھا فطرت کے سامنے یہ شعر پڑھا تھا۔ کلمات میں یہ بھی نہیں کہ شعر جس نظم کا ہے وہ قصیدہ ہے یا قطعہ۔

(۲۹۰) میر عبدالولی (عزلت) سورتی کو میر عبدالولی سوزنی لکھا ہے نگار ص۱۸۰

(۲۹۱) انوری کے قصیدے "گر دل و دست بحر و کان باشد الخ" کی یہ شان نزول لکھی ہے کہ عالم و فاضل تھا، لیکن نان شبینہ کا محتاج، "شاعر بادشاہی" کا جاہ و حشم دیکھ کر یہ قصیدہ لکھا اور کسی طرح بادشاہ کو سنایا نگار ص۱۸۱، لیکن اس قصیدے میں یہ اشعار موجود ہیں جو اس شان نزول کی تردید کرتے ہیں:

"خسرو بندہ را چو دہ سال است　　　کہ ہے آرزوئے آں باشد
کز ندیمان مجلس ار نشود　　　از مقیمان آستاں باشد"

کلیات انوری (م ۷۶) میں یہ اشعار ورق ۲ یا ۳ میں ہیں؛ اور اس معاملے سے براون کی تاریخ جلد ۲ اور تنقید شعر العجم مصنفۂ شیرانی میں بھی بحث کی گئی ہے۔

(۲۹۲) خسرو کی "خالق باری جس کا اختصار آج تک بچوں کا وظیفہ ہے کئی بڑی بڑی جلدوں میں تھی" آب ص۱۸۰ یہ بات کسی اور نے نہیں کہی اور اس میں بہت بڑا مبالغہ ہے۔

(۲۹۳) آب ص۱۸۱ میں جرات کی ایک غزل ہے جس کی ردیف "آئے" اور قوافی یار، مزار وغیرہ ہیں، حاشیے میں اس

پر اعتراض ہے کہ "آئے کہیں واحد ہے کہیں جمع ہوگیا ہے" یہ ردیف کا عیب کسی اور کو معلوم نہیں، آزاد کی اختراعات سے ہے۔

(۲۹۴) آئینہ رخ کو ترے اہل صفا کہتے ہیں اس پہ دل اٹکے ہے میرا اسے کیا کہتے ہیں

جرات کا یہ شعر آب ص۲۴۲ میں ہے اور مصرع ثانی میں لفظ اس پر ۱ مرقوم ہے۔ حاشیے میں یہ عبارت درج ہے کہ "میرے شفیق قدیم حافظ ویران فرماتے ہیں" ویران کیا فرماتے ہیں اس کا کچھ پتا اس عبارت سے نہیں چلتا اشاعت ا ص۲۵۸ کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوا کہ اس میں مصرع اول کی جگہ یہ الفاظ ہیں: "پہلا مصرع یاد نہیں اور دوسرا بھولتا نہیں" اشاعت ۲ کے حاشیے میں جو عبارت ہے اس سے کسی طرح یہ اطلاع نہیں مل سکتی کہ مصرع اول آزاد کو ویران سے حاصل ہوا، یہ بھی میرا قیاس ہے، کوئی قطعی بات نہیں کہ آزاد یہ اطلاع دینی چاہتے تھے۔

(۲۹۵) "تاباں مزاجداں تھے اشعار اور لطائف کہتے۔ حضرت سن کر خوش ہوتے۔ کوئی بات سب کے سامنے کہنی خلاف ادب ہوتی.. دست بستہ عرض کرتے کچھ اور بھی عرض کیا چاہتا ہوں، حضرت مسکرا کر اجازت دیتے، وہ کان کے پاس منھ لے جاتے اور چند کلمے چپکے چپکے ایسے گستاخانہ کہتے کہ سوا اس پیارے عزیز کے کوئی نہیں کہہ سکتا جسے بزرگوں کی محبت نے گستاخ کر دیا ہو۔ پس حضرت مسکراتے اور فرماتے کہ درست ہے، پھر وہ اسی قسم کی کچھ اور باتیں کہتے، آپ پھر فرماتے یہ بالکل درست ہے، جب تاباں اپنی جگہ پر آ بیٹھتے تو پھر حضرت خود کہتے کہ ایک بات کا تمھیں خیال نہیں رہا، تاباں پھر کان کے پاس منھ لیجاتے اس وقت اس سے بھی تیز تر کوئی لطیفہ آپ اپنے حق میں کہتے اور اپنے پیارے عزیز کی ہمزبانی کا لطف حاصل کرتے" آب ص۱۳۹ (آزاد نے اس کے متعلق وہ حاشیہ لکھا ہے جس سے   میں بحث کی گئی ہے۔)

(الف) دیوان تاباں میں مظہر سے عقیدت کا کسی جگہ اظہار نہیں، ان کی دو فارسی غزلوں کو تاباں نے مخمس البتہ کیا ہے جو دیوان میں موجود ہیں۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں کہ ابتدا میں تاباں و مظہر کے گہرے تعلقات تھے لیکن تاباں نے حشمت کی تعریف ایسے انداز میں کی ہے کہ مجھے یہ گمان ہوتا ہے کہ دونوں کے تعلقات منقطع ہوگئے تھے:

"کمالوں میں جن کے نہیں کچھ قصور وے سب طفل مکتب ہیں اس کے حضور" ص۲۵۸
"کرے فقر کا اس کے گر قیل و قال تو شبلی و عطار کی نہیں مجال" ص۲۵۹
"کسی کو کہاں اس سے ہے برتری کہ ہے نام اس کا محمد علی" ص۲۶۰
"کوئی آج اس کے برابر نہیں وہ سب کچھ ہے الّا پیمبر نہیں"
زیادہ کہوں وصف میں اس کا کیا بصورت ہے انساں بمعنی خدا"

"کوئی آج الخ" دردمند کا شعر ہے جس کی تاباں نے تضمین کی ہے، دردمند کا شعر جو اس کے ساقی نامہ میں ہے، مدح مظہر میں ہے، اسے حشمت کی تعریف میں صرف کرنا بے سبب نہیں ہو سکتا تاباں کے اشعار ذیل بھی قابل توجہ ہیں

یہ جو ہیں اہل ریا آج فقیروں کے بیچ کل گنیں گے حمقا ان ہی کو پیروں کے بیچ
ذکر یا سے نہیں آپ کو گنتا کچھ کم ذکر ارّہ جسے آتا ہے فقیروں کے بیچ ص۲۸
شیخ دل میں کرے ہے سند کے سیپوں کا عنا نام کو تش یہ لکھتا ہے لکیروں کے بیچ
کہتا ہے تار پڑھ کے کوئی دل خواہ ہو کوئی مرید صاحب حشمت دعا ہ ص۲۲
بیٹھا ہے اسی فکر میں لے کر تسبیح کیا شیخ کی اوقات ہے سبحان اللہ

(ب) آزاد نے جو جزئیات بیان کیے ہیں، اختراعی ہیں، ان کے پاس کوئی ذریعہ ان کو معلوم کرنے کا نہ تھا۔

(۲۹۶) آزاد کے اس بیان کا کہ ہر نیمروز کے کچھ اجزا بہادر شاہ کی طرف سے تاریخ نویسی پر تقرر کے قبل ہی لکھے گئے تھے آب ص۵۲۰ کوئی ثبوت موجود نہیں، اور یہ غلط ہے۔

(۲۹۷) سعدی کی گلستان کے متعلق مومن نے جو تنقیص آمیز رائے صدر الدین خاں کے یہاں ظاہر کی تھی، اس کا جواب احمد الدین نے دیا تھا آب ص۲۲۶ ظہور علی، ظہور دہلوی جو مومن اور بعض دیگر اساتذۂ دہلی سے تلمذ رکھتے تھے، صاحب دیوان مطبوعہ ہیں؛ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خود مومن کے یہاں گزرا تھا اور احمد الدین نہیں، ظہور نے یہ بات کہی تھی کہ قرآن میں بھی تو قال قال کے سوا کچھ نہیں۔

(۲۹۸) جرأت کے متعلق میر کا فقرہ بحوالۂ تذکرۂ قاسم آب ص۲۴۱ میں منقول ہے۔ قاسم نے "چوماچاٹا" لکھا تھا آزاد نے اس پر اصلاح دے کر "چوماچاٹی" بنا دیا ہے۔

(۲۹۹) مرزائی صاحب جن کے پاس شیخ صاحب کے روپے امانت رہے تھے، ایک امیر شرفائے لکھنؤ میں سے تھے آب ص۳۷۱ مرزائی صاحب کا شمار امرائے لکھنؤ میں نہ تھا۔ ناصر نے ان کی خوبصورتی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کم سن تھے کہ ناسخ ان پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ ایک بار ناسخ سے قرض مانگا لکھ کر بھیج دیا: "

"چہ پروا از زر و دینار داری کہ دارالضرب در شلوار داری"

(شائق کے بعض اشعار ناصر نے نقل کیے ہیں، جو ناسخ کی محبت کو بہت برے رنگ میں پیش کرتے ہیں)۔ ناسخ نے انھیں محسن الدولہ کی داروغگی (مشاہرہ تقریباً سو روپے) دلوادی تو یہ بڑی بدگمانی کا موجب ہوا اور یہ لکھنؤ میں معشوق ناسخ مشہور ہو گئے۔ "تا نباشد چیزکے مردم نگوید چیزہا" اوائل عہد نصیر الدین حیدر میں یہ برطرف ہوئے۔ ناسخ نے انھیں چند قطعہ مکانات اور دکانیں خرید کر دیدی تھیں ان کی بسر اوقات زمانۂ تحریر حاشیہ میں انھیں سے تھی (تذکرۂ ناصر حاشیۂ ترجمۂ سیوارام، شائق)۔ تواریخ اودھ جلد ا مصنفۂ کمال الدین حیدر ص۲۴۸ میں ہے کہ مرزائی صاحب کا مشاہرہ ۲۰۰ تھا۔ میری رائے میں جو رقم تذکرۂ ناصر میں ہے وہ زیادہ قرین قیاس ہے۔ کلیات ناسخ کے بعض قطعات میں ناسخ نے ان کے بیٹے کو "نور چشم" کہا ہے۔

(۳۰۰) ناسخ کے غسل صحت کی تاریخ: شود صحت ہمایوں و مبارک ۱۲۳۵ھ آب ص۳۶۸۔ "شود صحت الہٰی" سے ۱۱۸۹ نکلتا ہے۔ قصور ناسخ کا نہیں، آزاد کا ہے جو لفظ "الہٰی" = ۴۶ کو حذف کر گئے (رجوع بکلیات ناسخ ص--)۔

(باقی)

"دستنبو" کا ایک خاص نسخہ

(سید جمیل الدین صاحب)

(سلسلے کے لیے دیکھیے: نوائے ادب جولائی ۱۹۵۵ء)

"دستنبو۔ اس میں ایامِ غدر ۱۸۵۷ء کی تباہی اور بربادی اپنی کا حال نثر میں قلم بند کیا ہے اور عبارت میں کوئی لفظ عربی کا نہیں لایا ہے۔"[۵۱]

"دستنبو بڑے دعووں اور تیاریوں کے ساتھ لکھی کہ فارسی کے علاوہ اور کوئی لغت نہ آسکے گا۔ پھر بھی عربی کا ایک لفظ استعمال کر گئے اور اس کو بعد میں نکلوایا۔"[۵۲]

"Ghalib, as a reading of Mihr-i-Nimroz and Dastanbuy shows, was given to writing Classical Persian with Dasaterish vocabulary to the exclusion of Arabic words."[۵۳]

---

۵۱ ماہنامہ "ذخیرہ بالگوبند"۔ آگرہ، مارچ ۱۸۶۶ء بحوالہ "غالب کے حالات میں پہلا مضمون؟" از مسعود حسن رضوی، احوالِ غالب، صفحہ ۲

۵۲ قتیل اور غالب از اسد علی انوری فرید آبادی، جید برقی پریس دہلی ۱۹۳۹ء ص۳

۵۳ The Life and Odes of Ghalib By Abdulla Anwar Beg, Arabian Press, Lahore, 1941 P. 73.

"غدر کے زمانے میں مرزا غالب نے ایک روزنامچہ "دستنبو" کے نام سے لکھا
اس میں انھوں نے خالص فارسی میں... ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے یکم اگست ۱۸۵۸ء تک کے حالات جمع کئے ہیں"۔[۵]

ان عبارتوں سے ملتی جلتی عبارتیں اوپر گزر چکی ہیں اور ان کے رد میں ماتم، آہ، خنجر، زمزمہ، شہر، صاحب، غوغا، قلعہ اور کیسہ پیش کرکے ثابت کیا جا چکا ہے کہ "دستنبو" عربی لغات کے پھولوں سے بے نیاز نہیں۔ اسی قبیل کے کچھ لالہ و گل اور ملاحظہ ہوں لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ تمام پھول اور کلیاں چن لی گئی ہیں بلکہ

سب کہاں، کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں

جاہ

دستنبو: "جاہمندانہ بسری برد" صفحہ: ۳۱ سطر: ۶

"ستودہ جاہمند بسروری چہار سد سوار" صفحہ: ۳۵ سطر: ۱۱-۱۲

"بوستان داد را آزاد سرو آسمان جاہ را تابندہ ماہ" صفحہ: ۵۹ سطر: ۴

"از بنہ و دریغ در روش جاہ و دستگاہ آزاد... باشد" صفحہ: ۶۷ سطر: ۲-۳

مصباح اللغات:

"الجاہ والجاھة - قدر - شرف - بلندی مرتبہ"

صحاح:

"الجاہ القدر والمنزلة وفلان ذوجاہ وقد أوجهته انا ووجهته أی جعلته وجيها."

قاموس:

"الجاہ والجاھة القدر والمنزلة"

لسان العرب:

"الجاہ المنزلة والقدر عند السلطان... قال ابوبکر قولهم لفلان جاہ فیهم ای منزلة وقدر فأخرت الواو من موضع الفاء وجعلت فی موضع العین فصارت جوها ثم جعلوا الواو الفا فقالوا جاہ"

حکیم

غالب نے تفتہ کو لکھا تھا:

"التزام اس کا کیا ہے کہ... کوئی لفظ عربی نہ آئے... تمھارا نام منشی ہرگوپال تفتہ"

---

[۵] "معرکہ غالب و حامیان قتیل" از خواجہ احمد فاروقی: احوالِ غالب ص ۲۰۵۔

لفظ عربی ہے، نہیں لکھا گیا۔ اس کی جگہ شیوا زبان لکھ دیا ہے۔"

"منشی" کی گنجائش نہ تھی پھر "حکیم" نے کیوں کر جگہ پائی ؎

یا الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟

دستنبو:

"دیدین واگو یہ کہ حکیم احسن اللہ خاں شوگیر[۵۱] و پیروزی خواہ انگریزان است"

صفحہ: ۲۱ سطر: ۴-۵

"ہمانا حکیم محمود خان و حکیم مرتضیٰ خان و حکیم غلام اللہ خان کہ از تخمہ و نژاد مینو نشیمن حکیم شریف خانند درین کوچہ می مانند"

صفحہ: ۳۱ سطر: ۱-۲

"حکیم محمود خان و حکیم مرتضیٰ خان با او در زادۂ خویش ... فرمان بازگشت یافتند"

صفحہ: ۵۷ سطر: ۲-۳

"کسانیکہ از جرگہ[۵۲] حکیم محمود خان در نوا خانہ بازماندہ بودند از بند رستند و از دام بدر جستند"

صفحہ: ۶۵ سطر: ۴-۵

مصباح اللغات:

"الحکیم۔ دانا۔ عالم ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔"

صحاح:

"الحکم الحکم مصدر قولک حکم بینہم یحکم ای قضی وحکم لہ وحکم علیہ والحکم أیضا الحکمۃ من العلم والحکیم العالم وصاحب الحکمۃ والحکیم المتقن للامور وقد حکم بضم الکاف أی صار حکیما قال النمر بن تولب:

وأبغض بغیضک بغضا رویدا　　اذا أنت حاولت أن تحکما

قال الاصمعی ای اذا حاولت أن تکون حکیما"

لسان العرب:

"ابن الاثیر فی اسماء اللہ تعالیٰ الحکم والحکیم وھما بمعنی الحاکم وھو القاضی فھو فعیل بمعنی فاعل او ھو الذی یحکم الاشیاء ویتقنھا فھو فعیل بمعنی مفعل وقیل الحکیم ذو الحکمۃ والحکمۃ عبارۃ من معرفۃ افضل الاشیاء بأفضل العلوم ویقال لمن یحسن دقائق الصناعات ویتقنھا حکیم والحکیم یجوز أن یکون بمعنی الحاکم مثل قدیر بمعنی قادر وعلیم بمعنی عالم ۔۔۔ والحکمۃ العدل ورجل حکیم عدل حکیم واحکم الامر

---

۵۱ - شوگیر: جب دار؟　۵۲ "جرگہ: گروہ کسونی مجمع ہا"

اتقنہ واحکمتہ التجارب... والحکیم المتقن للامور"
قرآن حکیم میں یہ لفظ (بصورت حکیم اکاشی اور بصورت حکیما (۸۱)) ننانوے بار آیا ہے۔

صفر

دستنبو:

"و در بست و نہیں شب از ماہ صفر سال یک ہزار و دو سد و ہفتاد و چہار جامہ گزاشت[۱]"
صفحہ: ۴۹ سطر: ۱۲-۱۳

مصباح اللغات:

"صَفَر۔ قمری مہینوں میں سے دوسرا مہینہ۔
الصَفَران۔عربی سال کے دو مہینے جن میں سے پہلے کا نام ظہور اسلام کے بعد محرم ہوگیا اور دوسرا نام اپنی حالت پر باقی رہا۔"

صحاح:

"صفر الشہر بعد المحرم والجمع أصفار وقال ابن درید الصفران شہران من السنۃ سمی احدھما فی الاسلام المحرم"

قاموس:

"وصفر الشہر بعد المحرم واصفران شہران من السنۃ سمی احدھما فی الاسلام المحرم"

لسان العرب:

"وصفر الشہر بعد المحرم"

تاج العروس:

"(و) الصفر النسئ الذی کانو یفعلو نہ فی الجاھلیۃ وھو (تأخیر) ھم (المحرم الی صفر) فی تحریمہ ویجعلون صفر ھو الشہر الحرام ... (وصفر الشہر الذی بعد المحرم)"

کُلبہ

دستنبو:

"خانہ ادیرانہ اوکلبہ اخوان یغما" صفحہ: ۱۴ سطر: ۶
"در کلبۂ تار بداغ ناکامی سوختند" صفحہ: ۱۵ سطر: ۸

---

[۱] "جامہ گزاشت مُرد" ۱۲

"ہر خانہ و ہر کلبہ را در فراز است" صفحہ: ۳۲ سطر: ۱
"لشکریاں کلبۂ چند را در شکستہ اند" صفحہ: ۳۴ سطر: ۱

مصباح اللغات:

"اَلکُلبَۃ۔ سختی۔ تنگی۔ قحط۔ شدت سرما... شراب فروش کی دکان۔"

قاموس:

"الکلبۃ بالضم الشدۃ والضیق والقحط وحانوت الخمار"

لسان العرب:

"الکلبۃ حانوت الخمار"

تاج العروس:

"(و) الکلبۃ بالضم (مثل الجلبۃ (الشدۃ) من الزمان ومن کل شیٔ (و) الکلبۃ من العیش (الضیق) وقال الکسائی اصابتھم کلبۃ من الزمان فی شدۃ حالھم وعیشھم وجلبۃ من الزمان قال ویقال جلبۃ من الحر والقر کما سیأتی (و) قال ابو حنیفہ الکلبۃ کل شدۃ من قبل (القحط) والسلطان وغیرہ وعام کلب ای جدب وکلہ من الکلب (و) الکلبۃ (حانوت الخمار) عن أبی حنیفہ وقد استعملھا الفرس فی لسانھم"

ملکہ

(مَلِک۔ تانیث: ملکہ)

دستنبو:

"درستایش دارائے دادگرای گیتی آرای وشہنشاہ سپہر پایگاہ ستارہ سپاہ ملکہ وکشوریا چگامۂ نگاشتم"[۱]
صفحہ: ۳۸ سطر: ۳-۵

مصباح اللغات:

"المَلِکُ۔ اللہ تعالیٰ۔ بادشاہ۔ صاحب حکومت واقتدار۔ ج مُلوک واَملاک۔"

صحاح:

"والملکوت من الملک کالرھبوت من الرھبۃ یقال لہ ملکوت العراق ومَلکُوۃ العراق ایضا مثل الترقوۃ وھو الملک والعز فھو ملیک ومَلِکٌ ومَلْکٌ مثل فخذ وفخذ کان الملک مخفف من ملک والملک مقصور من مالک او ملیک والجمع الملوک والاملاک والاسم

[۱] "چگامہ قصیدہ ہے۔"

الملك والموضع مملكة وتملكه اى ملكه قهراً ومليك النحل يعسوبها قال الهذلى:

وماضرب بيضاء ياوى مليكها   الى طنف اعيا براق وناسل"

قاموس:

"ملكه يملكه مِلكا مثلثة وملكة محركة ومملكة بضم اللام اويثلث احتواه قادرا على الاستبداد به وما له ملك مثلثا ويحرك وبضمتين شئ يملكه واملكه الشئ وملكه اياه تمليكا بمعنى ولى فى الوادى ... وطال ملكه مثلثة وملكته محركة رقه واقربا لملكة محركة وبالملوكة بالضم بالملك والملك بالضم ويؤنث والسلطان والعظمة ... وبالفتح وككتف وامير وصاحب ذوالملك"۔

لسان العرب:

"ملك ۔ الليث الملك هو الله تعالى وتقدس ملك الملوك له الملك وهو مالك يوم الدين وهو مليك الخلق اى ربهم ومالكهم وفى التنزيل مالك يوم الدين قرأ ابن كثير ونافع وابوعمرو وابن عامر وحمزه ملك يوم الدين بغير الف... ورجل ملكٌ وثلثة املاك الى العشرة والكثير ملوك وقال بعضهم المَلِكُ والمليكُ لله وغيره والمَلْك لغير الله والمَلكُ من ملوك الارض"

تاج العروس:

"وقال المهدوى لغة وماذكر من تخالف معنى مالك وملك هو المشهور وقول الجمهور وقال قوم هما بمعنى واحد كفارِه وفره وفاكه وفكه وعلى الاول قيل مالك امدح لانه اوسع واجمع وفيه زيادة حرف فتتضمن عشر حسنات وان المالكية تثبت لاطلاق التصرف دون الملكية وايضا الملك ملك الرعيه والمالك مالك العبد وهو ادون حالا من الرعية فيكون القهر والاستيلاء فى المالكية اكثر ولان الرعية يمكنهم اخراج انفسهم عن كونهم رعية والمملوك لا يمكنه اخراج نفسه عن كونه مملوكا وايضا المملوك يجب عليه خدمة سيده بخلاف الرعية مع الملك فلهذه الوجوه كان مالك اكمل من ملك وممن قال به الاخفش وابوعبيدة وقيل ملك امدح لان كل احد من اهل البلد مالك والملك لا يكون الا واحدا من اعظم الناس واعلاهم ولان سياسة الملوك اقوى من سياسة المالكين لانه لواجتمع عالم من الملاك لا يقاومون ملكا واحدا اھ"

المفردات فی غریب القرآن[۵۱]:

"الملك هو المتصرف بالامر والنهي فی الجمهور وذالك يختص بسياسة الناطقين ولهذا يقال ملك الناس ولا يقال ملك الاشياء... والملك ضربان ملك هو التملك والتولی وملك هو القوة علی ذالك تولی او لم يتول فمن الاول قوله اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا ومن الثانی قوله اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوْكًا... قال بعضهم المَلِكُ اسم لكل من يملك السياسة اما فی نفسه وذالك بالتمكين من زمام قوته وصرفها عن هواها واما فی غيره سواء تولی ذالك او لم يتول"

قرآن مجید میں مَلِک بصیغۂ واحد تیرہ[۳] اور بصیغۂ جمع دو جگہ آیا ہے اور ہر موقع پر شاہ رفیع الدین شاہ عبدالقادر اور مولوی نذیر احمد دہلوی نے اس کا ترجمہ "بادشاہ" کیا ہے۔

فرہنگ نظام:

"ملکہ۔ ع۔ زنی کہ شاہ ملکی باشد۔ تنہا زن یا بزرگترین زن شاہی"

ہزاہز

دستنبو:

"و درین ہزاہز[۵۲] کہ درکوی افتاد"　　صفحہ: ۵۷ سطر: ۵-۶

مصباح اللغات:

"الھَزاھِز۔ فتنے جو انسان کو جھڑجھڑا دیں۔ کہا جاتا ہے "فلان شہد الہزاہز" فلاں جنگوں اور سختیوں میں حاضر ہوا ہے۔"

صحاح:

"وھزہ ای حرکہ فتھزھز والھزاھز الفتن یھتز فیھا الناس وسیف ھزھاز ونھر ھزھز بالضم وانشد الاصمعی:

اذا استوانت ساقیا مستوفزا　　بجت من البطحاء ونھر اھزھزا"

قاموس:

"وھزہ تھزیزا حرکہ فاھتز وتھزز والھزھزۃ والھزاھز تحریک البلایا والحروب للناس"

۵۱۔ راغب اصفہانی، مطبعۃ المیمنیہ، مصر ۱۳۲۴ھ۔ ۵۲۔ "ہزاہز" بلفظ ...

لسان العرب:

"والهزهزة تحريك البلايا والحروب الناس والهزاهز الفتن يهتز فيها الناس وسيف هزهاز وسيف هزهز صافٍ وماء هزهز وهزاهز وهزهاز يهتز من صفائه وعين هزهز كذلك وماء هزهز في اهتزازه اذا جرى وقصب هزهز بالضم وبعير هزاهز شديد الصوت .. وقال الباهلي في قول الراجز

فوردت مثل اليماني الهزهاز   تدفع عن اعناقها بالاعجاز

قيل ماء هزهاز اذا كان كثيرا يتهزهز."

تاج العروس:

"(والهزاهز تحريك البلايا والحروب للناس) اي تحريكها اياهم ..والهزاهز الفتن يهتز فيها الناس .. وبعير هزاهز كعلابط شديد الصوت، قال هاشم بن نمير،

تسمع من حد يره الهزاهز   تقبيه مثل غرديف الراجز

والهزهاز والهزاهز الاسد نقله الصاغاني."

هزبر

دساتیر:

"هزبران خشمگین دمیکه در شهر پا گزاشته اند"   صفحہ: ۲۷ سطر: ۱۳

مصباح اللغات:

"الہِزبر و الہِزبر و الہُزابر: شیر۔

"الہِزبَر: موٹا۔ مضبوط قوی۔ ج ہَزابِرہ۔"

صحاح:

"الهزبر الاسد"

قاموس:

"الهزبر كسبحل و درهم و علابط الاسد و الغليظ الضخم و الشديد الصلب ج هزابر"

لسان العرب:

"الهزبر من اسماء الاسد"

تاج العروس:

"الهزبر كسجل وزبرج وعلابط الاسد) الاخيرين نقلهما الصاغاني و اختلف في الهزبر فقيل هو رباعي وهاؤه اصليه وقيل الهاء زائدة واصله من الزبر وهو الذي جزم به نقله شيخنا (و) الهزبر (الغليظ الضخم) قيل وبه سمي الاسد (و) الهزبر (الشديد الصلب) قال ابن الاعرابي ناقة هزبرة صلبة وأنشد: هزبرة ذات سبيب أصهبا"

ہوا

دستنبو:

"شب و روز از ہر دو سو گولہ بسان تگرگ از ہوا ہمی ریزد" صفحہ: ۱۹ سطر: ۱۰-۱۱

"نہ آب و ہوای شہر ناخوش" صفحہ: ۲۸ سطر: ۱۰-۱۱

"آب و ہوائے اینجا خستہ را نیک نمی پرورد" صفحہ: ۴۷ سطر: ۲-۳

مصباح اللغات:

"فضاء آسمانی۔ ج اَہْوِیَۃ خالی چیز... ہوا کا اطلاق ہر اس بہنے والی چیز پر ہوتا ہے جس کو تم سونگھ سکو۔"

صحاح:

الهواء ممدود ما بين السماء والارض والجمع الاهوية وكل خالٍ هواء

قال زهير:

كأن الرحل منها فوق صعل   من الظلمان جؤجؤه هواء"

قاموس:

"الهواء الجوّ كالهواة والهوة والاهوية والهاوية وكل فارغ"

لسان العرب:

"الهواء ممدود الجوّ ما بين السماء والارض والجمع الاهوية ..... وكل فارغ هواء"

تاج العروس:

"(الهواء) بالمد (الجو) ما بين السماء والارض وانشد القالي:

ولهما من هواء الجو طالبة   ولا كهذا الذي في الارض مطلوب

والجمع الاھویۃ یقال ارض طیبۃ الھواء ... (وکل فارغ) ھواء"

المفردات فی غریب القرآن:

"والھواء مابین الارض والسماء وقد حمل علی ذالک قولہ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ

اذھی بمنزلۃ الھواء فی الخلاء"

فرہنگ انجمن آرای ناصری:

"ہوا جوی و ہوا خواہ بمعنی طالب دوست ولیکن عربی است"

فرہنگ[1] نظام:

"ہوا - عربی (مخفف با ہمزۂ آخر) جسمی لطیفی کہ احاطہ بزمین کردہ و ما با آن تنفس میکنیم و لفظ فارسیش باد است"

سبزۂ و گل کہاں سے آئے ہیں ؟
ابر کیا چیز ہے؟ ہوا کیا ہے ؟

(باقی)

---

[1] تالیف آقا سید محمد علی شمس المطالع متین پریس ۔ عربی ۔

تصحیح

نوائے ادب کے گذشتہ شمارہ میں "اوراقِ پارینہ" صفحہ ، سطر میں کتابت کی غلطی رہ گئی ہے اس کو اس طرح پڑھا جائے :-

"اردو ادب کی تاریخ میں بھی ، اس عہد میں سوائے اس خواجہ حسن کے کسی اور حسن کا تذکرہ موجود نہیں "

ادارہ

مُعراج نامہ مختار دکھنی (بیجاپوری)

(محمد سخاوت مرزا صاحب بی اے، ال ال بی (عثمانیہ) حیدرآباد دکن)

قبل ازیں ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب مدیر اردو نے سالنامہ کاروان میں اور رسالہ اردو میں سید بلاقی[1] (۱۰۶۵ھ) کے معراج نامہ پر روشنی ڈالی ہے نیز ڈاکٹر اسپرنگر نے فہرست کتب خانہ شاہان اودھ[2] میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ اور جدید تذکروں میں بھی حوالے موجود ہیں۔ اس کے بعد دکن کے ایک مشہور شاعر لچھمی نرائن شفیق تلمیذ آزاد بلگرامی کا معراج نامہ[3] مولوی صاحب نے رسالہ اردو میں شائع کیا تھا اور معراج نامہ ضمیر مصنف ۱۲۴۷ھ کا حوالہ ڈاکٹر اسپرنگر نے دیا ہے جو ۱۸۴۸ء میں لکھنؤ میں بقید حیات تھے جس نے واقعہ معراج کو شیعہ عقاید کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ اس کے سوا ہم کو متعدد قدیم دکھنی شاعروں کے یعنی مختار، قربی، شاہ کمال[2]، گرم کنڈوی، شاہ معظم وغیرہ کے دستیاب ہوئے۔ منجملہ اس وقت ہمارے پیش نظر معراج نامہ مولفہ مختار ہے۔ گویا سید بلاقی کے بعد دوسرا معراج نامہ مختار بیجاپوری نے لکھا تھا۔ ہم یہاں صرف مختار کے معراج نامہ پر کچھ تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔

معراج نامہ مختار:

مختار[3] کے معراج نامہ کے دو مخطوطات۔ کتب خانہ آصفیہ کے فن سیر میں محفوظ ہیں۔ جن میں مخطوط نمبر (۱)[4]، ۱۱۴۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ یعنی سنہ تصنیف سے ۸۰ سال بعد کا۔ اور دوسرا نسخہ[5] اگرچہ ناقص الاول ہے مگر بہت قریب تر زمانہ کا ہے۔ یعنی تاریخ تصنیف سے صرف چار ہی سال بعد کا۔ جس کا

---

[1] کٹیلاگ کتب خانہ شاہان اودھ، مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر صفحہ ۶۰۴، سید بلاقی کے معراج نامہ کے تین نسخے کتب خانہ شاہان اودھ تو پخانہ و موتی محل میں موجود تھے جس کے اشعار کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے۔ [2] رسالہ اردو جلد ۲۵ صفحہ ۴۲ [3] اس معراج نامہ پر ایک سرسری مضمون ایک مضمون نگار صاحب نے اپنے نام کا اس طرح اشارہ کیا ہے از "م۔ک۔ک" رسالہ شہاب جون ۱۹۳۷ء میں چھپا تھا۔ فاضل مضمون نگار نے اس مثنوی کے اشعار ۲۷۶۲ بیان کئے ہیں۔ الحبر شیخ عبدالصمد کو محمد حسینی گیسو دراز (۸۲۵ھ) کا خلیفہ لکھا ہے۔ جو غلط ہے۔ اس لئے کہ شیخ عبدالصمد مختار کے پیر شاہ حضرت المتوفی (۱۱۰۷ھ) کے پیر ہیں۔ [4] مخطوطات ۲۳۴ آصفیہ فن سیر [5] مخطوط ۱۵۰ سیر اردو ۲۰ صفحہ۔

سنہ کتابت ۱۱۱۰ھ ہے اول الذکر مخطوطہ کے مالک نے ایک عبارت درج کی ہے جو یہ ہے :۔
"مدراس مولسن روڈ قادر نواز خان کی گلی میں رہنے والے "محمد شفیع صاحب کو معلوم باد وغیرہ"

ترقیمہ :۔
"نوشتم بماہ رمضان ۱۱۲۷ھ تحریر فی التاریخ "یکسوین بروز سہ شنبہ بوقت سہ پار مرتب شد"
مابعد الذکر نسخہ کا ترقیمہ حسب ذیل ہے نام کاتب و مقام درج نہیں :۔
"کتابت سنہ الف و سد ہجری نبوی ۲۴ محرم الحرام" صد کا املا اس نے "سد" لکھا ہے جو غلط ہے گویا اس کا سنہ کتابت ۱۱۱۰ھ ہے۔

اس کا ایک تیسرا نسخہ مکرمی آغا حیدر صاحب کے پاس ہے مگر وہ بہت بعد کا یعنی ۱۲۵۲ھ کا ہے (فہرست مخطوطات ادارۂ ادبیات مطبوعہ حیدر آباد)

معراج نامہ مختار، ۲۴۳ مکمل مخطوط ہے۔ صفحات ۲۴۲۔ تقطیع تقریباً ۱۲×۸۔ ہر صفحہ ۱۱ سطری گویا اس طرح مجموعی ابیات کی تعداد تقریباً ۲۶۶۲ ہے۔ اس کا سنہ تصنیف ۱۰۹۴ھ ہے جس کا ذکر خود مصنف نے اس شعر میں کیا ہے :۔

سنہ تھا یہ ہجرت کا اس دن قرار تھے گذرے نود چار پر یک ہزار
۱۰۹۴ھ

مختار کے حالات تاریکی میں ہیں۔ کسی تذکرہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور نہ تاریخ ادب اردو کے جدید مصنفین نے اس کا کوئی ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ تصنیف سید بلاقی ۱۰۵۲ھ کے معراج نامہ سے صرف ۴۲ سال بعد کی ہے اس لئے مختار نے بھی علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ کا زمانہ پایا۔ علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں گھر گھر اردو شعر گوئی کا چرچا تھا اور خود علی عادل شاہ ثانی اردو کا بڑا دلدادہ تھا۔ مولف بساتین السلاطین نے اس دور کے دکھنی شعرا کے متعلق حسب ذیل الفاظ زیب قرطاس کئے ہیں۔
"در عہد ہمایونش سخنوران فارسی گو چند فرد نادر روزگار بودند اما چوں طبع ہمایوں بادشاہ میل بجانب لغت خاص خویش" "یعنی زبان دکنی داشت برطبق۔ الناس علی دین ملوکہم شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجا پوری برخواستہ اند۔ خانہ بخانہ ہنگامہ شعر تازہ گوئی گرم داشتہ اند۔"

چونکہ عام طور پر دکھنی اردو بولی جاتی تھی۔ اس لئے عوام میں مذہبی معلومات کی اشاعت کے لئے اردو سے زیادہ کوئی آسان ذریعہ نہ تھا۔ جس کی تائید ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب کی

۱؎ سالنامہ کاروان ۱۹۳۳ء ص ۳۲

کتاب "اردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ" سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مختار نے اپنے ہمعصر بلاقی کی تتبع میں یہ معراج نامہ لکھا ہے۔ معراج نامہ کا موضوع بالکل مذہبی ہے۔ اور پیغمبر اسلام کی زندگی کے ایک اہم واقعہ پر مبنی ہے جس کا حال قرآن شریف و احادیث کی صحیح کتابوں اور کتب سیر میں موجود ہے۔

لیکن ہم کو تو یہاں قدیم ادب اردو کے مدنظر یہ دیکھنا ہے کہ اس کتاب کی بلحاظ اردوئے قدیم کیا اہمیت ہے شاعر کا اسلوب بیان کیا ہے اور اس میں بلحاظ موضوع مثنوی کہاں تک اس نے واقعہ نگاری میں فطرت انسانی کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور مثنوی کو حسن بیان کے ساتھ مروجہ روزمرہ میں بیان کرنے کی کس حد تک کوشش کی ہے جس کا ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے۔

مصنف کے حالات جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کسی تذکرہ میں دستیاب نہیں ہوئے کتاب کی داخلی شہادتوں سے جو کچھ معلوم ہو سکا وہ درج ذیل ہیں :-

قراین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام محمد مختار اور نام ہی کی مناسبت سے تخلص "مختار" اختیار کیا ہوگا۔ مثلاً وہ کہتا ہے ؎

محمدؐ یو مختار کون کر ندا ۔۔۔ تو ایمان اسکون اچھے گا سدا[2]
یہ معراج نامہ لکھا یادگار ۔۔۔ نبی کے کرم کا اسے ہے ادھار

مختار نے اپنے پیر شاہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے پیر شاہ عبدالصمدؒ کی منقبت کہی ہے جو یہ ہے ؎

رتن کا محمد حسینی ہے ناؤں ۔۔۔ میرے سر پہ اس کی ہمیشہ ہے چھاؤں
کہ او شاہ حضرت سوں مشہور ہے ۔۔۔ کہ فیض اس کا دو جگ میں معمور ہے
فنا ، الفنا سوں پڑیا اسکوں کام ۔۔۔ بقا والبقا کا اسے ہے مقام
نسے بخت بے مثل پایا ہوں پیر ۔۔۔ کہ ہے او دو جگ میں ہنجے دستگیر
محبت کا پردہ اچایا ہے جب ۔۔۔ آپس کو اپین وان سو پایا ہے تب
سو وحدت کے دریا کا گوہر ہے او ۔۔۔ تو سارے دلیاں میانے برتر ہے او
نظر سوں کرے صاف دل کا بصر ۔۔۔ دیکھو ایسی کس کو کہاں ہے نظر
اسے پیر ہے ، شیخ عبدالصمد ۔۔۔ سو پایا نہایت ولایت کا حد

۱؎ بساتین السلاطین مطبوعہ ۔ مولفہ رفیع الدین شیرازی۔ ۲؎ اس شعر سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا نام محمد مختار تھا، اور نہ دوسرا ہی شعر اس سلسلہ میں کوئی اور کرتا ہے (ن)

میرے پیر کا جد ہے او سرفراز محمد حسینی سو گیسو درازؒ

شاہ حضرت بیجاپور کے مشہور بزرگ تھے۔ سید محمد حسینی ان کا نام تھا اور خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کی اولاد سے تھے اور آپ شاہ ابوالحسن حسینی فخرآبادیؒ کے فرزند تھے جن کی ابراہیم عادل شاہ ثانی جگت گرو اور محمد عادل شاہ بہت قدر د منزلت اور احترام کرتے تھے۔ شاہ حضرتؒ نے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل شاہ عبد الصمد کنعانی سے کی تھی۔ اور ان کو ایک سو اکہتر خاندانوں میں خلافت حاصل تھی۔ جس کی تفصیل حضرت ممدوح نے اپنی تصنیف "مراد المریدین" میں کی ہے۔ مختصر یہ کہ آپ کو شطاریہ طریقہ میں حضرت وجیہ الدین محدث گجراتیؒ سے اور چشتیہ خاندان میں حضرت گیسو درازؒ کے خلیفہ محمد شاہؒ کے سلسلہ سے نسبت باطنی حاصل تھی۔ نیز ضعیفی کو بھی آپ ہی سے ارادت حاصل تھی چنانچہ اپنی ایک تصنیف نصیحت مدن میں کہا ہے ؎

بڑے بخت میرے جہانگیر ہیں کہ حضرت حسینی میرے پیر ہیں

شاہ صاحب کا وصال ۱۱۱۰ھ میں بمقام بیجاپور ہوا۔ اندرون شہر پناہ مشرقی جانب مزار پُر انوار ہے۔

مختارؒ کے متعلق صحیح طور پر یہ نہ معلوم ہوسکا کہ وہ کہاں کا رہنے والا تھا اور اس کا انتقال کہاں اور کب ہوا۔ معراج نامہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مختار ایک عالم۔ فاضل۔ متوکل۔ سنی المذہب اور درویش منش۔ باکمال صوفی اور شاعر تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی اس مثنوی میں سوائے منقبت پیران طریقت اور حمد و نعت اور مدح صحابہؓ کے اپنے کسی ہمعصر بادشاہ کا ذکر تک نہیں کیا ہے۔ چونکہ یہ شاہ حضرت بیجاپوریؒ المتوفی ۱۱۱۰ھ کا مرید تھا اور انھیں کی زندگی میں یہ معراج نامہ لکھا ہے اس لئے مختار کا وطن بیجاپور اور اس کا شمار بیجاپوری مصنفین میں ہے اور وہ آخر گیارہویں صدی ہجری کا دکھنی شاعر ہے اور یہ بیجاپور کے اس زمانہ کی تصنیف ہے جب کہ سلطنت بیجاپور پر شہنشاہ عالمگیر کے حملے ہو رہے تھے۔ مختار کا کسی مورخ یا کسی بیجاپوری شاعر نے بھی کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔ معراج نامہ بھی اسی قسم کا قصہ ہے جیسا

عہ ۱ مولف اولیاء دکن نے ان کا نام سید حضرت محمد عرف شاہ حضرت لکھا ہے (اولیاء دکن جلد دوم ص ۹۵ عبد الجبار خاں ملکاپوری) عہ ۲ شاہ ابوالحسن ہمعصر ابراہیم عادل شاہ و محمد عادل شاہ از اولاد گیسو درازؒ نہایت مخیر و سخی تھے عظمت و وقار سے زندگی گذاری۔ زہرہ پورہ میں موضع فخرآباد آباد کیا۔ وفات ۱۰۱۰ھ مگر جب شاہ صاحبؒ نے بقول مولف اولیاء دکن محمد عادل شاہ کا زمانہ ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ دیکھا ہے تو تاریخ وصال ۱۰۱۰ھ صحیح نہیں ہوسکتی۔ شاہ حضرتؒ اور ابوالحسن کے زمانہ میں بہت تفاوت ظاہر ہوگا (دکھنی مخطوطات نگار) عہ ۳ مراد المریدین مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ نمبر ۱۴۲۰ فن تصوف فارسی۔ اور ایک شجرہ میں آپ نے اپنے والد کا نام ابوالحسن الحسینیؒ لکھا ہے الفاظ یہ ہیں۔ سید محمد المعروف بہ شاہ حضرت الحسینی القادری ابن شاہ ابوالحسن الحسینیؒ ورق نمبر ۲۷۔

کر قصۂ تمیم انصاری مصنفۂ صنعتی بیجاپوری۔ اس کا موضوع خالص مذہبی ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ شعراء اہل کمال نے اس طرف توجہ نہ کی ہو۔ مگر عوام میں معراج نامہ مختار مدت اول ضرور رہتا چنانچہ مخلو طہ زیر تذکرہ کا مالک مدراس کا رہنے والا ہے جس نے اس کو ۱۱۵۸ھ میں نقل کیا۔ نیز کڑپہ کے ایک بزرگ مولانا شاہ میر مصنف اسرار التوحید المتوفی ۱۱۸۶ھ نے اپنی ایک اور تصنیف "انتباہ الطالبین"[1] میں اگرچہ مختار کا نام نہیں لکھا ہے مگر اس کا ایک شعر مسائل تصوف کے ضمن میں نقل کیا ہے جو یہ ہے ؎

محبت کی ہے بات غیرت تلک سمجھتا ہے اس کو سو حیرت تلک

جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مختار کا معراج نامہ احاطۂ مدراس میں معروف تھا اور یہ علاقہ بیجاپور یعنی سلطنت عادل شاہی میں شامل تھا۔ قدیم دکھنی اردو کی تحقیقات کرنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک اور اضافہ ہے۔ اس لئے کہ اس میں آج سے دو سو اڑسٹھ برس قبل کی زبان ہے۔ اور مختار نصرتی۔ ایاغی اور صنعتی کا معاصر ہے۔ طرز بیان نصرتی سے ملتا جلتا ہے چنانچہ باغ و بہار۔ طیور اور مختلف قسم کے کھانے وغیرہ کا ذکر شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔

معراج نامہ مختار کے ابواب حسب ذیل ہیں :۔

---

[1] انتباہ الطالبین مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۰ھ

چونکہ ہر صفحہ گیارہ سطری ہے اس لحاظ سے اس نسخہ کے جملہ اشعار کم و بیش (۲۶۶۲) ہوتے ہیں۔ مختار کے ہمعصر سید بلاقیؔ کے معراج نامہ کے اشعار ایک ہزار[۱] سے زائد نہیں ہیں۔ اور شفیقؔ[۲] کا معراج نامہ صرف ۱۱۲ ابیات پر مشتمل ہے۔ نیز قربی دیلوری اور شاہ کمال کے معراج نامہ کے اشعار بھی کم ہیں، اس لئے مختار کا معراج نامہ ضخیم ہے۔ اور واقعہ معراج کے زیادہ عجائب و غرایب سے مملو ہے۔

ہم یہاں معراج نامہ مختار سے چند اقتباس پیش کرتے ہیں۔ جس سے اس کتاب کی بعض خصوصیات پر روشنی پڑے گی۔ حمد میں تصوف کا پہلو غالب ہے۔ اشعار اسرار و معارف سے مملو ہیں۔ جن میں مولانا جامیؒ اور سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اور ایک تعلیمی پہلو لئے ہوئے ہے۔

حمد

(۱) کہوں حمد اول میں اوس راج کا — نبی کو دیا تاج معراج کا
(۲) خلایق[۳] ساری کیا ہے ظہور — ولے سب سے اول نبی کا ظہور
(۳) احد ہے ولے او عدد کا نہیں — عدد کا احد اوس کے عدد کا نہیں[۴]
(۴) ولے او عدد میں ہوا ہے ظہور — عدد ہور احد سب اوسی کے ہیں نور
(۵) محقق کہے ہیں سیاہی مثال — کبھی میم دال اُنو ہور دال؟
(۶) تو اسکون عرب نے کہتے ہیں مدام — سیاہی حقیقت ہے اوس کی تمام
(۷) اَپیں ہے سیاہی اپن ناون ہے — اَپیں نور ہے ہور اَپیں چھاؤں ہے
(۸) نہیں دخل کچھ یاں کسی غیر کا — بیاں یو ہے توحید کی سیر کا
(۹) ولے ذات کوں کچھ نہایت نہیں — ورا و الوری ہے کہ غایت نہیں
(۱۰) اسی تے سمجھنے میں حیرت پڑی — کہ سب پر سمجھنے تے غیرت کھڑی
(۱۱) محبت کی ہے باٹ غیرت تلک — سمجھتا ہے اسکون سو حیرت تلک
(۱۲) نہایت سمجھ کا ہے حیرت مقام — کہ یاں عقل[۵] کون دخل کا نین ہے کام
(۱۳) بغیر از تحیر مرے ہات نین — سمجھنے کی کسکون یہاں بات نین

۱؎ کیٹلاگ کتب خانہ شاہان اودھ مرتبہ ڈاکٹر اسپرنگر ص۲ ۔ رسالہ اردو ۱۹۲۷ء جلد ۷ ص۳ اس کا دکھنی تلفظ خلائق معلوم ہوتا ہے۔ ۴؎ ابیات ۳ تا ۴ مولوی جامی کے اس شعر کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ ہست بے تہمت شمار یکے ، نیست اندر یگانگیش شکے ۔ ۵؎ اسی طرح بوستان سعدیؒ کے مشہور اشعار ۔ نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن ، کہ جاہا سپر باید انداختن وغیرہ جن سے مختار کے اشعار ۱۲ تا ۱۴ ٹکر کھاتے ہیں۔ مثلاً اس کا یہ شعر دکھنی زبان میں خوب ہے ۔ ڈھونڈنے بھوت اس کی نہ پڑی خبر ، جسے پڑی اس کی نہ پڑی خبر ۔ (آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد)

(۱۴) اگر کوئی سجنے گیان باتاں کرے　　بجھ کا خالی بھانڈے میں ہاتاں کہے
(۱۵) ہوے بے خبر تو خبر ہوے گی　　ہوے بے بصر تو نظر ہوے گی
(۱۶) خبر کوں بصر کوں نہیں دخل یاں　　سٹے ہیں ہتے عاقلاں عقل یاں
(۱۷) دھونڈے بہوت اس کی نہ پڑی خبر　　جسے پڑی اس کی نہ اپڑی خبر
(۱۸) جو حیرت سٹے لاف کون ٹھار نین　　جو کوئی لاف زن ہے اسے بار نین
(۱۹) نکو کر سمجنے کی یاں لاف تون　　سمجنے کوں کھوتا ہوے صاف تون
(۲۰) جو لافاں میں اٹکیا اسے ہے اٹک　　اسے باٹ نیں ہے تیں اسکوں پٹک
(۲۱) پھٹک ہوے گا تو اٹکتا نہیں　　اٹک ہوئیگا تو پھٹکتا نہیں
(۲۲) اٹک تے پھٹکنا بڑا کام ہے　　پھٹک میں لٹکنا سرانجام ہے

نعت

نعت شریف میں کوئی خاص بات نہیں مگر اس میں بھی تصوف کا پہلو غالب ہے

منقبت صحابہ :- حضرت عثمان غنیؓ کی حیا کی خوب تعریف کی ہے :-

حیا کے گھونگٹ میں عجب لاجتا[۱]　　گھونگٹ یو دیکھو اسکون کیا ساجتا[۲]
حیا کے اسے جب سرشتے ہوئے　　تو شرمندے اس تے فرشتے ہوئے

باوجود سُنّی ہونے کے حضرت علیؓ اور حسنینؓ کی منقبت ایک انوکھے انداز میں ایک خاص استعارہ کے ساتھ لکھی ہے۔ اور یہ خوف ظاہر کیا ہے کہ لوگ مجھ کو حضرت علیؓ کے متعلق مبالغہ کرنے میں رفض کی تہمت لگائیں گے۔ چونکہ اس میں باغ نبوت کی تشبیب کے ساتھ استعارہ و استعارہ میں حسنینؓ کی خوب مدح کی ہے۔ جس سے اس کی شاعرانہ قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے اس لئے ہم یہاں بجنسہ اس کو نقل کرتے ہیں :-

منقبت حضرت علی و جناب حسنین رضی اللہ تعالی عنہم

(۱) سو اس[۳]کے انگے[۴] میں بیاں کیوں کروں　　سو ہے تہمت رفض تے میں ڈروں[۵]
(۲) علی نام حیدر سو کرار ہے　　کہ سب حیدراں پر او سردار ہے
(۳) بزاں میں تماشے کون سب دیک کر　　گیا ہوں چمن میں سو یک باغ پر
(۴) سوں باغ نبوت اسے ناؤں تھا　　نبوت کا سب فیض اسے ٹھاؤں تھا
(۵) بچھانا ... ... زمین پر ہریا[۶]　　سو ایسا بچھانا نہیں کوی کیا

---

[۱] لاجتا تھا، [۲] سجتا، [۳] اس سے، [۴] آگے، [۵] رفض کی تہمت میں داخل ہے، [۶] سبز ہوا، [۷] بستر،

(۶) سو تسبیح کرتیاں اتھیاں بلبلان — لگیان تھیاں کلیاں ہور کھلے تھے پھولان
(۷) ہرے پات میں پھول دیتے تھے لالی — اتھا عشق کا بلبلاں پر سو حال
(۸) سو وان فاختہ کا کیا فاختہ — چو باسر دجان، جان خود باختہ
(۹) سکی عشق کا گل میں قری نے طوق — کہ جب عشق کا دل میں پائی ہیں ذوق
(۱۰) کہ جب عشق کا واں جھکارا[۱] اٹھا — تو سب کویلاں کا پکارا اٹھا
(۱۱) لکلتا اتھا سرد گلشن منے — عجب حسن تھا باغ روشن منے
(۱۲) جو ڈالیاں کلیاں پہ اپس خم کیاں — تو سب زخم بلبل کا مرہم کیاں
(۱۳) عجب نور نوری پہ سب بار تھا — سو نور[۲] علی نور اس ٹھار تھا
(۱۴) ہر ایک جنس بوٹے ہر یک جا نور — سو کہتے اتھے عشق کے حال پر
(۱۵) اوڑی پیلی چادر سو پیلک[۳] اتھی — قبا طاس کی ساری نیلک اتھی
(۱۶) چمن کا معطر اتھا سب مشام — مکارا معنبر اتھا صبح و شام
(دھکارا)
(۱۷) محلاں مشک سوں سب معطر اتھے — معطر اتھے ہور معنبر اتھے
(۱۸) چمن میں ٹھنڈی باؤ خوشبو بھری — دلاں کی زمیں کو کئی تھی ہری
(۱۹) مٹیا عشق کا داغ لالے میں باغ — لگا آگ اسکوں کیا داغ داغ
(۲۰) سو لالے تیں وان عشق کا داغ تھا — عجب داغ تھا او عجب باغ تھا
(۲۱) صفت باغ کا کیا کہوں بار بار — جو فردوس باڑی[۴] میں تھے کئی ہزار
(۲۲) دو[۵] جھاڑ ان محبت کے واں تھے بڑے — ہزاران سو عالم تلیں[۶] آ کھڑے
(۲۳) سو ڈالیاں[۷] میں ڈالیاں ملیاں تھیاں — پھلاں[۸] ہور پھولاں کلیاں سے اتھیاں
(۲۴) درازی سو ڈالیاں کے کیوں پاؤن او — کیاں عرش و کرسی پہ سب چھاؤن او
(۲۵) لگے تھے لیسے پھل تیتے[۹] بے شمار — نظرتے او بھڑتے اتھے سب بھار
(۲۶) کھڑیا میں سو وان چھاؤن تھی ڈاٹکی[۱۰] — ہنجے ماندگی تھی وہاں بات کی

۱۔ ڈالا، ۲۔ مراد دبدبۂ عشق، شان، شکوہ، چمک دمک،

۳۔ پیلک: ایک قسم کی زرد چڑیا جس کا ذکر نصرتی نے بھی اپنی ایک مثنوی میں کیا ہے مثلاً کہتا ہے ؎

چمبر بندی زرد پیلک نے کھول، و پٹیاں کھوٹ آوڑی دھنور شال کھول (نصرتی مرتبۂ مولوی عبدالحق)

۴۔ احاطہ، یعنی اس باغ کے احاطہ میں کئی ہزار فردوس سمو دیتے، ۵۔ مراد حسنین رض، ۶۔ تلے یا سایہ میں۔

۷۔ حسنین رض کی باہمی اتحاد و محبت، ۸۔ باغ نبوت کے پھول تھے، ۹۔ اس قدر، ۱۰۔ حد نظر سے باہر، ملا گھنی یا سایہ دار

(۲۷) ٹھنڈی چھاؤں میں پایا آسودگی — گئی ماندگی سب بات کی ماندگی
(۲۸) عجب فیض تھا دونوں جھاڑاں پہ بار — ملک ہور فلک ہور خلایق ہزار
(۲۹) سو سارے وہاں فیض پاتے اتھے — سو ہریک وہاں تے لیجاتے اتھے
(۳۰) دو تو جھاڑ کا ناوں پوچھا ہوں میں — کہ کیا ناوں ہے دونوں جھاڑاں کے تئیں
(۳۱) دیا ہاتف آکر یو آواز عین — کہ یک ہے حسن ہور دیگر ہے حسین
(۳۲) سرانے لگیا آکہ دو نو کون یوں — صفت ان کی لیاؤں بیاں میں سو کیوں
(۳۳) دو موتی یو درج نبوت کے ہیں — دو دریا یو فیض فتوت کے ہیں
(۳۴) نبی کی انکھیاں کے دو نو نور یو — کریں کفر کے ظلم کوں دور یو

مختار نے بموجب احادیث معراج کی پانچ وجوہات بیان کی ہیں جن میں چار روایتیں تو شاعری کے نقطۂ نظر سے اہم نہیں ہیں۔ البتہ پانچویں وجہ بیان کرتے وقت اس نے زمین و آسمان کا مکالمہ درج کیا ہے اس کے ضمن میں جہاں زمین کی خوبیوں سے متعلق ہر قسم کے مضامین درج کئے ہیں آسمان ستاروں اور ان کے خواص کا بھی ذکر کیا ہے اور اس طرح زمین و آسمان کی زبانی وجہ معراج کو بڑے شاعرانہ طریقہ سے بیان کیا ہے۔ اس سے مختار کی مختلف فنون مثلاً علم ہئیت نجوم۔ فن حدیث و تصوف وغیرہ کے معلومات پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس مکالمہ کو اس نے اس طرح پیش کیا ہے۔

یہ معراج کا ہے سبب پانچواں — سنو اے عزیزاں اسی کا بیان
زمین آسماں جیکہ پیدا ہوئے — عدم کے قدم تے ہویدا ہوئے
پڑیا بحث دونوں کے میانی تمام — کیا فخر دونوں میں آکر مقام
بلند آسماں نے بلندی کیا — بلندی ستی خود پسندی کیا

آسماں :۔

کیا آسماں تب زمین کے منگات — بڑائی میں آکر تکبر کی بات
بڑا ہوں ترے تے سو میں شان میں — ہے رفعت مرا ذکر قرآن میں"

زمین :۔

زمیں نے کہی یوں فراخی میں آج — میں ہوں کہ زمین کوں ہے میرے باج

---

۲۵ ٹھاٹھا یعنی بھاگ جانا مثلاً وجہی قطب مشتری میں کہتا ہے ؎

جو آیا جھمکتا سورج ذات کر — اندھارا اتھا سو گیا ٹھاٹھ کر

۲۶ اسم، نام ۲۷ رفعت یعنی والی السماء کیف رفعت آیۂ قرآنی، ۲۸ میں — اِتنی۔

کہ حق منجکوں دولت شکتی[1] دیا ۔ شکتی کی پستی میں ہستی دیا
منجے "بسط" بولا ہے قرآن میں ۔ کہ سب چیز ہے میرے میدان میں"

آسمان :۔
کہا آسمان "زمین میرا ہے سب ۔ مجھے دنیا ہے میرا توں پتلا ہے سب
(دکھا) زمیں پر کیا کبریا جب مقام ۔ کئے فخر یوں آسماں پر تمام"

زمین :۔
کہی "بردباری بجاتی ہوں میں ۔ کہ ہر بار کوں سب اچاتی[2] ہوں میں"

آسمان :۔
کہی آسمان دیک خورشید تین ۔ کہ اس نور سا کوئی بی نور نین
(دکھتا) کہ ہے چاند جگ میں منور قبول ۔ مرے او گریباں منے کا ہے پھول
یو کیا حسن میرے ہے کاغذ اوپر ۔ ستاریاں کے افشان کئے سربسر
ازل کی چتاری[3] چتاری تمام ۔ چتاری میرے پر ستارے تمام
مرضع ہوا میں سو ساریاں ستے ۔ مزین ہوا میں ستاریاں ستے
میرے کوٹ[4] پر تے شیاطین پر ۔ تین آگ کے حقے وقت سحر
کہ ہر شام تارے سو ہر شان کے ۔ (وہ) میرے سواران ہیں میدان کے
کہ ہر صبح میں مستدر ہو کہ سور ۔ کیا رات کے سب اندہارے کوں دور
سورج دیک یوسف ہے مجھ مصر کا ۔ کہ ہے چاند قندیل مجھ قصر کا
میری زلف کا رنگ ہے رات کوں ۔ کیا بند او چاند کی ذات کوں
سو ہر صبح دم مجھ پہ ہلتا ہوں میں ۔ ہنسی کی کسوٹی سوں کستا ہوں میں
منور جوان[5] ہے میرے بدر کا ۔ کہ ہے بدر میرا بڑی قدر کا
سورج میری مجلس منے شمع ہے ۔ اسی شمع پر نور سب جمع ہے
جو مجھ سیج پر چاند کوں جب سلائے ۔ ستاریاں کے پھولاں کوں سب لا بچھائے
سورج باگ[6] ہو موتی پیارے تمام ۔ ستارے حلق[7] میں اتارے تمام

---

[1] دولت شکتی یعنی عاجزی و خاکساری کی دولت ، [2] اچاتا یعنی اٹھانا ، [3] چتاری = چتر نقش و نگار ، [4] کوٹ ۔ قلعہ ، [5] جوان ، [6] باگ بمعنی شیر ،
[7] دہن ، منہ ،

سورج گل ہو میرے چمن کا دسے　　　تو بلبل منے عشق آسب بسے
سورج سیس میرے پہ ہے سیس پھول　　　زرینہ اسی کا کیا میں قبول
جھلکتا ہے پیشانی میرے پر مدام　　　ستاریاں سوں و چاند سارا تمام
جمالی میرے میں ہے محبوب کی　　　جلالی میرے میں ہے اپروپ[1] کی
بلندی منے میں ہوں عالی مقام　　　کہ پستی میں پستی مجھے ہے تمام
ترے تے انگے[2] ہوں ہدایت منے　　　ترے تے پچھیں ہوں نہایت منے

زمین :-

زمین کئی "دیتی[3] توں بڑائی نہ کر　　　بڑائی منے خود نمائی نہ کر
مجھے "دیکھ" کئی وزرا[4] حق نے زینت دیا　　　ترے تے سوں مقبول مجکوں کیا
رنگارنگ مجہ پر بچھانا بچھائے　　　بچھانا بچھا کر یو رونق دکھائے
جو لالہ ہے مجہ عشق کے باغ کا　　　سو رخسارہ ہے خیال کے داغ کا
بیٹھے باس کی خوب ہے سیو نتی　　　بڑی شوخ ہے اس تے سورنیوتی
چمبیلی چنبیلی نے منڈوہ بھری　　　اد لٹ لٹ ہو لٹکی ہے ڈالی ہری
سو سوسن درازی زباں کی کرے　　　جو بولی نزاکت بیاں کی کرے
سنکیر[5] کی طرّی جو طرار ہے　　　مری زلف کی او عجب تار ہے
بھرے حسن کا ٹوکرہ موگرہ　　　لے سر پر لیا رینٹ[6] کا چھوکرہ
جو بٹ موگرہ بٹ[7] ہے نبے بول او　　　جو دیتا ہے خوش باس کوں تول او
عجب قد کا نازک ہے سرو چمن　　　کیا فاختے کوں چمن میں مدق
بندیا آنب[8] نے دیکھو لذت میں جوڑ[9]　　　شتیا سارے میویاں کی لذت کوں توڑ
دسے خوب بھر بھوت لذت انجیر　　　سو لذت کوں دیتا ہے سینے کو چیر
عجب بیر نے یوں کیا بیر بیر　　　کہ سب لذتاں مرے انگے ہیں کھیر
جو دانے اناراں کے یاقوتیاں　　　سو لذت منے جیو کا قوت ہیں

---

۱ اپروپ بمعنی نادر۔ نفیس، ۲ آگے، ۳ اس قدر۔ اتنی، ۴ وزرا، قدیم املا وضع کا،
۵ سنکیر، ایک درخت جن میں لال خوش نما پھول ہوتے ہیں، ۶ ایسے چھوٹے لڑکے جن کی ناک سے رینٹ بہتا ہو، ۷ بٹ بمعنی باٹ، وزن، ۸ آنب، قدیم املا آم کا،
۹ جوڑ بمعنی خوب باندھنا (شکسپیر ڈکشنری)،

جو جامون[1] لذت میں جامون کیا   سو رونق سیاہی کے رنگ سوں دیا
سو لذت منے لاف اناس[2] کرے   کہ سب لذتاں کوں اُنے پس[3] کرے
جو آسیب پر کچھ کھڑیا   تو خوش باس کے آگے افسوں پڑیا
میرے پر کندوری[4] بچھاے تمام   جو کھاتے ہیں مج پر جتے خاص و عام
برنجہ[5] رنجہ سارا لے جاتے تمام   سو کھچڑی میں لذت کیا آ مقام
سو شعلے[6] تے لذت میں شعلہ دسے   کہ سب تے انگے آکے دل میں دسے
سموس کتب[7] قان رکھے در طبق   لکھے اس میں لذت ورق در ورق
مزعفر کیاں راکھے رکیباں عجب   کیا دل کو لذت ستی سحر لب
نجاے[8] پے جالے ہیں سب سالنا   اچھیں او تو سب سالنا نا لنا
جو سادی[9] کا سالن کیا سادہ گی   دیا بند لذت کوں آزادہ گی
سو لذت بھریا ہے او میتھی کا ساگ   لگایا ہے اُو ساگ ساگاں کو آگ
کتے اور[10] مولیاں حیراں جمع ہو   منور کندوری کیاں شمع ہو
سو شکر بڑا چا شنیاں کا دسے   رکیباں[11] کا سب کٹ حشم[12] ہے اوسے
نلیاں کے بند و قاں میں سب کو دبے   سو کوفتے اسے کیا غلولیاں[13] کرے
یو قوجاں پو قوجاں چلیاں داٹ داٹ   شٹیا لشکر حرص کوں کاٹ کاٹ

---

[1] جامون = جامن، [2] انانس = اناس، [3] پس یعنی پست، [4] کندوری یعنی دسترخوان، [5] برنجہ = برنج یعنی چاول خوشبودار، [6] گرم گرم کھچڑی، [7] کتب قان یعنی کتب خوان یعنی کتابی رورقی، سموسے، دکھنی لوگ حرف خ کو قدیم زمانہ سے ق بولتے چلے آئے ہیں۔ جیسے پنجابی قاف کو کاف بولتے ہیں مگر عشرتی گولکنڈوی نے "ورقی سنبوسا" لکھا ہے جو اب بھی مروج ہے ؎

کھلیا تھا موں ہر یک ورقی سنبوسا   دیوں مہمان کے لب تائیں بوسا

[8] بنجالے، بیگن دکھن میں بگھارے بیگن، اب بھی لذیذ غذا سمجھی جاتی ہے۔ پلاؤ کے ساتھ دعوتوں میں بگھارے بیگن ضرور ہوتے ہیں، [9] سادے کا سالن مراد غالباً قورمہ ہوگا، [10] میتھی کا ساگ شمالی ہند میں نہایت خوشبودار ہوتا ہے دکن میں ویسا ایسا خوشبودار نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اگلے زمانہ میں ہوتا ہو۔ [11] رکیباں جمع رکابی کی DISH-DELICIOUS [12] کر حشم، شوکت و حشمت یعنی نہایت لذیذ کٹ اس کا لاحقہ ہے، جیسے کٹ منٹ یعنی قوی ہیکل ڈھکیسر، [13] غلولیاں = گولے (عبدالحق نصرتی)، غلولیاں کرے یعنی رشک و حسد سے گولیوں کی بوچھار کردی۔ مثلاً اس کا عصر عشرتی کہتا ہے ؎

کلی دل کی گرہ کھتیاں نے کھولے   انگوراں کھلتے تھے جن کے غلولے

کندوری کا لشکر کیا دل کندل ہوا بھوک کا موڑ لشکر سگل"

آسمان:-

کیا[1] آسمان تب زمیں سات بیچ کیا ہو کہ[2] تیری پہ سب ہیچ ہیچ

تو کرتی فنا کا تیا[3] ساز کیا فنا در فنا سون تیا ناز کیا

مرے پر سورج دیک دایم اچھے چندرسا بدن مجھ پر قایم اچھے

زحل سا ہے دربان دہلیز کا تو غالب ہوا ہے او ہر چیز کا

جلالی کی او بیٹ پکڑیا ہے ہات تو غالب ہوا ہے بذات وصفات

جدی دلو اس کے دو گھر ہے تمام برس پانچہ دونوں میں ہے اس مقام

کرے آسمان دور او تیس سال اری سال ہر برج کوں انتقال

شرف ہے اسے برج میزاں منے جو یک دیس درجے میں آوے انے

ولے اہل ہندیوں شرف اس کہے کہ جب بیت درجے میں آکر رہے"

اسی طرح تمام ستاروں کی کیفیت کو ہندوستان کے علم نجوم کے لحاظ سے بیان کرتا چلا گیا ہے ان میں زہرہ اور عطارد کی کیفیت کو شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

سو زہرہ کا مجہ پہ عجب راگ ہے کہ دل عاشقاں کا کیا چاک ہے

سو نغمے منے جیو لے جاتا اُنے جو محبوب اپیں ہو کہ گاتا اونے

نیا سوز کوں لیا کہ اس میں بھرے جکوئی[4] آ سونے[5] سو چھکے ہو مرے

چتے عاشقاں کوں دیوانے کیا ولے عشق میں سبکوں دانی کیا

بھرے اس کی آواز سوں گوش جب لجایا ہے اُو عقل ہور ہوش تب

عجب سوہر[6] ہے اس کا ہر تال پر سو ہر تال اس کا ہے ہر چال پر

لٹکتا ہے گانا لٹکتی ہے چال بھٹکتی ہے یاں سد لٹکتا ہے حال

بیاں میں دکھیو حال آتا نہیں کہ او کچھ بیاں میں سماتا نہیں

کرے دور او آسماں سال بھر رہے برج میں او سو مہینے میں ہر

سو رجعت ہے یک ماہ باویس[7] دیس[7] کہ او دو مہنے[8] کا لیا ہے سو بیس

دکھیو شور و میزاں دو گھر ہے اسے ولے عشق کی سب نظر ہے اوسے

ع۱ و ع۲ کہا، ع۳ اتنا، ع۴ جکوئی = جو کوئی، ع۵ سونے = سنے، ع۶ سوہر، قدیم املا شر کا، ع۷ دیس بمعنی دن، ع۸ مہنے = مہینے،

شرف حوت میں ہے اسے سربسر | ستاویں درجے میں آوے اگر

عطارد :-

عطارد - ما جھ پر ہے دکھیو دبیر | سو منشی ہے انشا منے بے نظیر
کہ ہر فقرے میں راز رکھتا ہے او | ہریک راز کو باؤ کھتا ہے او
دوات اس کی دریا ایسی خاص ہے | قلم اس میں یوں ہے کہ غواص ہے
ڈوبی لیا۔ سطے گو ہراں ہات بھر | سو کاغذ کے سارے کنارے اُپر
جو ڈوبکی میں ہریک نزاکت کرے | سو کاغذ میں لیا کر فصاحت کرے
مرادف کے الفاظ کا ہے ردیف | لطافت کے معنان کا ہے او لطیف
نزاکت کرے او عبارت منے | اشارت کرے او بشارت منے

زمین کی خجالت :-

زمیں نے ستھونی جب یو سب قیل و قال | خجل ہو کہ گل گئی ہے پانی مثال
خجالت کے او گئی گریباں منے | اُچایا[2] ہے سر سارا اسمان نے
خجالت کی ٹیکی زمیں کو دیا | تکبر کی چادر اپس پر لیا
زمیں تب خجالت میں حیران اتہی | ہزاراں برس لگ پریشان اتہی
خجالت سوں رونے لگی زار زار | ندیاں ہو چلے اس کے انجوان کے دھار
خجالت کی او آگ ہیں سب جلے | اُٹھے تن اُپر ڈونگراں[3] کے چھلے[4]
یکا یک ہوا شور مولود کا | جو آیا ہے محبوب معبود کا
چھپے راز کے جگ میں ڈیرے پڑے | علم عشق کا لیا کے کیتے[6] کھڑے

میلاد آنحضرت صلعم :-

بکھیرے ہیں سب عشق جگ میں تمام | تولد ہوے جب علیہ السلام
بجتے عشق کے بھار رچنے لگے | دمامے محمدؐ کے بجنے لگے
سو ئی یو زمیں سر اُوچائی پچھیں | خجالت کی آتش بجھائی پچھیں

زمین کا فخر و ناز :-

نکال زمیں سر گریبان سوں | بڑاں فخر کیتی ہے اسمان سوں

۱۔ ستا ، ۲۔ اٹھایا ، ۳۔ پہاڑ ۴۔ چھلے = آبلے ، چھالے ، ۵۔ یعنی کئے۔
۶۔ اٹھائی۔

آسمان کی شرمندگی :۔

سو نیا آسمان یو ہوا ہے خجل
خجالت سوں گل جا، ہوا مزمحل[1]

خجالت کے سب بار تے خم ہوا
سو شرمندگی تے اسے غم ہوا

لگا یا ہے اُو آگ آفتاب کوں
سٹیا داغ سینے میں مہتاب کوں

خجالت کا اس پر سو جب غم گھریا
دہواں آہ کا ہو کر بادل کھڑیا

سو رونے لگیا اُو بچہیں زار زار
برسنے لگی اُستے انجواں کی دہار

حسن تعلیل :۔

پریشان ہو کر سو پھرنے لگیا
سو رو رو کو دریا کوں بھرنے لگیا

خدا پاس آ، او پریشان حال
منگیا ہے دُعا یوں کیا ہے سوال

الٰہی کرم کر مرے پر شتاب
خجالت سوں محکوں اسی ہیں ہے تاب

تو ایسا[2] اتا کر مرے پر کرم
محمدؐ کا لیا توں (دلا، تو) مرے پر قدم

معراج کی اصلی وجہ :۔

کیا عاجزی آسماں بے حساب
دعا ادس کی کیتا خدا مستجاب

بولا یا نبی کوں علیہ السلام
سبب یو سو معراج کا ہے تمام

تعریف براق :۔

قد اُس کا سو خچر سے اُنچا اتھا
اور اشتر تے تھورا سو نیچا اتھا

اسے منھ اتھا آدمی کے مثال
اسے آرزو تھا نبیؐ کا وصال

ہتی (اتھی) کے نمن کان تھے دو بڑے
پنکھے کے نمن تھے (دوہ) و ہلتے کھڑے

سو گردن اسے تھی شتر کے نمن
جھلکتا اتھا نور سارا بدن

اتھا اس کا سینہ سو اشتر مثال[3]
اتھے بال اس کو جیوں گھوڑے کے بال

شتر کی تھی دم پانو تھے بیل کے
سو کان اس کے تھے پیل[4] کے میل کے

سو دو پر تھے اس کے سو ایسے بڑے
کھولے تو سو مغرب سے مشرق بھرے

میلاوے تو پہلو برابر اتھے
کھولے تو درازی برابر اتھے

۱؎ مزمحل = مضمحل کا قدیم املا، ۲؎ اتا یعنی عطا، ۳؎ مانند مثال، ۴؎ ہاتھی کے میل کے یعنی ہاتھی کے قسم کے تھے۔ یہ محاورہ آج بھی استعمال ہوتا ہے خصوصاً تاجر "رات دن استعمال" کرتے ہیں، آج سے ڈھائی سو برس پہلے بھی اسی طرح مستعمل تھا۔

سو سینہ تھا یعقوت (یاقوت) کے سار[1] کا — منور اتھا اس کے جھلکار کا
سو موتی نمن تھے پچھے کے کھپڑے[2] — کہ جوں[3] پاچ[4] مانند دستے ہرے
تھی یاقوت سی لال گردن دراز — کلیاں کا اتھا رنگ سب دم کا ساز
بہشت کی اتھی زین اس کے اُپر — رکاباں[5] تھے یاقوت کے سربسر
سو کلمہ لکھے تھے پشانی اُپر — اتھا عشق کے وہ نشانی اُپر
سو جلدی میں بجلی نمن تھا گرم — نظر جاں پڑے واں رکھیا ہے قدم

سدرۃ المنتہیٰ :-

اوسے سدرۃ المنتہیٰ ناؤں ہے — نہایت وہاں علم کا ٹھاؤں ہے
سو اوس کے اُپر علم جاتا نہیں — سو اُو بوجھنے[6] میں سماتا نہیں
کہے بعض واں ہے سو حد ملک — فرشتیاں کوں حد ہے اِسی کے تلک
فرشتاں کوں اس کے اپر دخل ہیں (جہیں) — اِنو[7] کی وہاں دخل کا نقش نین
کہ او بیر کا جھاڑ یک ہے بڑا — ایسی آسماں پر ہوا ہے کھڑا
سونے کی اُسے پیڑ ہے سب عیاں — ہے ڈالیاں اُسے بعضے یاقوت کیاں[8]
سو بعضیاں ہے ڈالیاں اُسے پاچ[9] کیاں — صفائی منے ہیں یو جیوں کا چہ کیاں
بلندی ہے او پیڑ کی یو قرار — کہ اُو باٹ ہے سال پنجہ[10] ہزار
اسے پات ہتے جوں ہتی کی ہے کان — گھڑے کے نمن پھل ہوئے ہیں عیاں
سو ڈھاپے ہیں پردا[11] (ہتی) اِسے نور کا — اتھا جھاڑ او نور معمور کا
فرشتے پتے واں نہی کوں سوجے — اِنو کا عدد جز خدا نا بوجھے
رکھے بیٹ پاتاں[12] پتاں اِنور — سو ڈھانپے اَتھے سارے پاتاں اِنوں
ملک یوں نظر میں سو گتے اتھے — سونے کی ہی ٹولاں[13] جھلکتے اَتھے
ستارے نمن اُو سو لک[14] لک کریں — اِنوتے سو پاتاں جھلک لک کریں
ہریک پات پر یوں اُو سارے اتھے — کہ جوں آسماں پر ستارے اتھے

---

۱ سار کا یعنی جیسا، ۲ سرین، ۳ عتا، ۴ پاچ یا پاچ بمعنی زمرد، ۵ رکاباں جمع رکاب کی، ۶ بوجنا بمعنی سمجھنا قدیم املا بوجھنان کا، ۷ اِنو قدیم املا اِنہوں، ۸ کیاں بمعنی کے، ۹ زمرد، ۱۰ پنجہ = پنجاہ بمعنی پچاس، ۱۱ پردا = پردہ، ۱۲ پتاں جمع پات کی بمعنی پتا، ۱۳ جگمگٹ ہونے کی طرح چمک رہے تھے، ۱۴ لک لک کرنا معنی جگمگانا۔

ایک فرشتے کا حلیہ :-

سویو ہے تماشے نویں[1] کی خبر — فرشتہ یک آیا ہے واں درنظر
بڑائی سوں اتنا اتھا واں کھڑیا — فرشتہ دیگر یوں نظر (آن) نیں پڑیا
قد اس کا سر اوچا اتھا بے مثال — بلندی منے باٹ تھی لاک سال (وہیں)
سِراں[2] تھے ایسے کون سو ستر ہزار — ہریک سر کوں موں ایتے تھے درشمار
دہن تھے ہریک موں کو ستر ہزار — ہریک سر کوں چونٹیاں اتھیاں اس شمار
ہریک چونٹی[3] میں موتی دس لاک تھے — جھلکنے منے او بڑے پاک تھے
ہریک موتی منے یک سو دریا اتھا — او دریا سو مچھلیاں سوں بھریا اتھا
ہریک مچھلی کی ہے یو تقریر بس — بڑائی میں تھی بات[4] دو سو برس
اتھا نقش ہریک پوپر تجید کا — لکھے اس پو کلمہ سو توحید کا
جو یک ہات اس کا سو سر پر اتھا — وچھیں پیٹ پر دست دیگر اتھا
سو تسبیح میں او گرجتا اتھا — سو سب عرش سُن کر لرزتا اتھا
خوش آواز تے عرش تھا رقص میں — کمالی کیا عشق کے نقش میں

آنحضرت صلعم نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون سا فرشتہ ہے اور اس کا مقام اور کام کیا ہے حضرت جبرئیل نے جواب دیا کہ اس کا مقام چمن بہشت ہے اس کا کام تسبیح و تہلیل ہے ، آنحضرتؐ نے اوس کو سلام کیا مگر اسنے بوجہ انہماک ذکر سلام کا کوئی جواب نہیں دیا - اس پر جبرئیل نے اس کی بے اعتنائی پر تنبیہ کی اور اس کے خوف سے کانپ اُٹھنے اور گلے ملنے کی کیفیت کو شاعر نے ایک اچھے پیرایہ میں قدیم دکنی روزمرہ اور محاورہ میں خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے آنحضرتؐ کی عظمت و شان ظاہر ہوتی ہے چنانچہ لکھا ہے :-

عَلیکی کا اونچہ دیا نیں جواب — سو دوڑے ہیں جبریل اس پر شتاب
پکڑ ہات اُس کا سو جھٹکے ہیں (سب) — جھٹک کر بزاں اسکوں ہٹکے[5] ہیں سب
جو محبوبؐ حق کا ہوا دم بدم — رکھیا ہے او آکر ترے پر قدم
قدم سوں تجے اُو مشرف کیا — سلام آکر تجکوں عزت دیا
پچھیں کھول پردے[6] رکہ کا نپیا ہے سب — زمین آسمان پر سوں ڈہانپیا ہے سب

---

[1] نئی ، [2] سراں جمع سر کی ، [3] چونٹیاں = چوٹیاں ، [4] چونٹی = چوٹی ، [5] راستہ ، [6] ہٹکنا بمعنی رُوکنا ، [7] پر کا تابع مہمل استعمال کیا ہے ۔

جو محبوبؐ حق یاں، بھل مجہ ملے — سمجھ کر نبی کوں لگایا گلے
مبارک او مُنہ کوں سو بوسہ دیا — رہ عشق کا اسکوں توشہ دیا
بشارت دیا، خالق الکاینات — سو بخشا ہے تجکوں سب امت سنگات
یو ہے فیض سب تجکوں رمضان کا — کہ حجت ہے توں سب کے ایمان کا
یو سن کر نبیؐ تب ہوے باغ باغ — سو روشن ہوا اِن کے دل کا چراغ
دیکھے ہیں نبیؐ جب یو سن خوش کمرے — دو صندوق اس کے کنے تھے بڑے
اتھے قفل صندوق معمور کے — سو یک لاک سب او اتھے نور کے
سوال اِسکوں بعد از نبیؐ یوں کرے — کھے کیا ہے توں بول اس میں بھرے
کیا ہے کہ اے سرور کائنات — ہے سب روزہ داروں کی اس میں برات
جہنم تے آزاد سب کوں کرے — سو مجکوں گواہ اس اُپر لیا دھرے

"سدرۃ المنتہیٰ پر جبرئیل سے سوال و جواب":-

ایک جلیل القدر فرشتہ کا عرش تک کی رسائی سے عاجز ہو جانا آپ کی کمال روحانیت کی دلیل ہے۔ مگر آپ کا فطرت انسانی کے مدنظر جبرئیل کو ساتھ دینے کے لئے مجبور کرنا۔ اور آپ کا اس کو بتقاضائے محبت قدیم دوست کی طرح باوجود معذرت کے کھینچ لینا، پھر جبرئیل کو ہیبت الٰہی سے روتا ہوا دیکھ کر ہاتھ کے اشارہ سے واپس کر دینا۔ مختار کی فطرت نگاری کی ایک اچھی مثال ہے شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ تو یہ کہہ کر رہ گئے تھے کہ ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم — فروغِ تجلی بسوزد پرم

اس کے باوجود، مختار نے اس واقعہ کو نہایت لطافت اور فطرت نگاری کے ساتھ نبھایا ہے جو قلب پر زیادہ مؤثر ہے۔ اور آنحضرت صلعم اور جبرئیلؑ کی قدیم دوستی اور اتحاد اور اس کو ایسے موقعہ پر جب کہ اپنے قدیم رفیق کی جدائی کا وقت ہے اور ناگزیر صورت میں چھوڑنا پڑ رہا ہے خوبی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

نبیؐ جب جو سدرے کے آئے اُپر — رانوں کوں سوں جبریلؑ کئے دیہ، خبر
اِتا یاں تے کرتا ہوں تم سوں وداع — ہمارا رہیا نہیں اِتا اجتماع
نبیؐ کئے ہیں یاری تکو تم سنو — مرے ساتھ آؤ، تکو تم رہو

۱؎ گئے یعنی پاس، ۲؎ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا تھا کہ هٰذا فراق بینی و بینک۔

کہے[1] تنہا مجے چھوڑ رہتے تمیں
جدائی کی کئی[2] بات کہتے تمیں

کہے جبرئیل نہیں ہے امکاں مجے
سو ہمرہ[3] آنے اتا نا سو بجے

اتا[4] مجکوں چھوڑ دچلو تم شتاب
تجلی میں چلنا مجے نیں ہے تاب

تمارے سو ہمرہ کیوں آدں گا
اتا میں چلوں گا تو جل جاوں گا

پیغمبر انوں کوں خبر یوں دئے
میرے سات آنے کا وعدہ کئے

اتا کیوں سو کرتے ہیں وعدہ خلاف
مگر اس وقت نیں تھے وعدے میں صاف

نبی ہات اِن کا پچھیں تب پکڑ
قدم یک سٹے ہیں اُپر وان تے چڑ

قدم یک اتھا پانچ سو سال راہ
وہاں آکے جبریل کہتے ہیں آہ!

سو لرزہ پڑیا ہے انوں کے اُپر
لگے کانپنے ہور ہوسے بے خبر

سو ہیبت تے[5] ڈرجا کو رونے لگے
جتی سُد آپکی سو کھونے لگے

کہے مجکوں بیگی یہاں تے پھراؤ[6]
مجے سب فنا، یاں نکو تم کراؤ

اگر میں چلوں گا بمقدار بال
تجلی سٹے گی مجے ساری جال

نبی دیکھے جبریل یاں تو گلے[7]
دو انکھیاں سو انجواں[8] انو کے چلے

انو کھوئے ہیں یاں سو سُد بود کوں
ہوئے ہیں سو نزدیک نابود[9] کوں

پچھیں[10] انکوں راکھے[11] اپس سات تے
اشارت کئے ہیں نبی ہات تے

پچھیں آ پڑے ہیں، انو یک قدم
سو آئے اپس کے مقام قدم[12]

حق تعالیٰ سے مکالمہ :-

رفرف کے ذریعہ حجابات کو دور کرتے ہوئے عرش پہ پہونچنا اور باوجود تقرب الٰہی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نعلین مبارک نکالنا اور جھجکنا گویا آپ کے کمال ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔ خالق کائنات کا خود فرمانا کہ عرش لرزہ میں ہے۔ زمین اور تمام آسمانوں کو بغیر آپ کے قرار نہیں تمام کائنات کا قیام اگر ہو سکتا ہے تو آپ ہی سے ہو سکتا ہے آپ کی کاملیت کی دلیل ہے۔ غرض شاعر نے عاشق و معشوق کے رمز پر روشنی ڈالتے ہوئے اخیر میں نہایت احتیاط کے ساتھ معیت ذات حق کے راز کو ظاہر کیا ہے۔ اور یہ بتلایا ہے کہ عبد اور رب میں معیت ایسی نہیں جو ایک بادشاہ کو اپنے مقربین سے اور ایک شخص کو دوسرے شخص کے ساتھ ہوا کرتی ہے۔ جن میں باہم اتصال ہونا، گویا اتحاد و الحاد سے خالی نہیں

[1] کہے[2] کیوں، [3] ہمرہ = ہمراہ، [4] اتا یعنی اب۔ اس قدر، [5] بیگی یعنی جلد، [6] پھراؤ یعنی لوٹاؤ، [7] گل جانا گھلنا یعنی فنا ہوجانا، [8] آنسو، [9] فنا ہونے کے قریب، [10] پیچھے، [11] رکھے، [12] پہلے مقام پر لوٹ آئے۔

بلکہ یہ معیت ایک مجہول الکیف ہے اور کمال توحید یہی ہے کہ باوجود حفظ مراتب دوئی کا پردہ اٹھ جائے۔ ناظر و منظور ایک ہی نظر آئیں۔ غرض مختار نے صوفیانہ نقطہ نظر سے اس پر روشنی ڈالی ہے اور یہ مکالمہ اثر انگیز ہے۔

۱۔ جب آئے نبیؐ عرش کے فرش پاس　　کھڑے تب ادب سوں نبیؐ عرش پاس
۲۔ سو نعلین کون پگ[1] سوں کاڑن لگے　　اپس پاؤں کی گرد جھاڑن[2] لگے
۳۔ الٰہی کے نوراں کے نوران کا تاب　　مہابت[3] کیا تب نبی پر شتاب
۴۔ نبیؐ عذر کریوں ادب کو انگے　　کہ نعلین سوں جاوں کیوں کر لگے!
۵۔ ندا آیا تب یونی الفور میں　　نہ نعلین کاڑو محمدؐ تمیں
۶۔ سدا عرش ہے اضطرابی منیں　　قدم دیکھنے تجہ شتابی منیں
۷۔ ہمیشہ مرا عرش لرزان ہے　　نہ تمکیں قراری میں یک آن ہے
۸۔ سٹو گرد نعلین کا عرش پر　　قدم آرکھو عرش کے فرش پر
۹۔ اگر گرد نعلین کا تجہ پڑے　　تو تمکین ہو عرش رہے گا کھڑے
۱۰۔ جتے آسمان ہور زیناں ہلیں　　جاباں نمن نیر[5] پر ڈلملیں[6]
۱۱۔ تمارے قدم ہور نعلین سوں　　ہو محکم رہیں گے سدا چین سوں
۱۲۔ انا آؤ میرے حبیبؐ آ حبیبؐ　　رہو ہو کہ مجہ نور سوں عنقریب
۱۳۔ ہوے خوش ندا سن نبی الختم　　اُپر جاؤ[7] نے تب اُچائے قدم
۱۴۔ اُپر آکے تب عرش کے فرش تے　　جکل گئے ہیں کنٹھے ہیں سب عرش تے
۱۵۔ پچہیں آئے ہیں قرب کے تب مقام　　علیہ الصلوٰۃ علیہ السّلام
۱۶۔ اسے قاب قوسین کا ناؤں ہے　　نہایت یہاں قرب کا ٹھاؤں ہے
۱۷۔ پچہیں یک سو موتی کی کرسی کو لیائے　　نبیؐ کوں اس کے اپر بیٹھلائے[8]
۱۸۔ او ادنیٰ اشارت ہے کرسی کی او　　بشارت ہے اسرار قدسی کی او
۱۹۔ محبت کا سہرا بندائے[9] ہیں تب　　میانی[10] کا پردہ اُچائے ہیں تب
۲۰۔ اوڑائے ہیں تشریف دیدار کی　　منیائے (بنائے) قبا ان کوں اسرار کی
۲۱۔ بیان کیوں کروں اس کے اسرار کوں　　اُٹھاؤں کیوں اسرار بازار کوں

۱۔ پاؤں سے اتارنے لگے، ۲۔ جھاڑنے لگے، ۳۔ خوف دلانے لگا، ۴۔ آگے، ۵۔ نیر یعنی کب،
۶۔ ڈلملنا یعنی ڈگمگانا، ۷۔ جانے کے لئے، ۸۔ بٹھلائے، ۹۔ بندھوائے، ۱۰۔ میانی یعنی درمیانی،

۲۲۔ نہیں ہے روا جو سنوں اسکوں کھول — ولے ہے اشارت کے کتنے یو بول
۲۳۔ آپیں[1] ہے احد ہور احمد اپیں — سو محمود اپیں ہے محمد[2] اپیں
۲۴۔ اپیں دیکھے ہور (اور) اُو اپسکوں دیکھاے — اپسکی نظر کوں اپس پر لجائے

جنت کے محل، باغ و حور و غلماں وغیرہ کا مرقع کھینچنے میں مختار نے کمال شاعری دکھلایا ہے۔

سو ہر یک کے حوراں کا تھا یو شمار — جو بیٹھیاں اتھیاں اوس پو ستر ہزار
کہ ہر حور پر واں اتھا نور بار — زرینہ اتھا اس کا ستر ہزار
سو ہر بست[2] تے یک خوش آواز تھا — دِلاں کے اُپر ذوق سب یار تھا
رنگا رنگ ساریاں کھڑیاں تھیاں سنوار — کہ سب مشک عنبر کا واں تھا مکار (دہکار)
اگر رنگ اِنوں کا جو دنیا میں آے — تو سب آفتاب اس تلیں چھپ کے جاے
ہر یک کے سو سر کے اُپر تاج تھا — سو محبوبیت کا بڑا ساج تھا
اُتھے زلف ہر یک کوں چالیس ہزار — کہ عاشق کے دل کا وہاں تھا شکار
کہ ہر تخت اس پاس چوکھیاں[3] اتھیاں — سو بعضے سونے[4] کیاں، روپے[5] کیاں اتھیاں
دگر پاچہ[6] موتی و کافور کیاں — مکلل[7] اتھیاں نور سب نور کیاں
جتے باغ جنت کے پاے شرف — سو یاں تے چلے کالوے[8] ہر طرف
کنارے پو اس کے تھے ڈیرے پڑے — سو یاقوت موتی کے تھے واں کھڑے
طنابیاں اُو ڈیراں کو تھے نور کے — دیسے[9] جو نکہ کیرن چندر سور کے
جھلم[10] سانولے ہور کلس تھے دھنور[11] — جوں بیٹھے کنول گل پو نوری بھنور
جیتے تھا نب ڈیریاں کو تھے کہکشاں — اُو تھے مست جوں ذکر میں سرکشاں
محمد بولا جبرئیل[12] کوں کہے — اگے آو پیچھیں تمیں کیوں رہے
کہے اس معمے کوں کھولو مجھے — یو ڈیرے کیسے ہے سو بولو مجھے
کہے یو تمارے ہیں ازواج کے — یو ازواج کرنے کے ہیں راج کے
سو حوراں وہاں خوب لگتیاں اتھیاں — چندر سور نمنے جھلکتیاں اتھیاں
سو ڈیریاں منے فوج فوجاں کھڑیاں — سبق سب نظارے کا تھیاں اوپریاں
خوش آواز سارےیاں او کرتیاں اتھیاں — محبت کا مٹے دل میں بھرتیاں اتھیاں

۱۔ آپ ہی، ۲۔ ہر بیس سے، ۳۔ چوکی کی جمع، ۴۔ سنہری، ۵۔ روپہری، ۶۔ زمرد، ۷۔ بھرا ہوا، ۸۔ نہر، ۹۔ دکھائی دے، ۱۰۔ جھانجھ، ۱۱۔ نیلے، ۱۲۔ طلب کر کے۔ بلا کر۔

او سن رقص میں جھاڑ آتے اتھے　　اُپس میں اپس پینچ کھاتے اتھے
انوں کوں پیتا رنگ کا ٹھاٹ تھا　　سو جنت میں ہو عشق ہر باٹ تھا
اگر آوے دنیا میں او باٹ[1] گر　　جیواں[2] سب کے تن تے چلیں پھاٹکر
شُنیگا او سب کے دلاں کاٹ کاٹ　　سو پکڑیں گے او راگ کے سارے باٹ[3]
گتو اکر شُنگے آپ کا سو ہوش　　کہ جب راگ آکر پڑے گا بگوش
سو کھانا و پیتا شُنیگی تمام　　کرے گا سو ساریاں میں حیرت مقام
نبیؐ کوں سو جبرئیلؑ پوچھے ہیں یوں　　تمیں دیکھنے کا سوے شوق کیوں
نبیؐ کہے ہیں جا کر سو دیکھوں بھتر[4]　　تماشے کوں میں سب کروں گا نظر
سو جبرئیلؑ دروازہ آکر کھولاے　　او پردے کا پردہ وہاں تب اُچائے[5]
نبیؐ دیکھے صورت کوں ہر حور کی　　منور اتھی حور سب نور کی
چٹی[6] لگی تھی عجب آکے ہٹ　　لپٹی تھی او عاشقاں کوں سکٹ[7]
کرشمے منے ناز سب بار تھا　　کہ عاشق کا دل واں گرفتار تھا
جیواں کو لجاتی تبسم منے　　مویاں کو جیلاتی ترآنم منے
جھلکتا اتھا یوں سو مکھڑے[9] کا تاب　　ٹلے تاب اس کے انگے آفتاب
عجب زلف کے پینچ میں حال تھا　　کہ عاشق کے جیو[10] کا بڑا کال تھا
سو خونی انکھیاں[11] میں اُو خونی خیال　　کہ کرتا اتھا جیو کوں پائے[12] مال
جو پلکھاں کوں اپنے او درہم کرے　　جیواں کا سو بازار برہم کرے
پلک تیر بھوں کی کماناں کوں جوڑ　　جیواں کے ہدف سارے شُتے تھے پھوڑ
جو سر کے او بالاں[15] درازی کئے　　کہ واں عاشقاں جیو کی بازی کئے
اگر کوئی سرانے[16] منے ہوئے گا　　اپس کا اُو سارا[17] جنم کھوئے گا
صفت یک ایسے کی سو کرنا سکے　　زباں سوں صفت اس کی سرنا[18] سکے
یہ جبرئیلؑ بولے نبیؐ کو بیاں　　تمہارے لیئے امت بدل سب ہے یاں۔

۱؎ باٹ = راستہ، سمت۔ مراد فضا، ۲؎ جیواں جمع جیو کی معنی جانیں ۳؎ پردے، ۴؎ بھیتر یعنی اندر، شمالی ہند میں یہ لفظ کثرت سے استعمال ہوتا ہے، ۵؎ اوٹھائے، ۶؎ چوٹی، ۷؎ تمام، ۸؎ ترنم۔ راگ، ۹؎ موکھڑا = مکھڑا یعنی چہرہ صورت، ۱۰؎ جان، ۱۱؎ آنکھیں، ۱۲؎ پائے مال = پائمال بمعنی تلف، برباد، ۱۳؎ جمع پلک کی، ۱۴؎ جمع کمان کی، ۱۵؎ جمع بال کی، ۱۶؎ سرانا، مدح سرائی کرنا، تعریف کرنا، ۱۷؎ تمام یعنی تمام زندگی تعریف میں ختم ہو جائے گی، ۱۸؎ ختم نہ ہو سکے۔

خصوصیات زبان پر ایک سرسری نظر

مختار نے عربی۔ فارسی۔ الفاظ نیز سنسکرت اور ہندی الفاظ بہت کم استعمال کئے ہیں۔ اسلوب بیان سیدھا سادہ۔ مثنوی عموماً روزمرہ میں کہی جاتی ہے۔ مختار نے اس کا بیحد لحاظ رکھا ہے اپنے وقت کی مروجہ زبان اور محاوروں کو خوبی اور لطافت کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ مگر بیان میں ایجاز و اختصار نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ زمانہ زبان اردو کے ارتقاء کا تھا۔

دکھنی مروجہ محاورے یہ ہیں :۔

مثلاً ھٹکنا، جھٹکنا، پٹکنا، لٹکنا، سنبڑنا، انپڑنا۔ بیگی پھرانا، لک لک کرنا، کاڑنا، اٹکنا، گردشنا، وغیرہ۔

مثلاً ؎ پکڑ ہات اس کا سو جھٹکے ہیں سب — جھٹک کر بزاں اسکوں ٹکلے ہیں سب

اس کے بعض ایسے محاورہ بھی ہیں جو آج کل استعمال ہوتے ہیں۔

مثلاً گرد جھاڑنا، گلے لگانا، سُدھ کھونا، وداع کرنا، بانگ دینا، درہم برہم کرنا، گرم ہونا، توشہ دینا،

مثلاً ع — سو تیزی میں بجلی نمن تھا گرم

؎ جو پلکھاں کوں اپنے او درہم کرے — جیواں کا سو بازار برہم کرے

وعدہ میں صاف نہونا، خوشی سے ابلنا۔

؎ یتی توں خوشی سے ابلتا ہے کی — سمجکر کتا ہے توں ٹلتا ہے کی

فارسی محاورے :۔

مثلاً گردن دراز کرنا (گردن دراز کردن)، بانگ دینا (بانگ دادن)، وداع کرنا (وداع کردن)، اجتماع ہونا (مجتمع شدن)، شتاب چلنا (شتاب رفتن)، برات ہونا (برات شدن)

فارسی ترکیبیں بہت کم استعمال کی ہیں جو اس کے ہمعصر صنعتی میں بھی موجود ہیں۔

مثلاً۔ کہ جب راگ آکر "پڑے گا بگوش" "سوآئے آپس کے مقام قرم" (پہلی جگہ) اچھے نمات لاک اس کے پر "درشار" فرشتہ یک آیا ہے واں "در نظر" "مت دمکا" تمکیں ہونا (قرار و سکون) ع تمکین ہو عرش رہے گا کھڑے۔ محرق ہونا۔ (جل جانا) ع تلے سر کئے ہور محرق ہوے۔ "نہ فلک کے اُپر" "مہابت کیا" محکم رہنا (مضبوط رہنا) دکھنی لوگ اب بھی بعض ترکیبیں غلط استعمال کرتے ہیں۔

مثلاً شب برات کی رات : شب قدر کی رات ،
تعجب ہے کہ مختار نے بھی اسی قسم کا ایک فقرہ استعمال کیا ہے۔
مثلاً ندا آئیا تب یو فی الفور ہیں۔
سُد بُد کو سُد بُود لکھا ہے غالباً صوتی لحاظ سے نابود کا قافیہ لانے کے لئے جو اس زمانہ میں مروج تھا۔

انو کھوے ہیں یاں سو سُد بُد کوں   ہوے ہیں سو نزدیک نابود کوں

مضمون کا املا مضمون ، یاقوت کا لیقوت اور وضع کا وزا وغیرہ لکھا ہے۔ اور ٹ ، ڈ ڑ اِن حروف پر چھوٹی ط کے بجائے چار نقطے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ٹ پر ٹ مگر اس مخطوطہ [illegible] میں نقطوں کو اوپر لکھنے کے بجائے نیچے لکھے ہیں۔

مثلاً   کہ اُچے بیر کا جھاڑ یک ہے بڑا
ایسی آسماں پر ہوا ہے کھڑا
(اسی)
نیز کہا کو کیا ، کہے کو کیے ، اِسی کو ایسی ،
مختار نے لفظ "سو" بہت استعمال کیا ہے مثلاً

ع   ہریک کے سو سر کے اُپر تاج تھا   سو محبوبیت کا بڑا ساج تھا
ع   تمیں دیکھنے کا سو ہے شوق کیوں   سو جبریل دروازہ آکر کھولاے
ع   جیواں کا سو بازار برہم کرے وغیرہ۔

کثرت استعمال اس کی زبان کی کمزوری کو تو نہیں بلکہ عادت کو ظاہر کرتی ہے۔ گویا لفظ "سو" اس کا تکیہ کلام تھا۔

ضمیمہ

مقالہ نما

مرتبین

عالی جعفری ، فضل اللہ فاروقی ، سید جمیل الدین ، ابوالفضل قادری

ضروری نوٹ :- مقالہ نما میں شامل شدہ مضامین کی نقل حسب طلب (خطِ شکست) میں دو آنے فی صفحہ کی اجرت پر مہیا کی جا سکتی ہے۔ تاہم کسی مضمون کی نقل ایک روپیہ سے کم اجرت پر فراہم نہیں کی جائے گی۔ (مرتبین)

فہرست عنوانات

مذہبیات

۱۔ادارہ:

فرمان رسولؐ

اسلامی امارت کی خصوصیت

(فیض الاسلام، راولپنڈی ۵۶۔جون ۱۵۔۱۶)

نبی کریم کی حدیث جس میں آپ نے غیر عادل حاکم و امیر کے بارے میں پیش گوئی فرمائی ہے اس کی تشریح و وضاحت۔

۲۔اشرف خاں:

سلوک سلیمانی پر ایک اجمالی نظر

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ جنوری ۵۔۲۳)

اس قسط میں صبر و شکر کے موضوع پر مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے خیالات پیش کرنے کے بعد مقالہ نگار نے ان کے ملفوظات تحریر کئے ہیں۔

۳۔تارا چند ڈاکٹر:

دو سمندروں کا سنگم اور سچائی کا پرکاش

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جون، ۳۱۲۔۳۱۶)

شاہجہاں کا بیٹا داراشکوہ ویدانت، تصوف اور اسلام کا زبردست عالم تھا۔ وہ ہندومت اور اسلام دونوں کو بنیاداً ایک سمجھتا تھا چنانچہ دونوں فلسفوں کو سامنے رکھ کر اپنی مشہور کتاب مجمع البحرین مرتب کی۔ اس کا تعارفی تبصرہ مقالہ میں درج ہے۔

۴۔تقی محمد امینی:

عروج و زوال کے الٰہی قوانین

(برہان دہلی، اپریل، جون۔ ۲۲۹ — ۲۳۹، ۳۰۹ — ۳۲۸)

(۷)

اس قسط میں غور و فکر اور عقل و خرد سے کام لینے کی چند آیتیں انسان کی ابتدائی سرگزشت اور اس سے عمل صالح پر استدلال، انسان کے دنیا میں آباد ہونے کے وقت کی چند بنیادی ہدایتیں۔ تمام پیغمبروں کی زندگی میں اعتدال پیدا کرنے کی کوششیں، رسولؐ اللہ تعلیم و تربیت کا جامع نظام لے کر تشریف لائے جس میں حالات کے لحاظ سے مختلف طریقے اور مختلف تدبیریں ہیں۔ ان مختصر عنوانات کو قائم کرتے ہوئے ان کی تفصیل و تشریح۔

(۸)

اس قسط میں "قرآن حکیم کے بیان کی تفصیلات سے عمل صالح پر استدلال" "زمانہ خلافت میں دینی اور قومی خصوصیات کو محفوظ رکھتے ہوئے مفید چیز جہاں سے بھی ملی لے لی گئی تھی۔" "قوامی بالحق" وغیرہ ان عنوانات کے تحت قرآن و احادیث سے وضاحت و تشریح۔

۵۔جعفر شاہ ندوی:

کیا بعثت نبویؐ ربیع الاول میں ہوئی تھی؟

(ثقافت لاہور، ۵۶ مئی ۳۹ — ۴۶)

نزول قرآن کے بارے میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ ابتدا کس مہینہ میں ہوئی وہ ربیع الاول تھا یا رمضان، پھر قرآن بار بار کرکے اترا یا ایک ہی بار، یا اکثر حصہ میں نازل ہوا یا کچھ حصہ کا نزول ہوا۔ چاروں سوالات پر بحث کرتے ہوئے وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن رمضان ہی میں پورے کا پورا قلب نبیؐ پر اتار دیا گیا تھا۔ پھر اس اعتراض کا جواب کہ اگر ایک ہی بار قرآن قلب نبویؐ پر اتار دیا گیا تو پھر آپ کو آئندہ ہونے والے بہت سے واقعات کا علم ہونا چاہئے تھا، اس شبہ کا ازالہ دو مثالوں سے کیا گیا ہے، دلائل و شواہد سے ثابت کیا ہے کہ نزول قرآن رمضان ہی میں ہوا تھا۔

۶۔جعفر شاہ ندوی:

ذمیوں کی حیثیت

(ثقافت لاہور ۵۶ جون ۴۲ — ۴۸)

اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کو ذمی کہتے ہیں، چاہے ان کی تعداد کم ہو یا زیادہ۔ یہ اگرچہ محکوم ہوتے ہیں مگر ان کی حیثیت خود محکوم مسلمانوں سے مختلف نہیں ہوتی۔ اہل اسلام ہی کی طرح ان کی جان، مال، آبرو، مذہب، اور معبد سب محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ اور

ان سے جزیہ (جو زکوٰۃ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے) لیا جاتا ہے اور انھیں کلیدی منصب نہیں دیا جاتا۔

۷۔ جعفر شاہ ندوی:

حضور اکرم اور تعدد ازدواج

(ثقافت لاہور ۵۶ جنوری ۲۵۔ ۴۰)

حضور اکرم کی تعدد ازدواج کی اصلی غرض و غایت اور اس کے اسباب بیان کئے ہیں تاکہ لوگوں کی اس سلسلے کی غلط فہمیاں دور ہوں اور دوسرے "سنت" کو غلط نہ استعمال کریں۔

۸۔ جعفر شاہ ندوی:

فرمان رسولؐ
نصیحت مسیحؑ

(فیض الاسلام، راولپنڈی ۵۶، اپریل ۱۵۔ ۱۶)

حضرت عیسٰیؑ کی ایک نصیحت سے متعلق نبی صلعم کی زبان مبارک سے اسی حدیث کی تشریح کہ دین اسلام صرف نبی کریم کا لایا ہوا نہیں ہے بلکہ ہر پیغمبر کا دین اسلام ہی رہا ہے۔

۹۔ جعفر شاہ ندوی:

اسلام اور انسدادِ غلامی

(ثقافت لاہور ۵۶، اپریل ۴۰۔۵۰)

غلامی ایک ایسا قدیم رواج ہے کہ دنیا کی متمدن قومیں بھی اُسے ختم نہ کر سکیں، اسلام کے متعلق عام طور پر یہ غلط فہمی ہے کہ اس نے غلامی کو ختم تو نہیں کیا البتہ غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔ زیر نظر مضمون میں قرآنِ کریم کی آیات کی روشنی میں لفظ "غلام" کے معنی اور مفہوم سے تفصیلی بحث کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام نے غلامی کو ختم نہیں کیا اور نہ ہی اس نے ان سے کوئی برا سلوک روا رکھا بلکہ اس کے انسداد اور خاتمہ کی صورتیں اختیار کیں۔

۱۰۔ جعفری رئیس احمد:

جزیہ

(ثقافت لاہور ۵۶، اپریل ۳۱۔۳۹)

زیر نظر مضمون میں اسلامی کتاب الآئین کی روشنی میں جزیہ اور اس کے متعلقات سے تفصیلی اور مدلل بحث کی گئی ہے اور واضح تشریحات کے ساتھ جزیہ پر معترضین کو جواب دیا گیا ہے۔

۱۱۔ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر:

اسلام میں گناہ کی ماہیت

(ثقافت لاہور ۵۶ جون ۷۔ ۱۱)

اسلام نے مذہب میں جو انقلابی باتیں کیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے گناہ کی حقیقت بتائی۔ اسلام سے قبل مذاہب کا یہ حال تھا کہ ان میں سے اکثر نے زندگی کو سراپا گناہ بنا دیا تھا۔ یہودیوں اور عیسائیوں اور بدھوں وغیرہ کا تصور گناہ حیات انسانی کے لئے مضر تھا۔ اسلام نے گناہ کو ایک قلبی بیماری اور بداعت دوری قرار دی۔ عدم گناہ کی کیفیت جنت اور گنہگاری کی حالت دوزخ کے عذاب کی صورت رکھتی ہے۔ جنت و دوزخ خود انسان ہی کی حیاتی کیفیات کا نام ہے۔

۱۲۔ خورشید احمد فارق:

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط
محاذ عراق و عجم
(۱۰)

(برہان دہلی ۵۶ اپریل، ۱۹۷۔ ۲۰۸)

خط نمبر ۱۰۱ تا ۱۱۰۔ نعمان بن عمری افسر خراج۔ اہواز کے سپہ سالار دن عبداللہ بن مسعود نگران خزانہ کوفہ۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان۔ نعیم بن مقرن کے نام ان خطوط میں جنگی محاذ اور تدابیر جنگ کے بارے میں احکامات ہیں۔

۱۳۔ سوختہ منظر علی:

اسلام کے بنیادی اصول

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جون ۲۸۷۔ ۳۰۳)

اسلام کے روحانی، سماجی، آرتھک اور احکامی اصول کے ساتھ حکومت الٰہی کا اسلامی نظریہ تفصیل سے پیش کیا ہے۔

۱۴۔ضیاء احمد اصلاحی :

ان الصفا و المروۃ (الایہ)
کے
متعلق چند سوالات

(معارف اعظم گڑھ۔ ۵۶، اپریل ۹ ۲۶۷-۲۷۱)

آیت ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ کے متعلق کسی صاحب نے سوال کیا (۱) شعائر الٰہی ہونے کا کیا مفہوم ہے۔ دونوں کے درمیان سعی کی نوعیت کیا ہے؟ (۲) "فلا جناح علیکم ان یطوف بھما" سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ طواف کی اہمیت نہیں لیکن روائتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا طواف ضروری ہے (۳) اس آیت کا ما سبق سے کیا تعلق ہے اور (۴) آیت مابعد میں کس کتمان جرم کی طرف اشارہ ہے "ان الذین" سے کون لوگ مراد ہیں۔ مضمون میں انھیں سوالات کے متعلق عام مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے انھیں لکھ کر آخر میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔

۱۵۔ضیاء الدین اصلاحی :

فقہی اور فروعی اختلافات کے اسباب

(برہان دہلی ۵۶ مئی، ۲۵-۵۵)

اسلامی فقہ میں اختلافات صحابہ اور تابعین کے دور سے چلے آرہے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فقہ آج کی طرح مدون نہ تھی۔ زیر نظر مضمون میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے افکار و خیالات جو ان اختلافات کے بارے میں ہیں، ان کی مشہور اور معرکۃ الآراء کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" سے درج کئے گئے ہیں۔

۱۶۔عتیق الرحمٰن :

سنت رسول اللہ کے معنی اور اتباع سنت
کی صحیح پوزیشن

(الفرقان ۵۶ مئی و جون، ۴۸-۶۸، ۸۲-۹۸)

منکرین حدیث کے رسالہ طلوع اسلام میں ایک مضمون "اتباع سنت کی صحیح پوزیشن ہمارے نزدیک کیا ہے....." کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ زیر نظر مضمون میں پہلی قسط کا بھی کچھ اقتباس دیتے ہوئے اس موضوع پر بحث کی گئی ہے اور پرویز صاحب کے خیالات کا مدلل جواب موجود ہے۔

۱۷۔عودہ عبدالقادر شہید :

اسلام اور ہمارا قانونی نظام

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ مارچ ۱۵-۲۸)

مسلمان حکومتوں کے آپس کے اختلافات و عداوت اور اسلامی تعلیمات کے خلاف حرکات کی مثالیں پیش کرتے ہوئے اسلامی نظام حکومت اور قوانین سے حکمرانوں کی جہالت کا ثبوت پیش کرتے ہوئے مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ استعمار پرستوں کے چنگل سے وہ جلد سے جلد آزاد ہو جائیں۔

۱۸۔فرید برہانپوری شیخ :

دسویں صدی ہجری کا ایک باکمال محدث

(برہان دہلی ۵۶، ۵-۱۴)

دسویں صدی ہجری کے باکمال محدث حضرت شیخ علی متقی برہان پوری کی زندگی اور ان کے علمی کارناموں کا مستند جائزہ۔

۱۹۔فضل قدیر ندوی :

تفسیر
جن و انس کی بے بسی

(فیض الاسلام، راولپنڈی ۵۶، اپریل، جون ۹-۱۴، ۹-۱۲)

آیت، یا معشر الجن والانس......کی تفسیر و تشریح۔

(۲)

نکاح دنیا و عقبیٰ میں موجب خیر و برکت ہے۔
آیت و انکحوا الایامیٰ منکم......واسع علیم (نور ۲۴) کی تفسیر و تشریح۔

۲۰۔قمر :

بزرگان دین
حضرت شیخ احمد سرہندی رح

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۶، اپریل، جون ۱۷-۱۹)

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا عشق سنت

رسولؐ اور بدعت سے بحث، شریعت و طریقت اور ان کی
مجددیت کے بارے میں مختصر بیان،

(۳)

حضرت شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات۔ مروجہ تصوف
اور صحابہ، فاقہ صفائے قلب اور صفائے نفس، اور قرآن
میں آیات متشابہات سے متعلق آپ نے جن خیالات کا اظہار
فرمایا ہے اس کی وضاحت۔

۲۱۔ محمد حنیف ندوی:

معراج النبیؐ

(ثقافت لاہور ۵۶، اپریل ۱۵-۳۰)

رسول اللہ صلعم کی معراج کے بارے میں
تفصیل سے بحث کرتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے
کہ جب ایک عبد اپنی خواہشات اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان کرلے
اور اس کا عبد و بندہ ہو جائے تو پھر اس کو اللہ تعالیٰ کن کن
انعامات سے سرفراز فرماتا ہے اور وہ کن کن رتبوں اور درجوں
پر فائز کیا جاتا ہے۔

۲۲۔ محمد صدیق میمنی:

اصطلاحات حج و مناسک

(البلاغ بمبئی ۵۶ء جون ۲۵-۳۲)

ہر سال ہزاروں صاحب استطاعت مسلمان جن پر فریضۂ
حج لازمی ہے وہ اس نعمت سے مشرف ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں بہت
سے ایسے حضرات ہوتے ہیں جو حج و مناسک کے خاص خاص
الفاظ و اصطلاحات جو زندگی میں بہت کم سننے اور بولنے میں
آتے ہیں، اُن کے صحیح معنی سے نابلد رہتے ہیں۔ زیر نظر مضمون
میں حجاج کرام کے استفادہ کے لئے حج و مناسک کے ۸۷ مختلف
اہم اصطلاحات کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲۳۔ محمد منظور نعمانی:

معارف الحدیث

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ء، اپریل مئی، جون ۷-۱۴)
(مسلسل) (۵-۱۴)

رحم دلی اور بے رحمی، سخاوت اور بخل سے متعلق
احادیث ان کا ترجمہ اور تشریح۔

(۲)

انس و محبت۔ ہمدردی اور خیر خواہی سے متعلق احادیث
ان کا ترجمہ اور تشریح۔

۲۴۔ مجیب اللہ ندوی:

اسلامی قانونِ اُجرت کا ایک باب

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ء جون، ۴۰۵-۴۲۱)

ہمارے آج کے معاشی نظام میں آجر و مزدور کی کشمکش
ایک کھلی حقیقت ہے۔ ہمارے مختلف انفرادی، سیاسی اور
معاشرتی مسائل ایسے ہیں جن کا کوئی متوازن حل دنیا نے نہیں پایا
ہے، ان میں اجرت کا مسئلہ بھی ایک ہے۔ آج دنیا کے دو بڑے
گروہ جن میں ایک سرمایہ دارانہ جمہوریت کا حامی ہے اور
دوسرا اس کے ردِّ عمل کے تجرباتی دور سے گذر رہا ہے، ان
دونوں نظاموں میں مزدور کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔
اس کے برخلاف اسلامی نظام میں قانون اجرت اکمل ترین
صورت میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہؐ کی زندگی خود
ہمارے لئے ایک بہترین مثال ہے۔ اسلام نے ہر طرح کی محنت
کی ہمت افزائی کی ہے اور اس خصوص میں یہاں سیرت نبویؐ اور
اسوۂ صحابہ کے چند واقعات درج کئے ہیں۔

۲۵۔ مرزا محمد یوسف:

اسلام کا فلسفۂ تاریخ
حدیث مجدد دین ملت کی روشنی میں

(برہان دہلی ۵۶، اپریل)

مجدد دین ملت میں امام اشعری، جو پہلے معتزلی تھے پھر بعد
میں صحیح مسلک اختیار کر کے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ پھر
امام باقلانی، اور امام غزالی کی خدمات اسلام کو پیش کرتے ہوئے
لکھا ہے کہ یہ وہ حضرات تھے جنھوں نے تجدید دین اور اصلاح
امت کے لئے اپنی جانیں وقف کردی تھیں اور انھیں کی خدمات
جلیلہ کا فیض ہے جو آج تھوڑی بہت روحانیت باقی
ہے۔

۲۶۔ مظہر الدین صدیقی:

اسلام اور مساوات جنسی

(ثقافت، لاہور ۵۶ مئی ۲۴-۳۱)

مساوات کی تعریف کرنے کے بعد یورپ کی تاریخ اور احادیث وقرآن سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مردوں اور عورتوں پر نماز وروزہ وزکوٰۃ کی ادائیگی۔ حق وصداقت کی تبلیغ اور باطل کی روک تھام یکساں طور پر فرض ہے تو انھیں تعلیم کے دائرہ میں بھی یکساں حقوق حاصل ہونا چاہئے۔ قرآن نے ایسی کوئی تحدید نہیں کی جس سے ثابت ہو کہ معاشی امور، سیاسی معاملات اور تعلیمات میں عورتوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ حکومت یا معاشرہ کی رہنمائی کریں اور اسے غلط تدابیر اختیار کرنے سے روکیں۔

۲۷۔ مودودی۔ ابو الاعلیٰ:

تفہیم القرآن

(۶)

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ مارچ، اپریل، مئی ۱۷-۳۸، ۱۸-۳۱، ۹-۳۰)

سورۂ نور کی تفسیر، غلاموں، لونڈیوں اور اللہ تعالیٰ کے "نور" سموات والارض ہونے پر تفصیلی طور سے روشنی ڈالی ہے۔

(۷)

سورۂ نور کی چند آیتوں کی تفسیر منافقین کے بارے میں آیات پر قدرے تفصیلی بحث۔

(۸)

سورۂ الفرقان کی تفسیر۔ ابتدا میں سورہ کے زمانہ نزول کا موضوع ومباحث پر روشنی ڈالی ہے۔

۲۸۔ مودودی۔ ابو الاعلیٰ:

رسائل ومسائل

پانچ نمازیں اور پچاس نمازیں

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ مارچ، اپریل ۹-۶۳، ۴۴-۴۷)

منکرین حدیث اس حدیث معراج پر بڑے تمسخر سے اعتراضات کرتے ہیں جس میں پہلے پچاس نمازوں اور پھر حضرت موسیٰ کے مشورے پر آخر کار پانچ نمازوں کے فرض کئے جانے کا ذکر ہے۔ انھیں اعتراضات پر سوال اور مولانا مودودی کا مفصل جواب۔

حیات برزخ، ترجیحی حصص، اور سورۂ عنکبوت کی دو آیتوں پر استفسارات اور ان کے جوابات۔

۲۹۔ مودودی ابو الاعلیٰ:

چند اعتراضات اور ان کے جوابات

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶ مئی ۳۱-۵۲)

مولانا مودودی صاحب کے بعض خیالات جو تفہیم القرآن تفہیمات اور رسائل ومسائل میں پیش کئے گئے ہیں ان میں سے بعض پر سائل کو اعتراض ہے انھیں کے مفصل جوابات دئے گئے ہیں۔

۳۰۔ ناظم ظہور الحسن نیوہاروی:

کتابت قرآن

(ثقافت لاہور ۵۶ جون ۴۹-۵۳)

قرآن خود رسول اللہ ﷺ کی حیات ہی میں لکھا جا چکا تھا اس سے انکار کرنے والے یا بعد کی کتابت کا ذکر کرنے والے غلطی پر ہیں۔

۳۱۔ ندوی محمد حنیف:

اسلام میں نبوت کا تصور

(ثقافت لاہور ۵۶ مئی جون ۲۵-۳۲، ۱-۳۸)

انسان نے زندگی کی مادی ضروریات سے الگ ہو کر اپنے گردو پیش پر کب غور وفکر کی عادت ڈالی اس کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی کرنا دشوار ہے۔ لیکن اتنی بات قطعی درست ہے کہ حیات انسانی کے بارے میں پہلا اور منضبط تصور اس کو انبیاء ہی کے طفیل حاصل ہوا۔ علم وہدایت کے اس ظہور کے لئے جسے نبوت سے تعبیر کیا جاتا ہے کیا کوئی حکیمانہ وجہ جواز پائی جاتی ہے اور ایسی بنیادوں کا سراغ بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جن سے ان کی مقبولیت پر روشنی پڑ سکے؟ یہ سوال اہم ہے جواب یہ کہ یقیناً ممکن ہے لیکن اس مسئلہ کے تین پہلوؤں پر خصوصیت سے غور کرنا ہوگا۔ (۱) آیا علم اور اندیاد علم کا فطری تقاضا تسکین وطمانیت چاہتا ہے یا نہیں؟ (۲)۔ یہ بحث میں جو

اللہ تعالیٰ کی ایک مخصوص صفت ہے ہدایت و رہنمائی ذرائع بھی داخل ہیں یا نہیں؟ (۳) انسانی معاشرہ میں اس سے کیا مدد مل سکتی ہے،

ان تینوں سوالوں کی تفصیلی تشریح اور وضاحت۔

(۲)

نبوت کے تصور میں حقیقی اور آخری تبدیلی اس وقت ہوئی جب اسلام آیا۔ اور قرآن نازل ہوا۔ یہاں نبوت کا مفہوم یکسر بدلا اور بجائے کہانت اور پیش گوئی کے اس کے مفہوم میں اعلیٰ درجہ کی اخلاقیات داخل ہوئی۔ اور اس نے تعلق باللہ کی وہ مختتم اور جامع صورت اختیار کی جو ہر انسان کی زندگی کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ ثابت ہو سکتی ہے۔

۴۲۔ ندوی محمد حنیف:

جناب بدھ

(ثقافت لاہور ۵۶ جون ۳-۶

بدھ مت کو ہندو مت کا جز سمجھنا غلطی ہے۔ یہ تو برہمن ازم کے خلاف گوتم بدھ کی بغاوت تھی۔ بدھ ایک عظیم مفکر تھا، اور بہت بڑا صوفی۔ جس نے کہ کائنات پر اپنے نقطۂ نظر سے غور کیا، اور برسوں کے مجاہدہ و استغراق سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ راست بازی اور رحم دلی کے سوا اور کوئی چیز انسان غم کو سنوارنے والی نہیں۔ بدھ سے اصولی اختلاف رکھنے کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ۵ ق۔م پہلے تمام عالم انسان کے سامنے اس نے زندگی کا ایک اونچا اور دلکش نمونہ پیش کیا جس میں محبت و بے نفسی کی جھلکیاں بھی تھیں اور حکمت و فلسفہ کی گہرائیاں بھی۔

۴۳۔ نسیم احمد فریدی:

ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندی
مکتوبات کے پیرائے میں

(الفرقان لکھنؤ ۵۶، اپریل، مئی، جون ۱-۱۸، ۱۷-۲۶)

مروجۂ الشریعت مرتبہ خواجہ محمد عبید اللہ بن خواجہ محمد معصوم سے چند مکتوبات، نمبر ا نبی صلعم علیہ وسلم کی نعت، ملا خواجہ قلیج کے نام چند سوالات کے جوابات جو تیمم وغیرہ سے متعلق تھے اور ۲۲ مولانا محمد حنیف کے نام، احیاء سنت سے متعلق۔

مکتوب (۲۹) میرزا عبید اللہ بیگ کے نام امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ کی اہمیت کے بیان میں۔ اس کے علاوہ حب فی اللہ، بغض فی اللہ، فضیلتِ جہاد فی سبیل اللہ اعلیٰ مرتبۂ مجاہدین و درجاتِ شہداء کے بارے میں بھی مختلف احادیث بیان کی گئی ہیں۔

۴۴۔ نعیم صدیقی:

صبح کا بھولا

(چراغ راہ کراچی ۵۶ جون ۲۴-۳۳)

سی ایم جوڈ کی کتاب "ایمان کی بازیافت" کا ایک جائزہ اس کتاب کے ایک پہلو مسئلہ شر سے متعلق جوڈ نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے فلسفیانہ اور مذہبی نقطۂ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے جوڈ جن مختلف ادوار سے گزرا ہے ابتدائی عیسائی تعلیمات۔ پھر پختگی ذہن و فکر کی عمر تک پہنچ کر مذہب سے بیزاری، الحاد میں بھی سکون نہ پاکر پھر عیسائیت یا مذہب کی طرف رجعت۔

۴۵۔ یوسف۔ محمد

مسئلۂ متعہ

(ترجمان القرآن لاہور ۵۶، اپریل، مئی ۴۲-۶۵، ۶۱-۶۸)

مولانا مودودی نے سورۂ نور کی ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے متعہ کے بارے میں بھی لکھا کہ بعض وقت انسان ایسی اضطراری حالت میں گرفتار ہو جاتا ہے کہ نکاح نہیں کر سکتا، وہ زنا یا متعہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے ایسے حالات میں زنا کی بہ نسبت متعہ کر لینا بہتر ہے۔ اس پر بہت سے لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ مولانا مودودی جواز بحالت اضطرار کے قائل ہیں۔ اسی سلسلہ میں ایک استفتا بھی آیا۔ مضمون میں متعہ سے متعلق متعدد احادیث، ان کا ترجمہ، روایات کا ماحصل اور اسلام میں متعہ بالاجماع حرام ہے اس سلسلہ میں دلائل۔

(۲)

اس قسط میں متعہ کے بارے میں ابن عباسؓ کے مسئلہ رجوع اور اس کی تحقیق۔ رجوع کے قائلین کے دلائل پیش کرتے ہوئے ان پر تنقید کی ہے۔

تذکرہ و سیرت نگاری

۳۶۔ ابواللیث صدیقی ڈاکٹر:

حضرت مذاق میاں صاحب

(مہر نیم روز کراچی ۵۶، اپریل ، ۳ ـــ ۱)

سید محمد دلدار علی صاحب مذاق میاں بداؤں کے ایک باکمال بزرگ گذرے ہیں۔ ۱۲۳۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۵۲ھ میں دہلی گئے اور خاقانیٔ ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق کے شاگرد ہوئے۔ درویش صفت اور صوفیانہ افتادِ طبع پائی تھی۔ اس مضمون میں ان کی زندگی اور ان کے مکتوبات کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

۳۷۔ اثر محمد علی خاں رام پوری:

اخگر رام پوری

(معارف اعظم گڈھ ۵۶، اپریل ۳۰۸ ـــ ۳۱۳)

اخگر رام پوری تلمیذ غالب پیدائش رام پور ۱۸۳۷ء وفات ۱۳۱۷ھ یا ۱۳۱۵ھ مقام چنسرہ مختصر حالات، اور کلام کا انتخاب۔

۳۸۔ چغتائی عبداللہ:

علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی

(اقبال لاہور ۵۶ اپریل ۱۱۱ ـــ ۱۲۷)

لاہور کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں جب کبھی کوئی تاریخ لکھی جائے گی تو انجمن حمایت اسلام لاہور کا نام سرفہرست ہوگا۔ زیرنظر مضمون میں ان اکثر و بیشتر تفصیلات اور واقعات کا ذکر ہے جبکہ علامہ اقبالؒ اور مولانا سید سلیمان ندوی کی شخصیتیں اس انجمن سے وابستہ رہیں۔

۳۹۔ ڈی۔ ایم۔ شفیقی:

مانی اور اس کا فلسفہ

(اقبال لاہور ۵۶، اپریل ۷۲ ـــ ۸۵)

مانی ایران کے بزرگ ترین عقلاء میں سے ہے۔ اس نے ۶۵ سال کی عمر میں اپنے افکار کی اشاعت کی اور نئے مذہب کی بنیاد رکھ کر لوگوں کو دعوت دی زیرنظر مضمون میں اس کے خیالات عقائد اور عقلی دلائل سے بحث کرتے ہوئے دوسرے اور مذاہب سے اس کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے اور مانی کے نزدیک زندگی کے جو مخصوص نظریات تھے ان کی تشریح کی گئی ہے۔

۴۰۔ س۔ ا۔ م:

چند لمحے مجاز کے ساتھ

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ اپریل ۳۱ ـــ ۳۴)

مجاز سے مضمون نگار کی ایک ملاقات کا تذکرہ اور اپنے شخصی تجربات کی روشنی میں مجاز کی شخصیت کے بعض پہلوؤں پر تبصرہ۔

۴۱۔ سبط محمود فاروقی:

علی گڑھ کے دورِ اولیں کی ایک عجیب شخصیت شاعر و ادیب محمود داؤد عباسی مرحوم بی۔اے دعلیگ)

(نگار لکھنؤ ۵۶ جون ، ۴۲ ـــ ۴۷)

۲۹ فروری ۱۸۶۲ء میں قصبۂ امروہہ ضلع مرادآباد کے ایک عباسی گھرانے میں پیدا ہوئے تعلیم علی گڑھ میں ہوئی۔ ۲۷ جون ۱۹۰۰ء کو بمقام فتح آباد آگرہ میں انتقال کیا۔ داؤد کو شاعری کا فطری ذوق تھا۔ ان کی شاعری کے بارے میں سیر حاصل معلومات فراہم کئے گئے ہیں۔

۴۲۔ سعید احمد:

شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن

(برہان ، دہلی ۵۶ جون ، ۳۲۵ ـــ ۳۴۲)

شمس العلماء مولوی عبدالرحمٰن صاحب سابق صدر شعبۂ عربی و فارسی دہلی یونی ورسٹی کے خاندانی تعلیمی، علمی خدمات، انداز تحریر اور عام اخلاق و عادات بیان کئے ہیں۔

۴۳۔ سندر لال پنڈت:

دادا ابوالفضل

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جون ۷ ۳۱ـ ۳۲۴)

مرزا ابوالفضل پوربی بنگال کے ایک مسلمان عالم گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بنگلا، سنسکرت، فارسی، عربی اور انگریزی ہندوستان میں پڑھی۔ یورپ جا کر یورپی زبانیں سیکھیں اور برن یونی ورسٹی سے پی ایچ، ڈی کی ڈگری لی۔ زندگی کا بیشتر حصہ یو، پی میں گذرا۔ دنیا کے مختلف بڑے مذاہب پر عبور

تھا اور سات پر کتابیں لکھیں۔ تعصب نام کو دتھا۔ ایک زبردست با اصول آدمی اور سچے محب وطن تھے خود دار بھی غضب کے تھے۔ آخر میں ہومیو پیتھی سیکھی اور اس میں بھی کمال پیدا کیا۔ ۱۸۷۵ء کے بعد تک زندہ رہے (سال وفات درج نہیں ہے)

۴۴۔ عابد، عابد علی:

خاقانی شروانی

(اقبال لاہور ۵۶، اپریل ۱ ـ ۲۹)

خاقانی شروانی کی زندگی کے بارے میں صحیح تاریخی تفصیلات کے ساتھ اس کے عہد کی تاریخ کا بھی سرسری جائزہ۔

۴۵۔ عبدالرؤف:

شیخ الاسلام مولانا حسین معز بلخی ـ نوشۂ توحید

(معارف اعظم گڈھ ۵۶، اپریل ۲۷۷ ـ ۲۹۳)

(۲) شیخ الاسلام مولانا حسین معز بلخی کے خطوط و تصانیف سے ان کے اشتیاق بیت اللہ سفر حج، فنائیت و تواضع، محبت اور رحمان حق، تعلیم طریقت، استقامت عمل، دنیا و معاش دنیا علماء و مشائخ زمانہ سلسلۂ رشد و ہدایت وغیرہ کے بارے میں تفصیلی باتیں لکھی ہیں۔

۴۶۔ عبدالعلی خاں:

حکیم محمود خاں

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶، اپریل ۲۱ ـ ۲۹)

حکیم محمود خاں دہلوی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا ایک جائزہ۔

۴۷۔ عوضی صاحب:

رنگا رنگ یادیں

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۶، اپریل، جون ۳۶-۳۳، ۵۱-۴۹)

(۳) شہر کوئٹہ کے مفصل حالات، آب و ہوا، پیداوار تعلیمی ادارے، مساجد وغیرہ۔

(۴) گفتگو کے انداز طریقۂ گفتگو اور اس کے اچھے برے اثرات متعدد واقعات سے پیش کئے ہیں۔

۴۸۔ عبدالسلام قدوائی:

داعی امن

(الفرقان لکھنؤ، مئی جون ۵۶ ـ ۴۳ ـ ۵۱)

بعثت نبوی سے قبل دنیا جن حالات سے گزر رہی تھی وہ ایک کھلی حقیقت ہے لیکن ایسے مخالفانہ ماحول میں جب ہم رسول اللہ کی شخصیت کو ایک انسانِ کامل اور ایک کامیاب ترین نبی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو ہمیں ہر پہلو روشن ترین اور تابندہ ترین نظر آتا ہے۔

۴۹۔ عبداللہ قریشی:

حیات اقبالؒ کی گم شدہ کڑیاں اقبال اور انجمنِ کشمیری مسلمانان

(اقبال لاہور ۵۶، اپریل ۳۰ ـ ۴۲)

فروری ۱۸۹۶ء میں لاہور کی کشمیری برادری کے چند بزرگوں نے ایک انجمن "کشمیری مسلمانان" کے نام سے قائم کی۔ انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت سے پہلے اقبالؒ اس انجمن کی کارروائیوں میں حصہ لیتے۔ اس مضمون میں اقبال کی اس انجمن سے وابستگی کے اکثر تفصیلات پیش کئے گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں مختلف واقعات کا بھی ذکر ہے جس سے اقبالؒ کی انجمن سے دلی تعلق اور شیفتگی کا ثبوت ملتا ہے۔

۵۰۔ قاضی اطہر مبارکپوری:

طبقات الحجاج

(البلاغ بمبئی ۵۶ مئی جون ـ ۹-۹ـ ۱۹)

(مسلسل) اس قسط میں امیر اسمٰعیل بن محمد ایوبی، امیر علی بن یوسف شاہ حمص، علی بن عتیق فاسی، علی بن حسن واسطی، عمر بن جامع سلامی دمشقی، عمر بن سالم بدر مغربی، علی بن احمد اندلسی عمر بن عثمان دمشقی، علی بن اسمٰح یعقوبی، علی بن ابوبکر بن محمد کازرونی، علی بن احمد ابن سلعوسی وزیر تنوخی، عمر بن علی بن موسٰی بغدادی، قاسم بن یوسف تجیبی، کامل بن علی ماردینی، محمد بن عبداللہ تکروری مدنی، محمد بن احمد تلمسانی، محمد بن احمد ابو عبداللہ بن مرزوق تلمسانی، محمد بن احمد حرانی دمشقی، محمد بن احمد قیسی، لقی، محمد بن احمد بن عبداللطیف دمشقی، محمد بن محمد بن عمر دمشقی اور محمد بن حسین تکریتی مصری جیسے ۲۲ بزرگ حاجیوں کا مختصر تذکرہ درج ہے۔

(۲)

زمانۂ قدیم میں جبکہ مسلمانوں کو حج کی ادائیگی کے لئے طرح طرح کی مصیبتیں اور تکالیف اٹھانی پڑتی تھیں لیکن ان کا جذبۂ ایمان اس درجہ محکم تھا کہ وہ ہر مصیبت کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے اس نعمت سے مشرف ہوتے لیکن آج جبکہ سفر کی اس دیرینہ

سہولتیں مہیا ہوگئی ہیں کتنے ہی ایسے ہیں جو اس نعمت باری تعالیٰ سے محروم ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اُن جرجانی حجاج رحمۃ اللہ علیہم کے حالات درج ہیں جن کے حج و زیارت کا تذکرہ امام حافظ الحدیث ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم جرجانی متوفی ۴۲۷ھ نے اپنی کتاب "تاریخ جرجان" میں کیا ہے۔

۵۱۔ قدوائی۔ محمد آصف ڈاکٹر:

سرور کائنات ﷺ

(الفرقان لکھنؤ ۵۶، اپریل ۱۹ — ۲۸)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع و ہمہ گیر شخصیت آپ کی تعلیم۔ اور آپ کے عمل میں جو مناسبت تھی ان کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ کائنات کی رہنمائی اور سروری کے تمام صفات آپ میں موجود تھے۔

۵۲۔ قدوائی محمد آصف ڈاکٹر:

کامیاب ترین پیغمبر

(الفرقان لکھنؤ ۵۶ مئی و جون ۲۷ — ۴۲)

عرب جیسی جاہل، بے مایہ اور صحرانورد قوم کیوں یکایک دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئی؟ اس کی وجہ محض اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ بعثتِ نبوی صلعم اسی قوم میں ہوئی اور اس بے مثال اور محیر العقول عروج کا سرچشمہ آقائے نامدار آنحضرت صلعم کی دل کش و دلنواز شخصیت تھی جس کی شخصی کشش، اور اصولوں کی ہمہ گیر صداقت نے ہر گوشہ اور ہر طبقہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

۵۳۔ کوہلی ایس ایم۔ ایس:

پنجابی کا ٹیگور — بھائی ویر سنگھ

(آج کل دہلی ۵۶ مارچ ۴۰ — ۴۳)

بھائی ویر سنگھ ۵ دسمبر ۱۸۷۲ء میں بمقام امرت سر پیدا ہوئے۔ اونچا خاندان، ادبی جیون اور روحانیت کا رجحان ورثے میں ملا۔ ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے پائی، ۱۸۹۱ء میں میٹرک کیا۔ آزاد طبیعت واقع ہوئے تھے چنانچہ ۱۸۹۸ء میں سردار ویر سنگھ کے ساتھ وزیر ہند لیتھو پریس کھولا جو امرت سر میں پنجابی کا سب سے پرانا چھاپخانہ ہے۔ آگے آپ کی سکھ مذہب کی خدمات گنائی ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں پنجاب یونی ورسٹی نے ڈاکٹر آف اورینٹل لرننگ کی آنریری ڈگری پیش کی۔ بھائی ویر سنگھ پنجابی کے شکسپیر اور ٹیگور ہیں۔ ان کی شاعری میں کلاسکی عنصر پایا جاتا ہے۔ روحانی تقدس اور مذہبی روایات ان کی شاعری میں رچی ہوئی ہیں۔

۵۴۔ مالک رام:

نواب شمس الدین احمد خاں

(آج کل دہلی ۵۶ فروری ۱۰ — ۱۴)

نواب شمس الدین احمد خاں والیٔ فیروز پور جھرکہ کے دادا وسط ایشیا سے ہندستان آئے تھے۔ اور یہ ریاست انگریزوں اور الور کی خدمات کے سلسلے میں ان کے والد کو ملی تھی۔ نواب شمس الدین ایک داشتہ کے پیٹ سے تھے، اسی لئے ایک متماثل صورت کے تحت مثال کے طور پر ان کے والد نے انھیں ایک معاہدہ کے ذریعہ فیروز پور جھرکہ کی گدی پر بٹھایا اور لوہارو کا علاقہ منکوحہ بیوی کی اولاد کو دیا۔ اگر اپنے والد کے انتقال پر نواب شمس الدین نے اس پر عمل نہیں کیا اور سرکار انگریزی سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا۔ لیکن سر ولیم فریزر نے فیصلہ ان کے خلاف کروایا۔ اس فیصلہ کے خلاف مقدمہ میں نواب ہار گئے۔ اور غم و غصہ کے سبب فریزر کو قتل کروا دیا۔

۵۵۔ مجیب اللہ حافظ:

کیا امام اوزاعی سندھی تھے۔؟

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ مئی ۳۴۲ — ۳۵۸)

امام اوزاعی کے وطن کے بارے میں تذکرہ نگاروں میں اختلاف ہے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے ان کا وطن نواح دمشق قرار دیا ہے لیکن ابو زرعہ نے ان کو سندھی بتایا ہے۔ زیر نظر مضمون میں مختلف تیرہ متقدم و متاخر تذکرہ نگاروں کی رائیں نقل کی گئی ہیں اور ان کے وطن کے بارے میں مفید معلومات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

۵۶۔ محمد شفیع:

الشیخ الکبیر شیخ الاسلام بہاء الدین ابو محمد زکریا الملتانی القرشی الاسدیؒ

(ضمیمہ اورنٹیل کالج میگزین ۵۵ مئی اگست نمبر ا۔ ۴۶)

حضرت زکریا ملتانی کے حالات وغیرہ تلاش و تحقیق کے بعد صراحت سے لکھے ہیں۔

۵۷۔ محمد منظور نعمانی:

مسلمانوں کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ

(الفرقان لکھنؤ مئی جون ۵۶ ۴ ۵۳ ۔ ۶۰)

لکھنؤ کے ایک خاص تبلیغی اجتماع میں ۸ فروری ۱۹۵۶ء کو کی گئی تقریر جس میں مصنف نے حضور اکرم کو ایک اکمل ترین انسان کے روپ میں پیش کرتے ہوئے دعوت حق کی تلقین کی ہے۔

۵۸۔ مصلح الدین احمد اسیر:

لسان الحق شاہ تراب ؒ کاکوروی

(آج کل دہلی ۵۶ جون ۲۹ ۔ ۳۵)

بارھویں صدی ہجری کے ایک باکمال صاحب باطن بزرگ اور بلند مرتبہ شاعر حضرت تراب علی تراب ؒ کاکوروی کی زندگی اور شاعری پر سیر حاصل تبصرہ

۵۹۔ نذیر احمد ڈاکٹر:

عہد جہانگیری کا ایک اہم مصنف و شاعر

یعنی

تقی اوحدی اصفہانی صاحب عرفات العاشقین

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ جنوری ۴۴ ۔ ۴۹)

تقی اوحدی دسویں اور گیارھویں صدی کا ایک اہم مصنف ہے، جس نے فارسی نظم و نثر میں اپنے کمال کی بہت سی یادگاریں چھوڑیں، مگر بدقسمتی سے اس کی ساری تصنیفات دستبرد زمانہ کی نذر ہو گئیں، صرف ایک تذکرہ عرفات العاشقین باقی رہ گیا ہے۔ یہ تذکرہ اتنا اہم ہے کہ اسے فارسی ادب میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے اور محض اسی کتاب کی بدولت تقی کا نام روشن رہے گا۔ اس تذکرہ کی اہمیت کے پیش نظر مصنف کے حالات و واقعات کو خود تذکرہ اور دوسرے اہم ماخذات سے لے کر یکجا کر دیا گیا ہے۔ آخر میں تیرہ ہم عصروں کا تذکرہ ہے۔

(باقی)

۶۰۔ نعیم صدیقی۔

محسن انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم)

مخالفتوں کے طوفان سے گزرتے ہوئے

مدنی دور

(ترجمان القرآن، لاہور ۵۶ مارچ، اپریل، مئی ۵۔۳۹، جون ۴۴۔۱۴، ۵۳۔۴)

حضرت محمد صلعم کے اس دور کے واقعات پیش کئے گئے ہیں جبکہ آپ مکہ کو خیرباد کہہ کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے، اور آنے کے بعد آپ نے جو تعمیری اقدامات کیے ان کی تفصیل۔

(۲)

رسول اللہ صلعم کے مدینہ میں پہنچنے کے بعد یہودیوں نے اسلام کی عداوت و دشمنی میں جو کچھ اور جیسے جیسے کیا اس کا بیان۔

(۳)

یہودیوں کی اسلام و رسول اللہ سے متعلق ذہنیت، ان کے مناظرانہ سوالات، معقول و مسکت جواب کے بعد بھی طغیان و کفر

۶۱۔ وفا راشدی:

قاضی نذر الاسلام

(ماہ نو کراچی ۵۶ مئی، ۷ ۔ ۱۰ و ۵۶)

بنگال کی مردم خیز سرزمین نے ایسی شخصیتوں کو بھی جنم دیا جن کی بدولت بنگالی زبان زندہ ادب کی حامل بن گئی۔ بنگال کی ان مایہ ناز شخصیتوں میں قاضی نذر الاسلام ایک نہایت بلند مقام کے مالک ہیں۔ زیر نظر مضمون میں بنگال کی اسی ممتاز شخصیت کی زندگی و شاعری کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔

۶۲۔ ہاشمی فرید آبادی سید:

سیف الدولہ محمد ابن ابراہیم

(ثقافت لاہور ۵۶، اپریل ۴۹ — ۶۷)

آج بھی بہت سی ایسی شخصیتیں پردۂ اخفا میں چھپی ہوئی ہیں اور زمانہ نے ناموافق حالات کی گردیں ایسی ہستیاں بھی پس پشت ڈال دی ہیں کہ جو کسی زمانے میں کئی اعتبارات سے شہرت و عزت کی حامل تھیں۔ ان ہی میں سیف الدولہ محمد ابن ابراہیم بھی ہے جو لاہور کے نائب السلطنت سیف الدولہ محمود کی اولاد میں سے ہے۔ زیر نظر مضمون میں اس کی شخصیت عظمت و شوکت کو تاریخی حقائق کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔

تاریخ و سیاسیات

۶۳۔ اسرار احمد سیوہاروی:

نیرنگ تاریخ

(چراغ راہ کراچی ۵۶ جون ۴۱ — ۴۸)

علم تاریخ کی ابتدا، اس کی تاریخ اور اس میں متعدد قوموں نے جو حقیقی اور صحیح تاریخی واقعات اپنی قومی عزت و عصبیت کو قائم رکھتے ہوئے توڑ مروڑ کر پیش کئے ان کے متعدد ثبوت و اقتباسات۔ اس کے بعد آخر میں لکھا ہے کہ تاریخ اظہار حقیقت اور واقعات کا نام ہے نہ کہ رائے زنی اور قیاس آرائی کا۔

۶۴۔ خالد کمال مبارک پوری:

سلطان محمود ابن سبکتگین

(البلاغ بمبئی ۵۶ مئی ۳۶ — ۴۳)

سلطان محمود غزنوی کو ایک پکے مسلمان کے روپ میں دکھایا ہے۔

۶۵۔ خلیفہ عبدالحکیم ڈاکٹر:

اسلام کا تصور مملکت

(ثقافت لاہور ۵۶، اپریل ۵ — ۲۰)

بہت فلسفیوں اور مذہبی مثالیت پسندوں نے ایک مثالی مملکت کے خاکے ہمارے سامنے پیش کئے ہیں لیکن ان کی یہ مساعی صرف تخیل کی پیداوار ہیں جس کو عملی جامہ پہنانا خود ان کے پیش کرنے والوں کے لئے ایک مشکل کام ہے۔ اس طرح کی خیالی سیر ایک خوش گوار ذہنی ورزش سے زیادہ اہم نہیں۔ افلاطون سے لے کر ایچ۔ جی۔ ویلز نے مملکت کے مختلف تصورات کو پیش کیا ہے لیکن وہ کس حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب رہے ہیں یہ خود ایک بحث طلب مسئلہ ہے۔ اس کے برخلاف اسلام کے نزدیک مملکت کا تصور روحانیت کا ایک جزو ہے۔ اسلام میں روحانیت دو پہلو کی حامل ہے۔ ایک طرف تو یہ انسان کا اپنے معبود سے شخصی ربط و تعلق ہے اور دوسری طرف انسانیت اور معاشرہ کے ساتھ یہ اجتماعی حقوق و فرائض کو بھی ظاہر کرتی ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام شاذ و نادر ہی فرد کے ساتھ بحیثیت فرد کے بحث کرتا ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان ایک معاشری اور سیاسی وجود ہے زیر نظر مضمون منطقی دلائل کے ساتھ اچھا مواد فراہم کرتا ہے۔

۶۶۔ ڈار بشیر احمد:

نظام شوریٰ کی اجمالی تاریخ

(ثقافت لاہور ۵۶ جنوری ۴۴ — ۵۳)

عربوں کی جمہوری روایات کے باعث اسلام سے پہلے عربوں میں مجلس شوریٰ کا وجود تھا جو اسلام کے بعد ایک دستوری شکل میں منتقل ہوگیا۔ رسول اکرمؐ اور پھر خلفائے راشدینؓ نے اس طریقۂ جمہوری کو بہر صورت جاری و قائم رکھا۔ بنو امیہ کے دور میں عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ تک اس کا وجود نہیں تھا۔

۶۷۔ ڈار بشیر احمد:

تحریک سرسید اپنے تاریخی پس منظر میں

(ثقافت لاہور ۵۶، اپریل ۵۴ — ۶۰)

سرسید کی تحریک نے مسلمانوں کی تہذیبی زندگی

دوران کے ذہنی شعور میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ لیکن یہ مسئلہ آج بھی مابہ النزاع ہے کہ اس کا عمل اور ردِ عمل ہمارے لئے کس حد تک مفید ثابت ہوا۔ معترضین میں اکثر سرسید کے سیاسی اور مذہبی رجحان پر اعتراض کرتے ہیں۔ اس مضمون میں سرسید کی مختلف تحریکات کی تائید خود ان کی تصانیف اور عمل کی روشنی میں کی گئی ہے کہ ان کی شخصیت دورِ جدید کے مسلمانوں کی ذہنی اور مذہبی تاریخ میں ایک بلند رتبہ کی مستحق ہے۔

۶۸۔ رادھا کمرجی:

ہندوستان اور ایران کے قدیم تعلقات

(ہندوستانی ادب حیدرآباد (دکن) ۵۶ جون ۹۔۱۰)

ہندوستانیوں اور ایرانیوں کی زبان، رسم و رواج طور طریق، اور مذہبی یگانگت کا ایک سرسری خاکہ۔

۶۹۔ رحیم محمد دہلوی:

تزکِ بابری

(۷)

(برہان دہلی ۵۶، اپریل ۲۱۹۔۲۲۸)

۹۰۲ھ کے حالات، خاص خاص واقعات "سمرقند پر سلطان علی کا حملہ" "میں پھر سمرقند کی طرف چلا" "شیراز کی فتح"، "مغلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا"، "چہرے پر تلوار کا زخم"، "ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ ۹۰۳ھ" "سمرقند کو روانگی"، "دشمن کا حملہ اور شکست" "بائسنغر کا فرار" "باپ بیٹے میں فوج کشی"، "ابوالحسن کا حملہ"، "دشمن کا قتل عام"، "عیش و نشاط کا نتیجہ" وغیرہ۔

۷۰۔ رزاقی شاہد حسین:

سیاسی نظریہ سازی پر تحریک اصلاح کا اثر

(ثقافت لاہور ۵۶ جون ۶۱۔۶۵)

پوپ اور شہنشاہ کی جنگ اقتدار کے دوران مختلف اصلاحی تحریکیں سامنے آئیں انھوں نے پوپ اور شہنشاہ دونوں پر پابندیاں عائد کیں اور نتیجہ میں جمہوری افکار کو ترقی دی۔

۷۱۔ سالک عبدالمجید:

سلاطین ہند کی حیثیت

(ثقافت لاہور ۵۶ جنوری ۴۱۔۴۶)

سلاطین ہند مسلمان تھے اور شرع کے پابند۔ ان میں کے آزاد خیال بادشاہ بھی شرع کے حامی تھے۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین کے اطاعت بردار تھے۔ یہ "ناصر امیر المومنین" خطاب رکھتے تھے۔ خلافت عباسیہ کے خاتمہ کے بعد بھی اپنے کو اسی سے وابستہ رکھے ہوئے تھے۔ بعد میں ایک آدھ نے خود خلیفہ بننے کی کوشش کی۔ مگر یہ روش مقبول نہ ہوئی۔ شاہانِ مغل نے خلافت سے اس خیالی توسل کا ناتہ توڑ دیا تھا۔

۷۲۔ سندر لال پنڈت:

ناگا قوم اور بھارت

(نیا ہند الہ آباد ۵۶ جون ۳۲۵۔۳۲۴)

ناگا قوم ایک بہت پرانی قوم ہے جو آس پاس کی تہذیب کو پورے طور پر انگیز نہیں کر پائی ہے۔ ان کے اپنے ریت رواج ہیں، اپنی بولی ہے، اپنا پہناوا ہے، اپنے پرانے ڈھنگ کے دھارمک وچار ہیں۔ ان میں آزادی کی لگن بہت ہے۔ وہ راج کاری کا اپنا خاص طریقہ رکھتے ہیں۔ بھارت کی آزادی سے پہلے بھی وہ آزادی چاہتے تھے۔ بعد میں بھی اسی کوشش میں رہے اور ہند سرکار سے سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر بعض سرکاری افسروں کی ناسمجھی کے سبب غلط فہمی پیدا ہوئی اور اب ہند کی حکومت سے جھگڑا ہو رہا ہے۔

۷۳۔ ص، ع:

ہندوستان کے مغل بادشاہوں کا نظام عدل

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ جنوری ۶۰۔۷۱)

ڈاکٹر پی، سرن ایم۔ اے، پی ایچ، ڈی (ہندو یونیورسٹی بنارس) نے اپنی کتاب مغلوں کی صوبائی حکومت میں ایک باب "قانون، عدل، پولیس اور جیل" کے عنوان سے بھی لکھا ہے۔

اسی باب کے کچھ اقتباسات یہاں درج ہیں۔
(باقی)

۴ ۷۔ عبدالرشید خواجہ:

کتبۂ مارگلہ

(برہان دہلی ۵۶، اپریل ۲۰۹-۲۱۸)

راولپنڈی سے ٹیکسلا جاتے ہوئے سولہ میل کے فاصلہ پر دو پہاڑوں کے درمیان ایک درہ ہے جس کو زمانہ قدیم سے مارگلہ کہا جاتا ہے یہ جگہ گرانڈ ٹرنک روڈ کی اصلی ساخت نکلسن کی یادگار کے عقب میں واقع ہے سڑک کے اس حصہ کے وسط میں جہاں یہ بلندی پر سے دائیں جانب سڑک سے کوئی پندرہ فٹ اوپر ایک چٹان میں ایک کتبہ فارسی زبان میں لگا ہوا ہے۔ اس کتبہ کو حل کرنے کی کوشش بلوخمین (۱۸۷۱ء) ریہاٹسک ۱۸۷۴ء، اور یزدانی نے ۱۹۳۳ء میں کی اور انھوں نے اپنے نتائج پیش کئے مضمون نگار نے اس کتبہ کا فوٹو لے کر اور متعدد تاریخی شواہد سے اپنے حل کا نتیجہ پیش کیا ہے جو ان سب سے مختلف ہے۔

۵ ۷۔ قاضی اطہر مبارک پوری:

مسلمانوں کے بحری کارنامے

جہاز رانی ۔ جہاز سازی اور بحری انتظامات

(البلاغ بمبئی ۵۶ جون ۳۳-۴۲)

زمانۂ ماقبلِ اسلام سے عرب تاجر بحری راستوں سے تجارت کی غرض سے دور دراز کے مقامات کا سفر کرتے تھے۔ زیر نظر مضمون میں "کتاب البلدان یعقوبی" جو چوتھی صدی ہجری کی تصنیف ہے اس سے ماخوذ عرب تاجروں، سیاحوں اور حکمرانوں کے اُن کارناموں کی صراحت کی گئی ہے جس میں ان کے تعلقات بحری راستوں سے دور دور کے مقامات سے قائم تھے۔ اس کے علاوہ مشرق وسطی کی بہت سی قدیم بندرگاہوں کا ذکر بھی جگہ جگہ

۶ ۷۔ مبارزالدین رفعت:

اورنگ آباد کی پن چکی
اور
اس کی تاریخ

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ جون ۴۴۲-۴۵۴)

حیدرآباد دکن اپنی تاریخی اہمیت کی وجہ سے گوناگوں دلچسپیوں کا مرکز ہے۔ اس کے مختلف اضلاع اپنی تاریخی اور ثقافتی اہمیت کے اعتبار سے اپنی ایک روایاتی تاریخ کے حامل ہیں۔ ان اضلاع میں اورنگ آباد کی بڑی اہمیت ہے۔ یہاں کی مختلف عمارتیں اور منادر اپنی گزشتہ عظمتوں کے یادگار ہیں۔ ان میں پن چکی بھی ایک ہے۔ زیر نظر مضمون میں پن چکی اور اورنگ آباد کے بارے میں تاریخی واقعات کی روشنی میں مفید معلومات فراہم کئے گئے ہیں۔ (باقی)

۷ ۷۔ محمد مظہرالدین صدیقی:

اسلامی تہذیب کا ارتقاد

(ثقافت لاہور ۵۶، اپریل ۲۱-۳۰)

مذہب اسلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ بادیہ نشینوں کا مذہب اور صحرائی ماحول کی پیداوار ہے لیکن آج دنیا نے تسلیم کرلیا ہے کہ یہ سب تصورات خیالی ہیں اور اسلام شخصی عقائد کا نام نہیں بلکہ ایک جامع دین ہے جس میں ایک امت، حکومت اور ضابطۂ حیات کا تصور مضمر ہے۔ زیر نظر مضمون میں ابتدائی اسلامی فتوحات کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے اسلامی تہذیب کے ارتقاد پر مفصل بحث ہے۔

۸ ۷۔ ندوی رشید اختر:

عباسیوں کے عہد میں تجارتی ترقی

(ثقافت لاہور ۵۶ جون ۳۲-۴۵)

عباسیوں کے زمانے میں بری و بحری تجارت کی کیفیت و ترقی کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

۷۹۔ ہاشمی سید فرید آبادی:

قدیم لاہور

(ثقافت لاہور ۵۷ جون ۵۴ — ۶۰)

نویں صدی عیسوی کے اواخر میں لاہور ایک ریاست کا نام ملتا ہے جو مختلف حکومتوں اور زمانوں کے ہاتھ مٹتی رہی اور بہت بعد لاہور محض ایک شہر کے نام کے طور پر محفوظ رہ گیا۔

تنقید ، ادب ، لسانیات

۸۰۔ ا۔ا۔:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یا ایک عوامی بغاوت

(ہندستانی ادب حیدرآباد (دکن) ۵۷ مئی ۱۹—۲۱)

حال ہی میں پٹنہ میں منعقدہ ہسٹاریکل ریکارڈز کمیشن کے تیسویں اجلاس میں ممتاز مورخوں نے جو مقالے پڑھے تھے ان میں ہندوستان کے طرز زندگی اور تاریخ کے متعلق جدا ایسے دلچسپ حقایق پر روشنی ڈالی گئی ہے جن پر اب تک لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ جاتا شکر جھا نے بتایا ہے کہ جنگ آزادی پہلے عوامی بغاوت کے روپ میں ظاہر ہوئی تھی۔ اسی موضوع سے متعلق ہندوستان کے دوسرے حصوں کی کارگزاری پر اور بھی مقالے پڑھے گئے تھے۔ چند دوسرے مقالوں میں خارجی تعلقات اور شیعوں کی مذہبی حقوق کے تحفظ کی تحریک سے متعلق مواد ملتا ہے۔

۸۱۔ آرزو مختار الدین احمد:

مانچسٹر میں اردو کے کچھ قدیم رقعات

(آج کل دہلی ۵۷ مارچ ۱۳—۱۶)

جون ریلنڈ لائبریری مانچسٹر، انگلستان کی مشہور پبلک لائبریری ہے جو عربی و فارسی مخطوطات کی وجہ سے خاص شہرت رکھتی ہے۔ مقالہ نگار کو اس میں کچھ قلمی کتابیں دیکھنے کا اتفاق ہوا جو عام طور پر نامعلوم ہیں۔ ان میں سے صرف مجموعوں نمبر ۲۳، ۱۴۴ کا ذکر ہے جو رقعات پر مبنی ہیں ان کا زمانہ تحریر ۱۸۴۸ء اور اس کے آس پاس ہے ان کی اہمیت ادبی نہیں مگر لسانیاتی ضرور ہے۔ دو خطوں کی تصویریں ص ۱۴ کے بعد درج ہیں۔

۸۲۔ آغا شاہین:

جدید سندھی افسانہ

(ماہ نو کراچی ۵۷ جون ۱۹— ۲۱— ۵۶)

تقسیم کے بعد جہاں اور جو کچھ تقسیم ہوا میں سندھی ادب بھی بٹ گیا۔ اس زبردست انقلاب کے بعد سندھی ادب کو بننے میں ذرا دیر لگی تاہم شیخ ایاز، ع۔ق شیخ، شیخ راز، جمال ابڑو، رشید بھٹی، شیخ حفیظ، نذیر یوسف زئی، محمد عثمان ڈیپلائی، غلام ربانی سندھی، الطاف قادری، ایاز قادری اور سراج الدین بسمل وغیرہ جیسے جوان سال اور جوان فکر افسانہ نویسوں نے اپنی کوششیں جاری رکھیں تو وہ دن دور نہیں جب سندھی افسانے بھی ان نئے موڑوں سے گذر کر ایک بلند مقام پر پہنچ جائیں گے۔

۸۳۔ آل احمد سرور:

میر و سودا

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۷ جنوری فروری ۹—۱۶)

مختلف تذکروں اور میر و سودا کے کلیات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ میر اور سودا کی معرکہ آرائی شروع میں تو حد ادب میں رہی مگر آخر میں بے ادبی تک پہنچ گئی۔ دلی میں جو ایسی چشمک تھی وہ لکھنؤ کی فضا میں ہجو گوئی میں تبدیل ہو گئی۔

۸۴۔ ابن فرید:

منٹو کا فن شخصیت کے آئینہ میں

(۲)

(چراغ راہ، کراچی ۵۷ اپریل ۱۱—۱۶)

منٹو نے صرف گالیاں ہی اپنے افسانوں میں نہیں بکی

کی ہیں۔ دوسری کمزوریاں بھی نمایاں ہیں، اور اس کمزوری نے مثلاً شراب پی کر زندگی سے فرار جنس، اور دوسرے سطحی اور وقتی ہیجان انگیز افسانے لکھ کر اپنے فن کی سطحیت کو چھپانا چاہا۔ منٹو کے افسانوں کے چند اقتباسات کے علاوہ منٹو پر لکھے ہوئے مضامین کے مختلف اقتباسات بھی پیش کرتے ہوئے آخر میں کہا ہے کہ منٹو کی فکری، عملی، اور ذہنی پراگندگی نے اسے ٹھہراؤ اور استقلال سے محروم ہی رکھا، اس کے ادب کا اکثر حصہ جذباتی اور ہیجان انگیز ہو کر رہ گیا۔

۸۵۔ ابوالحسن علی ندوی:

مکاتیب دمشق

(الفرقان لکھنؤ مئی و جون ۵۶ء ۸۳-۹۱)

دمشق سے مدیر الفرقان کے نام لکھے گئے دو خطوط۔ جن میں ملک شام کے ماہِ صیام کی تفصیل خصوصیت سے پیش کی گئی ہے۔

۸۶۔ اثر لکھنوی:

"حرفِ تمنا" پر ایک سرسری نظر

(آج کل دہلی ۵۶ء مارچ ۲۲-۲۴)

"نقدِ اقبال" کے قابل مصنف میکش اکبرآبادی کا یہ دوسرا مجموعۂ کلام ہے۔ اس میں پہلے مجموعہ "میکدہ" کا انتخاب بھی درج ہے۔ مقالہ ہذا میں غزلوں پر تبصرہ ہے۔ میکش اکبرآبادی کو زبان و بیان پر غضب کی قدرت حاصل ہے جیسا کہ ان کی غزلوں کے منتخبہ اشعار سے معلوم ہوتا ہے۔ تاہم بعض جگہ زبان کے سلسلہ میں "اجتہاد" سے کام لیا ہے جو مناسب نہیں ہے۔

۸۷۔ احتشام حسین:

ذوق و غالب

(فروغِ اردو لکھنؤ ۵۶ء جنوری فروری ۳۷)

ادب کے طالبِ علم سے ذوق و غالب کی چشمکوں کا حال پوشیدہ نہیں ہے۔ تاہم متعدد صورتیں ایسی نظر آتی ہیں جن کی بناء پر یہ گمان بھی نہیں ہوتا کہ آپس میں چشمک رہی ہوگی۔ لیکن جب دونوں ہم عصروں کے کلام کا غائر مطالعہ کیا جاتا ہے تو ایسے اشارے ضرور نظر آجاتے ہیں جن کے نفسیاتی پس منظر میں اس چشمک کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

۸۸۔ ادارہ:

ایک گمنام شاعر۔ حبیب کیفوی

(چراغِ راہ کراچی ۵۶ء جون ۶۶-۶۹)

مختصر تعارف کے بعد شاعری پر اظہارِ رائے کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاعر ایک دلِ درد مند رکھتا ہے جو شاعری کا بنیادی سرمایہ ہے۔ دوسری فنی پختگی زبان کی سادگی اور صفائی ہے۔ تیسری چیز سنجیدگیِ فکر اور پاکیزگیِ خیال اور روحِ اسلامیت ہے۔ آخر میں متعدد غزلیں اور غزلوں کا انتخاب ہے۔

۸۹۔ ادارہ:

قدیم تذکرے

(نگار لکھنؤ ۵۶ء جون ۱۳-۱۶)

تذکرہ نگاری کے تدریجی ارتقاء کے ساتھ مختلف تذکرہ نگاروں نے جو تذکرے مدون کئے ہیں ان کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔ اور اس سلسلے کی آخری کڑی محمد حسین آزاد کی "آبحیات" کو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تذکرہ کسی بھی اعتبار سے مکمل نہیں کہا جا سکتا۔

۹۰۔ ادبی سراغرساں:

چہ دلاور است .....
مولانا خلیقی اور مولانا ابوالکلام)

(مہر نیمروز کراچی ۵۶ء مئی ۶۳-۶۹)

(۴)

ادبی سرقہ بہت بڑا اخلاقی جرم ہے لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ بعض نامی گرامی شخصیتیں بھی اس جرم کی مرتکب نظر آتی ہیں۔ ان میں مولانا خلیقی بھی ہیں جنھوں نے بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مولانا ابوالکلام کی تحریر کو تھوڑے بہت الفاظ کے رد و بدل اور دروبست کی تبدیلی کے ساتھ اپنی تحریر بتلایا ہے۔ یہاں رسالۂ نظام المشائخ رسول نمبر ۱۳۳۲ھ

جلد ۱۱ نمبر ۳ و ۴ بابت ماہ ربیع الاول و ربیع الثانی صفحہ ۳۶ تا ۴۴ کی عبارت جس کو علیقی نے اپنے نامِ نامی سے منسوب کیا ہے اس عبارت کا الہلال جلد ۳، نمبر ۲۰ بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ صفحہ ۵ تا ۱۱ کا موازنہ کیا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علیقی نے کتنی بےجا عبارت کو کام میں لاتے ہوئے "ادبی سرقہ" کیا ہے۔

۹۱۔ ادبی سراغ رساں:

چہ دلاورست .....

نیاز فتح پوری — ۵ — ہیولاک ایلیس

(مہرنیموز کراچی ۵۶ جون ۶۴ – ۷۰)

نیاز فتحپوری کی مشہور و مقبول کتاب ترغیبات جنسی کے بارے میں فیصلہ کہ یہ کتاب نیاز صاحب کی تصنیف نہیں ہے بلکہ ہیولاک ایلیس کی کتاب "مطالعہ نفسیات جنس" کا ترجمہ و تلخیص ہے اور ثبوت میں متعدد حوالے اور دونوں کتابوں سے ایک ہی مضمون کی عبارتیں نقل کی ہیں۔

۹۲۔ ادیب:

علامہ سید سلیمان ندوی کے اسلوب بیان پر ایک نظر

(نقوش سلیمانی کی روشنی میں)

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ اپریل ۲۴۵ – ۲۵۸)

نقوش سلیمانی کے مختلف موضوعوں پر لکھے ہوئے مضامین کی روشنی میں مثالیں دے کر وضاحت کی ہے کہ سید صاحب کا اسلوب بیان ہر موضوع پر ایک خاص شان رکھتا ہے۔ جو اصول فن کے اعتبار سے اس کے لئے موزوں چست اور متعین ہوتا ہے۔ انھیں اعتبار سے سید صاحب کے مختلف مضامین سے اقتباسات پیش کر کے وضاحت کی ہے۔

۹۳۔ افتخار حسین شاہ سید:

اسلوب

(اورینٹل کالج میگزین ۵۶ مئی ۸۵ – ۱۱۸)

نظم کے مقابلہ میں نثر کے لئے ایک مخصوص اسلوب لازمی ہے۔ اس کی تعمیر میں ماحول اور شخصی خصوصیات کے ساتھ ساتھ لفظ و معنی کا استعمال کارفرما ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریزی، فرانسیسی، عربی، فارسی اور اردو ادبیات کے مطالعہ سے ہم اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔

۹۴۔ بوزانی، الیساندرو:

ملخص و مترجم۔ ابن انشا۔

شاعر مشرق

(ماہ نو، کراچی ۵۶، اپریل ۲۳ – ۲۶)

اطالوی مفکر بوزانی نے اقبال کے جاوید نامہ کا منظوم ترجمہ اطالوی زبان میں کیا ہے۔ اور اس پر ایک عالمانہ مقدمہ لکھا ہے یہ اسی مقدمہ کے خاص خاص حصوں کا خلاصہ ہے، جس میں اس نے اقبال کے فن انکی شاعری اور ان کے فلسفہ سے بحث کی ہے۔

۹۵۔ ثروت یاسمین:

زندگی کی تعمیر نو میں ادب کا کردار

(ساقی کراچی ۵۶ مئی ۳۱ – ۳۵)

ہمارا ادب زندگی سے ہم آہنگ رہا ہے اور آج بھی اس کی تعمیر نو میں لگا ہوا ہے۔ چنانچہ ہمارا ادب رنگ نسل، وطنیت، قومیت کے جذبات کی مخالفت اخوت اور مساوات سے کر رہا ہے اور ان تمام عناصر کے خلاف جہاد کرتا ہے جو زندگی کو قید و بند میں جکڑتے ہیں۔ اور زندگی کو نئی قدروں کے قریب لانے کی کوشش کر رہا ہے۔

۹۶۔ جوشی شری پاد:

مراٹھی زبان میں خطوط نویسی

(آج کل دہلی ۵۶ جون ۴۳ – ۴۵)

بھارت کی تمام زبانوں میں اُردو کو یہ امتیاز حاصل ہے

کہ اس زبان میں خطوط نویسی کو ایک فن کی حیثیت سے فروغ دیا گیا۔ مراٹھی زبان میں اب تک خطوط کا کوئی ایسا مجموعہ نہیں ملتا جو ادبی اہمیت کا حامل ہو۔ یوں بہت سے ایسے خطوط کے مجموعے موجود ہیں جو افسانے ناول، مضمون اور سفرنامے خطوں کے روپ میں محفوظ ہیں۔ زیر نظر مضمون میں مراٹھی زبان کے مختلف خطوط نویسوں کے مجموعوں اور ان کے اصل سے بحث کرتے ہوئے مضمون نگار نے اس بات پر اہمیت دی ہے کہ اردو کی طرح مراٹھی میں بھی خطوط نویسی کو ادبی اہمیت دی جائے۔

۹۷۔ حامد حسین سید:

آج کے ادب میں غزل کی جگہ

(شاعر بمبئی ۵۶ اپریل ۱۴-۱۸)

غزل آج کے ادب کی، معاشیات کی اصطلاح میں ایک ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ بھی دوسری اصناف کی طرح ایک صنف ہے جو انفرادیت سے زیادہ قریب ہے اور اجتماعیت میں بھی انفرادیت پیدا کر کے سوچا چاہتی ہے

۹۸۔ حسن وارثی:

غزل سرقہ

(مہر نیمروز کراچی ۵۶ مئی، جون ۱۱-۱۲)

(۱)

غزل گوئی ایک مشکل فن ہے اور محنت و کاوش کے بعد اس فن میں کمال پیدا کیا جا سکتا ہے لیکن زمانہ کی ستم ظریفی سمجھئے کہ آج ایک ابجد خواں بھی اچھے غزل گو شاعر ہونے کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں غزل اور اس کے پس منظر کو پیش کرتے ہوئے اس کے فنی محاسن سے بحث کی گئی ہے۔

(۲)

سرقہ کو زیر بحث لانے سے مطلب یہ بھی ہے کہ اس کی وضاحت ہو جائے کہ گلوں کا رویہ ہمہ وقت معاندانہ نہ ہوا کرتا تھا مگر مبصین نے اس سے استحصال نامہ کا

کام لینا ہی اپنا فریضہ قرار دینے میں جو غلطی کی تھی وہ استمراراً منتقل ہوتی ہم تک چلی آتی ہے اس غیر صحت مند صورت حال سے مفر کی ضرورت ہے جس کا ذریعہ نئے عروض کی تسوید ہی ہے، آگے چل کر، فارسی، اردو اور چند عربی کے اونچے شاعروں کے ہم معنی اشعار کی مثالیں دی ہیں اور کہا ہے کہ ان بزرگوں کے ساتھ کیوں نہ نیک نیتی برتی جائے اور یہ مان لیا جائے کہ دونوں کی اپنی اپنی یافت ہمارے لئے ان کی یادگار ہے۔

۹۹۔ خلیل عبد الاحد خاں:

آتش اور ناسخ

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جنوری و فروری ۲۴-۳۵)

آتش و ناسخ کے ادبی معرکوں نے انشا اور مصحفی کے بھونڈے پھبتی یا مصحفی و مصحفن کی ہنگامہ آرائی یا بازاری جنگ کی کبھی شکل اختیار نہیں کی۔ دونوں نے تہذیب و متانت کے دائرہ میں رہ کر لیکن اپنے فطری بانکپن کے اقتضا کے بموجب ایک دوسرے پر اعتراضات کئے۔ جوابات دئے اور اپنے اپنے طرز پر درویشانہ، آزادانہ اور متوکلانہ زندگی گذاری۔

۱۰۰۔ دیویندر اسر:

ادب، مارکس اور مارکسیت

(ادب لطیف لاہور ۵۶ فروری ۷-۱۲)

اس مقالہ میں مارکس کے نظریات کی روشنی میں ادب کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۱۰۱۔ زبیری محمد امین:

سرسید کے قلمی کارنامے

(ماہ نو کراچی ۵۶ مارچ ۷-۱۲)

سرسید کے قلمی کارنامے مع ان کی نوعیت کے گنائے ہیں۔

۱۰۲۔ سلام سندیلوی:

رباعی عرب کی ایجاد ہے یا ایران کی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جنوری فروری ۸۱-۹۲)

رباعی کے بارے میں مولانا سلیمان ندوی کا کہنا ہے کہ

وہ عربی النسل ہے اور پروفیسر محمود شیرانی اسے فارسی نژاد بتاتے ہیں۔ مقالہ نگار نے تجزیہ و تنقید کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پروفیسر شیرانی کے بیان، ان کے دلائل اور مختلف کتب کے حوالوں نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ رباعی ایران زاد ہے اور عرب میں اس کی پیداوار نہیں ہوئی۔

۱۰۳۔ سلیمان ندوی سید:

مکتوبات سلیمانی بنام سید عبدالحکیم صاحب دیسنوی

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ مئی ۳۹۰-۳۹۳)

۱۹ جنوری ۱۹۲۰ء کو شبلی منزل اعظم گڑھ اور ۷ نومبر ۱۹۴۹ء کو مدینہ منورہ سے تحریر کئے گئے دو خطوط جو علامہ سید سلیمان ندوی نے سید عبدالحکیم صاحب دیسنوی کے نام تحریر فرمائے۔

۱۰۴۔ شاہ علی سید:

حالی اور شبلی کا سوانحی دور

(اردو کراچی ۵۶ اپریل ۱۰۳-۱۶۴)

اردو میں سوانح نگاری کے سلسلے میں ہم مغرب کے خوشہ چین ہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ حالی اور شبلی نے سب سے پہلے ان اثرات کو قبول کیا تو غلط نہ ہوگا لیکن پھر بھی یہ سوال رہ جاتا ہے کہ ان دونوں حضرات کی سوانح عمریاں اس اثر کے بعد کس حد تک سوانح نگاری کے معیار پر پوری اترتی ہیں؟ زیر نظر مضمون میں حالی اور شبلی کی تصانیف کا جائزہ لیتے ہوئے ان کی تصانیف کا سوانحی معیار متعین کیا گیا ہے۔

۱۰۵۔ شبلی:

مکاتیب شبلی

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ جنوری ۲۷-۴۸)

اعظم گڑھ کے پرانے وکیل مرزا سلیم مولانا شبلی کے عزیز تھے۔ دونوں میں کبھی کبھی خط و کتابت بھی ہوتی تھی۔ مرزا صاحب کے نام مولانا شبلی کے ایسے چھ خط ادبی و تاریخی یادگار کے طور پر پہلے پہل شائع کئے گئے ہیں۔

۱۰۶۔ شبنم سبحانی:

غزل میں اشاریت

(چراغ راہ، کراچی ۵۶، اپریل ۲۶-۳۴)

ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں ادب اسلامی کے تحت ایک سیمپوزیم میں۔ اس عنوان پر تحریری و تقریری طور سے روشنی ڈالی گئی۔ اشاریت، رمزیت غزل اس کا موضوع ہو غیرہ پر بحث کرتے ہوئے متعدد اشعار مثال کے طور پر پیش کئے گئے ہیں، آخر میں کہا ہے کہ ہمیں اشاروں کو ایک ایسی زندہ حقیقت بنانا ہے اور انھیں ایسے سانچوں میں ڈھال دینا ہے کہ ان میں نعیری آب و تاب پیدا ہو جائے جو زمانہ کے لئے رہبر ثابت ہو۔

۱۰۷۔ شوکت سبزواری:

کیفی کی وصیت

(آج کل دہلی ۵۶ جون ۵-۷)

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی دہلوی اردو دنیا میں اپنے علمی، ادبی اور رسالی کارناموں کی وجہ سے ایک نمایاں مرتبہ کے حامل ہیں۔ اس مختصر سے مضمون میں اردو زبان و ادب سے ان کی پرستارانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ ان کی ان آرزوؤں کا اظہار ہے جس کی تکمیل کیفی اپنی زندگی میں نہیں کر سکے، ان کی یہ آرزو کیا تھی؟ اردو زبان و ادب کی خدمت اور اپنے افکار عالیہ کی اشاعت۔

۱۰۸۔ شیدائی۔ اسد الحق:

حالی غزل گو کی حیثیت سے

(ساقی کراچی ۵۶ جون ۳۳-۳۶)

مضمون میں حالی کو غزل گو کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے ان کی غزل گوئی کے ایک خاص انداز پر بحث کی ہے۔ حالی غزل کے خلاف نہ تھے۔ البتہ اس کی حد سے بڑھی ہوئی رسم پرستی کے خلاف تھے۔ غزل میں وسعت چاہتے تھے۔ مشکل قافیوں کو ناپسند کرتے تھے اور اسے تمام

انسانی تعلقات۔ وہ واردات پر محیط کرنا چاہتے تھے۔ انھیں امور کو پیش نظر رکھ کر انھوں نے غزلیں لکھیں صوری اور معنوی لحاظ سے غزل میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اردو غزل کو انھوں نے سادگی، پر تاثیر بے رنگی اور دھیمی موسیقی دی۔

صالحہ عابد حسین:

شاہ کار سرشار

(ساقی کراچی ۵۶ جون ۹ ۔ ۲۰)

فسانۂ آزاد سرشار پر تفصیلی تنقیدی نظر۔ مضمون میں فسانۂ آزاد کی وجہ تصنیف، اس کے مختلف اور متضاد کرداروں اور کتاب کی ادبی اور افسانوی اہمیت پر بہت دلچسپ انداز میں تبصرہ۔

۱۱۰۔ صدیقی محمد اسحٰق:

لفظوں کی کہانی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جون ۷ ۔ ۳۷)

(مسلسل) اسی قسط میں پپیتا، لیچی، کٹھل، پھوٹ، کھوپرا، پوستہ، خشخاش، اور افیون کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے۔

۱۱۱۔ عابد۔ عبدالکریم:

علامہ شبلی کے کارناموں کا ایک جائزہ

(چراغ راہ کراچی ۵۶ جون ۶۳ ۔ ۶۵)

سیرت النبی، اسلامی تاریخ، فلسفہ و سائنس تعلیمات تصوف اور سیاسیات پر علامہ شبلی نے جو کچھ لکھا اس کا جائزہ۔

۱۱۲۔ عبدالحیٰ خاں سیوراوی:

شعر یا ترنم

(آج کل دہلی ۵۶ جون ۱۵ ۔ ۱۷)

شاعری صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ حسن ترتیب اور بیان و اسلوب کے اعتبار سے موسیقی سے بھی ایک حد تک ہم آہنگ ضرور ہے۔ اردو شاعری میں ردیف، قافیہ، بحر اور وزن کے التزام کے ساتھ یہ تصور اور ابھر جاتا ہے لیکن یہ کہاں تک صحیح ہے کہ شاعری صرف موسیقی بن جائے اسی خیال کے رد عمل نے آزاد شاعری کو رواج دیا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مذاق شاعری اس صنف میں بھی کس حد تک برقرار رہ سکا۔ زیر نظر مضمون میں اُن اردو شعراء پر جو ترنم ہی کو شاعری سمجھتے ہیں یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ اس کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ شاعری صرف مترنم الفاظ کے گنگنانے کا نام نہیں۔ اور آج کل ایسے بہت سے شعرا ہیں ایسے نظر آتے ہیں تو محض اپنے ترنم ہی کے بل بوتے زندہ ہیں اور اچھے شاعر کہلا رہے ہیں۔

۱۱۳۔ عبدالحئی خاں سیوراوی:

عرش کی شاعری

(نگار لکھنؤ ۵۶ جون ۱۷ ۔ ۲۴)

عرش ملسیانی کی پیش نظر شاعری کا عرصہ پچیس برس کا ہے جو ہندوستان کی سیاسی کشمکش کا دور ہے چنانچہ اس کا راست اثر عرش کی شاعری میں نمایاں طور پر ہر جگہ جھلکتا ہے۔ ان کی شاعری قومی اور ملکی احساسات کی ترجمان ہے گویا ان کی شاعری میں اقبال اور جوش دونوں کے رنگ نمایاں ہیں۔ اس مضمون میں عرش کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۱۱۴۔ عبدالقوی دسنوی:

حسرت کی سیاسی زندگی کی چند جھلکیاں

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جون ۱۹ ۔ ۲۱)

ولٹ بل اور مکمل آزادی کی تجویز کے سلسلے میں حسرت کے تاثرات پیش کئے ہیں۔

۱۱۵۔ عبداللطیف اعظمی:

اقبال سہیل کی سیاسی شاعری

(آج کل دہلی ۵۶ مارچ ۱۶ ۔ ۲۰)

اقبال سہیل نے پچھلے سال (۱۹۵۵ء) انتقال کیا۔ ان کی بے پروائی کی وجہ سے ان کا بیشتر کلام ضائع ہوگیا۔

ان میں ان کے استاد شبلی نعمانی کی بہت سی خصوصیات ملتی ہیں۔ سب سے نمایاں اور ممتاز شاعری ہے۔ سہیل کو غزل اور قصیدہ دونوں پر یکساں قدرت تھی۔ اپنی نظموں اور خصوصاً غزل میں زندگی بالخصوص سیاست کو بہ تمام شعریت سمونے میں، اور وہ بھی جوش کے ساتھ، سہیل کو ملکہ حاصل تھا۔ سہیل کی تصویر ص ۴۲ کے بعد درج ہے۔

۱۱۶۔ عبداللہ سید ڈاکٹر:

اقبال اور صوفی خودی سے بیخودی تک

(ماہ نو کراچی ۵۶ء، اپریل ۲۰-۳۱)

علامہ اقبال کے نظریہ خودی پر روشنی ڈالنے سے پہلے صوفیا کے نظریۂ خودی و بیخودی پر بحث کرتے ہوئے اقبال کی خودی اور بیخودی پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور کہا ہے کہ اقبال نے خودی و بیخودی کے مسئلے میں صوفیوں کے نظام فکر سے استفادہ تو کیا ہے مگر انھوں نے اس کو بھی اپنے خاص نظریہ اجتماعیت کے لئے استعمال کیا ہے۔

۱۱۷۔ عبدالماجد دریابادی:

ترانۂ شوق

(فروغ اردو لکھنؤ ۶۰، شوق نمبر، فروری ۹-۱۱۴)

منشی احمد علی شوق قدوائی آسیر کے شاگرد اچھے غزل گو اور مثنوی نگار، اور بلند صحافی تھے، زبان اور رسم کی تحقیق پر عبور رکھتا۔ مثنویوں میں قاسم و زہرہ، عالم خیال اور رنیز رنگ جمال اچھی ہیں مگر ان سے بہتر ترانۂ شوق ہے جس کا تعارف اس مقالہ میں درج ہے۔

۱۱۸۔ عثمان محمد:

نوجوان شاعر اقبال (ایک تجزیہ)

(اقبال لاہور ۵۶ء، اپریل ۵۳-۷۱)

علامہ اقبال کے ابتدائی دور کے کلام کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے فلسفیانہ تفکر، وسیع انسانی ہمدردی، عشق کی برتری، پیامبری، خود نگری کے رجحانات کی روشنی میں ان کے کلام پر ایک سرسری نظر۔

۱۱۹۔ عرشی صاحب:

گوئٹے کا دیوان
مشرق سے عقیدت۔ حافظ سے ارادت

(فیض الاسلام راولپنڈی ۵۶ء، اپریل ۳۷-۴۱)

جرمنی کے شاعر گوئٹے کے دیوان میں مشرقی شاعری اور خصوصاً حافظ کی شاعری کے جو اثرات گوئٹے پر پڑے ہیں ان کا بیان اور ثبوت میں حافظ کے اشعار پیش کئے ہیں۔

۱۲۰۔ عزیز احمد:

ناول

(ماہ نو کراچی ۵۶ء مئی ۱۱-۱۳)

ایک کہانی کو ناول بننے تک مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ وہ مرحلے کیا ہیں؟ زیر نظر مضمون میں سرسری طور پر ان کا جائزہ لیا گیا ہے اس کے علاوہ، ناول کے اجزا کیا ہیں، اس کے ماخذ کیا ہو سکتے ہیں اور اس میں مقصدیت کو کس حد تک دخل ہے، اس سے بھی بحث کی گئی ہے۔

۱۲۱۔ عسکری محمد حسن:

ڈرامہ کا فن

(مہر نیمروز کراچی ۵۶ء، اپریل ۱۸-۲۰)

ڈرامہ کے عناصر ترکیبی کیا ہیں؟ کہانی کا ڈرامہ سے کیا تعلق ہے؟ اور ڈرامہ کی فنی خصوصیات کیا ہیں؟ ان امور پر اس مضمون میں ایک سرسری بحث ہے۔ اور یہ بحث اقتباس ہے ایک تقریر کا جو ریڈیو پاکستان سے نشر کی جا چکی ہے۔

۱۲۲۔ غزنوی حبیب الرحمٰن:

گجراتی زبان و ادب پر عربی فارسی اور اردو کے اثرات

(آج کل دہلی ۵۶ مارچ ۳۰-۳۵)

گجراتی قوم اور زبان کی مختصر تاریخ و تمہید کو قبل مسیح سے بیان کر کے عربوں اور پارسیوں کی آمد پر ختم کیا ہے اور بتایا ہے

کہ ان کے ذریعہ نئے اسما مقامی زبان میں داخل ہوگئے اور اس کا جزو لاینفک بن گئے۔

۱۲۳۔ غلام مصطفےٰ خاں ڈاکٹر:

متین برہانپوری کے اردو مرثئے

(اردو کراچی، ۵۶، اپریل ۱۹۵-۲۱۴)

قدیم اردو شاعری اور خصوصاً اردو مرثیہ کے لئے برہانپور خاص شہرت رکھتا ہے۔ اردو ادب اور شاعری کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ یہاں اکثر باکمال شعرا گذرے ہیں، اُن میں ایک متین برہانپوری بھی ہے۔ ان کا نام میر مہدی تھا۔ اپنے عہد کے اچھے شاعر گنے جاتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ کرتے ہوئے خصوصاً ان کی مرثیہ نگاری کو بہت بلند پایہ قرار دیا گیا ہے۔

۱۲۴۔ فاروقی خواجہ احمد:

غالب کا قیام آگرہ اور تذکرۂ سرور

(آجکل دہلی ۵۶ فروری ۱۵-۲۱)

غالب کے خطوط اور عمدۂ منتخبہ یا اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں سرور کے تذکرہ کی مدد سے غالب کے قیام آگرہ، جس کے متعلق ہماری معلومات محدود ہیں، کے بارے میں اطلاعیں فراہم کی ہیں۔ ۱۸۱۱ء یا ۱۸۱۲ء تک کا قیام زیادہ قرین قیاس ہے تذکرۂ سرور سے اور مزید دوسری مفید معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

۱۲۵۔ فاروقی محمد احسن ڈاکٹر:

کردار نگاری اور عام نقاد

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جون ۷-۱۴)

کردار نگاری اگرچہ وہی چیز ہے جسے انگریزی میں کریکٹرائزیشن کہتے ہیں تو اردو تنقید میں اس کو عموماً بہت غلط سمجھا جا رہا ہے۔ کیونکہ بالعموم مدح سرائی، عکاسی اور تمثیلی مجسموں کو کردار نگاری کہا جاتا ہے جو بالکل غلط ہے۔ علاوہ بریں کامیاب و ناکامیاب کردار کے فرق کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا یا پھر ایک جز یا جملہ کو تمام کردار سمجھ لیا جاتا ہے۔ ایک طریقہ جانبداری کا یہ بھی ہے۔

۱۲۶۔ کلیم الدین احمد:

تنقید کیا ہے ــ؟

(ہر نیمروز کراچی ۵۶، اپریل ۸-۱۳)

تنقید ہماری زندگی کے لئے اتنی ہی ناگزیر ہے جتنی سانس اس کی نشوونما فطری طور پر ہر انسان میں ہوتی رہتی ہے۔ تنقید ہماری معین و مددگار رہے، ہمیں اپنی منزل کا صحیح رستہ دکھاتی ہے اور ہمارے ہر قدم کو لغزش سے بچاتی ہے غرض تنقید میں ایک ایسی ہمہ گیری ہے کہ اس کے بغیر انسان کی زندگی اور اس کی شخصیت نامکمل رہ جاتی ہے۔ زیر نظر مضمون میں تنقید کا اصل اصول کیا ہے، اس کے لازمی اور مزید اجزا کیا ہیں اس پر مختصر سی بحث کی گئی ہے۔

۱۲۷۔ کلیم الدین احمد:

ادبی تنقید

(ہر نیمروز کراچی ۵۶ مئی ۱۲-۱۶)

تنقید وہ شعبۂ فکر ہے جو آرٹ کے اصل اور مقصد کا تجزیہ کرنے کا ایک واسطہ ہے۔ عام طور سے جب ادب میں لفظ "تنقید" استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد ادبی تنقید ہی لی جاتی ہے۔ تنقید تخلیق کا ساتھ بالکل چولی دامن کا ساتھ ہے۔ زیر نظر مضمون میں تنقید و اصول تنقید کے ساتھ ساتھ تنقید و تخلیق میں جو باہمی استوار رشتہ ہے اس سے بحث کی گئی ہے۔

۱۲۸۔ کلیم سہسرامی:

مانوس کی شاعری کے المیہ عناصر

(ساقی کراچی ۵۶ مارچ ۱۴-۲۱)

الطاف حسین نام اور مانوس تخلص ہے۔ سہسرام (بہار) کے رہنے والے ہیں اور عمر تقریباً ۴۵ سال ہے۔ ان کی شاعری میں رنج و الم اور حزن و یاس کا عنصر زیادہ ہے۔ تاہم یہ عنصر صحت مندانہ روش کا حامل ہے اور یہ خود مانوس کی زندگی و ماحول کی کربناکی سے پیدا ہوتا ہے۔ مانوس نے عشرت لکھنوی

شفق عماد پوری، صفی لکھنوی، جلیل مانکپوری، سیماب اکبرآبادی اور دل شاہجہانپوری سے استفادہ کیا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں کلام کا ایک مجموعہ سازِ الم کے نام سے چھپ چکا ہے۔

۱۲۹۔ گیان چند۔ ڈاکٹر:

امیر مینائی کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی "کارنامۂ عشرت"

(اردو کراچی، ۵۶، اپریل ۲۱۵ ۲۴۶)

اردو کے بعض بلند مرتبہ شعراء کا کلام یا اس کے بعض حصے اب تک پردۂ اخفا میں ہیں۔ ایسے شاہکاروں میں مصحفی کے سات دیوان، دیوانِ میر سوز، اور رنگین کی مثنوی دل پذیر سب سے پہلے نظر میں آتے ہیں۔ یہی کچھ حال امیر مینائی کی مثنوی "کارنامۂ عشرت" کا ہے جو اب تک ہمارے تذکرہ نگاروں کے علم میں نہیں ہے یہ مثنوی ۷۶۴ اشعار پر مشتمل ہے، نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۸۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ رامپور کے نواب کلب علی خاں کے بڑے لڑکے ذوالفقار علی خاں ولی عہد کی شادی کے موقعہ پر لکھی گئی ہے۔

۱۳۰۔ محمد احمد صدیقی ڈاکٹر:

ابوالعلاء المعری کا اثر مشرق اور مغرب میں

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ مئی ۳۵۹-۳۷۶)

ابوالعلاء المعری عربی زبان کا ایک نامور اور فاضل ادیب ہے۔ اس کی خداداد علمی قابلیت اور فطری ذہانت کی وجہ سے اس کی تصانیف کا معیار بہت اونچا ہے۔ اگرچہ وہ ایک ادیب کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوا لیکن فلسفہ بھی اسکی امتیازی خصوصیت ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے فلسفیانہ نقطۂ نظر نے ایک عالمگیر اثر مشرق و مغرب پر چھوڑا ہے اور عمر خیام سے لے کر دانتے اور ملٹن تک ہر ایک اس سے تھوڑا بہت متاثر ہے۔

✣ ✣ ✣

۱۳۱۔ محمد احمد صدیقی ڈاکٹر:

عربی شاعری و خیالات کا اثر پروفنساد اطالیہ کی شاعری پر

(برہان دہلی ۵۶ مئی جون ۲۹-۴۴)

آٹھویں صدی عیسوی کے وسط سے تیرھویں صدی عیسوی کے آغاز تک عربوں کی شاندار فتوحات اور علم نوازی تاریخ اسلام کا ایک زرین باب ہے۔ اس دوران میں مسلمانوں نے علوم کیمیا، فلسفہ، طب ریاضیات نجوم، موسیقی، زراعت اور جغرافیہ میں بڑی ترقی کی۔ ہر فن کے علماء و فضلاء بھی اسی عہد کے نمائندہ ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اسی پس منظر پر عربی شاعری و خیالات کا اثر پروفنساد اطالیہ کی شاعری پر کس طرح پڑنا ضروری تھا واضح کیا گیا ہے۔

(۲)

پروفنساد اٹلی اور دوسرے یورپی ممالک کے ادب و شاعری کا عربی شاعری، انداز، طرز وغیرہ سے مقابلہ کرتے ہوئے اور مثالیں دیتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اپنی عربی شاعری کا بہت گہرا اثر پروفنساد کے ادب شاعری پر پڑا ہے۔

۱۳۲۔ محمد باقر، ڈاکٹر:

اقبال اور معاشرہ

(ماہ نو کراچی ۵۶، اپریل ۳۵-۴۰)

اقبال نے جن مسائل پر غور کیا ان میں سے ایک معاشرہ یا معاشرہ کے کچھ رخ تھے، اس کے متعلق اقبال کے نظریات کیا ہیں انھیں ان کے کلام سے انتخاب کر کے پیش کیا ہے۔ مثلاً اسلام سے رہنمائی، قبائلیت کی مذمت، امومت، تعلیم و تربیت رہنما اور قائدین اور سرمایہ داری کی مذمت۔

۱۳۳۔ محمد حسن ڈاکٹر:

روایت و انفرادیت

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جنوری فروری ۱۲۳-۱۳۶)

ادبی روایت مذاق ہم عصر سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ فن کا

کا اس سے گہرا رشتہ ہے کہ وہ اس سے بکتا ہے اور پھر نئے افکار کے ابلاغ میں ان سے مدد لے کر روایات کی تشکیل کرتا ہے۔ فن کار جتنا زیادہ بیدار مغز ہوگا روایت اتنی ہی زیادہ صحت مند ہوگی۔

۱۳۴۔ محمد حسن عسکری:

کہانی کے روپ

(ساقی کراچی ۵۶ء مئی ۳ — ۵)

کہانی افسانہ و پلاٹ کے علاوہ ڈرامے اور ناول کی صورت میں بھی ملتی ہے البتہ اس کی پیش کش ہر جگہ مخصوص اور علیحدہ ہوتی ہے۔

۱۳۵۔ محمد حسن عسکری:

افسانہ

(ماہِ نو کراچی ۵۶ء جون ۷ — ۹)

افسانہ کی نہ کوئی مخصوص تعریف ہے اور نہ ہی اس کے بنیادی اصول ہیں۔ افسانہ ہر طرح آزاد ہے۔ اس کی ہیئت بھی متعین نہیں ہے۔ بعض افسانے کے لئے دلچسپ واقعات، بعض پلاٹ اور وحدت مکان، وحدت زمان اور وحدت عمل وغیرہ پر زور دیتے ہیں۔ اور کچھ اسے نثری ادب میں غنائیہ نظم کی حیثیت دیتے ہیں مگر سچ یہ ہے کہ اسے پابند نہیں کیا جا سکتا۔ ورنہ بہت سے اعلیٰ افسانے یہاں وہاں رد کرنے پڑیں گے۔ آزادی ہی اس صنف ادب کی جان ہے۔

۱۳۶۔ محمد شفیع:

ظفرنامہ اصمد اللہ مستوفی

(ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین لاہور ۵۸ء مئی اگست نومبر ۳۴ — ۴۰)

مشہور تذکرہ نگار صمد اللہ مستوفی کے ظفرنامہ۔ مثنوی کچھ اقتباسات دئے ہیں جو مفید معلومات کے حامل ہیں اور پہلے پہل شائع ہو رہے ہیں۔

۱۳۷۔ محمد صادق ڈاکٹر:

اردو کا پہلا صحافی

(ماہِ نو کراچی ۵۶ء جون ۱۰ — ۱۵)

مولوی محمد باقر ہی کے ذریعہ شمالی ہندوستان میں اردو صحافت نگاری کا آغاز ہوا۔ مولوی محمد باقر نے دہلی کالج میں تعلیم پائی۔ پھر سرکار انگریزی کی ملازمت اختیار کی۔ بعد میں مستعفی ہو کر صحافت شروع کی۔ دہلی اخبار کے علاوہ اخبار بینی کے بڑھتے ہوئے مذاق کے سبب مولانا نے ۱۸۴۵ء میں "مظہر الحق" نام کا دوسرا اخبار نکالا۔ ادبی موضوع پر پُر تکلف اور خبروں کے لئے سادہ نثر استعمال ہوتی تھی۔

زمانۂ غدر میں ان کو پھانسی دی گئی۔ اس کا تعلق اگرچہ مسٹر ٹیلر کے قتل سے گہرا معلوم ہوتا ہے۔ مگر قرین یقین نہیں کہ مسٹر ٹیلر نے ان سے غداری کی ہوگی۔ البتہ انگریزوں کے خلاف لڑنے کے سلسلے میں ایک اشتہار ان کے مطبع میں چھپا تھا جو پھانسی کی کافی وجہ ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں اخبار دہلی پر "اخبار ظفر" کا اضافہ دوران غدر میں کر دیا گیا تھا۔ اس سے باغیوں کی ہمدردی کا پتہ بھی چلتا ہے۔

۱۳۸۔ محمد عتیق:

جامِ جہاں نما — اردو کا پہلا اخبار

(آج کل دہلی ۵۶ء فروری ۴۳ — ۴۵)

"جامِ جہاں نما" (کلکتہ) ہندوستان کا دوسرا فارسی اور پہلا اردو اخبار تھا۔ اردو جام جہاں نما کا پہلا نمبر غالباً ۲۹ مئی ۱۸۲۳ء کو شائع ہوا ہوگا۔ اخبار صرف چار صفحہ کا ہوتا تھا اور اس کا سائز $\frac{20 \times 30}{8}$ تھا۔ اس کا اجرا یوں ہوا کہ فارسی جام جہاں نما کو یورپین خریداروں کے لئے دلچسپ، پُر لطف اور مفید بنایا جا سکے۔ اس میں جس اخبار سے خبریں لی جاتیں اس کا حوالہ دیا جاتا۔ تاریخ انگلستان اور اس ضمن میں بوناپارٹ کے محاربات وغیرہ ہوتے۔ ڈی کاسٹا کی شاعری بھی ہوتی۔ بعد میں متفرق مضامین بھی چھپے، تاریخ عالمگیری کا ترجمہ بھی بالاقساط شائع ہوا۔ اردو کا یہ پہلا اخبار چار سال آٹھ ماہ جاری رہ کر ۲۳ جنوری ۱۸۲۸ء کو بند ہو گیا۔

+ + +

۱۳۹۔ مختارالدین احمد

غالب کی ایک مہر

(آج کل دہلی ۷۶ء فروری ۲۲-۲۴)

حیدرآباد کے ایک ذاتی کتب خانہ میں "ذخیرہ دولت شاہی" (کتاب طب) پر غالب کی جو مہر ہے (اور جس کے بارے میں غلام رسول مہر اور مالک رام صاحب نے اطلاعیں دی ہیں) اس سے متاثل مہر معہ دوسری دو مہروں کے مقالہ نگار کو ذخیرہ مار برگ میں کلیات طالب کلیم کے ایک نسخہ میں ملی ہے۔ اس میں مہرولی شعر کے سوا اسید اسداللہ خاں غالب اور ۱۲۴۸ء کے اعداد درج ہیں۔ اسی کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ مہر اسداللہ خاں غالب شاعر و طبیب کی ہے۔ مزید یہ بتلایا ہے کہ پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی کے ایک عزیز کے پاس غالب کی مشہور مہر ہے: عقیق پہ خوبصورت حروف میں نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ کے الفاظ منقوش ہیں۔ کہتے ہیں نواب معظم علی خاں (بھوپال) کے پاس مرزا کا پیالہ موجود ہے۔

۱۴۰۔ مختارالدین احمد:

راجہ رام موہن رائے کا ایک اردو رقعہ (گارساں دتاسی کے نام)

(آج کل دہلی ۷۶ء جون ۳-۴)

راجہ رام موہن رائے کا لکھا ہوا ایک رقعہ جو انہوں نے گارساں دتاسی کو انگلستان سے لکھا تھا۔ اس رقعہ کا ترجمہ گارساں دتاسی کی تصنیف تاریخ ادبیات جلد دوم صفحات ۵۴۸-۵۵۲ (اشاعت دوم) میں بھی درج ہے۔

۱۴۱۔ مرتضیٰ حسین، سید بلگرامی:

عکسی زیارت

(آج کل دہلی ۷۶ء فروری ۲۹-۳۳)

مقالہ نگار نے بلگرام کی قدامت اور عظمت کے تذکرہ کے ساتھ صاحب عالم مارہروی اور صغیر بلگرامی کا ذکر کیا اور ان کی فہرستوں اور شاگردوں کی طویل فہرست دی ہے۔ یہ کچھ صاحب عالم اور صغیر بلگرامی کی نادر تصاویر کے سلسلے میں کیا ہے۔ یہ تصویریں رسالہ آج کل میں درج ہیں۔

۱۴۲۔ مسعود حسن رضوی:

انیس و دبیر

(فروغ اردو لکھنؤ ۷۶ء جنوری و فروری ۴۸-۵۵)

انیس و دبیر کے معرکوں کا میدان سب سے زیادہ وسیع اور ان کی مدت سب سے زیادہ طویل تھی۔ ایک طرف دونوں استاد ایک دوسرے کا جواب اور جواب الجواب کہتے رہتے تھے، دوسری طرف ان کے ماننے والے گروہ اپنے پسندیدہ استاد کے محاسن اور دوسرے کے نقائص ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیش کرتے۔ اعتراض کئے جاتے اور ان کے جواب دئے جاتے تھے۔ یہ دن رات کے ادبی معرکے عوام کی معلومات میں اضافہ اور ان کی شعری صلاحیت اور تنقیدی شعور کو بیدار کرتے تھے۔

۱۴۳۔ مقبول احمد سید:

کشمیری شاعری پر ایک نظر

(ماہ نو کراچی ۷۶ء مئی ۱۴-۱۶ و ۴۷)

فنون لطیفہ سماجی اقدار کی تاریخ ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم کاغذ پر بکھرے ہوئے الفاظ کو ایک عہد کی داستان سمجھتے ہیں۔ یہی حال کچھ کشمیری شاعری کا بھی ہے۔ اگرچہ کشمیری زبان اپنی گرامر اور رسم الخط وغیرہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے ایک مسلمہ زبان نہیں کہی جا سکتی پھر بھی موضوع کے اعتبار سے اس کی شاعری تصوف، رومان اور انقلاب کے جذبات سے مالامال ہے۔

زیر نظر مضمون میں کشمیر کی اسی شاعری اور چند نمائندہ شعراء کے کلام کی خصوصیات کا سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

⁂ ⁂ ⁂

۱۴۴۔ ممتاز حسین:

منشی پریم چند بحیثیت ناول نگار

(آج کل دہلی ۷۶ء مارچ ۳-۱۰)

اگرچہ پریم چند کا آرٹ اخلاقیات کا پابند ہے اور وہ روحانیت کے قائل ہیں اور بعض سماجی قدروں میں قدامت پسند بھی ہیں۔ ان کا آرٹ ترقی پسند ہے ان کی آئیڈیولوجی سماجی حقیقت کو بے نقاب کرنے میں آڑے نہیں آئی اور مارکسی نہ ہونے کے باوجود ان ترقی پسند عناصر کی حامل ہے جو جاگیردارانہ دور کی اشتراکیت اور انسان دوستی کی قدروں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پریم چند کے ناولوں کا مطالعہ یہی بتاتا ہے (باقی)

۱۴۵۔ ناصر کرنولی:

مدراس میں اردو

(آج کل دہلی ۷۶ء فروری ۴۴-۴۸)

مدراس کو شروع سے لے کر اب تک اردو سے دلچسپی اور شغف رہا ہے۔ ایک بڑی تعداد میں شاعر اور نثر نگار اس نے پیدا کئے، جن کے احسانات سے اردو ادب گراں بار ہے۔ مدراس کی یہ دلچسپی ہمنیوں کے زمانہ سے لے کر اب تک پائی جاتی ہے۔ صحافت نگاری میں بھی مدراس پیش پیش ہے اور اردو کا پہلا اخبار— عمدۃ الاخبار، مدراس سے جاری ہوا تھا۔ ۱۸۸۰ء تا ۱۸۹۰ء کا زمانہ مدراس میں اردو صحافت کے عروج کا زمانہ ہے۔ اردو ذوق و شوق کو فروغ دینے میں انجمن ترقی اردو (مدراس)، اردو سیمینار، مشاعرے اور دیگر شخصیتیں بڑا کام کرتی رہی ہیں۔

۱۴۶۔ نثار احمد فاروقی:

غالب کا طرز و اسلوب

(مہر نیمروز، کراچی ۷۶ء جون ۲۰-۲۳)

آل انڈیا ریڈیو دہلی سے نشر کی ہوئی تقریر۔ جس میں غالب کے طرز و اسلوب پر مختصر طور سے روشنی ڈالی ہے۔

۱۴۷۔ نثار احمد فاروقی:

آثر لکھنوی

(اپنے خطوط کے آئینے میں)

(بہ سلسلہ ماسبق)

(نگار لکھنؤ ۷۶ء جون ۶-۱۲)

مقالہ نگار نثار احمد فاروقی کے نام آثر کے وہ خطوط جو کشمیری محلہ لکھنؤ سے ۲۹ نومبر ۱۹۵۳ء سے ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء تک لکھے گئے۔ ان میں آثر نے اپنی تنقید اور اپنے تنقیدی نظریات سے بحث کی ہے۔ ۲۰ جنوری ۱۹۵۴ء کے خط میں میر و غالب کی بلند مرتبہ شخصیت پر بھی رائے زنی کی گئی ہے۔

(باقی)

۱۴۸۔ نجم الحسن صدیقی:

اردو تنقید کا ارتقاء

(فروغ اردو لکھنؤ ۷۶ء، اپریل ۶-۱۹)

اردو میں تنقید نگاری کا فن کچھ زیادہ قدیم نہیں اور اس سلسلے میں ہم مغرب کے خوشہ چین ہیں۔ زیر نظر مضمون میں اردو ادب کے تنقیدی ارتقاء کے ساتھ ان کے تنقیدی کارناموں سے بھی بحث کی گئی ہے اور بالآخر پروفیسر کلیم الدین احمد کے اس قول کی تردید کی گئی ہے کہ "اردو میں تنقید کا وجود محض فرضی ہے"۔

۱۴۹۔ ندوی حسن مثنی:

ریختی

(مہر نیمروز کراچی ۷۶ء اپریل ۴۷-۵۲)

ریختہ اور ریختی کے معنی ایک ہیں۔ ریختہ کا لفظ فارسی ہے اور اس کے معنی موزوں کے ہیں۔ اس زبان کے ابتدائی وجود کی ایک جھلک ہمیں سنائی غزنوی کے قصیدوں میں نظر آتی ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، امیر خسروؒ، سعدی دکھنی وغیرہ کے نام نامی نظر آتے ہیں جنہوں نے اس زبان کو پروان چڑھایا۔ زیر نظر مضمون میں ریختہ اور ریختی کے معنی میں جو اختلاف ہے اس کی وضاحت کے

ساتھ اردو شاعری کی عہد بہ عہد ترقی کا سرسری خاکہ پیش کیا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ اردو خواتین شاعر کی زبان سے بھی بحث کی گئی ہے۔

۱۵۱۔ ندوی عبدالسلام:

دلی اور لکھنؤ کی شاعری
اور
ایک کا اثر دوسرے پر

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ جون، ۴۴۶ - ۴۷۱)

نئے ادبی مسائل اور جدید تنقیدی رجحانات نے شعر و ادب کے نظریات میں بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود قدیم فنی مباحث اپنی جگہ مستقل ہیں۔ قدیم اردو شاعری کا دور مصحفی اور انشاء پر ختم ہوتا ہے اور شعرائے دور متوسط کا دور لکھنؤ میں آتش و ناسخ اور دلی میں مومن، غالب اور ذوق سے شروع ہوتا ہے لیکن اس دور کی سب سے زیادہ معرض بحث میں آنے والی شخصیت ناسخ کی ہے جس نے شعرائے قدیم کی روش کو بدل کر ایک نئی راہ کی بنیاد ڈالی اور اردو زبان کی ایسی اصلاح کی کہ مزید اصلاح کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ (باقی)

۱۵۱۔ نذیر احمد ڈاکٹر:

کچھ کتاب نورس کے متعلق
(۲)

(معارف اعظم گڑھ ۵۶، اپریل ۲۹۴ - ۳۰۷)

اس قسط میں چوتھے نمبر سے لے کر آخری نمبر ۱۲ تک ڈاکٹر زور نے کتاب نورس پر جو تنقید کی تھی ان کا مدلل و مفصل جواب اور آخر میں کہا ہے کہ اس میں غلطیاں بھی ہیں اور خامیاں بھی اگر کوئی صاحب اصلاح کریں تو نہ صرف مجھے ممنون کریں گے بلکہ اردو ادب کی بھی خدمت ہوگی یہ میری پہلی کوشش ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگ اس اہم کتاب کی طرف متوجہ ہوں۔

＊　＊　＊

۱۵۲۔ نصیر احمد راز:

اقدارِ مطلق

(اقبال لاہور ۵۶ اپریل ۸۶ - ۱۱۰)

تنقید کے دورِ جدید میں "قدر" اور "اقدار" کے الفاظ بہت عام استعمال ہونے لگے ہیں، ادب کا مطالعہ کرنے والے کے لئے یہ ایک مشکل امر ہو گیا ہے کہ وہ جہاں بھی لفظِ "قدر" پاتا ہے اس کے معنی کو متعین سمجھتا ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ہر تنقید نگار کے نزدیک اس کے معنی اور مفہوم میں یکسانیت نہیں ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی لفظ سے بحث کرتے ہوئے اس کا معنوی حیثیت سے تجزیہ کیا گیا ہے۔

۱۵۳۔ نورانی امیر حسن سید:

معرکۂ چکبست و شرر

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جنوری فروری، ۵ - ۸)

مثنوی گلزار نسیم کے سلسلے میں چکبست و شرر کے معرکے کو مکالمہ کی صورت میں پیش کیا ہے۔ اس میں حصہ لینے والے یہ ہیں۔ عبدالحلیم شرر، برج نرائن چکبست، منشی سجاد حسین، شوق قدوائی، حسرت موہانی، جلیل حسن جلیل اور وحید بلگرامی۔

۱۵۴۔ نورانی امیر حسن سید:

شعر و شاعری کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ جون ۲۴ - ۳۲)

قرآن و اسلام نے فحش اور لغو قسم کی شاعری کی مذمت کی ہے نہ کہ تمام شاعری کی۔ چنانچہ آں حضرت نہ صرف دوسروں کا کلام سنتے، داد دیتے یا اصلاح دیتے بلکہ خود بھی شعر کہتے تھے۔ اچھے شعر اور شاعر کی قرار واقعی تعریف کرتے۔ آپ کے صحابی اور بعد کے علمائے اسلام بھی شعر کہتے تھے۔ اگر ممانعت عام ہوتی تو پھر خود آپ یا صحابہ یا علمائے اسلام شعر کیونکر کہتے۔

۱۵۵۔ وزیر آغا:

بابائے طنز ——— اکبر الہ آبادی

(ماہ نو کراچی ۵۶ ستمبر، ۱۶ - ۴۸)

مگر یہ کہنا ممکن ہے کہ اکبر الہ آبادی نے اپنے طنزیہ کلام

کے لئے اسلوب کا سہارا لیا اور بیشتر موقعوں پر رعایت لفظی تصرف، تحریف، محاورہ اور انگریزی الفاظ کی آمیزش سے امداد طلب کی، تاہم یہ بھی ایک حد تک ان کی طنز کی نمود میں بھی معاون ثابت ہوئے۔ علاوہ ازیں اکبر کے طنزیہ کلام کا ایک بڑا حصہ ایسا بھی ہے جس میں اسلوب تو پس منظر میں چلا گیا ہے اور خیال کی شوخی یا مواد کا تیکھاپن ابھر کر ہمارے سامنے آگیا ہے۔ اکبر نے مغربی طور و تہذیب کی عمدہ اور قابل تقلید چیزوں کی مذمت کرکے اچھا نہیں کیا۔

۱۵۶۔ وقار احمد رضوی:

روایت و درایت

(نگار لکھنؤ ۵۶ء جون ۹ ۳۔ ۱۱)

روایت اور زندگی میں وہی نسبت ہے جو نکہت و گل میں۔ روایت اور درایت کا کائناتی تصور ہمیشہ ایک دوسرے سے متصادم رہا اور ہمیشہ روایت ہی نے ہمیشہ درایت پر فتح پائی ہے۔ تقلید اور روایت تقریباً ایک ہی چیزیں ہیں۔ زیر نظر مضمون ان ہی باتوں سے متعلق تفصیلی بحث کا حامل ہے۔

۱۵۷۔ ہاشمی نورالحسن ڈاکٹر:

انشا اور مصحفی کی معرکہ آرائی

(فروغ اردو لکھنؤ ۵۶ء جنوری و فروری ۱۸ ۲۶)

انشا اور مصحفی لکھنؤ میں سلیمان قدر کے دربار سے متوسل تھے۔ آپس کی چوٹیں وہیں شروع ہوئیں اور حد سے تجاوز کر گئیں۔ ان کی ہجوؤں میں زیادہ تر لفظ و محاورہ و بندش و تراکیب موضوع ہوتے تھے اور یہ ہجویں اکثر اوقات ادبی منصب سے گر گئی ہیں۔

* * *

آرٹ

۱۵۸۔ نفیسی نوشین خیرازی:

مغل آرٹ میں ایران کا حصّہ

(ہندستانی ادب حیدرآباد (دکن) ۵۶ء مئی ۱۵۔ ۱۶)

ایرانی اور مغل دونوں آرٹ دربار اور امراء کے آرٹ ہیں۔ تاہم مغلوں نے ایران سے صرف تکنیک ہی نہیں بلکہ موضوع بھی مستعار لئے اور راجپوتوں کے عوامی آرٹ کے پس منظر میں آگے بڑھایا۔

* * *

معاشرتی حالات

۱۵۹۔ چودھری ایم۔ ایس:

کراچی سے یورپ اور واپسی

(ساقی کراچی ۵۶ء مئی، جون، ۲۲۔۲۸، ۲۲۔۲۹)

(مسلسل) اس قسط میں فرانس کے تاریخی و تمدنی پس منظر بیان کرکے اس کا جغرافیائی اقتصادی مطالعہ علاوہ پیرس کے نواحی میدانوں کی کیفیت بیان کی ہے۔

اس قسط میں فرانس اور خاص طور سے پیرس کے مختصر حالات بیان کئے ہیں۔

۱۶۰۔ صدیقی محمد مظہر الدین:

انسانیت اسلام سے پہلے

(ثقافت لاہور ۵۶ء جون ۱۳۔ ۲۴)

اس مذہبی، سیاسی، اقتصادی اور تمدنی ماحول کو بیان کیا ہے جو اسلام سے پہلے دنیا میں پایا جاتا تھا۔

۱۶۱۔ ہاشمی نصیرالدین:

زبیدہ کے دیس میں

(ساقی کراچی ۵۶ء مارچ، مئی، جون ۳۲۔۳۷، ۳۲۔۳۸)

بغداد میں چار ماہ کے قیام میں مقالہ نگار نے عراق کو بہ ہر طور دیکھ لینے کی کوشش کی۔ چنانچہ اپنے سفرنامہ کو ان عنوانات کے ساتھ بیان کیا ہے: (۱) عراق کی قدیم اور جدید تاریخ، (۲) عراق کی زیارت گاہیں۔ (۳) شہر بغداد کی آبادی، ذرائع حمل و نقل، تجارت، مدارس اور کالج، کتب خانے، عجائب خانے، ہوٹل اور ریسٹورنٹ، سینما گھر اور کیا ہے۔ (۴) اہل بغداد کی معاشرت اور معیار زندگی۔

(۵) اخبارات (۶) عراقی مرد اور خواتین (۷) عراق میں امداد
(۸) عراق کے دیگر شہر اور (۹) ان کے ذاتی تاثرات۔ تاہم
ان کے بیان سے قبل عراق کے چند ہندوستانی احباب کا
تذکرہ کیا ہے

(۲)
موجودہ بغداد کی معاشرتی زندگی کا مختصر خاکہ بھی
کیا ہے۔

(۳)
اس قسط میں مضمون نگار نے بغداد کے تعلیمی اداروں
لائبریریوں کا مفصل ذکر کیا ہے۔

❖ ❖ ❖

تعلیمات

۱۶۲۔ ابوبکر بن ابراہیم:

بخارا کا ایک قدیم مدرسا "میر عرب"

(ہندستانی ادب حیدر آباد (دکن) ۵۶ مئی ۲۴-۲۵)

"میر عرب" بخارا (روس) کا ایک بہت ہی قدیم مدرسہ ہے۔ مسلمان پیشواؤں کی کئی نسلیں اس مدرسہ سے فارغ التحصیل ہو کر نکلی ہیں۔ یہاں لوگ صرف وسط ایشیا کے گوشے گوشے ہی سے نہیں بلکہ دوسرے علاقوں سے بھی تعلیم حاصل کرنے آتے ہیں۔ مذہبی تعلیمات کے ساتھ تاریخ، جغرافیہ، منطق وغیرہ کی بھی یہاں تعلیم دی جاتی ہے اس مدرسہ کی عمارت تاریخی قدر و قیمت کی حامل ہے۔ یہ سولھویں صدی کے ازبک معماروں کے فن تعمیر کا ایک شاندار نمونہ ہے۔ سوویت دور اقتدار میں بڑے پیمانے پر اس کی مرمت کی گئی۔ آج کل یہ مدرسہ وسط ایشیا اور قزقستان کے مسلمانوں کے مذہبی بورڈ کے ماتحت ہے۔

۱۶۳۔ ڈاکٹر بشیر احمد:

علم الاخلاق

(ثقافت لاہور ۵۶ جون ۲۲-۶۹)

مسلمانوں میں اخلاق مذہب ہی کا ایک جز رہا ہے چنانچہ الگ سے اس پر کبھی بحث نہیں کی گئی۔ موجودہ مقالہ میں قدیم یونانی اور جدید مغربی مفکرین کی تحقیقات کی روشنی میں اسلامی اخلاقی اصولوں کو علمی حیثیت سے سمجھنے اور پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

❖ ❖ ❖

۱۶۴۔ ریاست علی ندوی سید:

ہندوستان میں مدارسِ اسلامیہ کا پس منظر

(البلاغ بمبئی ۵۶ جون ۲۰-۲۴)

ہندوستان میں مذہبی تعلیم کے تدریجی ارتقاء پر مختصر بحث کرتے ہوئے مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کی بنیاد پر سرسری روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۶۵۔ سالک عبدالمجید:

اسلامی تعلیمات

(ثقافت لاہور مئی ۵۶ء ۴۸-۶۴)

توحید، رسالت، اور اخلاقیات سے متعلق اسلام کی تعلیم اور اس کے بارے میں قرآن میں جو احکام نازل ہوئے ہیں وہ آئیتیں ان کا ترجمہ اور تشریح۔

۱۶۶۔ محمد یوسف مرزا:

عربی مدارس کے نصاب کا مسئلہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ مئی ۳۲۵-۳۴۱)

ملتِ اسلام کے لئے اسلامی تاریخ اور اسلامی روایات کا علم بمنزلۂ قوی حافظہ کے ہے اور اہل اسلام کا تمام نظامِ زندگی اپنی قومی تاریخ اور ملی روایات سے وابستہ ہے زمانہ قدیم سے کہا جاتا ہے کہ "یوپی" عربی تعلیم کا مرکز رہا لیکن امتدادِ زمانہ کے ساتھ یہ مرکز بھی قریب الختم ہے۔ ضرورت ہے کہ ازسرِنو عربی مدارس کی تشکیل دی جائے اور باقاعدہ اور باضابطہ طور پر اس کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

❖ ❖ ❖

نفسیات

۱۶۷۔ عبدالباقی:

حیات پر ایک نظر
خیال کے غیر عقلی معینات

(معارف اعظم گڑھ ۵۶ مئی، ۳۷۷-۳۸۳)

زندگی اپنے نئے پہلوؤں کے مطابق علوم کے نئے نئے ذرائع کا پتہ چلاتی ہے۔ زمانۂ قدیم کے عقلی نظریات اکثر غیر عقلی عصبیت ہوکر رہ گئے ہیں اور زندگی کے تدریجی ارتقائی شعور کو ہم معین نہیں قرار دے سکتے بلکہ وہ برابر تغیر پذیر ہیں۔ اور آج جب ہم زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو واقعات کی روش اور وقت کی رفتار کو قدروں کی قدر و منزلت کا لحاظ کرنا پڑے گا اور مختلف قدروں کو مربوط ہوکر زندگی کی بہترین عکاسی کرنی ہوگی۔

نسائیات

۱۶۸۔ شاہد پروین:

اقبال کی نگاہ میں عورت کا مقام

(چراغ راہ کراچی ۵۶، اپریل ۴۲-۵۶)

قدیم دور تاریخ سے اب تک مردوں نے عورتوں کو جو درجہ اپنی شاعری میں دیا ان کا مختصر جائزہ لیتے ہوئے اردو غزل میں عورتوں سے متعلق جن جن خیالات و جذبات کا اظہار کیا گیا ہے ان کی مثالیں دیتے ہوئے آخر میں اقبال نے عورت کے بارے میں جن جذبات و خیالات کا اظہار کیا ہے انھیں مفصل بیان کیا ہے۔

فلسفہ

۱۶۹۔ خلیفہ عبدالحکیم۔ ڈاکٹر:

رومی اور مسئلہ وحدت وجود

(ثقافت لاہور ۵۶ مئی ۶-۲۳)

وحدت وجود کے مسئلہ پر ابتدا میں ہندو مذہب بدھ مت، یونانی فلاسفہ کے عقائد و خیالات کی تشریح کرنے کے بعد اسلام میں اس مسئلہ پر جن جن فرقوں اور افراد نے بحث کی ہے انھیں پیش کرتے ہوئے مولانا رومی کے نظریات و خیالات پیش کئے ہیں اس سلسلہ میں ان کی مثنوی سے متعدد حوالے دئے ہیں اور لکھا ہے کہ مولانا رومی وجودی اور شہودی تنازع میں وہ وحدت وجود کے مقابلے میں وحدت شہود کی طرف زیادہ مائل ہیں۔

۱۷۰۔ صدیقی محمد مظہر الدین:

مقام انسانیت

(ثقافت لاہور ۵۶ جنوری ۱۲-۲۴)

انسان کے مرتبہ اور حیثیت کے تعین کے مسئلہ کو تاریخ و فلسفہ کے نقاط نظر سے دیکھا اور پھر اسلامی مرتبۂ انسانی کا تصور پیش کیا ہے۔ (باقی)

۱۷۱۔ فاروقی برہان احمد ڈاکٹر:

اثبات وجدان

(ماہ نو کراچی ۵۶، اپریل ۳۲-۳۴)

فلسفہ میں ذریعۂ علم حقیقت کی حیثیت سے وجدان کا مقام ہے۔ آگے چل کر فلسفیانہ فکر کے تین مدارج عقلیت، حیثیت اور وجدان پھر ان کی تعریف، اور وضاحت۔ وجدان سے متعلق مجدد الف ثانیؒ کے خیالات و تصورات، اقبال نے جرمن فلسفی کانٹ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ وجدان دراصل بغیر حواس کی وساطت کے حقیقت کا ادراک ہے اس کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ وجدان ایک اور وجودی یعنی خدا کا بلا واسطہ ادراک ہے۔ اس ادراک کی تعبیر سے خدا کا علم حاصل ہوجاتا ہے دوسری خصوصیت اس سے کل کا ادراک کل اجزا کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ کل ایک وحدت ہے اور دوسری خصوصیات گنانے کے بعد ان کی وضاحت و تشریح۔

+ + +

وفیات

۱۷۲۔ ندوی معین الدین احمد شاہ:

مولانا اسلم جیراجپوری

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ جنوری ۲ - ۳)

اقبال سہیل کی وفات کا حادثہ ابھی تازہ ہی تھا کہ اعظم گڈھ کی ایک اور نامور شخصیت اٹھ گئی۔ مولانا محمد اسلم اعظم گڈھ کے مشہور گاؤں جیراجپور کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد مولانا سلامت اللہ جو جماعت اہل حدیث کے زبردست عالم تھے، انھیں نواب صدیق حسن خاں نے بھوپال بلوایا تھا مولانا کی تعلیم وہیں بھوپال میں ہوئی۔ تکمیل تعلیم کے بعد پیسہ اخبار کے علاوہ ادارت میں شریک ہوئے۔ پھر علی گڈھ کا لجیٹ اسکول، لٹن لائبریری اور مسلم یونیورسٹی میں خدمات انجام دیں اور جامعہ ملیہ کی تاسیس کے بعد اس سے متعلق ہوگئے اور تاریخ اسلام کے پروفیسر مقرر ہوئے اور آخر عمر تک اسی سے وابستہ رہے۔ مرحوم صاحب علم و نظر عالم تھے۔ تالیف و تصنیف کا ذوق بلند تھا۔ مختلف کتابوں میں تاریخ الامت بہت مشہور ہوئی۔

مضامین کا مجموعہ نوادرات کے نام سے کراچی میں چھپا تھا۔ شگفتہ اردو لکھتے تھے۔ قومی و علمی و تاریخی نظموں کا مجموعہ "جواہر ملیہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۵۵ء میں انتقال فرمایا۔

متفرقات

۱۷۳۔ خورشید احمد فارق ڈاکٹر:

جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) کی کتاب الحیوان

(برہان دہلی ۵۶ء، مئی جون، ۱۴۸-۲۲۸، ۳۲۳-۳۵۷)

کتاب الحیوان عربی زبان میں جانوروں سے متعلق پہلی کتاب ہے۔ اس کتاب میں بہت سے پرندوں، چرندوں، درندوں اور کیڑے مکوڑوں کے عادات و صفات اور خصائص بیان کئے گئے ہیں جو خود مصنف یا دوسرے ماہرین حیوانات نے مشاہدہ کئے تھے، اس کے ساتھ ساتھ اس ضخیم کتاب میں جانوروں سے زیادہ دوسری باتیں بیان ہوئی ہیں جن کو ہم ادبی، لغوی، لسانی عمرانی اور نفسیاتی عنوان کے تحت رکھ سکتے ہیں جاحظ کا دماغ اور قلم دونوں بہت تیز تھے۔ زیرنظر مضمون میں جاحظ کے طرز نگارش اور کتاب الحیوان کے بارے میں تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

(۲)

علامہ جاحظ متوفی ۲۵۵ھ کی کتاب الحیوان سے بعض کے سانپ۔ ہاتھی، ظربان نامی قطبی بلی کی خصوصیات، اور ان کے اخلاق و عادات بیان کرنے کے بعد کتاب کی ادبی خصوصیات بیان کی ہیں۔ آخر میں اجتماعی زندگی سے متعلق دو مثالیں پیش کی ہیں ایک تو مسیلمہ کذاب کی تین شعبدہ بازیاں، اور عبداللہ بن سوار بصرہ کے ایک حیرت انگیز قاضی صاحب کے اخلاق و عادات اور ان کا مثالی کیرکٹر بیان کیا ہے۔

۱۷۴۔ مسعود حسن پروفیسر:

کلکتہ میں ابن سینا کا جشن ہزار سالہ

(معارف اعظم گڈھ ۵۶ مئی ۳۸۴ - ۳۸۹)

انجمن ایران سوسائٹی کلکتہ نے مارچ ۱۹۵۲ء میں بڑے اہتمام سے ابن سینا کی ہزارویں سالگرہ منائی۔ زیرنظر مضمون میں اسی جشن ہزار سالہ کی ساری تفصیل پیش کی گئی ہے۔

۱۷۵۔ ملک شمس:

لاہور کا عجائب گھر

(ماہ نو کراچی ۵۶ مارچ ۵۴ - ۵۶)

لاہور کا عجائب گھر پاکستان بھر میں سب سے قدیم اور عظیم عجائب گھر ہے۔ اس کا آغاز ۱۸۶۴ء میں ایک صنعتی نمائش سے ہوا اور اس کی عمارت ۱۸۹۵ء میں تعمیر ہوئی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد مردہ جانوروں کا شعبہ الگ کرکے لاہور گورنمنٹ کالج کو دیدیا گیا اور اب یہ عجائب گھر صرف فنون لطیفہ اور آثار قدیمہ تک محدود ہے۔ اس کی چہار دیواری کے اندر مختلف قوموں، اور زمانوں کی تہذیبوں اور ثقافتوں کے عروج و زوال کی داستانیں ہماری بصارت

اڈیٹر: پروفیسر نجیب اشرف ندوی
پرنٹر پبلشر فضل اللہ فاروقی نے اجمل پریس پریس بلڈنگ ناگ جے بے اسپتال بمبئی ۳ میں چھپوا کر انجمن اسلام اردو ریسرچ
انسٹیٹیوٹ [illegible]

LIST OF SOME RARE BOOKS NOW AVAILABLE

قیمت	طباعت سنہ	صفحات	مطبع	مصنف	نام کتاب
Rs. 25	۱۹۰۱	۵٦۲	شمسی پریس	سید محمد حسن بلگرامی	دبدبہ امیری (سوانح حیات امیر عبدالرحمن خان کابل)
Rs. 35	۱۸۷۷	۵۹٤	نول کشور لکھنو	مفتی غلام سرور لاہوری	زبدۃ اللغات معروف بلغات سروری
Rs. 25	۱۹۲۱	۸٤۸	آرٹ پرنٹنگ پریس کانپور	مولوی محمد حسین آزاد	دربار اکبری
Rs. 50	۱۸۹۳	-	نامی پریس کانپور	خواجہ الطاف حسین حالی	دیوان حالی مع مقدمہ
Rs. 15		۵۵۲	آزاد بکڈپو لاہور	محمد حسین آراد	آب حیات (طبع دہم)
Rs. 10	۱۸۹٦	۲۳۹	محمڈن پریس علی‌گڑھ	خواجہ الطاف حسین حالی	حیات سعدی
Rs. 20	۱۸۹۷	-	جیمس اینڈ کولنڈن	میرامن۔ مرتبہ ڈنکن وفابس	باغ و بہار
Rs. 25	۱۸۵۵	۵۵۲	-	مقبول الدولہ احسان الملک مرزا محمد مہدی علی خاں مقبول	نتائج الذہن وفیضان الفکر
Rs. 10	۱۲۹۷ھ	۱۷۲	نظامی پریس	مرزا محمد بر بر علی بہادر ولد واجد علی شاہ	دیوان بربر
Rs. 100	-	-	-	مرزا غالب	دیوان غالب (غالب کی زندگی میں طبع ہوا)
Rs. 25	طبع اول	-	-	سید امدادام اثر	کاشف الحقائق جلد دوم
Rs. 40	-	-	-	-	آتش کدہ آذر (ناقص)

at:-

The Writers' Emporium Private, Limited, People's Building,
Sir Pherozsha Mehta Road, Fort, Bombay 1

Nawa-e-Adab

A QUARTERLY JOURNAL OF

THE ANJUMAN-I-ISLAM URDU RESEARCH INSTITUTE

Annual Subscription:
Inland & Pakistan: Rs. 4 (inclusive of postage)
Foreign: Shillings 8 ,, ,,

Vol. 7] October-December 1956 [No. 4

All remittances to be made to:

The Writers' Emporium Paivate Limited,
PEOPLES' BUILDING, SIR PHIROZSHAH MEHTA ROAD, BOMBAY 1.

Price per Copy:
Rupee One